



00000000

00000000

00000000 - 00000000

00000000 - 00000000. Start with 11 (maybe)

00000000 - 00000000. ~~Left~~ Less 1000 (maybe)

00000000 - 00000000 (maybe)

00000000 - 00000000

00000000 -





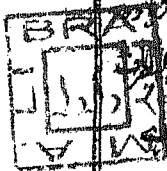
# CHECKED

Date .....

۲	۱۰	دستیہ	۱۰	۵۶	سفید بالور	سفید بالور	۱۰
۱	۱۱	۱۰ محسوس	۱۱	۶۱	مجبور بتانا	مجبور بتانا	۱۱
۵	۱۲	پایا نہیں	۱۲	۶۱	دندہ القصاص	دندہ القصاص	۱۲
۳	۲۱	مغصہ تھا	۲۱	۶۱	برائے عقلی	برائے عقلی	۲۱
۵	۶	تبتاک اس	۶	۶۸	اسی طرف	اسی طرف	۶
۱۲	۱۸	اور مطلق	۱۸	۶۸	وہی نہ ہو	وہی نہ ہو	۱۸
۱۳	۱۲	انکو مناسبتے	۱۲	۹۱	کسی	کسی	۱۲
۱۵	۱۵	تجسس	۱۵	۹۸	محل کا قاعدہ	محل کا قاعدہ	۱۵
۱۶	۱۰	کس قدر	۱۰	۱۰۳	سیدنگے	سیدنگے	۱۰
۱۸	۱۸	بھی چیزیں	۱۸	۱۰۵	شامل کرنا	شامل کرنا	۱۸
۲۳	۱۷	کچھ تہذیب	۱۷	۱۱۰	اسی طرح اپنی	اسی طرح اپنی	۱۷
۲۴	۳	اور الریت	۳	۱۱۱	بادی نظرسہ	بادی نظرسہ	۳
۳۱	۱۲	عیاشیوں	۱۲	۱۱۵	خاک کے ایک ذرہ	خاک کے ایک ذرہ	۱۲
۳۲	۱۰	اوگون	۱۰	۱۱۶	اپنے وجہات	اپنے وجہات	۱۰
۳۴	۱۶	مناسب ہی	۱۶	۱۱۷	کر سکتے ہیں	کر سکتے ہیں	۱۶
۳۵	۱۷	ان اوصاف کو	۱۷	۱۲۰	جسم ارادی	جسم ارادی	۱۷
۳۶	۳۰	استثنا	۳۰	۱۳۱	ڈائیلٹیکل	ڈائیلٹیکل	۳۰
۳۷	۳	پیداؤش	۳	۱۳۹	کسی طرح وجہ	کسی طرح وجہ	۳
۴۱	۱۸	اب فضول	۱۸	۱۴۲	کیون چسپان	کیون چسپان	۱۸
۴۲	۱۹	حاصل کرنا	۱۹	۱۴۴	کیون چسپان	کیون چسپان	۱۹
۴۳	۲۰	دور ہوتا	۲۰	۱۴۶	کیون چسپان	کیون چسپان	۲۰
۴۴	۱۸	بڑے بڑے زور	۱۸	۱۴۷	کیون چسپان	کیون چسپان	۱۸

اور اس طرح	اور اسی طرح	۱۰	۲۲۱	یہ سب ہوتا	یہ سب ہوتا	۲	۱۶۶
انکی بقا	ان کی بقا	۲۰	۲۲۱	داخل نہ دیا	داخل نہ دیا	۲	۱۶۸
بڑے کڑے تک	بڑے کڑے تک	۵	۲۲۲	نباتات سے	نباتات میں	۲	۱۶۸
اسی حد تک	اسی تک	۱	۲۲۵	دریائی اسباب	دریائی صنوں	۹	۱۶۰
وہی اوصاف	وہی اوصاف	۵	۲۲۸	اس میں نہایت	ان میں نہایت	۱۵	۱۶۵
میں انقلاب	میں انقلاب	۱	۲۲۹	تجربہ بھی	تجربہ ہی	۴	۱۶۹
سے ہیٹ ہونا	سے ہیٹ	۳	۲۳۰	ہاں کتنی ہیں	چوکتی ہے	۶	۱۸۱
ہیڑوں کو دیکھا	چیزوں کو	۵	۲۳۱	حیوان کی	انسان کی	۳	۱۸۶
بڑے بڑے عقلا	بڑے بڑے	۶	۲۳۲	کہ انسان	کہ انسان	۳	۱۸۸
خاک کی سبب داری	خاک کی سبب داری	۱۸	۲۳۳	یہ عالی ہستی	اصلی ہستی	۳	۲۰۱
میں عالم	میں یعنی عالم	۱۸	۲۳۵	کام عالی ہستی	کام عالی ہستی	۴	۲۰۲
قدیم سے ہر زمانہ	قدیم سے ہر زمانہ	۱۱	۲۳۸	اس قسم کی	اسی قسم کی	۱۶	۲۰۴
آتا کہ قاضی	آتا کہ سکھ قاضی	۱۶	۲۴۲	اسلئے مذہبی	اسی لئے مذہبی	۴	۲۰۴
عکس اور سایہ	عکس سایہ	۴	۲۴۳	پس	اس لئے	۷	۲۰۵
اشدا و سکے باہر گر	اشدا و باہر گر	۳	۲۴۴	قاعدے سے کہی	قاعدے کہی	۵	۲۰۵
حال میں انکا	حال آن کا	۷	۲۴۵	یہ حلقہ ہی	یہ حلقہ بھی	۱۰	۲۰۶
مگر یہ فضا	مگر فضا	۱۵	۲۵۱	امریکہ میں بلکہ تمام	امریکہ میں تمام	۵	۲۰۸
آپنے آگے	آپنے آگے	۷	۲۵۲	اور گھٹا نہیں ہو گا	اور گھٹا نہیں ہو گا	۱۳	۲۰۸
اور بعد بیت	اور بعد بیت	۱۱	۲۵۳	تجربہ سے دیکھتا	تجربہ ہی دیکھتا	۱۵	۲۱۰
کے ہم معدوم	کے ہم معدوم	۱۷	۲۵۴	یا بعض انسانوں	یا انسانوں	۵	۲۱۲
کا تصور	کا فرض تصور	۲۰	۲۵۵	عقل انسانی	عقل انسانی	۱۷	۲۱۳
میں اس وقت قابل	میں اس وقت قابل	۸	۲۵۵	ہوتی ہے کہ	ہوتی کہ	۵	۲۱۵

صفحہ	سطر	خطا	صواب	صفحہ	سطر	خطا	صواب
۲۵۷	۴	وجود پھر آیا	وجود پھر ٹھسرایا	۲۴۷	۱۷	بالکل اور	بالکل اور بالکل
۲۶۵	۱۱	اس غیر محدود	اسکا غیر محدود	۲۵۱	۲	کاش میں میں	کاش میں
۲۷۸	۱۹	وہی خداوندی	وہی ذات خداوندی	۲۵۲	۵	عمل سے نفرت کے	نفرت کے عمل سے
۲۸۷	۱۳	نفل جانیو لے	نفلے جانیو لے	۲۵۵	۱۶	یا تو یہ	یا تو یہ
۲۹۰	۲۱	اگر نور	اگر چہ نور	۲۵۷	۶	صداقت ہو قریب	صداقت ہو قریب
۲۹۱	۱۷	بہالت اگر برائی	بہالت برائی	۱۵	۱۵	اور اپنے	اور اپنے
۲۹۲	۱۹	میں عود ذات	میں خود ذات	۳۸۰	۱	سے چلے سود	سے آتے چلے سود
۲۹۳	۱۰	معدوم کر دیا	جاری کر دیا	۱۴	۱۴	گیا تھا اگر	گیا تھا تو ظلم ہوتا اگر
۳۰۲	۱۰	خط پر نہ آیا	خط پر کیوں نہ آیا	۲۹۷	۷	اور چنگہ	وہ چنگہ
۳۰۵	۲	ہمارا ہی فرض	ہمارا ہی فرض	۲۰۵	۸	یہی کا تہناب	یہی کا تہناب
۳۰۷	۱۱	کافر اور	کافرین اور	۲۱	۲۱	اور زیادہ پائدار	اور پائدار
۳۰۹	۱۱	جس سپر کی	جس چیز کی	۲۰۷	۷	شہادت کے نہ ہونے	شہادت نہ ہونے
۳۱۱	۲۱	کفر ہی کی	کفر کی	۲۱	۲۱	میں بھی استدلال	میں بھی استدلال
۳۱۲	۲۰	ان پر باتیں	ان سے باتیں	۲۰۹	۷	لطف اٹھائے	لطف اٹھائے
۳۱۳	۸	نہیں اور	نہیں رہتا اور	۳۱۵	۱	لوازم صحبت	لوازم صحبت
۳۲۵	۱۷	توجہ پیدا ہو کر	توجہ پیدا ہونے کو	۳۲۳	۲۲	اٹھوڑ ڈکائی	اٹھوڑ ڈکائی
۳۲۷	۱۳	برابر جو	برابر ہے جو	۳۲۵	۲	اپنی دونو	اپنی دونو
۳۲۹	۱۷	اس سے	اس میں سے	۱۸	۱۸	خوداک کی شکل	خوداک کی شکل
۳۳۲	۲	اپنی محبت	اپنی محبت	۳۲۶	۱۲	سائنس اپنا	سائنس نے اپنا
۳۳۶	۱۰	محبت کامل	محبت کامل	۳۳۱	۳	جانے والی قوت	جانے والی قوت
۳۳۷	۲۱	کا دیر ہے	کا دائرہ ہے	۳۳۲	۱۹	ایزا و متزل	ایزا و متزل
۳۳۹	۲	ایسا ہونا ضرور	ایسا ہونا ضرور	۳۳۵	۱۱	دلنے زیادہ	دلنے میں
۳۴۵	۵	وہیقت	وہیقت	۳۳۹	۲	مادی کی طرف	مادی کی طرف
۳۴۷	۱۷	اور رات کی	اور رات کی	۳۴۰	۸	سمجھا جاتا ہے	سمجھا جاتا ہے



صفحہ	سطر	خطا	صواب	صفحہ	سطر	خطا	صواب
۴۴۰	۱۳	توسے اور	قوی اور	۴۷۸	۶	بڑی برتری	بڑی ابدتری
۴۴۳	۴	ایک کھل	ایک نامکھل	۴۷۹	۱۰	حالات تو انہیں پر	حالات پر تو انہیں
۴۴۷	۱۱	فرق قسماں	فرق و قسماں	۴۸۰	۲۰	ٹھیک دکان	ٹھیک دکان
۴۵۱	۵	ماننے والے	ماننے والوں	۴۸۱	۵	کرے لگتی ہیں	کرے لگتی ہیں
۴۵۴	۱۵	اعتراف جو	اعتراف ہے جو	۴۸۲	۱	انکی حرارت	انکی حرارت
۴۵۶	۱۵	کے لئے ہی کہیں	کے لیے ہی کہیں	۴۸۶	۱۲	معرفت بانی	معرفت ربانی
۴۵۷	۳۱	کوئی اور اعلیٰ	کسی اور اعلیٰ	۴۹۰	۹	مال و مذہب	مال مذہب
۴۵۷	۸	بہت کم زور	بہت کچھ زور	۴۹۱	۲۰	حسن و سلوک	حسن و سلوک
۴۵۸	۱۱	حادثہ کی	حادثہ ہونے کی	۴۹۷	۳	بین نہیں سکتا	بین نہیں سکتا
۴۵۹	۶	انسان میں ابتداء	انسان ہی ابتداء	۴۹۸	۱۶	اس خیال اس	اس خیال سے اس
۴۶۳	۱۹	اجسام رکھی	اجسام میں رکھی	۴۷۸	۱۸	حاصل کرنے	حاصل کرنا
۴۶۴	۱۷	اگر دیکھنے	اگر دیکھنے				
۴۶۵	۱۳	کھاتا ہے	تنتا اٹھتا ہے				
۴۶۸	۳۱	ثبوت کا تنازع	ثبوت تنازع				
۴۶۹	۱۱	چاہے اس کا	چاہے اس کا				
۴۷۳	۱۱	روح ہی وہ	روح ہی وہی				
۴۷۴	۱۹	حواس و گرفت	حواس کی گرفت				
۴۷۸	۶	ہر وقت	ہر وقت				

فقط

## فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	نہیب فطرت میں ہی وجہ رکھتا ہے جو عقل ترقی		باب اول
۳۲	۱ دیگر وصف کو قائل ہے		نہیب اور فطرت
	۱ یاب دوم		نہیبی احساس کی قوت
۳۳	۲ تحقیق مذکور کے نتائج		نہیب کو نابود کرنیکی کوشش اور اسکا انجام
۳۴	۵ نہیب کی اصلاح و ترقی انسان کا اولین فرض ہے		نہیب کو پیدا کر نیکیا باب بھی فطری ہیں۔
۳۵	۶ کیا کوئی جذبہ فطرت کے تباہ کرنے کے قابل ہے؟		کیا نہیب استدلال سے پیدا ہوا ہے۔
۳۵	۸ جذبات فطری کے اثرات		نہیب کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں
۳۹	۱۰ غلط فہمی سے محروم رکھتی ہے		عقلی ترقی و نہیب روشن ہوتا گیا ہے
۴۰	۱۱ غلطی سے نقصان پہنچتا ہے		سائنس نہیب کی کیا خدمت بخلائی ہے
۴۰	۱۳ اخلاقی اذبال پر بھی یہی قانون مادی ہے		نہیب اور عقائد ایمان قوم
۴۲	۱۴ نہیبی محنت و غلٹی کے بارہ میں کیا قانون ہو چکا		نہیب کا مادی و دہیشہ ایک نہیں رہا
۴۵	۱۵ تمام مذاہب کو یکساں سمجھنے کی وجہ		ایک مادی و دہیشہ ہونے کی وجہ
۴۶	۲۱ نہیب کے بغیر اخلاق کا وجود ناممکن ہے		بعض قومیں نہیب سے معرہ ہیں
۴۷	۲۳ نہیب مالک کے اخلاق		اکثر شخصیات نہیب سے متاثر ہیں
۴۸	۲۴ مل کی تہذیب اور اسکا نقص		تہذیب کا اثر اور نیز استثنائیں بھی قانون قدرت ہے
۵۰	۲۴ نہیب عین اخلاق نہیں		لانہیب بھی اکثر کشتی کس طرح کا نہیب رکھتے ہیں
۵۱	۲۵ پابندی اخلاق نہیبی ترقی کا زریعہ ہے		نہیب کی تعریف
۵۱	۲۷ مختلف مذاہب ایک دوسرے سے بہتر ہیں		ایک دہرہ کے قول میں نہیبی نشان
۵۳	۲۸ نہیب کی تہذیبی ترقی		در فہم نہیبی کشتی کے چند اور نمونے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۲	نسخ شرائع	۵۷	بہشت انبیاء
۹۳	احکام شریعت کے فائدے حقیقت میں تجربہ سے		باب سوم
۹۳	معلوم ہو سکتے ہیں	۵۹	یسا وحی
	تعلیم کے علاوہ نبی کا امت میں کچھ عرصہ تک کے بعد	۵۹	کیا وحی انسان کا اپنا فعل ہے؟
۹۶	رہنما ضرور ہے	۶۰	مشر پارکر کا خیال
۹۸	سلسلہ ارشاد و ہدایت کی ضرورت	۶۱	روحانی حواس
۹۹	وحی اور الفاظ	۶۲	کشف کی چند مثالیں
	باب چہارم	۷۱	یقین حاصل ہونے کی عقلی اور قلبی صورتیں
۱۰۳	ملائکہ - معراج - معجزہ	۷۵	خدا کو ماننے کے دو طریق
۱۰۳	ملائکہ	۷۵	جذبات اور استدلال کی آمیزش
۱۰۴	روحانی مناظر	۷۶	استدلالی یقین انسان کی اپنی ترقی ہے
۱۰۶	روحانی مناظر کا قاعدہ	۷۷	عقل نہیب کو پیدا نہیں کر سکتی
۱۰۸	قوائے قدرت کے عمل کا قاعدہ	۷۸	نہیب کے تین مقام ہیں
۱۰۸	واقعات عالم کا عام قاعدہ	۷۹	تجربہ بین قوی عامل ہوتا ہے اور ضعیف معمول
۱۰۹	نتیجہ	۸۲	وحی بن خدا عامل ہوتا ہے اور انسان معمول
۱۱۱	ارواح مجبورہ کی نسبت مشرکائے کی رس	۸۴	نبی اگرچہ بہت ہیں مگر تمام انسان نبی نہیں ہو سکتے
۱۱۳	مسیح فیکے کا استدلال	۸۵	استعداد وین تفاوت درجات کا ہی یا فرق کا؟
۱۱۵	جنات اور شیطانی وحی	۸۷	تفاوت حالات
۱۱۹	معراج کے متعلق تہیہ	۸۸	انبیاء کی ضرورت
۱۲۰	دل ابدل بہیت	۹۰	الہامی کتابوں کی ضرورت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۸	روحانی اثر اس زمانہ میں کتنا نظر آسکتا ہے۔	۱۲۳	قلبی رابطہ سے کسی اقدہ کا کمال ہو پر روح اپنی تئیں
۱۵۰	معجزہ۔	۱۲۵	وہ ان موجود سمجھتی ہے۔
۱۵۲	یقین کے لئے کسی اقدہ کا ثبوت ضرور ہے نہ کہ	۱۲۸	روح کے لئے فاصلہ کوئی چیز نہیں
۱۵۳	سبب کا دریافت ہوتا۔	۱۲۹	معراج کی ایک توجیہ
۱۵۵	روحانی طاقتیں ہر تہا بہ حد کی زبان سے	۱۳۰	معراج کے متعلق ایسی کچھ اور بھی تہ چلتا ہے۔
۱۵۶	معراج حیاتی۔	۱۳۱	روح کا اثر جسم پر۔
۱۵۷	روحانی عمل کے لئے قاعدہ کی تعلیم ضروری نہیں	۱۳۲	روحانی اثر سے جسم میں تئیں پیدا کرنا۔
۱۵۸	باب پنجم	۱۳۳	روحانی اثر سے مردہ جیسا جس کیا جاسکتا ہے۔
۱۵۹	معراج اور معجزہ کے متعلق مزید توضیح اور معجزہ کا فائدہ	۱۳۴	روحانی اثر سے جسم میں ارادی حرکت پیدا کرنا
۱۶۰	معجزہ سلسلہ علت و معلول کے تحت ہو	۱۳۵	روحانی اثر سے جسم کا یہ ارادہ حرکت کرنا۔
۱۶۱	اسلام اور قانون قدرت	۱۳۶	اس طاقت کا انکار ادا رکھنا
۱۶۲	معجزہ خدا کی طرف کیوں منسوب ہوتا ہو	۱۳۷	میزان حرکتیں۔
۱۶۳	قرب کی طیف ہو اسباب و علل کی تفصیل پر	۱۳۸	انسان کی حرکت اور راگ کا تجربہ۔
۱۶۴	ہایت کی غرض فوت ہو جاتی ہو۔	۱۳۹	سہولت کر کے کے تجربے۔
۱۶۵	نام واقعات کے اسباب معلوم نہیں ہو سکتے	۱۴۰	ڈاکٹر سپیڈ کے تجربے مشرور کے متعلق۔
۱۶۶	سبب معلوم نہ ہونے پر عقل کیا عمل کرتا ہو	۱۴۱	روحانی عمل کیلئے اس کی مناسب ہو۔
۱۶۷	نفس کا عمل کیا ہے؟	۱۴۲	روحانی اثر سے جسم کی حرکت ناقابل انکار ہو۔
۱۶۸	معراج کے متعلق کیا یقین ہونا چاہئے	۱۴۳	روحانی اثر سے حرکت پیدا ہونے کی وجہ معلوم ہو
۱۶۹	بالہوم معجزہ کے متعلق یہی یقین کافی ہے	۱۴۴	ارادہ سے حرکت پیدا ہونے کی علت یہی معلوم ہے۔
۱۷۰	معجزہ کو دعویٰ ثبوت ہو کیا تعلق ہے	۱۴۵	جسم کا جسم کی حرکت دینا ہی ایک راز ہے۔



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	<b>باب ہفتم</b>	۱۶۷	معجزہ خاص حالات میں منسب ہوتا ہے
۲۰۳	.. .. مختلف مذاہب پر نظر	۱۶۹	بنی اسرائیل کی مکہ وری اور انکی وجہ
۲۰۴	.. .. دنیا کی موجودہ صورت	۱۷۲	دائمی سبکے لیے معجزہ کے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے
۲۰۵	.. .. کیا یہ صورت ہمیشہ سے ہے	۱۷۴	عقلی ثبوت پر اعتراض اور اسکا جواب
۲۰۷	.. .. مادہ کی ابتدائی شکل	۱۷۷	عقل مختلف مذہب کی ترابع میں فیصلہ دے سکتی ہے
۲۰۹	.. .. وہ خیال جو ہر تہا بھکیر فہم سبب ہے	۱۸۰	عقلی ترقی سے مذہب کو احکام ہوتا ہے
۲۱۰	.. .. میری بین اور پسر کی بحث		<b>باب ثامن</b>
۲۱۲	.. .. مادہ کا خود بخود عمل کرنا	۱۸۳	ختم نبوت
۲۱۳	.. .. وحدت وجود مادی	۱۸۳	بلکہ اسے معرفت کی دو قسمیں ہیں
۲۱۷	.. .. ایک سے زیادہ چیزوں کا قدیم ہونا	۱۸۴	بظاہر ختم نبوت ممکن نہیں
۲۲۰	.. .. وحدت وجود روحانی	۱۸۴	فیضان وحی لا کھٹا اور بیواسطہ
۲۲۱	.. .. عالم کا ہر ایک انیسری مصلحت پر مبنی ہے		اگر ترقی کرے تو اسے اپنی حد امکان تک پہنچ گئے ہیں
۲۲۲	.. .. پاک و ناپاک کیوں ہوا	۱۸۵	آئندہ قانون ارتقا کا بند ہو جانا ضرور ہے
۲۲۳	.. .. مطلق حقیقت کے سلسلہ میں نہیں	۱۸۸	انسانی علم صرف تعلقات تک ہوتا ہے
۲۲۳	.. .. علم غیر فطری کے پیدا نہیں ہو سکتا		مذہب ہی محض خالق و مخلوق کے تعلقات بتانے کا
۲۲۶	.. .. وحدت وجود کیلئے کیا تشبیہیں ہو سکتی ہیں	۱۸۹	درعی ہے
	<b>باب نهم</b>		
۲۲۸	.. .. پیدائش	۱۹۳	ختم نبوت اور پسر
۲۲۸	.. .. نیست ہو سکتا ہونا	۱۹۶	ختم نبوت اور پاکر
۲۲۸	.. .. کیا نیست ہو سکتا ہو سکتی کوئی نظیر موجود نہیں	۱۹۹	اعلیٰ اطلاق کیا ہو سکتے ہیں ؟

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶۹	پیدائش کے متعلق مذہبی شبہات تین ..	۲۲۹	نظیر کی تلاش میں کوتاہی ہوئی ہے ..
"	"	۲۲۹	خیالی مخلوق نظر آسکتی ہے
۲۷۱	بائبل کی شہادت ..	۲۲۹	خیالی مخلوق قابل اس اور روزنامہ ہوتی ہے
۲۷۲	قرآن کی شہادت .. اول - دوم - سوم - چارم - پچھم	۲۳۰	خیالی مخلوق دوسروں کو بھی محسوس ہوتی ہے
۲۷۴	وحدت وجود کا نقلی استدلال ..	۲۳۳	نیت، ہمت، کرمو اس میں شعور کی صفت ہونی چاہئے
۲۷۹	"	۲۳۵	خیال کی پیدائش وہی دھماکہ تھی جو چھوٹی مخلوق میں
۲۸۰	انسانی انواع کا خدائی افعال ہونا ..	۲۳۶	مفلول حادث اور علت قدیم ..
۲۸۲	خدا کا ہر عکس حاضر و غاظر ہونا ..	۲۳۶	وحدت شہود ..
	<b>باب وہم</b>	۲۳۶	"
۲۸۳	غیر مشہد اور تقدیر ..	۲۳۶	علم کیلئے کوئی معلوم ہونا چاہیے
۲۸۵	غیر مشہد کے متعلق مختلف رائیں ..	۲۳۷	علم کس کس چیز کا ہو سکتا ہے ..
۲۸۵	شرارہ یاروچ کی طرف سے ..	۲۳۷	خدا کا علم کیونکر خیال میں آ سکتا ہے ..
۲۸۵	شرع و فطرت کے درمیان سے پیدا ہوتی ہے ..		خدا کی سہیلگی اور زمانہ و فضا کی نسبت اعتدال اور
۲۸۶	ہدی کی اصلیت عدم ہے ..	۲۳۷	اسکی تحقیق ..
"	نیچر کی بعض برائیاں اور انکی اصلیت	۲۳۷	خاص سے عام کی طرف جانا قانون قدرت ہو ..
۲۸۷	نیچر کی برائیاں	۲۳۷	خدا کو ماننے والے انسان ذلیل ہو جاتا ہے ..
۲۸۹	ہدی مادہ کی ترقی جو درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے		مشرک برٹلا کا اعتدال اور دنیا میں چیز کی کمی پیدا ہوتی
۲۹۰	غیر مشہد کی طرف سے آسمان میں ترقی بتدیج ہوتی ہے	۲۳۷	نہیں دیکھی ..
	عدم سے وجود ..	۲۳۷	ثبوت ماریتالی کے ضعیف کر دینے کے اسباب ..
۲۹۲	ہے اور ہر حال میں عدم کا اثر یعنی ہدی نمایاں ہوتی ہے	۲۳۷	لامحدودیت ..
۲۹۲	ہدی پہلی چیز کا پہلے سے یا ہدی حقیر ہے		<b>باب</b>

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۵	ان خیالات میں سے بعض کو بعض پر ترجیح ہے	۲۹۵	ان خیالات میں سے بعض کو بعض پر ترجیح ہے
۲۹۷	تذریجی ترقی کے سوا عقل کوئی اور صورت پیش نہیں کر سکتی	۲۹۷	تذریجی ترقی کے سوا عقل کوئی اور صورت پیش نہیں کر سکتی
۲۹۸	بہی سول حل نہیں ہوا۔	۲۹۸	بہی سول حل نہیں ہوا۔
۳۰۰	کبدین کا جواب	۳۰۰	کبدین کا جواب
۳۰۲	ایکایک موقع پر کیوں کا جواب دینا ضرور ہوتا ہے	۳۰۲	ایکایک موقع پر کیوں کا جواب دینا ضرور ہوتا ہے
۳۰۲	ایک اور موقع پر کیوں کا جواب دینا نہیں جاسکتا	۳۰۲	ایک اور موقع پر کیوں کا جواب دینا نہیں جاسکتا
۳۰۳	ایک اور موقع پر خاص غائب کیوں کا جواب دینا نہیں	۳۰۳	ایک اور موقع پر خاص غائب کیوں کا جواب دینا نہیں
۳۰۴	خیر و شر کی وجہ نہ معلوم ہر شے وجود باری کا یقین	۳۰۴	خیر و شر کی وجہ نہ معلوم ہر شے وجود باری کا یقین
۳۰۴	زائل نہیں ہوتا	۳۰۴	زائل نہیں ہوتا
۳۰۵	سب کچھ مثبت ربانی سے ہوتا ہے	۳۰۵	سب کچھ مثبت ربانی سے ہوتا ہے
۳۰۷	خدا نے نیک اور بد دونوں سے بنائے ہیں	۳۰۷	خدا نے نیک اور بد دونوں سے بنائے ہیں
۳۰۷	اسی میں عکس ہے۔	۳۰۷	اسی میں عکس ہے۔
۳۰۹	خدا نے ہر کیفیت میں ترقی کی قابلیت رکھی ہے۔	۳۰۹	خدا نے ہر کیفیت میں ترقی کی قابلیت رکھی ہے۔
۳۱۰	جب کیفیت کا سبب موجود ہوں اس کو خدا نہیں کہتا	۳۱۰	جب کیفیت کا سبب موجود ہوں اس کو خدا نہیں کہتا
۳۲۰	خدا نے سوائی کو تو جب پیدا کر لیا ہے سبب قرار دیا ہے	۳۲۰	خدا نے سوائی کو تو جب پیدا کر لیا ہے سبب قرار دیا ہے
۳۲۲	خدا نے سوائی کو نیک اور بد دونوں ترقیوں کا باعث گردا	۳۲۲	خدا نے سوائی کو نیک اور بد دونوں ترقیوں کا باعث گردا
۳۲۴	ہدایت اور ضلالت خدا کی طرف سے ہے	۳۲۴	ہدایت اور ضلالت خدا کی طرف سے ہے
۳۲۸	خدا کے علم میں سب کچھ ہے	۳۲۸	خدا کے علم میں سب کچھ ہے
۳۳۰	خدا نے انسان کو قوت فیصلہ عطا کی ہے	۳۳۰	خدا نے انسان کو قوت فیصلہ عطا کی ہے
۳۳۱	انسان نہ مجبور محض ہے اور نہ مختار کامل	۳۳۱	انسان نہ مجبور محض ہے اور نہ مختار کامل

## باب یازدہم

توبہ، استغفار، دعا و شفاعت وغیرہ

حرکت بازگشت

گناہ اور ثواب کی حقیقت اور توبہ کی وجہ

حقوق اللہ اور حقوق العباد

ایمان اور گناہ کفر اور نیکی کا اجتماع

اصولی اسباب اور معاون اسباب

غائب و ثواب کے اصولی اور معاون اسباب

ایمان اور نیکی

استغفار

آرزو و رحمت

محبت صلوات

وعا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۹۶	جواز نہیں دہ ابدی ہی نہیں، اسکی تحقیق	۳۷۱	شفاعت
۳۹۸	ہر انقلاب پر ترقی ہوتی آئی ہے۔	۳۷۳	ترغیب کا فائدہ
۴۰۱	منہجہ ہر ترقی کی سبیل	۳۷۴	محبت کا فائدہ
۴۰۳	مشکلات کی ہر فکری قوت و صفہ پر منحصر ہے	۳۷۵	محبت کا فائدہ
۴۰۶	تخصیص قیام ہر فکری دھار و روح کا وجود	۳۷۶	روح کا فائدہ
۴۱۰	تمام فکری اجسام عینہ زندہ نہیں ہونگے	۳۷۸	کبھی شفاعت کے خیال سے غور پیدا ہوتا ہے
۴۱۲	حیوانات جزا و سزا پائیں گے	۳۷۹	کبھی شفاعت سے کوشش کی جاتی ہے
۴۱۴	ترقی کا اثر راحت و تکلیف پر		<b>باب دوازدہم</b>
۴۱۶	ترقی کرنے والوں کے دوسروں کو کیا فائدہ پہنچایا۔	۳۸۲	جزا و سزا کا دوام
۴۱۷	تربیت کا فائدہ	۳۸۳	ترقی دہی کا دل ہے
۴۱۹	اصلاح حکومت کا فائدہ	۳۸۴	اپنی مہم اور پیسے مہم
۴۲۰	سہولت نقل و حرکت کا فائدہ	۳۸۵	تاسع کی صورت میں ہی بیان کا اثر بدل نہیں سکتا
۴۲۱	وسائل آمد و پیام کا فائدہ	۳۸۶	عالم ہرگز
۴۲۲	رحمت و مسرت کی آرزو برآئیا ہی کوئی موقع نہ پاتا	۳۸۷	روحانی مسقات
۴۲۳	رحمت و نعم مکمل کیونکر ہوگا	۳۸۸	غور و فکر روح کی دفت نہیں
۴۲۴	آئندہ ترقی کے وسائل	۳۹۱	بدھ اور سچ کی مثال
۴۲۵	فرس اور انرجی کے مختلف مظاہر	۳۹۲	کمال کی پہونچنے کی سبیل
۴۲۶	سائنس کے مسلمات کو استدلال و قیاس پر تک باکتی ہے	۳۹۳	خدا کی قدرت سے ہی انکار نہیں ہو سکتا
۴۲۷	ترقی کے مختلف درجات میں خدایہ اور انرجی کی شکل		<b>باب سیزدہم</b>
۴۲۸	بدلتی جاتی ہے	۳۹۴	قیامت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۶۴	انسانی خیالات کا انگریز اور	۴۲۹	آئینہ انقلاب میں ترقی اور ہی اعلیٰ ہونی چاہیے
۴۶۵	جذبات کا اثر جسم پر	۴۳۰	آئینہ ترقی معرفت میں ہوگی
۴۶۵	جذبات کا اثر عقل پر		آئینہ ترقی کیلئے جو سامان ہونا چاہیے وہی عالم میں
۴۶۸	دولت و ملک اختلاف کیلئے ضروری اسباب ہو سکتے ہیں	۴۳۲	ہیکر دیگیا ہے
۴۶۸	خدا کی خالقیت اور روح کی قدیمت غیر مسلمائیت کا تقاضا	۴۳۳	آئینہ ترقی غیبی علم و روح ہوگی
۴۶۰	چاند سورج اور مادہ کے بار بار آئینے تنازع کا ثبوت	۴۳۵	روح و جسم میں کبر ترقی کر سکتی ہے
۴۶۳	سفر طوطی تین دلیلیں تنازع پر	۴۳۷	ارواح کیلئے مادہ کی کمی نہیں
۴۶۴	تیسری دلیل سے تنازع کو قلعہ نہیں	۴۳۹	آئینہ ترقی میں اجسام کی حالت
"	دوسری دلیل و طرح سے ناقص ہے	۴۴۱	حشر کے متعلق اسلامی تعلیم
۴۷۵	خداوند کا پیدا ہونا عام قاعدہ نہیں	۴۴۲	آئینہ ترقی میں جو خاص باتیں ہیں
۴۷۸	خدا کا خدا کیلئے آفرینگی اور ترقی پوری نہیں ہو سکتا		باب چہارم
۴۸۰	عقل اور روح کا جسم میں اختلاف عقل ہے	۴۴۹	حشر روحانی اور تنازع
۴۸۲	روحیات کی ترقی سے زمین ترقی ہوتی جاتی ہے	"	حشر روحانی
۴۸۶	قانونی ترقی کا اثر نیچے کے درجات و فانی ہونا چاہیے	۴۵۱	بہشت اور اس کا سامان
۴۸۷	عبادت کا مفید طریق	۴۵۳	بہشتی عورتیں
	و غیر یہ سب اعتدالی کو مذہب جو عقل کی طرح ہر اکابر		تنازع
۴۹۰	اس لئے کہ جہان کے کاروبار مذہبی ترقی کے سائل ہیں	۴۵۷	اختلاف حالات اور تنازع
۴۹۱	مذہب کی ترقی اپنی ترقی میں ترقی کا اثر ہے	"	کئی وجہ اختلاف ہو جالی نہیں ہو سکتا
۴۹۲	مذہب کی ترقی اپنی ترقی کا اثر ہے	۴۵۹	روح جسم سے پہلے موجود نہیں ہوتی
۴۹۴	مذہب کے ترقی کا اثر ہے	۴۶۳	بعض پیدائشی میلان مختلف ہوتے ہیں
	اختتام	۴۶۳	اثر پیدائشی عورتیں
۴۹۵	مقدارہ اور ریاضت کی ضرورت	"	عام طور پر اثر کا تفاوت
۴۹۷	خدا کا ایک پہلو ہے کیلئے پاکیزگی کی ضرورت ہو		
۴۹۸	پاکیزگی دل کی ہوتی ہے		
۴۹۹	نور سے دل صاف ہونے میں شک نہیں		
۵۰۰	گناہ کی لذت کو ترک کرنا اور ماریش کی تکلیف اٹھانا کفارہ		
۵۰۱	دوسرے کی تکلیف اور صاف نہیں ہو سکتا		
۵۰۱	خداوند کا پہلو ہے اور اس سے کفارہ کی تکلیف اٹھانی کی ہوتی		
۵۰۱	ضرورت نہیں		
۵۰۱	دنیا میں مادی کی ضرورت ہے		
۵۰۲	مذہب کا پہلو ہے اور اس سے کفارہ کی تکلیف اٹھانی کی ہوتی		
۵۰۲	کئی اختلاف سے اس کے کفارہ کی تکلیف اٹھانی کی ہوتی		
۵۰۳	اختلاف ان کو کیلئے کفارہ کی تکلیف اٹھانی کی ہوتی		
۵۰۴	اختلاف کے بعد کفارہ کی تکلیف اٹھانی کی ہوتی		



۷۷۹

۲۶۴۶

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنَّ هَدَانَا اللَّهُ هُوَ  
 لَقَدْ جَاءَتْ مُسْئِلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ  
 الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَالنَّسَاطِيقِ الْأَوَّلِينَ مِنَ الْهُمُكِاجِرِينَ  
 وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوا أَهْلَهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ  
 فِي زَمَانِهِ قَوْمٌ مِنْ أَيْكِ طَرَفٍ أَيْسَهُ لَوْكَ مَوْجُودِينَ جَوْدِهِ سَبْحَتِ وَكَلَامُهُ كَوْغِيهِ ضَرُورِي  
 تَصَوُّرِ كَرْتِهِ مِنْ تَوَدُّوسَرِي جَانِبِ أَيْكِ كَرْدِهِ نَهْضَتِ أَصُولِ نَدَبِ مِنْ بَلَاكِ اسْكِيهِ فُرُوعِي مَسَائِلِ  
 مِنْ بَحْثِ رُودِ قَوْجِ كَاعِدِ سَعِي زِيَادِهِ اِهْتِمَامِ كَرْتِهِ هُوَ - اَوْرَايَكِ اَوْرَفَرْتِهِ فُرُوعِي بَحْثِ كَوْغِيهِ ضَرُورِي جَانِبِ  
 هُوَ كَرْمِ ضَرُورَتِ مَحْسُوسِ كَرْتِهِ هُوَ كَبَسِ طَرَحِ أَيْكِ زَمَانِهِ مِنْ فِلْسَفِي عِلْمِ كِي اِشَاعَتِ بِرَحَابَتِ نَدَبِ  
 مِنْ عِلْمِ كَلَامِ اِسْجَادِ مَوْجُودِ اِتِّحَادِ جَدِيدِ طَرَزِ اِتِّحَادِ اَوْرَتَا زَهْ اَعْلَى اِنْتِشَا فَوْجِ كِي اَثَرِ سَعِي جَوْعَلَطِ اِهْمِي اِهْمِي  
 نَدَبِ مِنْ پِيَا مَوْجُودِ هُوَ اِسْ كَلَامِ تَذَارُكِ كَرْتِهِ كَيْلِيهِ جَدِيدِ عِلْمِ كَلَامِ مَرْتَبِ مَوْجُودِ اِحْيَا هُوَ  
 مِيرِ دَلِ پَرِ پِلَهِ فَرِيقِ كَا اِخْتِيَالِ اِثَرِ مَبْنِي كَرْتِهِ اَوْرَا اِسْ كِي اِهْمِي وَجْهِ شَايِدِ هُوَ هُوَ كِي مِنْ نَدَبِ  
 كُو اِسْ اَضْرُورِي سَجْمَتَا هُوَ كِي اِسْ پَرِ كَارِيهِ مَوْجُودِ اِنْسَانِي كَيْلِيهِ نَدَبِ اَدْوَنِ سَعِي بَرْدِ كَرْمِيهِ هُوَ

اور اسکو ترک کرنا سب مفسر تون سے زیادہ مفسر اور اس لیے میرے نزدیک مہب کو ایسا ضروری سمجھو  
والوں کا اخلاقی فرض ہے یا بالفاظ دیگر وہ مجبور ہیں کہ ایسے تہی قایمے اور ایسے ضروری نقصان  
سے جو لوگ چشم پوشی کرتے ہیں انہیں کسی طرح آگاہ کریں اور ان لوگوں کی پاس خاطر سے جو اس  
گفتگو کو لا طائل سمجھتے ہیں اپنی یقین کی آنکھوں سے لوگوں کو کمزور میں گرتے دیکھ کر خاموش  
نہ رہیں \*

بلکہ اس بارہ میں میرے نزدیک اصول و فروع کی بھی حد بندی نہیں ہو سکتی کیونکہ جو  
مسئلہ ایک کے نزدیک فروع میں داخل ہے اور زیادہ ہنرمندانان میں ممکن ہے کہ دوسرے کے  
زویک وہی اہل الاصول ہو یا کوئی شخص اسے فروعی سمجھ کر بھی ایسا ہنرمندانان سمجھتا ہو کہ اس کو  
ترک کرنے سے اصول قائم نہیں رہ سکتے اور انجام ہلاکت پر مہتاب ہے چنانچہ اگر کوئی شخص بالفرض  
یقین رکھتا ہو کہ روزانہ صبح کو غسل نہ کرنے سے انسان کا فروردہ آئی عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے تو خواہ  
واقعہ میں ایسا اصل غلط ہو مگر وہ شخص صدق دل سے ایسا عقیدہ رکھنے کے سبب مجبور ہے کہ اپنے  
بھائیوں کو انکی غلطی پر توبہ کرے۔ اور وہ اس عقیدہ کو مناسب زیور پیش کرے تو کسی کو حق نہیں  
کہ اس خچتہ زن ہو \*

یہ تو وہ وجہ ہے جس سے میں مذہبی بحث و تکرار کو ضروری سمجھتا ہوں لیکن اگر ایک لحاظ  
کیلئے اپنے اور اپنے بھائیوں کے خیال سے قطع نظر کروں تب بھی اس واقعہ کو تو کسی طرح آنکھوں  
کے سامنے سے دور نہیں کر سکتا کہ مذہب کے بارہ میں دنیا کے اہل الرائے کا اختلاف موجود ہے۔  
پس ایک طرف ہوائے فضول ہونے اور دوسری طرف ضروری ہونیکا اصرار دیکھ کر جو شخص اپنے  
خیال سے قطع نظر کر سکتا ہے وہ صرف مذہب ہنویکی ڈگری پاسکتا ہے اور اب اسے دیکھتا  
چاہئے کہ اس مذہب کو دور کرنے کیلئے دنیا کے اور اختلافوں میں کیا تدبیر مفید ہوتی ہے۔  
دنیا میں علی اور ملکی اور تمدنی معاملات میں بے انتہا اختلاف موجود ہیں اور ہوتے رہیں  
اور اگر ان سب میں بحث و تکرار کو بند کر دیا جائے اور کوئی شخص کسی خیال کو بہتر سمجھ کر ظاہر کر نیکا

مترجم نہ ہو تو کسی رائے کی غلطی اور اسے کی صحت بھی معلوم نہ ہوگی اور دنیا جس حالت میں ہے اس سے ترقی نہ کرے گی۔ مگر نتیجہ یقیناً کسی عاقل کو گوارا نہ ہوگا اور بیشک سب کے نزدیک یہی مناسب ہوگا کہ شخص کی رائے اسکی دلائل کے دیکھی جائے اور یا ہی مقابلہ تطبیق سے مستفاد کا فیصلہ ہو۔ اور مقابلہ تطبیق کی غرض ہی طرح پوری ہو سکتی ہے کہ جو خیالات فی الواقع صحیح ہیں ان کے ساتھ وہ خیالات بھی معرض بحث میں آئیں جن کو بعد میں غلط ہو سکیں تو یہ دیا جائیگا۔ اس لیے مستفاد صحت کا فیصلہ کرے اور انسان کو ترقی کی راہ پر لائے۔ اس لیے جو کام صحیح خیالات سے نکلتا ہے وہی خدمت غلط خیالات اپنی بحث و تکرار سے بجالائے ہیں اور دنیا کے تمام معاملات غلطی اور صحت کی اسی جدوجہد سے صفائی کے قریب آتے ہیں۔ اور جب یہ صورت ہو تو مذہبی اختلاف میں جو فی الواقع دنیا میں موجود ہے مذہبی بحث و تکرار ان لوگوں کی طرف سے جو مذہب کو ضروری سمجھتے ہیں یا انکی طرف سے جو مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں اگر انکا خیال غلط ہو تب ہی غیر ضروری نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انسان کی مختلف ترقیوں میں سے ایک ترقی کا رستہ صاف کرنے کی خدمت اور کرتا ہے اور اسلئے مفید ہے۔

غرض میرے نزدیک اہل مذہب کا اپنے خیالات کو شائع کرنا اور جن امور پر وہ سب سے بڑے سو و دیان کو مرتب سمجھتے ہیں ان کو بنی نوع کے قانون تک پہنچانے کی کوششوں میں مصروف رہنا کسی طرح غیر مفید اور قابلِ تنقیر نہیں۔ البتہ میں دیکھتا ہوں کہ دنیا کی کسی کوشش میں حد مناسب تجاوز کرنا اور باخلاقی فتنہ انگیزی سے کام لینا مفید نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر اوقات کسی صحیح مسئلہ پر نامناسب زور دینے سے لڑا اتر ہوتا ہے اور اس فعل سے مخالف کو جو رنج و غصہ پیدا ہوتا ہے وہ اسکو صداقت کے قریب نہیں آنے دیتا اور غلطی پر اور اصرار کرنے کا محرک ہوتا ہے بعض لوگ ملکی صنعت کو رواج دینا چاہتے ہیں جو واقع میں شریف خیال ہے مگر لوگوں سے منوانے کیلئے غیر ملکی چیز جسکے پاس دیکھتے ہیں چھین کے جلا دیتے ہیں اور خریدنے والی کو ایذا پہنچانے میں یا بعض لوگ حکام سے ملکی حقوق منوانے چاہتے ہیں اور اس غرض



کیلئے حاکم کے کارندوں اور دیگر ہنگاموں کو تیر و تفتنگ اور ویشام و لعنت کا نشانہ بناتے ہیں ان افعال سے دعویٰ کی صداقت کو کوئی تعلق نہیں اور جو لوگ اس دعویٰ کو نہیں مانتے اگر غلطی پر ہوں تو انکی غلطی ثابت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ تکلیف اور فساد سے متاثر ہو کر مخالفوں کو مزید سیر کے ساتھ بے پردہ کر کے والے خیال کو اور زیادہ غلط سمجھنے کی ترغیب ہوتی ہے اور جو لوگ قوت رکھتے ہیں وہ اس خیال کو دبانے کی پہلے سے زیادہ کوشش کرنے لگتے ہیں اور وہ فساد پھیلتا ہے جس کا انجام ضعف قوت کی لڑائی میں خواہ کسی فریق کے ملوث ہو کر غلط راستے کی غلطی اور صحیح کی صحت ثابت ہو نہ کیا نتیجہ ایسی کوشش پر کبھی مرتب نہیں ہوتا اور اگر کسی خیال کو مقبول بنانا تو اسکی صرف یہ سبیل ہے کہ متانت اور تہذیب کے ساتھ اسے اپنا مکمل پیش کیا جائے کہ یہی کیفیت مذہبی بحث و محکوم کی ہے۔ ہمیں جبر و تشدد اور مایوسی کا دور اب سے بہت دور رہ گیا ہے اور ترقی تہذیب نے لاکھ لاکھ فی الدین کا سبق لوگوں کو یاد کر دیا ہے مگر تہذیب و متانت کے ہتھال میں ابھی بہت زیادہ استقامت درکار ہے۔ اگر ہم غیر مذہب کے نفقہ دانوں کا ذکر کرے ابھی سے کریں۔ مخالف کا نام ذلت و کمین۔ اہل سلسلہ پر روشنی ڈالنے کی بجائے شخصی عیب کو فخر سے دہرائیں۔ کتاب کا نام ایسا بنو کر کریں جس سے نفرت و عداوت کا اظہار ہو بلکہ اگر مخالف کے خیال کو حقائق اور جہالت وغیرہ غضب انگیز ناموں سے یاد کریں تو ظاہر ہے کہ ان تمام افعال سے نفرت اور ملال بلکہ غصہ اور عداوت کو تحریک ہوگی اور جو وقت قلب کی کیفیت ہو رہا ہے اسکی اولیٰ صفت شعاری کی صفت و ورہو مانی ہے اسلئے وہ صداقت جو ہمیں غیر مذہب کا کلام میں مخالف کے سامنے پیش کیا ہے اسکو قریب لانے کی بجائے اور زیادہ دور کر دینا باعث ہوگی اور اسلئے ایسی مذہبی بحث و محکوم جس میں تہذیب سے چشم پوشی کی گئی ہے کسی طرح مفید نہیں اور انسانی ترقی کیلئے وہی بحث و محکوم ضروری اور مفید ہے جو ہمیں ملال انگیز طرز ادا سے بکلی اجتناب کیا جائے اور نہایت مذہب طریق سے محض نفس مطلب کو ظاہر کرنے پر اکتفا ہو۔ چنانچہ اسلام ہی قسم کی مذہبی غیب کو فرض کر دیتا ہے بلکہ جو لوگ بدی سے پیش آئیں انکو بھی تہذیب کے ساتھ جواب دینے کی ہدایت

کہتا ہے اور اسکا نتیجہ یہ بتاتا ہے کہ جو ہمارے دشمن ہیں وہ بھی دوست ہو جائیں گے۔ ارشاد ہے

اپنے خدا کے رشتہ کی طرف داناؤ اور نیک نصیحت

سے بلاؤ اور وہ بحث کرو جو بہتر ہو۔

پس تم دونوں (موسیٰ و ہارون) اسے نرم بات کہو شاید

وہ نصیحت قبول کرے یا دوسرے۔

بدی کا ایسی تدبیر سے مقابلہ کرو جو نیک ہو۔

اگر کتاب سے جھگڑا مت کرو مگر جو نیک ہو۔

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالنُّعْظَةِ

لِلْعَسْكَرَةِ تَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (نمل پاره ۱۶)

فَقُولْ لَهُمْ قَوْلًا لَّيْسَ لَكَ لَهَا كَلِمَةٌ تَنْتَكِرُ أَوْ يَخْشَوْا

(ط پاره ملاع ۵)

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ السَّيِّئَةِ (رومن پاره ۸)

وَلَا تَجَادِلْهُمْ زُلْمًا هَلْ يَكُنْ لَكَ بِالَّتِي هِيَ

أَحْسَنُ (رعد پاره ۵)

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ وَكَالِ السَّيِّئَةِ ادْفَعْ بِالَّتِي

هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِينَ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمُ بِلَاغٌ

كَانَ لَكَ فِيهِمُ بَحْثٌ (حم جده پاره ۵)

نیکی اور بدی مساوی نہیں تم نیکی کے ساتھ مقابلہ

کرو۔ اس طرح جو تمھارا دشمن ہو گا وہ بھی دیکھو گے

کہ دلی دوست ہو گیا۔

تہذیب و متانت کے علاوہ مذہبی بحث و تکرار کیلئے یہ بھی ضرور ہے کہ جو سلسلہ زیر بحث ہو

اس کے متعلق مخالف تمام پہلوؤں سے طور پر ذہن نشین ہوں اور بالخصوص جبکہ ذرا بین مذہبی کو عقل پہلو

سے دیکھنا ہو اور مرد و عورت کے مقابلہ کرنا ہو تو اس وقت ایک طرف مذہبی و نفیت مکتب ہونی

چاہئے اور دوسری جانب علوم عقلیہ میں کامل مہارت کی ضرورت ہو اور اس طرح پر اصولی بحث کے

لئے سائنس فلسفہ اور احکام مذہب کی مختلف شاخوں کیلئے قانون اخلاق۔ پولیٹیکل کانفی

تاریخ اور سائیکالوجی وغیرہ علوم عقلیہ کے تمام جدید انکشافات سے آگاہ ہونا ضرور ہے اور علما

شیخی بجا فرماتے ہیں کہ "جب تک قوم میں فلاسفہ پیدا ہوں غزالی کا وجود میں آنا ممکن نہیں"

اور میرے خیال میں مذہبی و نفیت کی ضرورت دیکھتے ہوئے اس کلیہ میں اس قدر اور راز اور مہیا چاہئے

کہ جب تک فلاسفہ کے ساتھ مالک و جوحنیفہ کا اثر نہ ہو صرف فلاسفہ سے جو علی

پیدا ہو سکتا ہے اور غزالی بننے کی تحریک نہیں ہوتی۔ اور یہاں یہ کیفیت ہے کہ ایک طرف

مالک و جو حنیف تھا کا اثر یعنی مذہبی اقصیت کا شوق اور جوش بویا فیہ مار و پتھر مل رہا ہے اور دوسری طرف فارایت پیدا ہونے میں بہت وسیع معلوم ہوتا ہے اور تمام ملک میں علوم عقلیہ ایسی تک آبادی کے بہت مختصر حصہ میں اور وہ بھی بالعموم محض تقلید کی شکل میں داخل ہوئے ہیں اور تمام قوی اور ضعیف علمی مسائل پر اس کے یقین کیا جاتا ہے کہ وہ مسلم الثبوت استادوں کی طرف سے پیش ہوئے ہیں اور یقین کو ظن سے اور تصوری کو فیکٹ سے تمیز کرنے کی مہارت شاذ و نادر ہی موجود ہوگی چہ جائیکہ خود موجود یا محقق ہونیکا درجہ حاصل ہو یا اہل علم کی کثرت و بیشتر آبادی عام علمی اصطلاحوں اور واضح اصول سے آشنا ہونیکا فخر کر سکے اور جب تک کہ وہ عقلی علوم کی واقفیت اس درجہ پر ہے کچھ شک نہیں کہ علوم عقلیہ کے مقابلہ میں مذہبی حمایت کا دعویٰ نہیں ہو سکتا لیکن اس عجز کا یہ اثر ہو کہ نامعلوم عرصہ کے لئے مذہبی بحث و تکرار کو ترک کر دیا جائے اور اس خرم کا انتظار کیا جاوے جس کی تحریزی کیلئے علیگڑھ اور لکھنؤ کی زمین ہل رہی ہو ہے تو ایسی موسم آنے سے پہلے فاقہ کش تباہ ہو چکیں اور کیا عجیب ہے کہ فارابی زریعہ مخالف قوت کو بالکل نادور رکھنے سے ایسا پھل لائے جو مذہبی جذبہ کیلئے ذہن کا اثر رکھے یا اگر اس وقت تک وہ طاقتیں پوری نشوونما پا جائیں جب ہی گراؤ پس من کن فیکون شاید ہر وقت کی ارزانی سے کوئی اور نسل فائدہ اٹھا سکے نہ ہم لوگ۔ اس لئے گو مرض سخت ہو اور علاج ناہید مگر جب تک مناسب علاج نہ ہو سکے بیمار دارا اپنی ہمت کے موافق بیماری کی خبر گیری سے دریغ نہیں کرتے اور جو کوششیں اس بارہ میں موجودہ وسائل کو ختم الوصل کام میں لا کر ہو سکتی ہیں انکو وہ ہریت کی عقلی دانہ کہا جائے تب بھی وہ مذہبی غذا کو کسی حد تک صاف اور خوشگوار کرنے میں ضرور مدد دیتی ہیں اور اسلئے فائدہ سے خالی نہیں اور کیا عجیب ہے کہ یہی تدبیر ترقی کرتی ہوئی ایک وقت پر زائل مرض کے لیے تیر بہار ہو۔ شاید کہ ملین جھینڈہ آرد پرو پاں۔ عنقا گردو۔

علاج بیشک ڈاکٹر ہی کر سکتے ہیں مگر بیمار داروں میں وہ شخص ہی شامل ہے جو صاف کرنے کے لئے پانی کو جوشس دے چنانچہ ایسی ہی خدمت کی آرزو مجھے بھی ہے اور کج

کل کے مخالفانہ خیالات میں سے جو میرے دل کو پریشان کرتے رہے ہیں اگرچہ ان کے لائق سامان میری دسترس میں نہیں مگر ایک عرصہ تک غور و تامل میں مصروف رہنے پر جن وجوہ سے تجھے تسکین ہوئی ہے انہیں پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ تحریر ان لوگوں کے متواتر کام دینی جنہوں نے ان مسائل میں غور کیا ہے اور مخالف اسے قائم کر چکے ہیں اور یہ بھی عرصے نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگ تسلیم کر سکیں جو مذہب میں مگر میلان دوسری طرف رکھتے ہیں البتہ جو لوگ مذہب ہیں۔ اور کس قدر میلان ہی میرے موافق رکھتے ہیں۔ انہیں سے بعض ممکن ہے کہ انہی وجوہ سے تسکین پائیں جو مجھے مطمئن کرتی ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسے لوگوں کے لئے (اگر کوئی ہوں) میری تحریر مفید ہوگی۔ یا جو لوگ پہلے سے میرے ہنجیال ہیں اور میری طبیعت رکھنے کے سبب میرے دلائل کو پس کر سکتے ہیں انہیں ایک ہنجیال کی آواز بلند ہونے سے مسرت ہوگی اور مخالف خیالات کے قابو میں نہ آنے کیلئے پہلے سے زیادہ مستعد ہو جائیں گے یا اگر کوئی شخص میری تمام تحریر سے متفق نہ ہو لیکن اسکے بعض مقامات سے اپنے بعض خیالات میں ترمیم کی ضرورت محسوس کرے تو یہ بھی ایک فائدہ ہوگا۔ اور یہ سب فائدے ضرورت کے لحاظ سے اگرچہ کم ہیں لیکن اگر حاصل ہوں تو نہ ہونے سے بہتر ہیں اور اگر نہ ہوں تو بھی انکی آرزو میں اپنے نقطہ خیال سے ایک مناسب آرزو اور اس کیلئے کوشش انسانی فرض سمجھتا ہوں مجھے مفصل معلوم نہیں کہ خاص ان مضامین میں قوم کے قابل ہاتھوں نے کس قدر کام کیا ہے اگر کوئی اس تحریر انہی عنوانوں پر شائع ہو چکی ہے مگر نتائج اور پیدا کئے گئے ہیں تو میری کوشش جداگانہ نتائج پیش کرے جسکے سبب ضرور توجہ کی مستحق ہوگی۔ اور اگر انہی نتائج کو ثابت کیا جا چکا ہے تو بھی ایک مضمون کی دو تحریریں طرز بیان میں ضرور مختلف ہونگی۔ اور اگر کوئی مضمون توجہ کے قابل ہو تو اسکا مختلف طرزوں سے پیش ہونا بہر حال مفید ہے اور میں اس مضمون کو توجہ کے قابل سمجھتا ہوں اس لئے ایسی کوشش کو اس صورت میں ہی فضول نہیں سمجھ سکتا۔

اس تحریر میں جو نقص ہو گئے وہ دیکھنے والوں کو نظر آئیں گے۔ البتہ مجھے اس کی طوالت اور چھبائی کی نسبت خیال ہے کہ شاید عیب معلوم ہو لیکن اول تو یہ گلدازش ہے کہ میرے دعاوی اگرچہ ویرانہ ہیں مگر ان کو ثابت کرنے کا طرز (کم از کم میرے خیال میں) ضرور نیا اور میں سمجھتا ہوں کہ جن رستوں میں ہو کر میں منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہوں اور وہاں پہلک کو انہیں دیکھنے کا کم اتفاق ہوا ہوگا۔ بلکہ اکثر اوقات مجھے ان مضامین کو اردو لباس پہنانے میں وقت پیش آئی ہے اسلئے میری توجہ تمام تر ہی جانب مصروف رہی ہے کہ کسی طرح ان مضامین کو اردو کر سکوں اور کسی مقدمہ کو جس قدر الفاظ سے میں اپنے ذہن میں قائم کر سکا ہوں جب لکھنے کے وقت انہیں واضح نہیں پایا تو اور طول دینا پڑا ہے اور اس وجہ سے عجب نہیں کہ کہیں ناگوار طول۔ کہیں تکرار اور کہیں سلجھانے کی کوشش میں اور چھبائی کی پیدا ہو گئی ہو۔ اور دوسرے مجھے اپنے قصود کا اعتراف ہو کہ میں کسی مضمون کو منشیانہ قابلیت سے ادا نہیں کر سکتا لیکن نفیس اگر ہے تو اس کا الزام ایک شخص واحد پر ہوگا اور بالافصلا ناظرین سے یہ توقع بجا نہیں کہ نفس مضمون کی محنت و سقم کو پرکھیں۔ اور اگر صداقت نظر آئے تو غیر فصیح کلام کے سبب گرد آلود چہرہ کی ذاتی خوبی دیکھنے میں توجہ سے دینے نہ فرمائیں۔

اس تحریر میں جس قدر مطالب دیگر اہل الرائے سے اخذ کئے گئے ہیں ان کو ظاہر کرنا کتنا خفی الوسع اہتمام کیا ہے۔ لیکن اگر کسی اور کا مضمون اس طرز پر ادا ہوا ہو کہ لفظ مصنف کا طبع اور سمجھا جائے تو یہ سہولت نہایت ہوگا ورنہ مجھے اعتراف ہو کہ میرا طبعی کارنامہ کچھ ہی نہیں اور جو کچھ ہے وہ اہل علم کی خوشہ چینی کا ثمر ہے۔ اور بعض اوقات کسی مصنف یا پیکر کا خیال اس طرح ذہن میں در آتا ہے کہ اُس کا فیضان محسوس نہیں ہوتا لیکن منفقہ پر اثر کرتا ہے اور جب انسان ذہنی عمل سے اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ خود اس کا فعل ہے حالانکہ حقیقت میں خارجی ترغیب کا اثر ہوتا ہے اور اس طرح پر ممکن ہے کہ میرے اکثر یک نام مضامین کی لہر اسی قسم کے شبنمی قطروں سے مرکب ہو۔

مجھے اکثر جگہ آیات قرآنیہ کا حوالہ دینے کی ضرورت پیش آئی ہے اور ہم مسلمانوں کے نقطہ خیال سے قرآن پاک کا ہر حرف اور ہر حرکت بیشمار لطائف نکات و معنوں پر مشتمل ہے اس کا ترجمہ جس قدر دشوار ہے محتاج بیان نہیں اور یہ مینے جو ترجمہ لکھا ہے وہ آیت کے تمام مطالب پر نہ حاوی ہو سکتا تھا اور نہ ایسی کوشش کی گئی ہے بلکہ صرف اس مدعا کو ظاہر کرنا مد نظر ہے جس کے لئے کسی آیت سے استناد کیا گیا ہے۔ و السلام۔ تحریر: ۱۰ صفر ۱۳۲۸ھ

سابقہ

محمود علی عفی اللہ عنہ

کپڑو تھلہ



## زیب عنوان

تصنیف کو کسی قابل تعظیم بزرگ کے نام سے مزین کرنا اہل تصنیف کا عام دستور ہے جس سے کتاب کو کیسی فانی عظمت ہو مفرز کرنا یا کتاب کی پائیداری سے کسی محسن کی یادگار قائم کرنا مقصود ہوتا ہے اور میرے خیال میں کتاب ہو خود مصنف کی بقا اسی لیے مقصود ہے کہ اسکی کوشش نے کتاب کو موجود کیا۔ اس لیے مصنف کے علاوہ اور جو لوگ کتاب کی سہتی کا باعث ہوں وہی سب سے زیادہ کتاب کے ساتھ قائم رہنے کیلئے شایان ہیں اور انہی کے نام سے کتاب کو روایت ہونی چاہیئے۔ مجھے اس تحریر کی توفیق اسی لئے ہوئی کہ ایک عرصہ تک بعض اہل علم کی کفش برداری کا شرف حاصل کیا ہے سب سے پہلے اور بہت عرصہ تک جس مکتب و فیضیاب ہوا ہوں وہ یادش بخیر آغوش پذیر تھی۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ وہ روحانی تعلق جس کے بغیر انسان کو انسان کہنا شریفت الین کو شیر نیشان کا خطاب دینا ہے اور جس کا فی زمانہ بہت کم اور محقق ہی

محافظ رکھا جاتا ہے مجھے وہ تعلق یہی جیسا کچھ ہے اسی جناب سے جس کا توسط جسمانی وجود کا باعث ہوا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد وال بھی ہیں استاذ بھی ہیں اور پیر بھی ہیں۔ اس اعزاز سے فائدہ اٹھانا خوش نصیبوں کا حصہ ہے مگر اس پر کہ یہ فخر مجھے بھی حاصل ہے۔ تہدیتی شامل اعمال ہے ورنہ میرا عقیدہ ہے کہ جس جناب سے مجھے یہ تینوں تعلق ہیں انکی ذات سے ہر طرح کی دولت حاصل ہو سکتی تھی ۔

پدری تربیت کی اثنائیں اور اسکے بعد اکثر بزرگواروں کی آستان بوسی باعث افتخار ہوئی اور آخر میں سبقت بیدارشمس العلماء مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹوکی پروفیسر اور ٹیل کالج کی خدمت میں بیگیا اور مجھے بجا فخر ہے کہ میں مایہ نصیبت سے سبک بعد جیب و دامن بھرنیکا موقع ملا وہ اپنے کمال میں گذشتہ اسلامی فہم و فرست کی بنیاد پر یادگار ہے اور اسی خوانِ ثنعت کی ریزہ چینی کا اثر ہے کہ باوجود بیامانی میدان تصنیف میں قدم رکھنے کی جرأت ہوئی۔

پس میں اس ناچیز تحریر کو اپنے والد بزرگوار میاں سید علی دہلوی مرحوم اور مفتی صاحب قبلہ کے اسمائے گرامی سے مرثیہ کرتا ہوں۔ والد ماجد چنان فانی کو طے کر چکے ہیں اسلئے ان کی خدمت میں عرض کرنے کی صرف یہی شکل ہے کہ نامحسوس قلبی صداقتاً سے خیال سے عالم روحانی تک پہنچاؤں اور اپنی آرزو کیلئے غائبانہ شرف قبول کی التجا کروں البتہ مولانا مظلہ کی خدمت میں یہ ناچیز مدیہ پیش کر نیکی بعد اجازت کی درخواست کر سکتا ہوں جو نہیں کر سکا۔ کیونکہ میرے خیال میں جس طرح اپنے محسن کی یاد کا دل میں موجود رہنا ایک فطری کشش ہے اور اس موقع پر ایادوت کا ذکر ایک بے اختیار فی فعل پرزوا کی طلب ہے اور جس طرح اپنے محسن کا ذکر زبان پر لانا اخلاقی فرض ہے اور اسکے ساتھ اجازت کا تذکرہ زیبا نہیں اسی طرح اپنے محسن کا نام نامی تحریر میں لانا تحریر کی بنیاد ہے کا اپنا فخر ہے اور اس لئے یہاں ہی اجازت کو قیل وینا فرض واجب الادا کو احسان کے لباس میں جلوہ گر کرنا ہے۔ اور اوجہ گراںباری احسان اصرار کرتی ہے کہ جب مصنف کا نام جو حقیقت میں کچھ نہیں

کتاب کے ساتھ وابستہ ہے تو جس حشر چپ سے یہ نم پیدا ہوئی ہو اس کا ذکر نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے۔ بیشک جو نستانِ حشر میں پیدا کئے ہیں وہ غلط ہوں تو الزام مجھ پر ہوگا اور شاگردی تعلق سے اساتذہ جواب دہ نہیں ہو سکتے مگر تمنا ہے کہ جو قابل یا دوکار ہیں ان کے اسامی ہمیشہ صفحہ ہستی پر ثبت رہیں۔ یہ عاجز نہ رہے گا لیکن جو فیضانِ اس سے متحرک کرنا ہے وہ قائم رہے تو اور موصیٰ اس سے بہتر و برتر پیدا ہو سکتی ہیں ۰

وچرخِ جستِ گل از اثرِ بادِ صباست  
گلِ نماند مگر این بادِ بہاری ماند





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰ

## باب اول

### مذہب اور فطرت

مذہبی احساس کی ثروت۔ مذہب کو نابود کرنے کی کوشش اور اس کا انجام۔ مذہب کو پیدا کرنے کے اسباب بھی فطری ہیں۔ کیا مذہب استدلال سے پیدا ہوا ہے۔ مذہب کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں عقلی ترقی سے مذہب روشن ہوتا گیا ہے۔ سائنس مذہب کی کیا خدمت کرتی ہے۔ مذہب اور مقتدا یا ت قوم۔ مذہب کا معبود ہمیشہ ایک نہیں رہا۔ ایک معبود منہ منہ کی وجہ۔ بعض تو میں مذہب سے معز ہیں اکثر اشخاص لامذہب ہونے لگے ہیں۔ تربیت کا اثر اور نیز استثنائیں بھی قانون قدرت ہے۔ لامذہب بھی اکثر کسی کی طرح کا مذہب رکھتے ہیں۔ مذہب کی تعریف۔ ایک دوسرے کے قول میں مذہبی نشان۔ درپردہ مذہبی کشش کے چند اور نمونے۔ مذہب فطرت میں وہی درجہ رکھتا ہے جو عقل و ترقی وغیرہ صفات کو حاصل ہے انسان کسی چیز کو دیکھتا ہے۔ اس کی شکل صورت اور قطع وضع سے رغبت یا نفرت کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اگر عقل خدا وادیاری کرتی ہے تو اس کے متعلق تحقیق و تفتیش میں مصروف ہوتا ہے۔ جو اس ظاہری کو حتی الوسع پورے طور پر کام میں لانا ہے پھر فکر و تخیل سے مدد لیتا ہے

استقرار و قیاس تمثیل و ترجیح کے قاعدے استعمال کرتا ہے اور کسی نتیجہ پر پہنچ کر اسے ہاتھ میں لانے یا اس سے اجتناب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر تہذیب و تربیت سے بے بہرہ ہوتا ہے تو محض اس ظاہری یا خیالی باطل سے متاثر ہو کر فوراً اس کی طرف بھڑکتا ہے یا خوف زدہ ہو کر بے تحاشا بھاگ جاتا ہے۔ غرض تمام مظاہر عالم اور تمام مناظر قدرت کے پیش نظر ہونے پر عالم و جاہل اپنے اپنے مدارج علم و جہل کے مطابق اسی روش پر کاربند ہوتے ہیں اور اسکے برخلاف جس چیز تک نظر یا دیگر حواس کی رسائی نہیں ہوتی نہ اس سے محبت یا نفرت پیدا ہوتی ہے اور نہ اُس کی نسبت فہم و ادراک مصروف کار ہوتے ہیں اور نہ اس کے متعلق حصول یا نہایت کی کوشش ظہور میں آتی ہے۔ اگر اس کو قوتِ مدرکہ کا ایک کلیہ قاعدہ مان لیا جائے جیسا کہ بظاہر انسانی دل و دماغ کے تمام حرکات اور اعمال سے ثابت ہوتا ہے تو بیشک بعض کہنے والوں کے ساتھ ملکر کہنا پڑے گا کہ محض اس ظاہری اور عقل ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ اور نتائج کے بعد توجہ یا گریز کا اثر مرتب ہوتا ہے اور جو چیز نامحسوس ہو اور نہ عقل اسے استنباط کر سکے وہ نہ چیز کہلانے کی مستحق ہے اور نہ اس کی نسبت کسی قسم کا علم و یقین پیدا ہو سکتا ہے۔ اور فی الحقیقت قوتِ مدرکہ اور طبیعتِ انسانی کی یہ خاصیت ایسی عام اور وسیع ہے کہ جہاں تک عام طور پر تلاش و تجسس کی حد ہے اس کے خلاف پایا نہیں اور اسلیئے اس کو قاعدہ کلیہ ماننے میں تاثر نہ ہونا چاہیئے۔

لیکن جس طرح دنیا کے اکثر کلیہ قاعدوں میں استثنا ہوا کرتا ہے اسی طرح استثنا سے یہ قاعدہ بھی بری نہیں ہے۔ بیشک ہم کسی چیز سے بغیر دیکھ نہ ڈرتے ہیں اور نہ اس کی بے رغبت کر سکتے ہیں گویا یہ قریباً ساری دنیا اور غالباً تمام ہی نوع انسان کا متفقہ میلان ہے کہ کم از کم ایک نا دیدہ ہستی کی طرف انکی رغبت ہے اور رغبت بھی ایسی کہ اور تمام غیبیوں سے فائق اور اُنکی ایک نا دیدہ ہستی سے خوف ہے اور خوف بھی ایسا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی چیز بھی ایسی خوفناک نہیں۔ وہ اُسے دیکھ نہیں سکتے لیکن جو کچھ بھی دیکھتے ہیں اُس میں اُسی کا

جلوہ نظر آتا ہے۔ اور جس کو دیکھتے ہیں اُسکے وجود میں شک کریں تو کریں لیکن جس کا نور آنکھوں میں سہارا ہے اُس پر بے دیکھے ایسا یقین ہے کہ اُسکے خلاف ہزار جہتیں پیش ہوں لاکھ دلیلین بیان کی جائیں اور انسان عقلی طور پر جواب دینے سے عاجز آجائے بلکہ کسی وقت مخالفت سے مغلوب ہو کر اُس یقین کو چھوڑنا چاہے غرض کیسی ہی ہو کہ اور بحث و تکرار ہو دل حسین یقین گھر کیٹے ہوئے ہے وہ فنا ہو جائے تو ہو جائے مگر یقین فنا نہیں ہوتا اور اعتقاد زوال نہیں پاتا۔ وہ اسے سمجھ نہیں سکتے اور عقل جو ہر میدان میں جولانیان دکھا دکھا کر لوگوں کو حیران و ششدر کر رہی ہے اُس کے سر پر دہ جلال پر جا کر خود حیران و ششدر رہ جاتی ہے مگر جن عقیدوں کو سمجھنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ان میں سے ہر ایک اُس ناقابل فہم ہستی کو زبان بے زبانی سے ایسا سمجھا رہا ہے کہ سمجھی ہوئی باتیں غلط ہوں تو ہوں مگر اُس برتر از خیال و قیاس ہستی کا جو فیض خیال و قیاس پر ہے خود خیال و قیاس کے فنا ہونے پر بھی تو نہیں ہوتا اور چونکہ یہ اعتقاد جاہل و عالم عامی و عارف ہر شخص کے دل پر کم و بیش قبضہ کئے ہوئے ہے اور دنیا کا کوئی حصہ اور زمانہ کا کوئی عرصہ ایسا متحقق نہیں ہوتا جس میں لوگ اُس یقین سے قطعاً بے بہرہ ہوں اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ یقین عقل و استدلال سے پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ اُس یقین کے دلائل عقلیہ جہان تک پیدا ہو سکے ہیں ایسے دقیق اور پیچیدہ ہیں کہ جب کبھی ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت کو محض ان دلائل پر منحصر سمجھ کر بحث و تکرار کیا گیا ہے تو بڑے بڑے عقلا کو اس ثبوت میں طعنے طعنے کے ٹھکوک اور فیصلہ کے وقت ان کے گونا گون مذاہب پیدا ہوتے رہے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض عقل ایسے جوہر کا پیدا کرنے کے قابل نہیں اور اگر ہے تو بھی نہایت ہی باریک بین اور نکتہ رس عقول کا کام ہے کہ محض استدلالی طریق سے اُس ہستی کا پتہ لگائیں اور چونکہ عقل کو روشنی اور جلا کا یہ درجہ تعلیم و تہذیب کے اعلیٰ پایہ پر پہنچ کر حاصل ہو سکتا ہے اس لیے ضرور تھا کہ ہستی باری تعالیٰ کا یقین اگر محض استدلال پر منحصر تھا تو جاہل تو ہوں میں پایا نہ جاتا بلکہ تہذیب کے ابتدائی تہذیب

میں بھی اسکا وجود نہ ہوتا حالانکہ واقعیت اس کے خلاف ہے اور پہلا کے دلون میں جس وثوق اور  
اطمینان کے ساتھ یقین موجود رہتا ہے وہ بسا اوقات علماء کے لئے قابل رشک ہوتا ہے  
اس لئے خیال ہوتا ہے کہ اگر وجود باری تعالیٰ کا یقین عقل و استدلال پر موقوف نہیں اور باوجود  
اس کے ہر زمانہ اور ہر ملک میں اس عموم کے ساتھ پایا جاتا ہے تو ضرور ہے کہ فطرت انسانی میں  
وہ فطری خواہشوں کی طرح یقین بھی ازل سے ودیعت ہوگا ۔

اگرچہ یہ ضرور ہے کہ کم از کم تاریخی زمانہ کے ہر عرصہ میں ایسے چند شخص بھی موجود  
رہے ہیں جو اس یقین سے بالکل معراہوں۔ بلکہ وہ لوگ اپنی طاقت کے موافق اس امر کی کوشش بھی  
کرتے رہے ہیں کہ اس خیال کو لوگوں کے دل سے مٹائیں اور جو بنشین انسان کے خیالات  
اور اعمال پر خدا کے یقین سے لازمی طور پر عاید ہوتی ہیں ان کو ذیل کرین اور چونکہ خدا انسان کی  
فطرت میں بندشوں سے رہائی پانے کی خواہش نہایت قوت کے ساتھ موجود ہے اور ضرور بتا  
زندگی کو ہتیا کرنے اور نفسانی خواہشوں کو برلانے کیلئے وہ چاہتا ہے کہ ہر طرح کی آزادی سے  
بہرہ یاب ہو اور لذائذ جسمانی کے حصول میں کوئی مزاحمت سد راہ نہ ہو اس لئے چاہئے تھا کہ خدا  
کے یقین کو نائل کرنے کی کوشش اس کے اپنی دنیوی خواہشوں کی مدد سے نہایت آسانی کے  
ساتھ کامیاب ہوتی۔ اور دوسرے بسا اوقات دنیوی تہذیب کی ترقی سے تعلیم و تربیت بھی ایسی  
رائج ہو جاتی ہے جس میں ہنرمند و کچھ کر کچھ عرصہ کیلئے اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ مذہبی قیود اور خدا کا  
یقین ایسی نسل یا ایسے ملک سے بالکل نائل ہو جائے گا جس میں محض مادی تعلیم و تربیت پر مدار  
کار رہ گیا ہے۔ مگر زمانہ چکر کھاتا ہوا چلا جاتا ہے۔ مادی علوم و فنون اپنی ترقی و متنزل کے آثار  
چڑھتا و سستہ اپنی اپنی اہمیت میں ہر ملک اور قوم کو کمال و زوال کی چاشنی چکھاتے ہوئے جاتا  
ہیں اور ایسے گنگا پڑ و کیش ترا فزون اور فرحت بخش فنون سے عوام الناس کو اپنی طرف کھینچنے  
میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے اور کسی کسی وقت انکی کامیابی کا گمان بھی ہو جاتا ہے  
لیکن پھر بھی ایسی خوشگوار آزادی کو پسند نہ کر لیں اور نہ ہیچ چیز جو کہ ان لوگوں کے

ساتھ شرمیلانے والوں کی تعداد کو ان لوگوں کی تعداد سے مقابلہ کیا جاوے جو باوجود آزادی کی خواہش اور ان لوگوں کی کوشش کے مذہبی دائرہ سے قدم باہر نہیں نکالتے یا نہیں نکال سکتے تو عاجز اگر ان آزاد خیال بزرگواروں کی اپنے خلاف سے انتہا کثرت دیکھ کر اس کی وجہ تلاش کرتے ہوئے بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ۔

”جب تک انسانی زندگی انسانی تمناؤں کو بر لانے کے قابل ہے تب تک یہاں کی کامیابیوں بالاتر لہذا کاشتتیاق قایم رہیگا تب تک اس اشتیاق کو صریح لکین مذہب سے حاصل ہوگی جب تک دنیوی ذسیت تکالیف سے مہمور ہے تسلی کی ضرورت رہیگی جو خود غرضوں کو بہشت کی امید سے اور پارسا لوگوں کو خدا کی محبت سے حاصل ہوگی۔“

مطلب یہ کہ واقع میں مذہب یا ایمان میں کوئی خوبی نہیں بلکہ انسان مبتلا ہی ایسی حالتیں ہوتے جس میں ہاتھ پاؤں مارنے ہوئے عاجز آتا ہے تو روحانی اور ابعد الموت فوائد پر بھروسہ اپنے دل کو اطمینان دیتا ہے۔

لیکن مذہب ضروری اور مفید ہو یا نہ ہو سہر دست دیکھنا یہ ہے کہ جس خیال کو وہ اپنے زعم میں بالکل غلط اور بے سر و پا سمجھتے ہیں اس میں غور کرتے ہوئے وہ خود کس نتیجہ پر پہنچتے ہیں وہ نہ کو با خدا کے یقین کو انسانی فطرت میں داخل نہیں سمجھتے مگر نوع انسانی کو پائید مذہب دیکھ کر اسکی وجہ تلاش کرتے ہیں اور اس جستجو میں مذہب کو پیدا کرنے والے اسباب وہ فطرت ہیں جو خود قدرت نے اپنے ہاتھ سے پیدا کئے ہیں اور انسانی اختیارات و تصرف کو ان میں دخل نہیں۔ انسان کا اپنی تمناؤں کو بر لانے کے قابل ہونا یہاں کی کامیابیوں سے بالاتر لہذا کاشتتیاق قائم رکھنا، اور انسانی زندگی کا تکالیف سے خالی نہ رہنا یہ تمام اسباب فطری ہیں پس جو نتیجہ ان فطری اسباب پر مرتب ہوتا ہے یعنی مذہب اگر وہ فطری نہ ہو اس لیے کہ اس کے اسباب ان حکیموں کو معلوم ہو گئے ہیں تو انسان کے دیگر فطری خواہش بھی اسی دلیل سے غیب فطری ثابت ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بھوک و پیاس انسان و حیوان کی سب سے مقدم فطری خواہش ہے لیکن کیا بھوک پیاس کا

مذہب کو پیدا کرنے کے اسباب بھی فطری ہیں۔

کوئی سبب موجود نہیں یا معلوم نہیں ہوا؟ اور کیا اسکو غیر فطری ثابت کرنے کیلئے نہیں کہہ سکتے کہ جب تک حرکت حرارت وغیرہ اسباب انسان کے جسم کو تحلیل کرتے رہتے ہیں اور جب تک معدہ اور دیگر اعضائے غذائیہ اپنے موجودہ ذخیرہ کو بدل یا تحلیل میں خرچ کر کے اپنے شکر کرنے اور کش پیدا کرنے سے ایک طرح کی تکلیف پیدا کرتے رہتے ہیں انسان و حیوان کو بھوک پیاس کی تکلیف مضطرب کرتی رہے گی پس اگر اس دلیل سے بھوک پیاس کا فطری نہ ہونا تسلیم کیا جاسکتا ہے تو بیشک یہی احساس بھی چونکہ دنیوی تکالیف سے پیدا ہوتا ہے فطری نہ ہوگا۔ بلکہ ترقی جو انسان کی سب سے ممتاز اور اسے دیگر حیوانات سے برتر ثابت کرنے والی خاصیت ہے وہ خود انسان کی ناقابل شدہ تمناؤں اور موجودہ تکالیف کے سبب سے پیدا ہوتی ہے اور اسکی نسبت بعینہ مٹرل کے الفاظ میں استدلال کیا جاسکتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ۔

”جب تک انسانی زندگی انسانی تمناؤں کو بر لانے کے قابل ہے تب تک“ موجودہ حالت سے برتر حالت ”کا اشتیاق باقی رہیگا اور اس اشتیاق کو صریح تکلیف ”ترقی“ سے حاصل ہوگی۔ جب تک دنیوی زلیت تکالیف سے معمور ہے تسلی کی ضرورت رہیگی جو بعض ”ترقی“ سے حاصل ہوگی۔“

لیکن یہ ایک دھوکا ہے جو ان لوگوں کو مذہبی احساس کے کچھ اسباب معلوم ہو جانے سے لگا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں ہر چیز کے لئے اسباب و علل ہوا کرتے ہیں چنانچہ خواص فطرت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں لیکن چونکہ ان کے اسباب خود فطری اور انسانی اختیار سے بالاتر ہیں اس لئے اس بنا پر بھوک پیاس ہو یا مذہب اور ترقی کسی کے فطری ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا \*۔

ایک اور صاحب اسی بحث کو یوں پیش کرتے ہیں + کہ انسان اپنی بھالت و ترقی

کیا مذہب سے پیدا ہوا ہے۔

+ سرچارلس بریڈلانے اپنی کتاب ”فری تھنکرس ٹکسٹ بک“ میں ایک صاحب کو یا مذہب ظاہر کر کے انکا ایک بہت لمبا مضمون ترقی و تامل مذہب میں نقل کیا ہے یہاں اس کے ایک مقام کا خلاصہ لکھا گیا ہے ”مذہب“

کے زمانہ میں اکثر چیرن سے خوف کھاتا ہے اور بعض مناظر کو دیکھ کر پسند کرتا ہے۔ کبھی کسی بلا میں مبتلا ہو کر یا سنا امیدی کا شکار ہوتا ہے کبھی بے انتہا لذت پاتا ہے اور قُطر مُسرت سے بے اختیار ہو جاتا ہے مگر اپنی نادانی کے سبب ان مناظر کے مادی اسبابِ علل معلوم نہیں کر سکتا اور قوانینِ قدرت کو نہ جاننے اور نیچر کے بے انتہا وسائل کو نہ سمجھنے کے سبب اپنے دل کو تسکین نہیں دے سکتا۔ فرط حیرت سے اُن کو کسی مخفی لاکھن اور غیر محسوس طاقت کی طرف مسوب کر دیتا ہے اور روح 'دیوتا' خدا وغیرہ مبہم الفاظ سے اپنی دوست میں قدرت کا راز دریافت کر نیکو دعوے کرنے لگتا ہے اور یہی خیالِ باپ سے بیٹے تک متواتر چلا آتا ہے اور پھر ایسے لوگوں میں سے بڑی سمجھ بوجھ کے لوگ یا حکام اور مذہبی پیشوا لوگوں کو اپنی اطاعت میں رکھنے اور اُن سے ذاتی مفاد حاصل کرنے کیلئے اس خیال کو قوی کرتے رہتے ہیں۔ اپنے معبودوں کے عبادت کے قاعدے قانون بناتے رہتے ہیں اور یوں لوگوں کے غلط خیال اور عجیب خوف سے اُن کی جہالت کے سبب یہ لازمی نتیجہ یعنی مذہب پیدا ہوتا اور بڑھتا رہتا ہے \*

اُن کے نزدیک جو فطری اسبابِ مذہب پیدا کرنے کے ہیں مثلاً عجائبات اور با تکلیف اشیا کا دیکھنا اور اُن کو جہالت کے سبب حل کرنے کے ناقابل ہونا اُن کے بعد مذہب کو پکارتے ہیں استدلال کو بھی دخل ہے اور انسان غور و فکر کرنے کے بعد اپنی نادانی سے خدار اور دیوتا کے وجود کا غلط نتیجہ نکال لیتا ہے۔ لیکن اگر مذہب استدلال سے پیدا ہوا ہے تو استدلال جس سے وہ پیدا ہوا ہے اُن کے نزدیک حقیقت میں غلط ہے تو جیسا کہ دیگر غلط استدلالوں کی حالت ہے۔ تمدن و تہذیب سے اُس کی غلطی معلوم ہونے لگتی اور چون چون بقول ان کے قوانینِ قدرت اور نیچر کے بے انتہا وسائل کا علم ہوتا جاتا اس استدلال کا ضعف معلوم ہوتا رہتا اور جیت بڑھ مذہبی احساس کم ہوتے ہوئے بالکل فنا ہو جاتا اور چونکہ یہ استدلال بھی ان کے خیال کے مطابق نوع انسان کی محض ابتدائی حالت میں پیدا کیا گیا تھا اس لئے تاریخی



زمانہ سے بھی بہت عرصہ پہلے سے اسکی نسبت شکوک پیدا ہونے لگتے اور پھر وہ شکوک علم و شعور کی ترقی سے اعتراض اور اعتراض سے مذہب کے خلاف قوی دلائل میں تبدیل ہو جاتے اور ہوتے ہوئے مذہب اس وقت تک کہی کا منہ نہ ہستی سے یا کم از کم مذہب قوموں سے نابود ہو جاتا۔ جیسا کہ انسانی قربانی ہستی ہونے کی رسم اور عورتوں کو مردوں کی غلام اور ان سے بہت کم وجہ کی مخلوق سمجھنے کے خیالات اور ان کے سوا اور حشیانہ رسوم و عقاید چلے وجود نہ ہی احساس پیدا ہونے سے یقیناً بعد ہے اور دنیا کی اکثر قوموں میں نہایت کثرت لٹچ رہے ہیں غلط استدلال پر مبنی ہونیکے سبب عموماً مذہب بلکہ تیم مذہب ممالک سے بھی حرف غلط کی طرح مٹ چکے ہیں یا جیسا کہ عرصہ دراز تک قوم کا سردار یا ملک کا باؤشاہ بالکل خود مختار اور مطلق العنان اور رعایا کی جان مال اور آبرو کا بے شرکت غیرے مالک و مختار مانا جاتا تھا اور اس کے فعل کو خواہ کیسا ہی ظلم انصاف اور خلاف انسانیّت ہو حکم آسمانی اور ناقابل اعتراض سمجھا جاتا تھا اور اب اس کے بالکل عکس حال کم وقت کو رہا یا کا خادم اور چیلک کی عام رائے کے ماتحت ثابت کیا جاتا ہے اور جان و آبرو ایک طرف اس کو لوگوں کی ذرا سی چیز کو بے وجہ نہ کر دینا بھاری نہیں سمجھا جاتا اور بار بار بین پہلے لوگوں کے غلط استدلال اور لغو نتائج غبار بن کر ایسے اڑ گئے ہیں کہ اب خیال میں بھی نہیں آ سکتا کہ ان لوگوں نے کیوں کر اپنے ایک بھجنس کو ایسے خدائی اختیارات دے رکھے تھے اور ان تمام غلط نتائج کے برخلاف مذہبی احساس کی یہ کیفیت ہے کہ۔

اول تو اس کے خلاف تلاش کرنا بالکل کوئی بھی آج تک کوئی قوی دلیل دستیاب نہیں ہوئی جس سے وجود ربانی ناممکن ثابت ہو سکے مگر بریل کا جو انکار خدا میں بہت گہرا ہے لکھتی ہیں

”مگر خدا نہیں کہتا کہ خدا نہیں ہے بلکہ یوں کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا لفظ خدا سے تھا۔ مطلب کیسا ہے۔ میرے دماغ میں خدا کا خیال موجود نہیں اور لفظ خدا میرے نزدیک ایسی آواز ہے جس کا خدا اور خداوند مطلب ہر میں خدا کا انکار نہیں کرتا کیونکہ جو چیز میرے تصور میں نہیں اور جس کا تصور خداوند الٰہ کے دماغ میں بھی ایسا ناکمل ہے کہ وہ اسکی تعریف و خدا نہیں کر سکتے ہیں یہی چیز کا انکار کیونکہ کہتا ہوں“۔

مذہب کے خلاف کوئی دلیل موجود نہیں

اس کے آگے مشرول ہم اگر گریگ کا قول نقل کرتے ہیں کہ۔

” ایک دائمی قدیم آدمی شخص خدا کا تصور مجھے بہت دلتوا معلوم ہوتا ہے اور ایسے شخص غائق کے

بغیر پیدائش اور ترقی کا تصور ہی ایسا ہی دشوار ہے کہ اس پر غالب نہیں آسکتے۔“

مطرح جان ایس ٹل جو آواز و خیالی کے ساتھ علم و فضل اور مقبول پسندی میں بھی ممتاز ترین

تحقیق مذہب کے بعد اپنی ہی بار تقریر میں یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ۔

” ایمان کے ثبوت کا اور ایمان کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے متعلق وحی والہام کے ثبوت کا

امتحان کرنا ایک بعدی نتیجہ نکلتا ہے کہ مذہب خواہ الہامی ہو یا فطری دونوں میں حق و باطل

کا تعلق ہے اسکی نسبت ایک ذی شعور قلب کا عقلی میلان انکار کی جانب ہے۔ لیکن یہ انکار

جیسا کہ ایک طرف خدا کے اقرار سے جدا ہونا چاہئے ویسا ہی دوسری جانب انکار خدا سے بھی

علیحدہ ہونا ضرور ہے اور یہ انکار خدا جس سے ہم اپنے انکار کو جدا رکھنا چاہتے ہیں یہی ملہی اور

ایجابی دو قسم کا ہے یعنی سکو اس خیال سے بھی علیحدہ رہنا چاہئے کہ خدا نہیں ہے اور اس

خیال سے بھی الگ رہنا چاہئے کہ خدا کے ثبوت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ عملاً اس آخری

انکار کا بھی وہی نتیجہ ہے جو وجود خدا کو نامکن ماننے کا ہوگا پس اپنی گذشتہ تحقیق میں جن نتائج

میں ہم پہنچے ہیں اگر وہ صحیح ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ وجود خدا کی شہادت موجود ہے مگر اسکو

ثابت کرنے کیلئے ناکافی ہے البتہ ایک کم درجہ کا گمان غالب پیدا کرتی ہے۔“

اس زمانے کے مشہور فلاسفر ڈاکٹر ہریٹ سپنسر لکھتے ہیں

” اگر کچھ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے قابل نفرت خیالات مذہب میں لاکر اسکی اصل خوبی کو جو مذہب

میں مشترک ہے نابود کر دیا ہے تو یہی جماعت بھی ضرور ہے جو سائنس دان کہہ لاکر مذہبی عقاید پر ایسی

نکتہ چینی کے مرتکب ہوتے ہیں جس سے ان کو نفس علم کی نسبت سخت تعصب پیدا ہو جاتا ہے

حالانکہ انکی اس نفرت کے لیے کوئی دلیل بھی ان کے پاس نہیں۔ وہ صرف ان ناشایستہ

صاحبوں (اعترافوں) سے واقف ہیں جو سائنس نے ان کے بعض عقاید پر پہنچائے ہیں

اور اس سے گمان کر بیٹھے ہیں کہ شاید سائنس ان کے تمام مذہبی خیالات کا انحصار کر دے گی اور اس طرح ایک بھل خوف بین مبتلا ہو گئے ہیں“ ۳

دوسرے جس چیز کو وحشیانہ خوف اور تعجب کی پیدائش مانا گیا تھا اس میں بجائے صنعت اور شک پیدا ہونے کے اور بجائے آہستہ آہستہ فنا ہو جانے کے جیسا کہ دیگر غلط استدلالوں کی حالت دیکھی گئی ہے تمدن و تہذیب کی ترقی سے اور علانی گئی ہے اور قوانین قدرت اور نیچر کے بلے انتہا وسائل کی شناسائی ہوتے جانے سے اعتقاد و ایمان کا رستہ زیادہ صاف ہوتا گیا ہے۔ پہلے زمانے کے ہلکا کسی خوب صورت اور عجیب درخت پتھر یا حیوان کو دیکھ کر اپنے مذہبی میلان کو اسی میں صرف کر دیتے تھے اور خدا مانکر اس کی پرستش کرنے لگتے تھے آگے چل کر جب کثرت مشاہدہ اور عقل و شعور کی ترقی سے ان چیزوں کے خواص دریافت ہونے شروع ہوئے اور دیکھا گیا کہ یہ عدم سے وجود میں آتی ہیں اور کچھ مدت کے بعد فنا ہو جاتی ہیں اور نیز ان کے پیدا اور فنا ہونے کے اسباب کا پتہ لگنے لگا تو جن طاقتوں کا علم حاصل ہوتا گیا اور جو نسبتاً ان سے زیادہ روحانی اور جسمانی ہی بعینہ تھیں خدا کو ٹھہرانے والے ہذا کرتی رہیں اور خدائیں کہہ کر ان کی طرف جھکتے گئے اور بجائے محسوسات کے ان ارواح اور طاقتوں کو خدا ماننے لگے جن کا اثر وہ اپنے حواس سے محسوس کرتے تھے اور اس طرح بارش کا دیوتا اور مہر کا دیوتا وغیرہ فرض کیے گئے۔ اس سے قدم آگے بڑھا اور ان طاقتوں کو بھی ان سے بالاتر طاقتوں کا محکوم اور بہت نیست کی بنیاد پر پائیا تو اپنے شاہد منصوص کو ان ابتدائی مسئلوں سے دور نسبتاً زیادہ مجرور نفس میں دیکھنے لگے اور سمجھے کہ اگرچہ یہ طاقتیں یا الفاظ دیگر یہ دیوتا بھی اس کے منظم اور جلوہ گاہ ہیں لیکن حقیقت میں وہ ان سے بالاتر اور ان سب کا حاکم و فرمان روا ہے اور پھر حیرت تمام عقل و شعور میں آنے والی ہستیوں کے کمال عجز اور بے بسی کا یقین ہوا تو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (میں زائل ہو گیا ہوں کو اپنی نہیں کرتا) کہہ کر اور تمام مظاہر قدرت سے منہ پھیر کر اس ایک حقیقت کی طرف متوجہ ہوئے جسکی شان ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ

عقلی ترقی کو مذہب  
روشن ہوتا گیا ہے

قَوِّ كَلِّ ذِي عِلْمٍ عَلَيْهِمْ لَكَيْسَ كَيْشِلَهُ شَيْءٌ - یعنی نظر اسے پائیں سکتی کوئی  
علم اس تک پہنچ نہیں سکتا اور کوئی مثال اسے واضح نہیں کر سکتی۔

ڈاکٹر ہریٹ سپنسر اپنے نقطہ خیال سے اس مضمون کو خوب ادا کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں

سائنس سب کی کیا  
خدمت بجالاتی ہے

”نہیب کا اصلی مدعا یعنی ایک ناقابلِ فہمیدہستی کا اعتقاد اس کو مذہب کی مختلف شاخیں چھپاتی  
آئی ہیں اور ہر ایک مذہب اپنے اپنے دائرہ میں اسکو کسی نہ کسی قدر قابلِ فہمیدہ بنا آتا ہے مگر یہ  
مذہب پر سائنس کا احسان ہے کہ وہ اس مسئلہ کو صاف کرتی جاتی ہے اور ہر ایک محدود علت  
کے اوپر اس سے عامتر علت ثابت کرتے کرتے وہ آخر اس اعم العوام علتِ اعلیٰ تک پہنچانے  
کا راستہ صاف کرتی آتی ہے۔“

چنانچہ اسکی مثال یوں دیتے ہیں کہ۔

”آفتاب کو پرنے والے زمین میں دیوتا کی گڑبڑ سمجھا جاتا تھا اور یوں اسکی حرکت کا ایک ایسا  
سبب مقرر کر کے جیسا کہ عام طور پر دنیا میں پایا جاتا ہے اسکی علت کو قابلِ فہمیدہ بنایا جاتا تھا  
کئی صدیوں کے بعد کیپلر نے ثابت کیا کہ تمام سیارے آفتاب کے گرد پھرتے ہیں اور ہر ایک  
کے سینٹر خاص وارہ ہے اور اس کے بعد اس نے مانا کہ ہر ایک سیارہ میں موجود ہے جو اسکو حرکت  
دیتی ہے۔ اس طرح اس وقت کی پہری سائنس نے ذریعہ حرکت ایسا ہی ثابت کیا جو بت پرستوں  
کے نقطہ خیال سے ملتا جلتا تھا مگر اسے نامحدود اور کسی قدر کم سمجھتے ہیں آئندہ آنا۔ بعد کے دن  
میں تمام حرکات کو کششِ ثقل کا اثر مانا گیا اور کیپلر کی ارواح کو غلط ٹھہرایا تو اب خیال میں  
آسکتی والی علت کی بجائے ایک خیال میں دے سکنے والی علت قائم ہوئی کیونکہ کششِ ثقل اگرچہ  
ہمارے ذہن کی گرفت کے اندر ہے مگر پھر بھی اس کو خیال میں بالکل مشخص معین کر لینا ممکن  
ہے اور خود نیوٹن نے مانا ہے کہ کششِ ثقل ناقابلِ فہمیدہ ہوتی اگرچہ زمین ایتھر کا واسطہ  
نہ ہوتا۔ مگر ہم دکھا چکے ہیں کہ ایتھر کے واسطہ کو انکر بھی یہ عقدہ حل نہیں ہوتا اور کششِ ثقل کا  
اثر سمجھتے ہیں آتا۔ غرض سائنس کی ترقی سے عام در عام ذرایع اور علل دریافت ہوتے جاتے

ہین اور یہ عمل جو زیادہ سے زیادہ نامشخص ہوتے جلتے ہین ضرور ہے کہ ان کو سمجھنے کی قابلیت بھی درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے۔

اس کے چل کر فرماتے ہین۔

”سائنس نے بھی اپنا فرض پورے طور پر ادا نہیں کیا۔ پہلے قدم پر جب سائنس نے مظاہر کا باہمی سلسلہ تعلق معلوم کیا اور یوں مختلف ارواح کو ذریعہ کار و بار ٹھہرانے سے انکار کیا تو خود بھی ایسے ہی اسباب تسلیم کئے جو پرنسپل شخص (تو نہیں) تھے تاہم کام کر ڈیٹ (عدلیہ) ضرور تھے اور اس طرح واقعات کو نشر و تحریک کیا ایسا طریق اختیار کیا گیا جو اگرچہ موجودہ مذاہب کے طریق سے مختلف تھا مگر پھر بھی اس میں مختلف عمل کو مانا گیا تھا اور اس طرح نامعلوم کو معلوم سمجھ لیا گیا تھا یعنی ان ملکوتی عمل کو سمجھ کر سائنس نے برق، حرارت، کشش ثقل و اتصال وغیرہ مختلف علتیں تسلیم کیں۔ اور آزادانہ طور پر دیکھا جائے تو سائنس کا یہ طریق غیر فلسفیانہ ہے جیسا کہ مذہب کا طریق مروجہ (بہت سو دیناؤں کو ماننا) غیر مذہبی ہے کیونکہ دونوں قابل فہم کو قابل فہم بنانے کی کوشش کرتے ہین۔ مگر تاہم حال ہین بعض سائنس کے اعلیٰ درجہ کے ماہر جرات رشتی، متناطیس وغیرہ طاقتوں کو سمجھ کر کہیں کو جدا جدا علتیں مانا جاتا ہے اب یہ کہنے لگ گئے ہین کہ یہ سب طاقتیں کسی ایک اور محیط طاق کے مختلف مظاہر ہین اور اس طرح یہ لوگ اس طاقت کو قابل فہم سمجھنے سے باز آنے لگے ہین۔“

پھر کہتے ہین۔

”جب سائنس یہ مان لیگی کہ اس کے دعاوی بہت ہی قریب کی چیزوں اور صرف تعلقات تک محدود ہین اور مذہب یہ مان لیگا کہ جس ملاز کو وہ مانتا ہے وہ انتہائی اعلیٰ ہے (یعنی جبرائیل) حقیقتاً کیا کو جاننا دعویٰ چھوڑ دینی اور جب مذہب کو جاننا کا دعویٰ کر دیکھا (ہرگز) دونوں کا تعلق ہو جائے۔“  
غرض یہ شان ہے اس احساس کی جس کو غلط استدلال پر مانی گیا تھا کہ بجائے کم ہونیکے سائنس فلسفہ کی ترقی سے وہ اور بھی قوی اور قریب صحت ہوتا گیا اور جو امور انسانی استدلال

مذہب میں ملنا رہا ہے مثلاً خدا کا درخت پتھر وغیرہ میں محدود کرنا یا اس کے بعد محسوسات میں ظاہر ہونی والی طاقتوں میں منحصر سمجھنا یا آگے چل کر ان سے زیادہ مخفی قوتوں کو اپنا معبود ٹھہیرنا ان امور پر عقل و شعور اور مذہب و تعلیم کا اثر پڑا اور نور مذہب نے ان تاریک خیالات کو بند رنج نفا کر دیا اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ یہ امور انسان کے اپنے پیدا کردہ اور غلط استدلال پر پرہیزی تھے۔ پس بریڈن لا کی تقریر میں اگر کوئی بات ہے تو وہی جو مسٹر میل نے کہی تھی کہ جب تک انسانی زندگی تکالیف سے معمور ہے مذہب انسان کیلئے باعث تسکین رہیگا۔ مطلب یہ کہ جب تک زمانے میں انقلاب و تغیر موجود ہے (اور یہ ہمیشہ رہیگا) تب تک انسان ان سے اپنے معبود کی طرف توجہ کرے نیکو سامان پائیگا اور چونکہ یہ سامان خود نیچر کا پیدا کردہ ہے اس لئے جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے مذہبی احساس کے فطری ہونے میں اس سے کوئی شبہ واقع نہیں ہوتا +

مذہب و مقتدا  
قوم

شائد اس اعتراض میں ہی نقص تھا جسکی وجہ سے مسٹر بریڈن لا اور ان کے بھائیوں کو عجائبات عالم کو مذہب کا محرک ماننے کے بعد مقتدایان قوم کی تعلیم و تربیت کا بہانہ بھی تلاش کرنا پڑا لیکن یہ عذر بھی کچھ دقیق معلوم نہیں ہوتا کیونکہ جب مقتدایان قوم کے بناؤ ہوئے دیوتا اور ان کی تسلیم کردہ رسوم تہذیبی اور عبادات مذہبی جن پر اپنے اپنے وقت میں نہایت سختی سے عمل ہوتا رہا ہے مذہب و تعلیم سے ایک ایک کر کے نابود ہوتی گئیں اور ان رگوں کا اثر اس سے مانع نہ ہو سکا بلکہ ترقی نے خود ہندو رگوں اور سب سے بڑھ کر بادشاہوں تک کی بالا تری اور خود مختاری کو دلوں سے مٹا دیا اور صرف ایک قدر مشترک یعنی مذہب صرف نابود ہونے سے محفوظ رہا بلکہ اور روشن ہوتا گیا تو ضرور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مذہب جس طرح غلط استدلال سے پیدا نہیں ہوا اسی طرح مقتدایان قوم کا پیدا کردہ بھی نہیں۔ ڈاکٹر سپنسر لکھتے ہیں :-

” شہادت ثابت کرتی ہے کہ مذہب کو مقتدایان مذہب کا پھیلایا ہوا کہنا غلط ہے اور یہ خیال



ایک معبود نہ ہو سکتا ہے

خیال اگرچہ کچھ اصلاح پذیر ہوتا جاتا ہے مگر پھر بھی زیادہ تر اسی خوف کی وجہ سے مدتوں قائم رہتا ہے  
 حتیٰ کہ مذہب و ایمان کا مذہب ان کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور جس کو مذہب لوگوں کا مذہب کہا جاتا ہے  
 وہ با تو ان دلائل کا نتیجہ ہوتا ہے جسکو براہین عقلیہ کے نام سے نامزد کیا جاتا ہے اور یہ مظاهر قدرت کا۔  
 جہاں تک واقعات کا تعلق ہے مٹھریل کا بیان بالکل صحیح اور درست ہے اور واقعی مذہب اپنے  
 وحشی لوگوں کے معبودوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اور جب ان کے معبود ایک نہیں ہیں تو  
 بطور ہی نتیجہ درست ہو گا کہ وہ سب تلاش بھی ایک چیز کو نہیں کرتے اور اس لیے احساس بھی  
 ان سب کا ایک نہیں ہے پس مذہب اور ایک مذہب یعنی خدا کا یقین سب کی فطرت میں داخل  
 نہ ہوا۔ مگر اس نتیجہ پر یقین کرنے سے پہلے گرد و پیش کے اور حالات کو دیکھنا بھی ضرور ہے مثلاً ابتدا  
 میں جب انسان زمین پر آباد ہوا ہو گا تو اسکو خیال بھی ہو گا کہ یہ زمین جس پر وہ چلتا پھرتا ہے کیا چیز ہے  
 کیونکہ زمینی ہے؟ کس شکل کی ہے؟ کس چیز پر قائم ہے؟ اور انسان کا اس وقت ان خیالات  
 سے معرہ ہونا بالکل یقینی ہے کیونکہ آج اس قدر زمانہ گزر جانے کے بعد کہ وٹرون جاہل افراد  
 اور اقوام موجود ہیں جن کے دماغ ان فکروں سے پاک ہیں۔ اچھا تو پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے  
 بعد اور اپنی اس پاس کی بہت سی چیزوں کی قطع و صنع اور ترکیب و تحلیل کے منظر دیکھنے اور کچھ  
 کچھ واقفیت پیدا کرنے کے بعد جس تختہ پر ان کی بود و باش کا سامان آراستہ کیا گیا ہے اسکی  
 نسبت انکی تجسس نگاہیں دوڑنی شروع ہوئی ہوں گی اور یہ پہلا قدم ہو گا جو زمین کے متعلق تلاش  
 و تفتیش کا اٹھایا گیا۔ اس کے بعد نہ معلوم کس کس زمانے میں کیا کیا خیالات زمین کے متعلق  
 قائم ہوئے ہوں گے کیونکہ انسانی تاریخ اس قسم کی تفصیل ظاہر کرنے سے قاصر ہے مگر اتنا  
 یقین کرنے کے وجہ موجود ہیں کہ انہوں نے پہلے پہل یا چند خیالات کو قائم کرنے اور پھر غلط ہونے  
 کے بعد بیخیال قائم کیا ہو گا کہ زمین مسطح اور ہوا و آتش ہے کیونکہ اس خیال کا پتہ اب بھی جاہل قومیں  
 لے سکتے ہیں اور اس سے آگے بڑھ کر کسی وقت وہ خیال قائم ہوا ہو گا جو اب تک ضرب المثلوں  
 اور حیرتوں میں ظاہر کیا جاتا ہے کہ زمین ایک گائے یا سانپ کے سر پر قائم ہے اور گمان ہوتا ہے



کہ یہ خیال انسان کے بہت ہی ترقی کرنے کے بعد اس وقت پیدا ہوا ہو گا جب وہ ان لایہ کو سمجھنے کے قابل ہو گا کہ ہر چیز کسی دوسری چیز پر قائم ہو کر تھی ہے اور بغیر کسی جگہ قائم کے متعلق رہنا ممکن نہیں۔ پھر اس خیال کے بعد جس خیال کا ہمیں علم ہے وہ ہے ابھی ابھی علمی ذہن سے فنا ہوا ہے یعنی یہ کہ زمین گول ہے اور وہ کسی اور چیز پر قائم نہیں بلکہ تمام موجودات کے عین وسط میں ہے اور پانچ کے چھلکوں کی طرح اس پر مڑا اور آگ اور متعدد آسمانوں کی تہذیب پڑھی ہوئی ہیں اور سورج چاند اور تمام سیارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔ اس کے بعد ہمارے زمانے کا دور ہے جس میں آگ کا غلاف اور آسمانوں کی تہذیب غبار بن کر سیڑی اڑی ہیں کہہ دیکھائی نہیں دیتیں اور اب آفتاب دیوتا کی مانند وسط میں اور زمین اور دیگر ستارے راجہ کی پریوں کی طرح ہمارے متعلق اس کے گرد طواف کرتے مانے گئے ہیں۔ آگے آگے خدا احمد کیا کیا گل کھلین گے اور کس راجا کا راج ہو گا کہ اب تک کس قدر انسانی عقل کی ہمت ہے خیال کو یقینی اور ہر طرح سے قابل تسلیم مانا جاتا ہے۔

اسی طرح انسان ابتدائی حالت میں جس پھل کو دیکھتا ہو گا بھوک سے لاچار ہو کر مینہ لیتا ہو گا جیسا کہ اب بھی اکثر گنوا سبب ناپاتی اور کھیرے لکڑی کو بے چھیلے اور صاف کٹے جلتے ہیں پھر ذرا تمیز پیدا ہوئی ہوگی اور خوبزہ نر بوز وغیرہ کا چھلکا کھانے کے بعد اس کا ذائقہ چھلکے سے بہتر اور خوشگوار معلوم ہوا ہو گا تو پھل کا پوست اتار کر کھانے کا رواج پڑا ہوگا یہ پہلا قدم ہو گا جو اشیاء کی تخلیل اور اجزاء کی شناخت کی طرف اٹھایا گیا ہو گا۔ پھر جب ذرا اور غور کی عادت پڑی ہوگی تو سمجھنے لگے ہوں گے کہ پھل کے عناصر چھلکا مغز اور اس کے اندر اور بیج بھی چیزیں ہیں اس کے بعد جب تجربہ بڑھا ہو گا تو بعض چیزوں کو کچھلتے اور پانی بنتے بعض کو بجھانے اور بعض کو خاک ہوتے دیکھا ہو گا اور سمجھے ہوں گے کہ چھلکا اور مغز ہمیں ملنے والے ہیں اور ہوا وغیرہ اصلی اجزاء ہیں جن سے کوئی چیز بنتی ہے اور یوں رفتہ رفتہ وہ قائم ہوا ہو گا جس کا جنازہ موجودہ زمانے والوں نے پڑھا ہے اور جس کی گور کے نشان اب بھی

کہ اگر بعد عناصر ہر چیز کا اصل میں اور آگے ان کی تحلیل نہیں ہو سکتی۔ مگر زمانے کو ایک بات پر چین کہاں  
 ڈھونڈ ڈھونڈتے رہے اور کھودنیوالے کھودتے رہے حتیٰ کہ مٹی کو پیسا اور پانی کو چھانا۔  
 انہوں نے بات کر دکھائی اور چار کی جگہ ساٹھ سے زیادہ عناصر نکال کر رکھ دیئے۔ اکائیوں سے دہائیوں  
 کے آخر تک پہنچ گئے اب سینکڑوں اور ہزاروں کا نمبر باقی رہا۔ البتہ پچھلوں کی غلطی سے فائدہ  
 اٹھا کر ان لوگوں نے عقلمندی کی کہ عنصر کی تعریف کو بدل دیا پہلے عنصر کو نامکمل تحلیل کہتے تھے  
 اب عنصر سے کہتے ہیں جو موجودہ ذرائع اور وسائل سے تحلیل ہو سکے۔ گو آئندہ ترقی کرنے اور کس طرح  
 طرح کے وسائل بہم پہنچانے پر وہ بھی صاحب اثر ثابت ہوں اور اس طرح پانی کو عنصر کہنے والے چوتھے  
 طبقے کے مگر پڑرجن اور اسکیمین کے اجزا معلوم ہونے پر ان کو عنصر ماننے والے چوتھے نہ ہوں گے  
 کیونکہ موجودہ وسائل سے تحلیل انہی ختم ہوتی ہے اور آئندہ جو عناصر ثابت ہوں گے وہ بھی وہی  
 ہوں گے جن تک اس زمانہ کے موجودہ وسائل پہنچائیں گے۔

غرض یہ ہے انسانی عقل اور عقلی ترقی کی حالت کہ وہ پیدا ہوئی تو ہزاروں ٹھوکرین کھا کر  
 ہزاروں غلطیاں کر کے یہاں تک پہنچی ہے اور طرہ مل جو کچھ کہتے ہیں اس سے انسانی مذہب کی  
 حالت ہی یہی ثابت ہوتی ہے۔ انسان نے زمین اور پھل کو دیکھا اس میں غور کیا یہ اسکی عقل خوبی تھی  
 اسی طرح کسی عجیب و غریب اور پیچیدہ کو دیکھا اس میں سے قابل نظم ہستی کی قدرت کو تلاش کیا یہ مذہبی  
 خوبی ہے۔ زمین کو دیکھ کر سطح مانا اور پھل کو دیکھ کر چھلکے اور گودے کو عنصر سمجھا یہ انسانی کمزوری تھی  
 اسی طرح وخت اور پیچہ کو خدا جانا یہ بھی سہو انسانیت تھا۔ آگے چل کر عقل اور مذہب دونوں نے انسانی  
 کمزوری اور سہو کو محسوس کیا زمین کو گول چھلکے کو قابل تحلیل اور خدا کو محسوسات سے بالاتر مانا مگر  
 کمزوری نے سچا نہ چھوڑا اور ایک اور ٹھوکر کھائی کہ عناصر کو چار زمین کو ساکن اور خدا کو قوائے  
 عالم میں منحصر مانا۔ رفتہ رفتہ عقل اور مذہب زور پکڑتے گئے انسانی کمزوری کم ہوتی گئی عقل نے  
 اپنی حالت کو سچا نا عجیب کا اعتراف کیا اور کہا کہ واقعیت میری گرفت سے باہر ہے البتہ وسائل  
 استخراج جس حد تک مدد کرتے ہیں اسی قدر یقین کرنے کا حکم نافذ کرتی ہیں۔ اسی طرح مذہب نے اعلان

کیا کہ میرا معبود احاطہ فہم و ادراک سے بالا ہے مگر ذرا کشف و شہد جس درجہ تک اسکی صفات کا کمر  
 ظاہر کرتے ہیں اسی حد تک ایمان لانا بیکار قوت ہے دینا ہوں۔ پس اگر مذہب فطرت میں داخل نہیں ہے  
 اس لیے کہ حیثیوں کا مذہب اور چیز کو خدا سمجھتا تھا اور تربیت یافتہ لوگوں کا اعتقاد اور خدا کی پیش  
 کرتا ہے اور اس لیے دونوں کا مذہبی احساس ایک نہیں ہے تو عقل بھی انسان کی فطرت میں داخل  
 نہ ہوگی اس لیے کہ حیثیوں کی عقل اور چیز کو امر واقع سمجھتی تھی اور تربیت یافتہ دماغ اور سمجھتے ہیں اور اس لیے  
 دونوں کا عقلی میلان ایک نہیں ہے۔ مگر نہیں، عقل کے داخل فطرت ہونے سے انکار نہیں ہو سکتا  
 اس لیے کہ تلاش واقعیت عقل کو ہمیشہ رہی ہے اسی بنا پر مذہب کے داخل فطرت ہونے سے بھی انکار نہ ہونا  
 چاہیے کیونکہ تلاش خدا مذہب کا دائمی خاصہ رہا ہے۔

شاید وہ سوچا یہ ہوا ہے کہ اس اعتراض کے پیش کرنا والوں نے جذبہ فطرت اس خاصہ کو سمجھا ہے  
 جو شروع سے مکمل اور ناقابل ترقی ہو مثلاً کھانے پینے کی خواہش یا نشوونما پانے کی طاقت کہ ایسے  
 خواہ جس طرح ابتدائے آفرینش میں کام کرتے تھے اسی طرح ہر زمانے میں کرتے آئے ہیں اور ایسا نہیں  
 ہو سکتا کہ ابتدائے میں خوراک کی خواہش کم ہو اور بعد میں اس کے اندر ترقی ہوئی ہو پس وہ سمجھتے ہیں کہ  
 جذبہ فطری وہی ہوتا ہے جو اس طرح ابتداء سے آخر تک ایک حالت پر رہے اور چونکہ مذہب کی یہ  
 صورت نہیں ہے اس لیے وہ اسکو جذبہ فطرت ماننے سے انکار کرتے ہیں مگر یہ ایک غلطی ہے جو حیوانی  
 یا نباتی خواہ فطرت اور انسانی جذبات فطرت میں تمیز نہ کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔ حالانکہ جس قدر  
 جذبات فطرت شروع سے مکمل اور ناقابل ترقی ہیں وہ یا نباتی ہیں مثلاً قوت نشوونما اور یا حیوانی  
 مثلاً بھوک پیاس کا احساس اور یا جسم حادثہ چونکہ نباتی اور حیوانی وہ جس سے ترقی کیلئے ہوتے آتے  
 تک پہنچتے ہیں اس لیے انسان بھی جسم نامی اور حیوان کی قسم سے شمار کیا جاتا ہے اور وہ تمام نباتی  
 اور حیوانی جذبات رکھتا ہے جو اسکی ترقی یافتہ حالت کے نباتی نہ تھے اور ایسے جذبات بیشک اس کے  
 اندر مکمل حالت میں ہیں مگر جو جذبات فطرت انسانی نے پیدا کئے ہیں یا جن نباتی اور حیوانی جذبات  
 کوفات انسانی نے ترمیم و اصلاح کے ساتھ قائم رکھا ہے ان میں سے غالباً کوئی بھی شروع سے

مکمل اور ناقابل ترقی نہیں ہے مثلاً نشو و نما ایک نباتی خاصہ ہے اور اپنے سادہ طریق پر انسان کے اندر شروع سے مکمل ہے لیکن اس کے واسطے اسباب و وسائل کا تلاش کرنا انسانی خاصہ ہے یا یوں کہا جائے کہ جذبہ نباتی میں انسانی فوقیت کی جانب سے ایک اصلاح ہے کیونکہ نباتات پر اسباب و وسائل کی تلاش فرض نہیں کی گئی بلکہ قدرت خود ہی اس کا انتظام کرتی ہے اور انسان کے لئے جو ایک کارکن مخلوق تھا یہ رعایت روانہ رکھی گئی اور فرض گردانا گیا کہ وہ خود اسباب و وسائل کو مہیا کرے اور یہی فرض حیوانات کی گردن پر بھی رکھا گیا تھا مگر فرق تکمیل اور عدم تکمیل کا ہے کہ حیوانات کی تلاش ازل سے ابتدائیکہ یکسان ہے اور انسان نے اس بارہ میں ابتدائی نسل کی نسبت آہستہ بہت ترقی کر لی ہے۔ ابتدائے آفرینش کے انسان محض حیوانوں کی طرح نشو و نما پاتے تھے اور قدرے کچھ دسترخوان پر جو الوان نعمت اس غرض کے لئے چنے گئے تھے بے سمجھو اور جیسے ان سے کام لیتے تھے مگر آج کا انسان بہت سو فواید حصول معیشت، حفظ صحت، افزائش نسل اور ترقی نمود کے درپے کر چکا ہے اور طبری حد تک سمجھ گیا ہے کہ کیونکر نشو و نما میں ترقی ہو سکتی ہے اور کن اسباب سے اس میں نقص پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح بہوک پیاس اگرچہ کچھ خاصہ ہے مگر انسان نے اپنی ترقی سے بہت کچھ بہوک پیاس بڑھانے کے وسائل اور کم ہونیکے اسباب دریافت کر لئے ہیں۔

یہ توان جذبات فطرت کی حالت تھی جو انسان میں نباتیت اور حیوانیت کے درجہ سے منتقل ہو کر آئے ہیں اب ان جذبات کو دیکھا جائے جو فطرت نے خاص انسان کیلئے پیدا کئے ہیں تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام جذبات نہایت ہی ضعیف اور نامحسوس حالت میں پیدا کئے گئے ہیں اور کمال سب کا آہستہ آہستہ اور بہت سی غلطیوں کے بعد ہوا ہے مثلاً صداقت، شجاعت، عدالت، رحم، ہمدردی، انفاست اور خود غفل اور ترقی سب فطری خواص ہیں مگر ابتداء سے اتنا کم نہیں سینکڑوں تغیر اور ان کے مفہوم میں کئی طرح کے اختلاف پیدا ہوتے آئے ہیں۔ وحشت کے زمانے میں اپنے دشمن کو پامال کرتے ہوئے ضعیفون، اباہجون، عورتوں اور بچوں تک کو بیدریغ تر تہ تیغ کیا جاتا تھا اور بیکسیوں کی فریاد و زاری اور آہ و بکا پر ترس نہ کھانے کی تعریف

ہوتی تھی اور اس وصف کو شجاعت اور بہالت کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا تھا اور کوئی شخص کیسا ہی ظلم و ستم کرنے کا عادی ہو لیکن جب کسی بڑے آدمی کے پاس آکر ڈلے جیسے ساتھ پناہ مانگے تو حمایت کو فرض سمجھا جاتا تھا اور اگر اتفاق سے وہ شخص پناہ دینے والے کے دشمنوں پر کوئی مصیبت ڈال کر آیا ہے تو اسکی طرفداری اور بھی امر لازم اور فرض اتم مانی جاتی تھی اور ایسے پناہ مانگنے والے کی حمایت کو بہر وی و رحم سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ یا ایک زمانے میں دشمن سے مغلوب ہو جانے پر اپنے ہاتھ سے اپنی عزیز اولاد اور وقار و عورتوں کو قتل اور جا لوندن کو تابہ کر دیا جاتا تھا اور مال و اسباب کو جلا دیتے تھے اور پھر دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے اور اس فعل کو مقتضائے شرافت و غیرت اور دشمن سے ایک طرح کا انتقام سمجھا جاتا تھا۔ علیٰ ہذا جھوٹ اور فریب کے اخترازمحض اپنے دوستوں کیساتھ ضرور تھا اور دشمنوں سے اس قسم کا سلوک جائز بلکہ بعض اوقات واجب سمجھا جاتا تھا۔ غرض یہ اور اس قسم کی ہزاروں غلطیاں تہذیب جوان اور صاف حسنہ کی حقیقت سمجھنے میں کی جاتی تہذیب اور تہذیب اور زمانے کا نامعلوم عرصہ گزرنے کے بعد اخلاق حسنہ کی وہ تعریف و تحسید ہوئی ہے جو آجکل بالعموم تسلیم کی جاتی ہے +

مسئلہ ایک موقع پر صداقت و بہر وی و غیرہ چند اوصاف کا ذکر کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا کمال بہت کچھ تربیت پر منحصر ہے اور آگے چل کر تسلیم کرتے ہیں کہ ان اوصاف کا تخم انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ اس اظہار سے اس مقام پر جو نتیجہ وہ نکالتے ہیں وہ درجہ ہو یا غلط مگر یہ ضرور کہنا پڑتا ہے کہ وہی مل جو مذہب کو داخل فطرت ماننے سے انکار کرتا ہے اس بنا پر کہ وہ شروع سے مکمل نہیں بلکہ بہت سی غلطیوں کے بعد اس حالت تک آیا ہے وہ بہت سے دیگر خوص کو تربیت کا محتاج اور بالابینہ فطری تسلیم کرتا ہے اور جب بعینہ ہی حال مذہب کا ہے کہ اس کا کمال اگرچہ تربیت سے ہوا مگر نامکمل حالت میں موجود وحشیوں میں بھی تھا اور نیز بعینہ ہی شکل عقل اور خاصہ ترقی کی ہے پس عقل ترقی اور دیگر تمام خوص کے تخم داخل فطرت انسانی ہونے کے بعد اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مذہب کا تخم بھی اسی طرح داخل فطرت ہو۔

بعضی دین و مذہب

اسی مضمون پر مسٹر میل مسٹر بریڈ لک اور شمشور فلاسفر ڈارون چند روشی اقوام کو پیش کرتے ہیں جو مذہب سے بالکل معتراین اور دعویٰ کرتے ہیں کہ مذہب فطرت انسانی میں داخل نہیں ورنہ یہ تو میں انسان ہو کر اس سے خالی نہ ہوتیں۔ مگر ایک تو مسٹر تھیوڈوسس پارکر اس کے جواب میں سجا کہتے ہیں کہ :-

” ایسے سیاح (جو لا مذہب اقوام کا پتہ دیتے ہیں) اکثر غلطی کرتے ہیں۔ وہ جس قوم کا ذکر کرتے ہیں اس کے اطوار و رسوم سے کما حقہ واقف نہیں ہوتے اور سرسری معائنہ سے حکم لگا دیتے ہیں اور اس کے سوا انکا تعصب ہی اکثر اندھا کر دیتا ہے وہ باقاعدہ عبادت مذہبی اصول و فروع مذہبی مقتدا عبادت خانے اور مذہبی رسوم و قواعد تلاش کرتے ہیں حالانکہ مذہبی احساس کا ایک درجہ ایسا بھی ہے جس میں یہ علامات بالکل نہیں ہوتیں اور تاہم مذہب موجود ہوتا ہے۔ سیاح لوگ عبادت کے موجودہ قاعدے نہیں دیکھتے تو سرسری سے عبادت کے وجود کا ہی انکار کر دیتے ہیں اور اس سے بڑھ کر اس قوم میں مذہبی احساس کو ہی معدوم مان لیتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص ایسی قوم کو دیکھے جس میں کہانا پکانے کی کوئی علامت اور اس قسم کا سامان موجود نہ ہو تو اس سبب ثبوت سے کیا یہ نتیجہ نکالنا عقل مند ہوگا؟ کہ وہ لوگ سرسے کھاتے پیٹتے ہی نہیں ہتھیسم کی شہادت معیشت پرست قدیم عیسائیوں کو لا مذہب کہہ دیا کرتے تھے اور بعد میں عیسائی بت پرستوں کو کہتے لگے۔“

اور دوسرے ایسی شہادت کو مانکر اور ایسی اقوام کا وجود تسلیم کرنے کے بعد جو مذہب سے بالکل معتراین دیکھنا یہ ہے کہ آیا کوئی اور فطری خاصہ ایسا نہیں ہے جس سے کوئی قوم معتراین ہو کر کیبا ترقی اور عقل انسان کا فطری خاصہ نہیں ہے؟ کیونکہ آج تک جبکہ دنیا کی اکثر قوموں نے اپنے انتہائی کمی

† ایسے ۱۵۷۲ء

‡ فری تنکرز ٹسٹ یک صفحہ ۹۹ء

¶ ڈیسنٹ آن مین باب سوم۔

¶ کتاب اے ڈسکورس آف میٹرز پرنسپلنگ ٹریبلجین باب سوم صفحہ ۱۵۷۲ء۔

ہے اور جبکہ بعض قومیں ترقی کی ایک حد تک پہنچ کر پھر اس دائرہ کے دوسری توسیع یعنی منتزل کے راستہ پر بھی ہولی ہیں اسی مختصر زمین کے آباؤ اجداد میں اکثر قومیں موجود ہیں جنہوں نے حیوانیت سے ایک ایسے بھر بھی ترقی نہیں کی۔ وہی جنگل کی خود رو گھاس پات پر گزارہ ہے اور وہی صحرائی جھاڑیوں میں نسیر ہے اور اسی لیے انکا نام نش مین یعنی جھاڑیوں میں رہنے والے انسان رکھا جاتا ہے۔ پس جبکہ مذہب فطری نہیں ہے اس لیے کہ وہ بعض قوموں میں پایا نہیں جاتا تو ترقی اور عقل بھی انسانی فطرت میں داخل ہوگی کیونکہ یہ بھی اکثر قوموں میں آتشک معدوم ہے۔ مگر ترقی کو غیر فطری مانوسے تو یہاں تک گریز ہے کہ جب سٹرڈارون پر اعتراض ہو اکانسان ترقی کرنے والی مخلوق ہے اور حیوانات ترقی نہیں کرتے اور نیز انسان پابند مذہب ہے اور حیوانات نہیں ہیں اس لیے انکا دعوے کہ دونوں ایک نسل سے ہیں غلط ہوگا تو انہوں نے مذہب کو انسانی فطرت سے نہایت کشاؤ پیشانی کے ساتھ رخصت کر دیا مگر ترقی سے اسے محروم نہ کر سکے بلکہ نہایت رکیک تاویلوں سے حیوانات کو بھی قابل ترقی ثابت کرنے میں مصروف ہو گئے اور حق یہ ہے کہ بعض قوموں میں ترقی

مثلاً وہ کہتے ہیں کہ کسی جنگل میں زیادہ شکار کیا جائے تو زود ان کے جانور دوسروں کی نسبت زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ دلیل اگر ثابت کرتی ہو تو صرف اس قدر کہ انہیں قوت استدلال ہے اور ترقی اگر ہوتی تو اس قوت سے یہ ہونی چاہیے تھی کہ ایک نسل کی قدر بہوشیاری ہوتی تو دوسری نسل اس سے ترقی کر کے گریز کی کوئی اور سبیل ایجاد کرتی اور میری نسل سحائے گریز کے مقاومت کی سبیل نکالتی۔ حالانکہ یہاں یہ کیفیت نہیں بلکہ مصیبت کے وقت جس قسم کی ہوشیاری وہ ظاہر کیا کرتے ہیں اس کی نوعیت قرمیں اور صدیان گذر جانے پر ترجیح ایک ہی ایک ہے۔ یا مثلاً وہ کہتے ہیں کہ کتے جو بھڑیا اور گڈر کی ترقی یافتہ نسل ہے اس نے گڈر اور بھڑیٹے سے چستی اور شک اور کمین کی کرلی ہے اور محبت اعتماد اور سناری میں بڑھ گیا ہے۔ مگر یہ دلیل بعینہ اپنے دعوے کو ثبوت میں پیش کر دیتا ہے کیونکہ ترقی کی یہ مثال اسی شخص کو مسلم ہوگی جو پہلے ان کے دعوے پر یقین کر لے کہ حیوانات ایک دوسرے سے بننے ہیں حالانکہ یہ بھی ایک احتمال ہے

ملاحظہ ہو ڈی سلٹ آف مابین باب سوم \*

اور عقل نہ ہونے سے یا مذہب کا نشان نہ ملنے سے ان اوصاف کو خارج فطرت نہیں کہہ سکتے اور ظاکر سپینسر کا فیصلہ اس بارہ میں بہت مناسب ہے کہ:-

”بعض قوموں کا مذہب رکھنا خلاف فطرت ہو گیا کیونکہ انہیں کڑا کیونکہ ایک خاص مذہب کا مطلوب ہے جس کے بعد مذہب پیدا ہوا کرنا ہے..... مذہب یا تو براہ راست خدا سے پیدا کیا ہے یا اور اوصاف انسانی کی طرح خاص حالت انسانی میں پیدا ہوا کرتا ہے۔ سچ پڑھتا گیا ہے اور ہر طرح قابل تنظیم ہے۔“

اکثر مشاعر مذہب  
ہوتے ہیں۔

منکرین خدا تر دین مذہب کے لئے اپنے وجود کو ہی ایک دلیل گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاکھوں انسان لا مذہب اور دہریہ موجود ہیں پس اگر حیرت انگیز نظری ہوتی تو اس قدر آتش خاموش ہو جاتا ہوتا لیکن اس قدر کا فیصلہ بھی اسی طریق سے ہو سکتا ہے جس سے مذکورہ بالا اعتراضوں کو حل کیا گیا ہے یعنی دیگر خواہیں فطرت کا مطالعہ۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ کسی قوم پر عرصہ دراز تک بیرونی اور جاہل حاکم کا تسلط رہا ہے اور مدت تک ان کے خلاف جدوجہد کرنے پر نا کامی اٹھانے سے اور ان کے ظلموں کو برداشت کرتے کرتے اس حالت کے غور کیا ہو جانے سے اس قوم کی شرافت صداقت اور بہت سے اوصاف حسنہ تباہ ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ کمینہ پن، مکر و فریب، دروغ گوئی اور دیگر فانی طبیعت نمایاں کر اس قوم کی قومیت کو برباد کر دیتے ہیں یا کوئی قوم کچھ مدت دولت و اقبال سے بہرہ ور اور برتری اور حکومت کے نشہ میں سرشار رہنے سے اور بیرونی دشمنوں کے ساتھ جنگ و مقابلہ کا موقع پیش نہ آنے سے محنت کشی اور شجاعت کے جوہر سے تہیدیت اور بزدلی اور آرام طلبی کی عادی ہو جاتی ہے یا کچھ تہذیب و تربیت سے بے بہرہ رہنے پر عدالت اور رحم بلکہ عقل اور ترقی کو بھی اپنا چھوڑتا ہے اور ظلم و ناخداہری اور جہالت کو اپنا شعار بنا لیتی ہے اور ایسی حالتوں میں وہ لوگ ان اوصاف سے ایسے بیگانہ ہو جاتے ہیں کہ جب اس قوم کی خوش قسمتی سے ہر کچھ اسباب ان کو تہذیب دینے والے پیدا ہوتے ہیں اور کچھ لوگ عقل و شعور اور دیگر کمالات کی طرف توجہ دلاتے ہیں تو شروع شروع میں بلکہ بعض اوقات بہت عرصہ تک وہ لوگ اپنے رہنماؤں اور ناصحوں کو دشمن اور قاتل بدامینوں کو اپنے

کتاب فریڈرک نیچے کی کتابت



حق میں سقم قابل سمجھ کر ان سے برسرِ پرچاش رہتے ہیں اور جب تک ہر طرح سے مجبور نہیں ہوتے یا عرصہ تک دیگر صاحبانِ کمال کی نظیر اور اس کے نواید کا کثرت کے ساتھ تجربہ نہیں کرتے اپنی خلاف فطرت عادت و خصائل سے باز نہیں آتے مگر کیا تدرن اور تربیت کے اس قسم کے آثار دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ صداقت و حرم و شجاعت و عدل اور اس سے بڑھ کر عقل اور ترقی وغیرہ جذبات انسانی فطرت میں غفل نہیں ورنہ وہ تربیت کے اثر سے زایل نہ ہوتے۔

تربیت کا اثر و تدرن  
اشخاص اور قانون  
قدرت ہے۔

حق یہ ہے کہ ہنر انسان کے اندر اور بہت سی خواہش فطرت و ولایت میں وہ ان ایک خاصہ اشخاصیت اور تربیت پذیری ہی ہے اور نیز خواہش فطرت جہاں اکثر میں پایا جاتا ہے وہ ان بعض میں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتے اور اس قسم کا استثنا شخصی اور ذمی ہر طرح کے خواہش میں پایا جاتا ہے۔ موت و چولیت اور گویائی وغیرہ فطری قوتیں ہیں مگر بعض انسان مادرِ زاد نامرد اور گونگے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ہندوب اور علم قوموں میں بعض اشخاص محض کو دان اور ناقابلِ تعلیم نکل آتے ہیں اور بعض قومیں سب کی سب کسی خاص جذبہ فطری سے محروم پائی جاتی ہیں۔ بعض دماغی قوتوں سے عاری ہوتی ہیں تو بعض قلبی ملکات سے حصہ نہیں رکھتیں پس یہی تربیت اور استثنا کا عام قانون مذہب پر بھی حاوی ہے اور جس طرح بعض اشخاص نامرد یا بعض قومیں ناقابلِ ترقی نکل آتی ہیں اسی طرح بعض لوگ مذہبی احساس سے بے بہرہ پائے جاتے ہیں اور جس طرح گرد و پیش کے حالات سے بعض آدمی اپنی رجولیت اور دیگر قوتوں کو زائل کر دیتے ہیں یا بعض قومیں ترقی سے منزک طیف آجاتی ہیں اسی طرح کسی زمانہ میں بعض جسمانی اور مادی تعلیم کا زور رہنے اور روحانی تاریکی اور چرہات پیدا ہو جیسے تدریجی جذبہ محروم ہو کر تمام نفسا میں دہریت کی ہوا پھیل جاتی ہے مگر جب عقل ترقی کے زایل ہونے پر اس کے داخل فطرت ہونے سے انکار نہیں کیا جاتا تو انصاف کے روبرو مذہب کو خارج فطرت یا اکتسابی کہنا ہی روانہ ہو گا۔

اور دوسرے اگرچہ محض مادی تعلیم اور دنیوی تغل کے سبب بلاشبہ مذہبی جذبہ بہت کچھ دب جاتا ہے اور لوگ کثرت کو ماوہ پرست اور دہریہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے

مذہب ہی اکثر کسی  
دیکھ کر مذہب  
رکھتے ہیں۔

تو جہالت کی اشاعت سے جس قدر عقل اور ترقی پر زوال آتا ہے، اوتاریت کی تعلیم سے مذہب کو اس قدر نقصان نہیں پہنچتا اور جس مبالغہ سے لائڈہیون کی تعاد و بیان کیجاتی ہے حقیقت میں اُن کے اعداد و شمار اس سے بہت کم ہیں مذہب کی تعریف جو مشر پارکولنے کی جریعہ ”مذہب خدا کے اُن اندرونی اور بیرونی قوانین کی اطاعت کا نام ہے جو اس لئے ہماری فطرت میں رکھے ہیں اور جو مختلف طریقہ دین سے عقل حیوانی، عقل انسانی، ضمیر اور مذہبی جذبہ کی وساطت سے ظاہر ہوتے ہیں“۔

مذہب کی تعریف

یہ تعریف تو ایسی عام ہے کہ کالیا و نیا کا ہر ایک کام اس کے رو سے مذہب میں داخل ہو جاتا ہے، مگر جو تعریفین اس سے خاص اور مذہب کو نمایاں طور پر تعبیر کرنے والی بیان کی گئی ہیں مثلاً فریج کا کہنا ہے کہ ”مذہب دنیا کی اخلاقی سلطنت پر حقا و رکھنا ہے“ یا فلاطون کی رائے ہیں ”مذہب اپنی استطاعت کے موافق خدا کے ساتھ مناسبت پیدا کرنا کا نام ہے“ + یا پیر و فیسر ولیم جیمس ایل ایل دی اپنی بے نظیر کتاب میں لکھتے ہیں کہ ”اگر مذہب کے کوئی ایسے خواص پوچھے جائیں جو سب میں پائے جاتے ہوں تو جواب یہ ہے کہ مذہب ایک نابدیدہ نظام کا یقین دلاتا ہے اور انسان کی سب سے فائق بھلائی پسندتین اسکے ساتھ ہم آہنگ کرنے کو بتاتا ہے پس یہ یقین اور یہی ہم آہنگی ہے جو روح کے اندر مذہبی عنصر ہے“ : ان تعریفین سے جس مذہب کا پتہ لگتا ہے اس سے نا آشنا محض دنیا میں بہت ہی کم ہوں گے یا کم از کم عقل و ترقی سے محروم رہنے والوں کی تعداد ضرور سیسے لوگوں سے زیادہ ہوگی کیونکہ اخلاقی گورنمنٹ یا نابدیدہ نظام کا یقین اور اس سے مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کی ایک تو یہ صورت ہے کہ کسی خاص سستی کو معبود و تحسیر کر اسکی خوشنودی حاصل کر نیکی کوشش کریں اور اس حالت کو علانیہ مذہب کے نام سے پکاریں اور دوسری صورت یہ

۱۔ ایس ڈسکورس آف میٹرز پر ٹیننگ ٹو ریلیجیٹن باب چہارم صفحہ ۱۲۷

+ (یعنی صفحہ ۲۵)

۲۔ کتاب دلائل و آت دی ریلیجیٹن ایکسپلینڈ لیکچر نمبر ۳ صفحہ ۱۹۰

بھی ہے کہ قسم کے اسباب سے معبود و خدا اور مذہب کے نام سے چرب اور مذہب کا اقرار کرنے والوں کے منکر کردہ اطوار سے جو عبادت کہا جاتا ہے نفرت کریں مگر دوسرے نام اور دوسرے طریقوں سے کسی خاص مدعا کو اسی عظمت اور انتہام شان کا اعتبار بنائیں جو اہل ان مذہب معبود کیلئے قرار دیتے ہیں اور اس تک پہنچنے کی اور اسکو اشاعت دینے کی پوری ہی کوشش کریں جیسا کہ مذہب والے اپنے اعتقاد کیلئے کرتے ہیں کہ اس صورت میں ہی وہی ناودیدہ نظام کی کشش ہے جو کسی خاص تربیت کے سبب دوسری شکل میں جلوہ گر ہوئی ہے اور ایسے لوگ جو ان دونوں صورتوں سے بے بہرہ ہوں بہت کم ہوں گے۔ وہ لوگ جو ٹیٹھ پلٹیں سوسائٹی (فرقی مانع مسکرت) یا ویجھٹا پلٹیں سوسائٹی (فرقی ثبات خوار) وغیرہ ناموں سے اپنا ایک خاص مدعا قرار دیتے ہیں اور اس کو سب سے زیادہ اچھا اور مفید جان کر باتوں ہی جنہاں میں غور ہوتے ہیں اور اسکی اشاعت کے لیے جھگڑا اور پہاڑ کاٹ کر ملکوں ملکوں چکر لگاتے ہیں، اسکی نادی کرتے ہیں، اسکی تعریف و توصیف کے لکچر دیتے ہیں اور بھجن گاتے ہیں اگرچہ وہ مذہب کا نام اپنے لئے گوارا نہیں کرتے مگر مذہب ہی سوسائٹی ہی اور اگرچہ کسی کو اپنا معبود نہیں کہتے مگر جو وہ ہی نصب العین ہی ایک شذیتان ہے جو ان کے دل کو بقیہ زاریں ہوئے ہے اور ایک کشش ہے جو ان کے قلب جگر کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے کسی نے قابل تعظیم ہستی کو تلاش کیا اور وحشت پہنچے ہیں اس کا جلوہ دیکھ کر مسجد میں گر پڑا لوگوں نے کہا مذہب دیوانہ ہے تو کسی اور نے اس سے بڑے اچھے کو ڈھونڈا ترک مسکرت میں خوبی نظر آئی اسکے پیچھے سرگردان پھر نے لگا اسے مذہب دیوانہ نہ کہو سیالٹی کا دل دادہ کہو مگر دونوں میں فرق کچھ نہیں۔ کھانے کی خواہش فطری ہے مگر تندہی سے ہی خواہش الوان نعمت اور لذت خدانوں کی طرف کھینچتی ہے اور ایک قسم کے بیاہن ہو ہی خواہش ہی کھانے کی ترغیب دیتی ہے ایسا ہی مرض بیان کام کر رہا ہے کہ فطری جذبہ مطلوب کی طرف کھینچتا ہے لیکن یہ دیروانے اس تک پہنچ نہیں سکتے اور اینٹ پتھر باوجود خیال کے پیچھے پھر نے لگتے ہیں نہ ٹی کھانوالا اور پتھر یا خیال کو پوجنے والا قابل رحم دونوں میں مگر فطری جذبہ سے محروم نہیں ہیں۔

کہیں کہیں کہیں  
میں کہیں کہیں

اور تو اور وہ خدا کا بندہ جس نے پروفیسر سسٹارک کی گشتی چھٹی کے جواب میں نہایت  
بیگانگی ظاہر کی ہے اور اس سوال کے جواب میں کہ وہ تمہارے نزدیک مہب کا کیا مطلب ہے، لکھا ہے کہ

”میرے نزدیک مذہب کا کچھ بھی مطلب نہیں اور جہاں تک میں خیال کرتا ہوں یہ آوروں کے  
لیئے بھی میسود ہے۔ میری عمر سترھ سال کی ہے اور میں مقام اکس میں پچاس سال پہلے  
اور پینتالیس سال کا رہا کر گیا ہے۔ اس لیے مجھے مردوں کی اور کینڈر عورتوں کی زندگی کا  
قبور بہت بخیرہ حال ہے اور میں جانتا ہوں کہ کتبے پر ہے پائیدار مذہب اور مذہب سے بڑے  
پارسلوگ رہتی اور اخلاق میں سب سے زیادہ ناقص ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو عبادت خانوں میں  
نہیں جاتے اور نہ ہی میلان نہیں رکھتے سب سے بہتر ہوتے ہیں عبادت، حمد سرائی اور مذہبی  
رسو منہجوں کا مہم ہے یہ باتیں کھاتی ہیں کہ کسی فوق الفطرت طاقت پر بھروسہ کرو حالانکہ  
ہم کو خود اپنے اور پھر رسو کرنا چاہیے۔ میں خدا کا بالکل منکر ہوں۔ خدا کا خیال جہالت خوف  
اور توہمیں فطرت کی عام ناواقفیت سے پیدا ہوا ہے۔ اگر میں اس وقت مر جاؤں گرجس قدر میری  
عمر کے لحاظ سے ہو سکتا ہے میں قلبی اور جسمانی طور پر تندرست ہوں تو میں مرنے کی قوت  
ایسا ہی خوش ہوں گا جیسا کہ اب ہوں بلکہ آگ رنگ نہ کار یا اور ایسے ہی حادثہ نہ نفعیوں  
سے لطف اٹھاتا ہوں جہاں دیدوں گا جس طرح ایک ٹائم میس ٹھہر جاتا ہے ہم مر جاتے ہیں  
اور دوزخ کے لیے کوئی تقابل موت نہیں ہے“

انہیں ہے کہ مجھے اس شخص کا نام معلوم ہونے کی ہی عورت حال نہیں حالانکہ دل میں اشتیاق  
اسکی زیارت کا ہے کیونکہ باوجود اس اشتیاق کے جو وہ اپنی طرف سے نہایت زور کے ساتھ ظاہر  
کرتا ہے مجھ کو محبوب ازل کا قبضہ اسکے دل پر بھی نظر آتا ہے وہ مذہب اور مذہب والوں ہی کیوں  
نہیں ہے؟ اس لیے کہ رہتی اور اخلاق جسکو وہ سب سے اچھی چیز سمجھتا ہے اس کو ان لوگوں میں  
نہیں پاتا۔ وہ خدا کیوں انکار کرتا ہے؟ اس لیے کہ اسکو جمال اللہ اور ناواقفیت بہتر سمجھتا ہے  
اور ان ذایم سے اسے نفرت ہو رہی ہے کون کہہ سکتا ہے کہ اسکو مکمل خوبی اور مکمل علم کی تلاش نہیں

مگر افسوس ہے کہ بچارہ بیمار ہے مکمل ہستی کا اشتیاق اسکو اپنی طرف کھینچتا ہے لیکن نظر میں  
ہے کھینچنے والے کو نہیں دیکھتا اور اس دنیوی خوبی اور دنیوی علم کو جو حقیقت میں کھینچنے والے  
کی رسیاں اور خازنک پہنچے کا ذریعہ ہیں بعدینہ کھینچنے والا سمجھ لیتا ہے اور اسلئے جو لوگ ان سیوک  
پر کے کسی اور کو دیکھ رہے ہیں ان پر خفا ہوتا ہے اور ان کے خیال سے نفرت کرتا ہے۔ بچہ  
بیماری میں کسی ایسی چیز کیلئے منہ کرتا ہے جو طبیب اس کیواسطے مضر بتاتا ہے۔ سرپرست بچا  
اس چیز کے کوئی مفید اور صحت بخش غذا کھلانے لگتے ہیں بچہ غصہ میں اگر لات مارتا ہے اور عقیدہ  
چیز کو منسلک کر دیتا ہے یہی کیفیت اس غریب کی ہے صرف حسن اخلاق اور دنیوی علوم کو معراج  
کمال سمجھتا تھا اور مذہب اس سے گذر کر اور مدعا کی طرف بھی لیجا نا چاہتا تھا۔ بچوں کی طرح غصہ  
اگیا اور حقیقی مدعا سے نفرت ظاہر کرنے لگا لیکن جس طرح بچہ حقیقی صحت کی خواہش کھتا ہے گو  
اسے نہیں سمجھتا اور صحت بخش چیز کو نہیں پہچانتا اسی طرح اس کے دل میں کمال خوبی حاصل کرنے کی  
خواہش ہے مگر بیماری کے سبب کمال خوبی تک پہنچانے والے مذہب سے بیزار ہوتا ہے۔

پروفیسر جیمس اس شخص کا قول نقل کرتے ہوئے بجا فرماتے ہیں کہ

”اے قوم کی دل مالت کو پکڑو، پیشانی مذہب کہا جاسکتا ہے کیونکہ وہ نام شہادت کی عظمت کا لطف  
جو ع کرتا ہے اور اس میں باقاعدگی اور میلان ہے اور اپنے تئیں وفاداری کے ساتھ ایکٹ  
قلبی نصب العین سے وابستہ کرتا ہے۔“

ہمارے داستان دہرین کے ہیر و مشر ریڈ لا مذہب کے بڑے بھاری مخالف ہیں اور اسکو  
اپنے خیال میں گویا پیری بری قسم کا جنون سمجھتے ہیں جنہیں دنیا کا بڑا حصہ مبتلا ہے اور ایک وہ با  
”ایک ارب تیس کروڑ انسانوں میں سے صرف چند ملین“ ان کے ہنجیال اس مرض سے  
بری اور تندرست ہیں۔ مگر مجھے وہ بھی اسی مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ بظاہر یہ ایک  
عجیب خیال ہے مگر ان کا وہ جوش جو ان کو نزدیک مذہب میں محو کیے ہوئے ہے اور وہ  
نصایف اورباحثوں کا سلسلہ جو پانڈران مذہب کے خلاف نہایت کوشش سے جاری

دور دور دورہ کوشش  
چند بار دہرائے۔

رکھا گیا ہے + یہ خود ایک مذہب ہے جس کو وہ سب سے زیادہ پاک اور سب سے زیادہ لائق اعتقاد اور قابل اعتقاد سمجھتے ہیں۔ خدا یا کوئی دیوتا ان کا معبود نہیں مگر مذہب کی ترویج بجائے خود ایک معبود بنکر ان کے دل پر قبضہ کیے ہوئے ہے۔ وہ معبود کے آگے سجدہ نہیں کرتے مثنیٰ نہیں مانتے مگر اسکی خدمت میں انکی تمام عمر صرف جھوٹی ہے۔ پس یہی جذبہ دل میں قائم ہونے کے لحاظ سے ان کو مرض کہنا اسکے اپنی خیال کو ظاہر کرنا ہے وہ اس لحاظ سے میرے نزدیک تندرست ہیں البتہ وہ سری حقیقت سے وہ بیشک بیمار بلکہ مفلک مرض میں گرفتار ہیں کیونکہ تاش میں تھے نوشدارو کے اور دھوکہ میں کھائے زہر صلاصل اور وہی دوسروں کو نوشدارو سمجھ کر کھلانا چاہتے ہیں۔

میدان آواز خیالی کے دوسرے شہسوار سڑیل مذہب کے داخل فطرت ہونے سے کانون پر ہاتھ دھرتے ہیں بلکہ اس طریق پر خدا کا ثبوت دینے کو اس سائنٹیفک یعنی غیر عیسائی بتاتے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس فطری کشش نے ان کے دل و دماغ دونوں پر قبضہ کیا ہوا ہے

+ ترویج مذہب میں منفصلہ ذیل مصدین پر مشرور ہیں کی تصانیف اور مباحثات میں ترویج خیالی انکا قصہ آدم و انکار خدا، مذہب عیسوی کیا سمجھا جاتا ہے، خدا انسان اور بائبل، اتحاد کے اخلاق اور فائدے، خدا کا خالق اور اخلاق حاکم ہونا، ہماری غیبی دین کب کبھی گئیں، کیا انسان میں روح ہے، انکار خدا اور اعتقاد خدا کے ساتھ عیسائیت کا تعلق، کیا خدا کی عبادت کرنا عقلمندی ہے۔

میں یہ فوری تھاٹ پبلشنگ کمپنی کی فہرست کتب سے نقل کرتا ہوں ورنہ نیچے ان کی صرف پہلی کتاب دیکھنے کی قوت حاصل ہوئی ہے اور اسی ایک میں انہوں نے اپنی ترویج مذہب کا نسخہ لگا نہیں چھوڑا اور معلوم ہوتا ہے کہ ان نمونوں سے انھیں کا عشق ہے لیکن جن ذیل سے مشرور ہیں کہ انکا مذہب کہتا ہوں اسی ذیل سے اس فوری تھاٹ پبلشنگ کمپنی یعنی آزاد خیالی کی اشاعت کردہ والی جامعہ کو ہی مذہب کے دائرہ میں متنازع سمجھتا ہوں کیونکہ وہی ایک حاکم علی انسانی فطرہ جو مسکراہی کتابوں اور بغاروں کی رساتے اسکی اشاعت میں سرگرم ہے۔

دماغ پر اس خیال کا قبضہ یوں ثابت ہوتا ہے کہ عریدہ مذہب کی تین کوششوں یعنی ان کے تین لکچر و  
مین سے ایک لکچر محض فطرت اور اس کے آثار و احکام کی تحقیق سے مخصوص ہے جس سے وہاں  
تک میں سمجھ سکا ہوں یہ مطلب ہے کہ انسان کو عقل و فکر فطرت پر حاکم اور اپنی ضرورتوں کے مطابق  
اس سے کام لینے والا بنایا گیا ہے پس جو فطرت کا قانون یا جذبہ معلوم ہو اس کا اثر یہ نہیں ہونا چاہیے  
کہ ہمیشہ انکی اطاعت کی جائے بلکہ کہی تمیز اور کبھی تنبیج کا عمل جاری کر کے ہمیشہ اپنا مطلب نکالنا  
چاہئے۔ یہ تمام کوشش اسی لئے ہے کہ مذہب کے فطری ہونے کو وہ کچھ نہ کچھ زور دے سبھتے  
ہیں اور اس لئے تحقیق پیدا کرنی چاہتے ہیں کہ مذہب اگر فطرت میں ہوتا ہی ضرور نہیں کہ اسکی  
پابندی کی جائے۔ اور ان کے دل پر اثر ہونے کی کیفیت ہے کہ خود ایک مذہب بانی بننا چاہتے  
ہیں اور دیلیجینٹ آف ہیومنٹیٹی یعنی مذہب انسانیت کے نام سے ایک نیا مذہب  
بنانے کی ترغیب دیتے ہیں جس میں بجا ہے خدا کو ماننے کے نوع انسان کی ہمدردی کو مقصد اعلیٰ  
قرار دیا جائے۔ بات یہی ہے کہ سب سے اعلیٰ ہستی اور سب سے اعلیٰ فائدے کی تلاش میں موجود ہے  
مگر نظر نیا تک محدود ہے یہیں کی اعلیٰ ہستی یعنی انسان کو معبود گردانتے ہیں اور یہیں کے اعلیٰ  
فائدہ من لینے اخلاق حسنہ کو معراج کمال سمجھتے ہیں اور یہی وہی مرض ہے جس سے بنی اسرائیل  
کی شہتہا من سلویٰ کو چوڑے کر چٹکی لکھا اس پات اور پس پیاز کی طرف سبز دل ہو گئی تھی یا کوئی  
بیمار صغیر غذا کو چوڑے کر کٹی پھانکنے لگتا ہے۔

مطرح لکھتے ہیں کہ رومہ اللہ کے ایک ملک کئی نسلوں تک اہل ملک کے مذہب  
بنارہا تھا بعینہ جیسا کہ یہود و (خدا) یہودیوں کے لئے نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ  
وہ کبھی اپنے ملک کی پرتش سے نہیں اکتائے جیسے یہودی اپنے خدا کی عبادت سے سرتابی  
کرتے رہے ہیں۔ اس واقعہ سے جو نتیجہ نکالتے ہیں (یعنی دنیوی فرائض کی پابندی  
خدا پر ایمان لانے کے بغیر بھی ملک یا نوع انسانی کو دعائے اعلیٰ بنانے سے ہو سکتی ہے اس لئے  
خدا کی ضرورت نہیں) اسکو ماننے کیلئے اگر ہم میں آمادہ نہیں ہوں کیونکہ اس نتیجہ پر پہنچنے کیلئے

پہلے یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ خدا کو ماننے کی اگر ضرورت ہے تو صرف دنیا میں اخلاق و عادات کی اصلاح اور انتظام عالم کی بہتری کی واسطے ہے حالانکہ جیسا اپنے موقع پر بیان ہو گا حقیقی ضرورت کچھ اور ہے اور دنیوی نظام اس کا دوسرے درجہ کا نتیجہ ہے اور وہ یہی جیسا کچھ ہونا چاہیے خدا کو ماننے کے بغیر نہیں ہو سکتا مگر اس بحث کو اپنے موقع مناسب کیلئے ملتوی چھوڑ کر نہایت مختصراً کسی واقعہ سے ہر ایک شخص کو نتیجہ نکالنے کا ہے اسے ہاتھ میں لیکر دینا لکھنے کے اس واقعہ سے ہم نتیجہ ضرور نکال سکتے ہیں اور شرط اصل کو دکھا سکتے ہیں کہ جس فطرت کا آپ انکار کرتے ہیں یہی کاجلوہ ہے اور وہی کشش جو صاحب کشف کو تاویذ و خدائے لائزال کی طرف اور وحشی کو اینٹ پتھر کی طرف کھینچتی ہے وہ عقل و خرد کے دعویداروں سے جو محض دنیوی مفاد کو معراج کمال سمجھتے ہیں ملک یا بی فتنے کے آگے سجدہ کر داری ہے اور چاہے کسی رنگ میں ہو چھپا کر کسی کا نہیں چھوڑتی۔

غرض مذہب جو محض بیگانہ وہی لوگ رہتے ہیں جن کو ابتداء سے دنیوی تعلیم اور جسمانی خیالات میں نہ ہلکا رکھا گیا ہو اور تمام عمر اسی قسم کے کاروبار میں مبتلا یا غرق رہیں اور یہ لوگ جیسا کہ

اور ایسے لوگوں کے دنیوی انہماک کو ایما شیون اور برعاشون کی عیش پرستی اور یہ کاری کے نفل کو چھوڑنا مذہب کے معر و خطایے ممتاز نہیں کر سکتا حالانکہ وہی ایک مضمین لگے دنیوی تو سب سے کہ مذہب کا بھی ایک حصہ ہر ایک کو اپنے دل سے چاہئے ہیں کہ اور لوگ انکو خیال ہو جائیں اور اس لٹوہ اپنی خیال کی اشاعت میں حتی الوسع مصروف رہیں اور اسکی بھلائی ان اور اسکو ترک کر کے برائیوں کو لوگوں پر ظاہر کرتے رہتے ہیں اور مذہب کو اور مذہب کی اشاعت کو سب سے اعلیٰ غرض سمجھتے ہیں اور یہ وصف عیاشون اور برعاشون میں نہیں ہوتا بلکہ انصاف کے رو سے وہ عموماً اپنی طرز و روش کو تبلیغ جانتے ہیں اور اسکی بجائے اپنی ضرورت کے سبب مجبوری جائز سمجھتے ہیں اور دنیوی کاروبار میں مہم کھینچنے والے اگر عیاشان روشن خیالی کے زیر اثر نہ ہوں تو وہ گو اپنے فعل کو جانیدار واجب سمجھیں مگر اسکو سب سے بڑی غرض نہیں جانتے اور پابندان مذہب کے برسر غلط ہونیکا یقین نہیں رکھتے بلکہ اس بارہ میں نیوٹنول اپنے اقرار و انکار دو ٹوٹے بیگانہ ہوتے ہیں اور اگر بالفرض ان میں سے کوئی شخص اپنے کام کی نسبت ایسا ہی خیال رکھتا ہو جیسا مذہب کا خاصہ بیان کیا گیا ہے نیز وہ اپنے کام کو سب سے بہتر اور اس کے غلات اور روش اختیار کر نیوالوں کو گمراہ جاننا جو تو پھر اس شخص کو ہی پابند مذہب کہہ دیں تو اس پر ہر گز کیونکا پس کا معبود ہی اس کا کام ہے۔



ار پر ذکر ہو چکا ہے اسی قاعدہ استثنائے کے تحت اور اسی فیض صحبت سے متاثر ہیں جس کے رو سے بعض لوگ ماوراء و تابینا یا دیوانہ پیدا ہو جاتے ہیں یا محض جاہل اور وحشی سوسائٹی میں پرورش پانے کے سبب جذبہ ترقی سے کام نہیں لے سکتے۔ ورنہ دہریت کی منادی اگر نپوالون اور دیگر روشن خیالوں کا حال دیکھ کر یہ مذہبی احساس کا عجوزہ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس میں غور کرتے ہیں وہ اگر فطرت سلیم نہیں رکھتے تب بھی ضرور کسی کیسے شکل میں کسی نہ کسی عا کو بطور معبود کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ پرفیسر ولیم جیمس لکھتے ہیں

”بہت سی ایسے فرشتے جو خدا کو نہیں مانتے مگر اخلاق کے حامی ہیں اور اخلاقی سوسائٹیوں کے نام سے آجکل تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک امر انتہائی کو معبود ٹھہرایا جاتا ہے اور قانون اخلاق کے نام سے اس کو مقصد اعلیٰ فرض کیا جاتا ہے۔ اور بہت سے لوگوں کے نزدیک آجکل سائنس نے مذہب کی جگہ لے لی ہے اور ایسے سائنس دان

قوانین فطرت کی معبود کے طور پر تعظیم کرتے ہیں۔“

مذکورہ بالا تحقیق سے جس مدعا تک ہم پہنچ سکے ہیں وہ یہ ہے کہ جذبہ فطری اگر اس کشش کو کہتے ہیں جس کا تخم انسان کی فطرت میں موجود ہو اور باستثنائے واقعات تاو رہہ ہر ایک شخص میں اس کشش کا اثر نظر آئے مگر انسان کی عقل اور تجربہ کے تفاوت سے وہ اثر مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا مذہب بیشک ایک جذبہ فطری ہے۔ لیکن اگر اس تعریف کو غلط مانا جائے اور جذبہ فطرت کسی اور چیز کا نام ہو تو اس صورت میں مذہب کو شاید جذبہ فطرت نہ کہ سکین لیکن اتنا پہر بھی یقیناً تسلیم کرنا پڑے گا کہ مذہب انسان کا اسی قسم کا خاصہ ہے جس قسم کا خاصہ عقل ترقی، عبادت، اشجاعت وغیرہ امور کو مانا جاتا ہے کیونکہ جس طرح ابتدائی حالت کے وحشیوں میں مذہب بین السطوح ان میں عقل و ترقی بھی نہیں اور جس طرح کسی قدر تربیت کے بعد مذہب غلط شکلوں میں نمودار ہوتا ہے اسی طرح عقل و ترقی بھی بہت سے غلط راستے دکھاتی ہے اور جس طرح مذہبی احساس کے ظہور کے واسطے فنیوی مصائب و آلام ایک ظاہری سبب ہیں اسی طرح عقل و ترقی کے ظہور کے واسطے

ذہنیت میں دی و  
کتاب میں عقل و ترقی  
وغیرہا کو جال ہے

ہی یہی سیاب کام دیتے ہیں اور جس طرح کسی خاص تربیت کی اشاعت کو مذہب پر ضعیف یا عدم طاری ہوتا ہے اسی طرح کسی خاص تربیت کو عقل و ترقی ہی محدود ہو جاتی ہے اور جس طرح مذہب کے عہد میں بعض بعض استثنائے جاتے ہیں اسی طرح عقل و ترقی سے بھی بعض لوگ فطرۃً محروم ہوتے ہیں بلکہ دیکھا جا چکا ہے کہ عقل و ترقی سے محروم رہتے والے زیادہ اور مذہب سے بالکل بیگانہ نسبت کم ہیں۔

اور جب لیا تیرے پروردگار نے بنی آدم یعنی ان کی پشتوں سے انکی اولاد کو اور گواہ بنایا انکو خود ان کے اوپر (اور سوال ہوگا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو سب نے کہا کہ بیشک تو پروردگار ہے اور ہم اس پر چہرین (اور) پس لے کر کیا گیم تم قیامت کے دن کہو کہ ہم اس سے بغیر تھے۔ پس قیام کر اپنے تئیں دین کیلئے سب سے سونہ پھیر کر یہ خدا کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ خدا کی پند میں تفسیر نہیں ہوتا۔ یہ سید ارشد ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِرَّةٍ ظُهُورَهُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ط (اعراف پ ۲۷)

فَاقْرَأْ وَرَبُّكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا قَدْ فُطِّرَكَ اللَّهُ النَّبِيُّ فُطْرَةَ النَّاسِ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ هَٰذَا الدِّينُ الْقَدِيمُ وَالَّذِينَ لَا يَحْكُمُونَ ط (روم پارہ ۷)

## باب دوم

### تحقیق مذکور کے نتائج

مذہب کی اصلاح و ترقی انسان کا اولین فرض ہے۔ کیا کوئی مذہب فطرتِ تباہ کرنے کے قابل ہے۔ جذبات فطری کے امر میں غلطی قادر ہے محروم کر سکتی ہے غلطی سے نقصان

پر چلتا ہے۔ اخلاقی افعال پر بھی یہی قانون حاوی ہے مذہبی صحت و غلطی کے بارے میں کیا قانون ہونا چاہئے؟۔ تمام مذاہب کو یکساں سمجھنے کی وجہ۔ مذہب کے بغیر اخلاق کا جو ناممکن ہے۔ مذہب ممالک کے اخلاق۔ مل کی تدبیر اور اس کا نقص۔ مذہب عین اخلاق نہیں۔ پابندی اخلاق مذہبی ترقی کا ذریعہ ہے مختلف مذاہب ایک دوسرے سے بہترین مذہب کی تدبیر کی ترقی۔ بدشت انبیاء۔

جذبات فطری کی تعریف کو جو ابھی ذکر ہوئی ہے صحیح مگر مذہب کو داخل فطرت انسانی سمجھا جائے یا کوئی اور فرضی تعریف تسلیم کر کے اس کو عقل ترقی کا ہم پلہ مانا جائے۔ دونوں صورتوں میں مذہب کی اس خصوصیت پر چند نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

اول جس طرح سے عقل ترقی عدالت، شجاعت وغیرہ صفات کو اگر کوئی انسان صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کرے تو ایسی کوشش کے لینے کامی کے سوا کوئی ثمرہ نہ ہوگا اور جس طرح عقل کا مقتضائے اوصاف کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ حتی الوسع ان اوصاف کے حد کمال تک پہنچایا جائے اور جو غلط خیالات عقل کو اور جو نازیبا آمیزش عدالت شجاعت وغیرہ کو عیب لگانے والے ہیں ان کو مٹا کر ان اوصاف کا حقیقی جوہر ظاہر کیا جائے یہی استحقاق عقل و ترقی کے ہم پلہ اور برابر کے حصہ دار یعنی مذہب کو بھی حاصل ہے۔ یعنی وہ بھی ایسی خصوصیت ہے کہ نوع انسانی کو اس سے پاک کرنا اور صفحہ ہستی سے اس کا نام مٹانا ناممکن ہے اور انسان کو اس بارے میں مناسب بھی ہے کہ اس خاصہ کو اس کے معراج کمال تک ترقی دے اور انسانی جہالت اور تربیت کے اثر سے جو غلطیاں اور قیاحتیں اس خاصہ کو مکرر اور ناشایستہ بنانے والی ہیں ان کو دور کرے پس جو لوگ تعلیم و تربیت اور عقل و شعور حاصل کرنے اور بزم خود فراموشی انسانی کو سمجھنے کے بعد محض دنیوی کار و بار اور لذائذ جسمانی میں مصروف نہ ہو بلکہ ہذا خرافت انسانی کا اعلیٰ مقتضائے سمجھتے ہیں اور مذہبی ضرورت کو محسوس نہیں کرتے بلکہ پابندان مذہب اور اس کی عقائد اور اصلاح کر نیوالوں کو عقل سے بیگانہ سمجھ کر ان پر سرخ کرتے ہیں نہ معلوم وہ خود کہاں تک دعویٰ

اولین فرض ہے

عقل و خرد میں صداقت ہیں اور کیا مدد مہیجے سوا کسی اور جذبہ فطرت کا نشان دہی سکتے ہیں جو کہ اس طرح بیمار چھوڑنا اور اسکی اصلاح و ترقی کی کوشش نہ کرنا داخل انسانیت اور نقصان ہے دانشمندی ہو؟

کیا کوئی جذبہ فطرت  
تباہ کرنے کے قابل  
ہے؟

مشرمل کی مضمون آفرینی اور بلند پروازی قابل تعریف ہو کہ وہ جب جذبہ ہی کو کشتی و گردن زونی ثابت کرنا چاہتے ہیں تو قتل و موت کیوقت اپنے فیصلہ میں اس کی نظیریں دہ کر تے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گواکثر خواص فطرت کے بارہ میں ہی ضرور ہے کہ انکی اصلاح کی جائے اور معدوم نہ کیا جاوے مگر سب خواص فطرت کا یہ حال نہیں بلکہ بعض قابل انہدام بھی ہیں اور قابل انہدام جذبات فطرت میں تباہ کر نیکی خواہش، خود مختار یا قاب رہنے کی خواہش اور ظلم کرنے کی خواہش کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں میں یہ خواہشیں فطری ہوتی ہیں مگر باوجود فطری ہونے کے انکو تباہ کرنا ضرور ہے نہ کہ ان کو بٹھانا اور پرورش کرنا +

لیکن اول تو وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ یہ خواہشیں بعض اشخاص کی فطرت میں ہوتی ہیں پس ان کو عام نوع انسانی یا کسی خاص قوم کی فطرت سے بھی تعلق نہیں اور ایسی عادت کو جو کہیں شاذ و نادر کسی شخص میں دکھائی دیتی ہے جذبہ فطری کا خطاب اور وہ بھی ایسے فلاسفر کی طرف سے حاصل ہوا جو مذہب عیسوی عام اور عالمگیر صفت کو بعض انسانوں میں نہ پائے جانیکے سبب فطرت سے خارج کرتا ہے نہایت تعجب ہے۔

جذبہ فطری امراض

اور دوسرے اوصاف کو مستقل جذبات فطرت کہنا اس لئے ہی غلط ہے کہ فی حقیقت جو جذبات فطرت نوع انسان میں دو بعیت ہیں ان پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ مختلف امراض بھی ہوتے ہیں جو کامل تربیت نہ ہونیکے حالت میں نمودار ہوتے ہیں یا بعض اوقات کسی شخص میں استثناء کے طور پر ایسے امراض پیدا ہوتے ہیں مثلاً قوت نمو فطری ہے لیکن اکثر نقص تربیت کے سبب اس میں کئی طرح کے نقص پیدا ہو جاتے ہیں بعض

اذقات بعض انسان پیدا نشی پست قامت اور بالشتے ہوتے ہیں یا بعض انسان پیدائش میں عالم انسانی یا قومی مقدار نمونہ سے زیادہ بلند بالا اور بدنام طویل القامت نکل آتے ہیں مگر کسی شخص کی پیدائش ٹھنکنا یا لم ڈھینکا ہونے پر یا نقص تربیت سے اس قسم کا نقص پیدا ہونے پر بینین کہا جاتا ہے اگر پست قد یا طویل القامت ہوتا انسان کا فطری خاصہ ہے علیٰ ہذا اپنی ضروریات اور خواہش کے مطابق اپنے مال کو صرف کرنا انسانی جوہر ہے بچہ ہی ترقی میں اسراف تک اور کہتی نسل میں بخل تک پہنچ جاتا ہے۔ اور بعض شخص پائے جاتے ہیں جو فطرۃً مسرف یا بخیل ہوتے ہیں لیکن ایسے شخصوں کے وجود سے اسراف یا بخل کو فطرت انسانی کہنا غلط ہوگا اسی طرح ایک قوت انتقام انسان میں فطرۃً دو بیعت ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جس شخص یا جس چیز سے اسے نقصان یا تکلیف پہنچتی ہے اسکو حتی الامکان دور کرے اب اس جذبہ کی صحیح اور تندہست حالت یہ ہے کہ جس شخص یا جس چیز سے واقعی نقصان یا تکلیف پہنچے اسکو ہی حد تک نقصان یا تکلیف پہنچانے کی کوشش کرے جس حد تک فی الواقع اس کا ہرج مہا ہے اور اس معیار کے دونوں جانب مرض کے بشمار درجات ہو سکتے ہیں بعض اشخاص یا بعض قومیں انتقام کے موقعوں کو سستی بردہ لی یا کسی اور سبب سے ضائع کرتے کرتے ذلت اور کمینہ بن تک پہنچ جاتے ہیں اور ایسا ہی دوسری جانب بعض اشخاص واقعی نقصان اور تکلیف سے بڑھ کر خیالی بلکہ بھی نقصان و تکلیف پر بھی انتقام لینے کیلئے آمادہ ہو جاتے ہیں اور نیز انتقام کی کیفیت میں حد سے بڑھ کر ایسی تکلیف پہنچانے لگتے ہیں جو انہیں خود ہر دشت کرنی نہ پڑی ہوتی کہ میرض ترقی کرتا ہوا بعض اشخاص میں اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ جو چیز ان کو بدنام معلوم ہو یا جس شخص کے اطوار و عادات انکو مکروہ نظر آئیں ایسے شخص یا ایسی چیز کا ان کے سامنے آیا یا متناہ انکو ایک تکلیف والا بطن معلوم ہوتا ہے اور پھر اس ہی تکلیف سے متاثر ہو کر وہ انتقام کی کیفیت میں ہی انصاف کو روا نہیں رکھتے اور چاہتے ہیں کہ وہ مکروہ اور بدنام منظر صفحہ ہستی سے مٹ جائے اور اس وقت اگر وحشت بہالت کے مرض میں یہی مبتلا ہوں اور نیز زور اور طلب رکھتے

ہوں تو وہ حالت پیدا ہوتی ہے جس کو ڈاکٹر میل تباہ کرنے کی خواہش کہتے ہیں یعنی وہ شخص اپنی حالت جنون میں ہر بڑا چیز کو توڑنے اور ہر کردہ شخص کو مارتیکا عادی ہو جاتا ہے اور اس وقت جس فعل کو ڈاکٹر صاحب جذبہ فطری کا معدوم کرنا سمجھتے ہیں اور جائز جانتے ہیں حقیقت میں وہ جذبہ فطری کا معدوم کرنا نہیں بلکہ ایک جذبہ فطری کی اصلاح کرنا اور اس کے مرض کو معدوم کرنا ہے یعنی ایسی تباہ کر نیکی خواہش کو دبانانا یا دوسری جانب اپنی تہمت لوگوں کو انتقام کیلئے اُبھارنا حقیقت میں یہ دونوں فعل جذبہ انتقام کو اصل حالت پر لانے اور ترقی و ترقی کیلئے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس جیسوہ ظلم کی خواہش کہتے ہیں وہ بھی درحقیقت کہیں شجاعت اور جو انفرادی کی صفت کا اور کہیں جذبہ انتقام کا ایک مرض ہے جو کسی شخص میں اسی طرح پیدا ہو جاتا ہے جس طرح کوئی شخص بالشتی یا لم ڈھینک بن جاتا ہے پس اس مرض کا ازالہ ہی حقیقت میں ایک اور جذبہ فطری کی اصلاح و ترقی ہے۔ کسی جذبہ فطری کی مہارت و تعلیم البتہ ایک تیسرا وصف جو ڈاکٹر میل نے قابل انتہام مانا ہے یعنی خود مختار یا غالب رہنے کی خواہش اس کو ہم بیشک عام نوع انسانی کا جذبہ فطری ماننے میں تامل نہیں کرنے مگر جس شکل میں یا انی جذبہ فطرت مانا جاسکتا ہے اس شکل میں اسکو قابل انتہام کہنا فاش غلطی ہوگی کیونکہ اگر خود مختار یا غالب ہونے کی خواہش انسان میں نہ ہوگی اور وہ کسی اور کے بس میں اور کسی اور کا مغلوبہ کر خوش رہ سکتا تو وہ انسان کی ابتدائی حسیانہ حالت جس میں اسکو خوراک بہم پہنچانا موسمی خود رساگ پات اور پھل پھول کے بس میں پانی دینا بارانی شبنم کے اختیار میں گرجی دینا آفتاب کے قبضہ میں اور سردی پہنچانا رات کی ٹھنڈی ہوا کے تصرف میں تھا انسان اسی بے بسی کی حالت میں آج تک رہتا اور یہ بے انتہا درلے حصول اسباب ہمیشہ جن پر نفع انسانی کو بجا فخر ہے کہیں عدم سے وجود میں نہ آتے یا انسان کو مختار ہونے کی خواہش ہی تھی جس نے اسکو خود و پھلوں کی بجائے اپنا اختیار سے کاشت کر لیا ریت دکھایا مالوں کی جگہ کوئین اور نہرین کھدوائیں گرمی اور سردی کے واسطے طرح طرح کی غذائیں قسم قسم کے لباس

یوگوالے ہسپا کرتے کرتے ایٹیم اور بجلی سے بھی یہ کام لینے کا ڈھنگ بتایا۔ اور نیز اگر دوسرے کی مرضی پر منحصر رہنے کی خاصیت ہوتی اور اپنے اختیار جتنے کی خواہش نہ ہوتی تو دیگر جذبات و فطریات جو امراض پیدا ہوتے ہیں ان سے نوع انسانی نقصان اٹھا اٹھا کر چند روز میں فنا جاتی مثلاً کسی شخص کے جذبہ شجاعت میں مرض نمودار ہونے سے وہ ظالم ہو جاتا یا کوئی حصول لین کے جذبہ میں مرض پیدا ہونے سے حریص اور دیکار بن جاتا تو دوسرے لوگ چونکہ دوسروں کی مرضی پر خوش رہنے والے ہوتے اس لئے کسی کی ظلم اور دیکاری کا سد باب نہ کرتے اور اس طرح سرتہ رہتی اور قتل و غارت بے مزاحمت ہوتے ہوئے یہ قریح تہوڑے عرصہ میں نابود ہو جاتی پس یہ خود مختار رہنے کی خواہش ہے جس نے حکومت و سلطنت کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے انتظام کو قائم رکھا اور پھر یہ خود مختار رہنے کی خواہش ہے جس نے بادشاہوں اور حاکموں کی جانب سے ظلم و زیادتی ہوتے دیکھ کر انکی مزاحمت کی اور اس طرح حاکم و محکوم کے فرائض اور شاہ و رعیت کے تعلقات معین ہو کر انسان کو وہ دستور العمل ملتا ہے لگا جس سے وہ انسان کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو گیا ہے اور آئندہ اس دستور العمل کو اور ترقی دینے سے اور زیادہ راحت و آرام سے بہرہ ور ہو گا۔

پس خود مختار اور غالب رہنے کی خواہش بیشک فطری اور اس لئے بیشک قابل اصلاح و ترقی ہے۔ اس کو قابل انعام کہنا نہیں معلوم کس وجہ سے کسی دماغ میں جاگزیں ہوا ہے ہاں بیشک دیگر خواص فطرت کی طرح اس میں بھی مرض اور نقص ہوتے ہیں مثلاً کسی شخص کو خود مختار رہنے کی یہاں تک خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے اوپر نہ صرف کسی انسان کی بلکہ قوانین قدرت کی حکومت بھی پسند نہیں کرتا پس اس نقص کو دور کر کے خواہش غلبہ اختیار کر کے اس کی حد مناسب پر لانا اور اختیارات انسانی سے شخصی اور نوعی فوائد و راحت و آرام کا کام لینا اس فطرت کو نور اور جلا بخشنا ہے نہ تباہ و برباد کرنا۔

غرض کوئی جذبہ فطرت نہیں پایا جاتا جس کو صفحہ ہستی سے معدوم کرنا قرین مصلحت ہو

یا انکی اصلاح و ترقی باعث بہبود عالم و انسان کے لیے فرض واجب نہ ہو پس جو لوگ  
 ذہیب کی طرف سے بے پروا اور انکی اصلاح و ترقی کی جانب سے غافل رہیں اور اس بارہ  
 میں غور و تامل کرنے کو لغو اور چاہلانہ فعل سمجھتے ہیں وہ یقیناً انسانیت کے ایک بڑے  
 فرض کو ترک کرنے کے مجرم اور نوع انسانی پر ایک سخت ظلم روا رکھنے کے مرتکب ہیں۔  
**دوم عقل و ترقی اور شرافت و عدالت وغیرہ صفات انسانی کا یہ ایک عام اور کلیہ قاعدہ**  
 ہے کہ نوع انسانی کو ان میں سے کسی صفت کا مستحق فائدہ محض اسی حالت میں پہنچتا ہے کہ انسان  
 اگر حقیقی اور واقعی مفہوم تک پہنچ جائے اور جب تک کیفیت حاصل نہ ہو اور انسان عقلی سے  
 کسی صفت کے اصلی مطلب تک نہ پہنچے اس صورت میں خواہ وہ کیسا ہی نیک نیتی اور صدق دل سے  
 کام لے عقلی سے ہرگز منزل مقصود تک نہیں پہنچتا۔ عقل انسانی نے اپنی طرف سے نہایت فلوں  
 کے ساتھ غور کیا اور اپنی طاقت کے موافق زور لگایا مگر جب تک نہیں کہ ایک سطح فرش اور گائے  
 کے سینک پر ٹھہرے ہوئے سمجھا اسکو وہ فائدے ہرگز حاصل نہ ہوئے جزوین کو گول اور چاروں  
 طرف سے فضائیں محصور رہنے کے علم سے حاصل ہونیکو تھے۔ اُس وقت کتب دُنیا کے گرد چکر  
 لگا لگا اور دُعاں و پرائے و آباد ممالک کو پاسکا جو اُنکی جائے سکونت سے دوسری جانب واقع تھے  
 اور اس طرح اُن تمام نواد سے محروم رہا جو زمین کی اہلی حالت دریافت ہوئے پر مترتب تھے  
 اسی طرح اُس نے حتی الوسع غور کیا اور مرکبات کو تحلیل کر نیکیے بعد چار چیزوں کو بسیط اور قابل  
 تجزی سمجھا اُس وقت تک قدرت نے اُسکو اُن تمام نعمتوں سے بے بہرہ رکھا جو ان مفروضہ  
 عناصر کو تحلیل کرنے اور آئندہ بہت سے عناصر دریافت ہونے پر منحصر تھیں۔ قدرت کے رازوں  
 کو تلاش کر نیکی کوشش ہمیشہ رہی اور اپنے اپنے وقت پر اکثر عقلا نے علم و ہنر میں انکا ذخیرہ  
 کا دعویٰ کیا مگر خشکی و تری میں قطع مسافت کے حیرت انگیز کارنامے انہی کی قسمت میں تھے  
 جن کو شیم کی طاقت دریافت ہوئی صنعت و حرفت کے بشمار وسائل انہی کو حاصل ہوئے  
 جنہوں نے زمین کی شکل و زمین معلوم کئے اور نامہ و پیام کے معجزہ ناکر شمع انہی کے حصے میں آئے

عقلی قاعدہ  
 دوم عقلی



جنہوں نے برقی طاقت پر قابو پایا۔

اور نہ صرف یہی کہ مفید چیز تک رسائی نہ ہونے سے اس کے فوائد سے محروم رہنا پڑتا ہے بلکہ ہمیشہ جس چیز کو غلطی سے مفید مان لیا گیا ہے اس کے نقصان بھی ضرور ہی بروہشت کرنے پڑتے ہیں۔ تلاش ہوتی ہے قیام صحت اور درادی عمر کی اور اس کے لیے مناسب غذا خوشگوار آب و ہوا اور دیگر وسائل کی جستجو رہتی ہے مگر جو شخص اس بارگ تلاش میں غلطی سے مضر غذا، بد آب و ہوا یا دیگر مافی صحت وسائل کو مناسب سمجھ کر اختیار کر لیتا ہے وہ نہایت اشتیاق سے اپنی طاقتوں میں افزائش کا منتظر ہوتا ہے مگر وقتاً امید کے خلاف خوفناک امراض اور سخت تکالیف میں مبتلا ہو جاتا ہے پھر اپنی طاقت کھوافت کھوافت پوری کوشش سے ازالہ مرض کی تدبیر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ تیر ہدف دو اٹون اور جتنی تدبیروں سے اپنی گذشتہ صحت کو واپس لائے مگر اس حق بجانب دوا و دوا و دوا میں جہاں اپنی غلطی یا دیگر نادان علاجوں کی کوتاہی سے کسی مخالف دوا یا بموقع عمل سے کام لیتا ہے تو اپنی آرزو کے خلاف غلطی کے نقصان کا شکار ہو جاتا ہے اور بجائے صحت کے موت کا لقمہ پیتا ہے۔

غلطی سے نقصان پہنچتا ہے۔

اور فائدے کو تلاش کرتے ہوئے غلطی سے نقصان اٹھانا نہ صرف افعال حیوانی تک محدود ہے بلکہ قیسا تو ان افعال اخلاقی پر بھی یہی طرح حاوی ہے اور انسان جب کبھی کسی بد عادت کو اپنے خیال میں نیک اور باعث برتری سمجھ کر اختیار کرتا ہے تو اس کا نیک سمجھنا اس عادت کی فطرت کو بدل نہیں سکتا اور جو فائدہ وہ سمجھے ہوئے ہوتا ہے وہ حاصل نہیں ہوتا اور جو نقصان اس عادت میں دویمت ہوتا ہے وہ نہیں ملتا۔ انسان نے جب تک دشمن کے زون و سچہ کو سیدیرین نہ تیغ کرتا اور بیکسوں کی فریاد و زاری پر ترس نہ کھانا اور جو شجاعت سمجھا پناہ مانگنے والے ظالم کی حیا حمایت کو شرافت مانا اور شجاعت و شرافت کے اصلی جوہر سے قطعاً محروم اور انسانیت کے مضموم سے بالکل بے بہرہ رہا جس شخص نے جہٹ کو فعل مرموم نہ جانا اور عادیہ سمجھ کر اس کا ترکیب تلوار یا رنہزنی اور قتل کو ظلم اور بے رحمی نہ سمجھا اور اپنے خیال میں اس فعل سے معاش

اخلاقی افعال پر ہی قانون حاوی ہے

حاصل کرتا رہا جو کہ فریب کی عادت جھوٹ سے پیدا ہوا کرتی ہے اور جو قساوت اور سخت ملی  
قتل و غارت کا نتیجہ ہوتی ہے وہ نادان اس اثر سے ہرگز بری نہیں رہا اور قدرت نے جس قدر  
دل کی سیبا ہی ایسے فعل کی سزا مقرر کی ہوئی ہے اس سے کہی معاف نہیں رکھا اور اس کی  
نادانی پر نرس نہیں کھایا۔ بھیل قوم کا بچہ جو ویران جنگل میں پیدا ہوا ہے اور ایسے لوگوں میں پرورش  
پانا رہا ہے جو رات دن قتل و غارت اور لوٹ مار کے سوا کوئی کام نہیں کرتے اور جو اپنے بچوں  
کو ہوش سنبھالتے ہی اس کام کی تعلیم دینے لگتے ہیں اور رحم یا انصاف کی آواز کہی کان  
نہیں آنے دیتے وہ بچہ بڑا ہو کر اس تعلیم و تربیت کے اثر سے ضرور صدق دل سے اس  
فعل کو جائز اور اپنی بہبود کیلئے ضروری سمجھتا ہے لیکن بلاینہ اس فعل کی این جہانی سزا سے بری  
نہیں رہتا اور ضرور سخت دل سبب کا اور قسی القلب ہو جاتا ہے ۴

۴ ڈاکٹر ہال ٹاٹن رکناب ایلینڈ ٹراف میٹافزکس حصہ دوم باب پنجم ص ۱۸۹ (۱۸۹۲ء) لکھتے ہیں کہ انسان  
کی اصل قدر قیمت یعنی اخلاقی اوصاف کا سوال ہو تو دماغی صحت اور غلطی کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس اثر کیلئے  
جو قبر سے پرے تک جاتا ہوا مانا جاتا ہے انسان کے فعل کو اور صرف فعل کو اس حیثیت سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ  
اسکی صفت خواہش کا ظہور ہے (یعنی یہ کہ اسکی نیت کیسی ہے) اس دلیل سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں تفصیل  
کیلئے ملاحظہ ہو باب ۱۱ کتاب ہذا کہ انسان کی اصل یعنی روحانی صفت خواہش ہے نہ علم خیال اس حد تک سنگ  
دست ہو کہ بسیط اور دھمی روح کی صفت دہی ہوئی چاہئے اور علم چونکہ جسم کی صفت و قوت ہو گھٹتا بڑھتا رہتا  
ہے اس لئے وہ روح کی صفت نہ ہو گا اور ان کے اس خیال کو مانکر روح نے جسم کی طاقت سے علم کی صفت  
حاصل کی ہے پر بھی یہ کتنا پڑتا ہے کہ انسان کو جو نعت عقل و شعور کی دگئی ہے یہی ایک صفت ہے جس سے انسان  
کی روح حیوان کی روح سے افضل بنی جاتی ہے اس لئے اسکو اب ضلول سمجھا کر اسکی غلطی اور صحت کو انسانی  
قدر قیمت میں کچھ فعل ہی نہیں یہ بھی ٹیپی رہ رہتی ہے اور جیسا کہ ہماری پیشین کردہ مثالوں سے ظاہر ہوتا  
ہے انسان کے غلط اعتقاد کا اثر نہ صرف جسم تک ہی محدود ہے بلکہ اسکی روحانی حالت میں سختی یا نرمی  
پیدا کرنے میں بھی ویسا ہی فیصل ہے۔ (باقی صفحہ ۴۲)

یہ بھی غلطی کے  
باروں کیا قانون  
ہونا چاہیئے ؟

غرض فطری اور جسمانی اور جسمانی ہر قسم کے تمام افعال کا یہ کلیہ قاعدہ ہے کہ جو اثر  
کسی فعل میں دو لیت ہو اس کا بجا لانے والا اس اثر سے بے پیرہ نہیں رہتا اور جس چیز کو  
غلطی سے اپنا مدعا و مقصود سمجھا جاتا ہے وہ کبھی مدعا و مقصود کا کام نہیں دیتی اور عقل انسانی  
یا جذبہ اخلاقی کو جہان و ہموکا ہوتا ہے وہیں ضرور نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اب اس  
قانون فطرت کو ملحوظ رکھ کر مذہب کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جس چیز کو تلاش  
کیا ہے اس کے بعد کے میں بہت سی چیزوں کی طرف متوجہ ہوا ہے کبھی اینٹ پتھر وغیرہ  
کو خدا سمجھ لیا ہے اور کبھی بارش اور ہوا کی طاقتوں کو سجدہ کر کے متعدد مذہبوں کا متقدم ہوا  
گیا ہے اور کبھی اسے احد سمجھا ہے تو بہت سے جسمانی خواص اس میں تسلیم کرنے لگا ہے۔ کبھی  
ممتاز انسانوں کے جسم میں اس کے حلول کا قابل ہوا ہے اور اس کو جسمانی ضروریات میں مبتلا کر  
بجائے ناویدہ اور پاک خدا کے خاکی انسان کی پیش میں محو ہو گیا ہے اور کبھی دیگر انسانی  
ضروریات سے پاک مانا ہے تو یاب بیٹے کا شتہ فرض کر کے ایک انسان کو خدائی طاقتوں  
میں اس کا شریک ٹھہرا لیا ہے اور کبھی نظام عالم اور کثرت خالقیت کو سمجھنے کے بہانے سے اس کی سفا  
کو ناقص اور مفروضہ چند شیا کو اس کے ساتھ قدامت وغیرہ میں شریک گردان لیا ہے اور اگر جیہ  
اسکی نسبت عقل و قیاس سے بالاتر اور اس کے کارخانہ قدرت کے ناقابل ہمبہم ہونے کی آواز بھی  
انسان کے منہ سے نکلی ہے مگر پھر دیگر انسانی خیالات کی آمیزش سے حلول اور نقص خالقیت  
وغیرہ عیوب نے اس خیال کو مٹا دیا ہے اور اس طرح کے بہت سے افعال بون کے بعد صاف لفظوں

اور دوسرے قبر سے پر تو تک جائیوں سے اثر لینے عذاب ثواب کا اصول جیسا کہ انہی موقع پر ظاہر ہو گا نہیں خدا  
کیسے نیک نیت کو دیکھ کر اس کو دوزخ کی بارشام کوئی طرح کوئی جاگیر بخش دیتا ہے بلکہ عذاب ثواب کا اصول حقیقت میں  
صدقیت کو پیدا کرنے کے لیے اس بڑی قدرت یعنی خدا سے قرب حاصل کرنا ہی اور خدا دور ہو کر مشور میں اس حقیقی قدرت  
سے دور ہونا ہے اور یہ ایک کیفیت ہے جو جو صوفیوں کی شہرت نے نقل نامی کر ڈاں کا کام سمجھنے کا خلاف واقع تھا اور یہاں  
اس وقت میں اس دماغ غلطی کی جہت ہی نہیں حدت پیدا ہی نہیں ہوئی اس بلکہ وقت اصلی قدرت سے دور ہونا  
ہی خیال حال ہو غرض یہ جہان ہوا یہ جہان انسان ہو کہ عقل کی سلطنت کے بعد خیال اس کے نزدیک کھنڈا ہوا  
کو انسانی روح سمجھنے کی بجائے جو انی روح سمجھنا ہے۔

مِنْ أَمَلَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ أَوْ كَلَّا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ ۚ لَا تَأْتِيهِ السَّاعَةُ بَعْدَ ظَنِّهِ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْأَنْحَامِ ۚ

و منہ پر اور انسانی عقل کی کوتاہی کا اظہار کیا ہے ۔

پس جذبہ فطرت کے ان تمام اختلافات اور وجود کی نسبت ان متضاد خیالات میں سے جو اعتقاد و درست اور واقع کے مطابق ہو گا مذکورہ بالا قانون عام کو سمجھ کر فقیہان کہنا چاہتے ہیں کہ حقیقی فائدہ اس اعتقاد پر مرتب ہو گا اور اس کے علاوہ دیگر تمام قسم کے عقاید چونکہ غلط ہیں اس لئے حسبِ عہدہ وہ ضرر و مضرت ہوں گے یا کم از کم ان سے کچھ فائدہ نہ ہو گا مثلاً اگر معبود واقعی تمام کمالات سے منصف اور تمام عیوب سے برتری اور تمام احتیاجوں سے پاک ہے تو جس نے اسے دشت سمجھا ہے اس پر وہی اثر ہو گا جو غذا کی تلاش میں نہر کھانے والے پر ہوتا ہے۔ دور وہ پینے کیلئے پیالہ کٹورا گلاس وغیرہ مختلف وسائل میں لیکن انہیں دورہ ڈال کر پینے کی بجائے اگر کوئی خالی بیٹنوں کو کوٹ کر بچاؤک جاسے تو اس فعل سے دورہ کا فائدہ ایک طرف الٹا معبرہ تباہ ہو جائیگا اسی طرح آگ پانی وغیرہ مختلف طاقتوں کو جو نابود ہستی کے اظہار قدرت کا نشان ہیں دیوتا اور خدا مان کر پرستش کرنے سے خدا کی معرفت ہرگز حاصل نہ ہوگی بلکہ جہالت کی تاریکی اور بڑھ جائیگی۔ طبیب صحت کی تباہی اور مرض کی دوا بتانے والا ہے لیکن اگر کوئی بیمار طبیب کی بتائی ہوئی دوا استعمال کرے تو اس کی بجائے طبیب ہی کو جستم صحت سمجھ کر کسی آستان بوسی پر اکتفا کرے تو مرض ہرگز دور نہ ہو گا اسی طرح جو لوگ کسی برگزیدہ بندے کو خدا کا اوتار سمجھ کر عبادت کریں وہ مگر اسی سے نجات نہ پائیں گے۔ ہوا کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا لیکن اگر کوئی شخص ہوا کی اس خاصیت کا معترف ہو مگر سمجھتا ہو کہ بجائے پاکیزہ ہوا کے بدبودار و منفعت ہوا کی ضرورت ہو اور اسی کی تلاش میں سرگرم رہے وہ صحت بخش ہوا کے فائدہ دن سے محروم اور مختلف امراض میں مبتلا رہیگا اسی طرح جو لوگ معرفت خدا کو باعثِ نجات سمجھتے ہیں مگر شرک و لدیت اور دیگر عیوب اور جسمانی خواص سے اسکو متصف ماننے میں اور اسی طرح کے خدا کا اعتقاد رکھتے ہیں وہ سچے خدا کی معرفت سے بیگانہ اور نور پرست ہیں

نا آشنا ہون گے۔ سکاربن (ایک عنصر کا نام ہے) ایک چیز ہے مگر جب آئین روشنی کی صفت ہوتی ہے تو میرا بچا آتا ہے اور یہ صفت نہ ہو تو وہی کاربن محض ایک کوٹلا ہوتی ہے پس جو شخص میرے کو تلاش کرتا ہو مگر روشنی کی صفت سے نا آشنا ہو وہ لیبرٹری مین ہیرا بنانا ہو کوٹلے سے ہاتھ کاٹ لے کر لگا۔ اسی طرح اگر خدا ایک واحد ہستی ہے جو تمام صفات کمال رکھتی ہے تو اسکو تلاش کرنا بوجہ کسی صفت مثلاً خالقیت یا قدانت وغیرہ مین لاشربیک اور لگانا ہونا اسکی ذات کو منفعہ سمجھنا تو وہ کمال خدا کا ایسا ہی عارف ہو گا جیسا روشنی کے بغیر میرے کو تلاش کرنا ہوا۔

معرض جس طرح عقل کا حقیقی مدعا یعنی سچا علم اور اس کا فائدہ ہیوت حاصل ہوتا ہے تب تلاش مین کسی قسم کی کوتاہی اور تدبیر مین کسی طرح کی غلطی نہ ہو اسی طرح مذہب کا اعلیٰ مقصد یعنی وصال ربانی اور عرفان الہی بھی جیسا پیدا ہو گا کہ اسکی نسبت کوئی غلط فہمی اور کوتاہی نہ ہونے پائے اور جس طرح سے نیچر عقل کو اسکی غلطی پر ضرور سزا دیتی ہے خواہ غلطی کرنا بوجہ الکیسا ہی نیک نیت اور طالب صداق ہو اسی طرح عقل جیسا دوسرا جذبہ فطری یعنی مذہب بھی غلطی کرنے سے مستوجب سزا ہو گا اور اس لیے عقل اور مذہب دونوں میں بے سوچے سمجھے دوسروں کی کورانہ تقلید سے قدم اٹھانا باعث ہلاکت اور پوری تحقیق و تدقیق اور کمال سعی و کوشش سے اقلیت کو تلاش کرنا فرض اتم اور لازم مانا گیا ہے۔ پھر جو لوگ مذہب کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ مذہب تہرکل صورت مین اور مدعا ہے مذہب یعنی معبود کی پیش ہر طریق اور کیفیت سے باعث نجات ہے اور اس خیال کو اپنے رعم مین فلسفیانہ مذہب اور سلامتی کا رستہ سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کسی ایک روش کو مدراجعات سمجھنے والا ان کے نزدیک تنگ خیال اور متعصب ٹھہرتا ہے ان کا خیال ان کے نزدیک چلے ہے کہ ایسا ہی شریف اور اعلیٰ ہو مگر نیچر کا مطالعہ اور قوانین قدرت کے تمام مناظر اس خیال کی بڑے بڑے زور سے تکرار مذہب کرتے ہیں۔ اگر کاڈ لوریل کا کام مٹی کے تیل سے اور شیر مار کا فائدہ بھیا سے حاصل ہو سکتا ہو تو بایسک ماویدہ خدا کا وصال پنچر کی پوجا سے مدیتر آئیگا۔ اور اگر یہ کہنے والا لوگ مختلف کثافتوں مین مبتلا رہتے ہیں اور صفائی کا خیال مین رکھتے اس لئے طاعون

کاشکہ ہوتے ہیں یا سکران کو ہتھال کرتے ہیں اسلئے اخصابی اور دماغی طاقتوں سے خروم ہوتے ہیں "شک خیال اور تنسیب سے توبیش مختلف ناقص نہیں ہوں کو باعث ہلاکت کہنے والا اور ایک کامل خدا کے اعتقاد پر اصرار کرنے والا یہی اسی خطاب کا مستحق ہوگا۔ پس میں معلوم ہوں کہ لوگ لعل اور سکر کو برابر سمجھتے ہیں وہ اپنے خیال کو فلسفیانہ اور سائنسی طور پر کہتے ہیں یا وہ لوگ جو کہتے ہیں :-

هَلْ لَيْسَتْوَيَ الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ

اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ط (انعام پائے ۵)

لَا يَسْتَوِي الْخَفِيْثُ وَالْكَثِيْبُ وَلَوْ

اَحْبَبْتَ كَثْرَةَ الْخَفِيْثِ رَامِدَه پائے ۱۱

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَلَا

الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا

النُّوْرُ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ

ط (فاطر پائے ۲۳)

هَلْ لَيْسَتْوَيَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ

لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ

(زمر پائے ۱۷)

کیا اندھا اور بینا برابر ہیں کیا تم فکر

نہیں کرتے ؟

نا پاک اور پاک برابر نہیں خواہ تم کو ناپاک

کی کثرت سے دھوکا ہو۔

اندھا اور بینا برابر نہیں اور نہ روشنی اور

تاریکی برابر ہے اور نہ دھوپ اور چھائوں

برابر ہے اور نہ زندہ اور مردہ برابر ہیں۔

کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو

نہیں جانتے۔ بیشک نصیحت عقلمند ہی حاصل

کر سکتے ہیں۔

آفتاب کی روشن شعاعیں اور اس کا چمکتا ہوا چہرہ آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے اور لوگ

گرمی اور نور کے لطیف مین محو کر اسکی حقیقت کو دریافت کرنے سے غافل ہو جاتے ہیں اور

بہت کم روشن دماغ ہوتے ہیں جو آفتاب کی تابیت کو تلاش کرنے کی تکلیف گوارا کرتے ہیں ہی

کیفیت مذہب کی ہے کہ اسکو چہرہ پر جو اخلاق کا گلہ نظر آتا ہے اکثر دیکھنے والے اسی کے نظارہ

میں غرق ہو جاتے ہیں اور چونکہ اخلاق کا اثر افرساہ دہنایاں اور محسوس ہے اور اسی لیے مذہب

تاہم ایک بیان  
سمجھنے کی وجہ۔

کی نہایت ابتدائی اور بنیادی شکون میں ہی اس وقت کے لوگ اخلاق کے بہت کچھ حامی ہی ہیں لہذا اکثر غور کر لیا جائے کہ وہ کون کون سے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مذہب میں جو کچھ فائدہ ہے وہ یہی حسن اخلاق کی اشاعت ہو پس انہیں سے جو لوگ مذہب کی دوسری تسلیم یعنی خدا پر ایمان لانے سے چڑتے ہیں وہ کوشش کرنے لگتے ہیں کہ کسی طرح اخلاق کی اشاعت مذہب کے بغیر ممکن ثابت کریں اور جو لوگ خدا کے اعتقاد کو ایسا خوفناک و دہشتناک سمجھتے ہیں کہ اسکی ضرورت اور سچے عرفان کے لطف سے بھی چندان آشنائی نہیں ہوتی وہ محض اخلاق کو اپنا مقصد سمجھتے ہیں کہ اخلاق کا جملہ کم کمیش ہر مذہب میں دیکھتے ہیں اسلئے یہ دعویٰ کرنے لگتے ہیں کہ ہر ایک مذہب اپنی واحد مقصود کو پورا کر رہا ہے اور اسلئے سب کی پیروی باعث نجات ہو مگر حقیقت میں یہ دونوں غلطی پر ہیں۔ نہ اخلاق کی اشاعت مذہب کے بغیر ممکن ہے اور نہ مذہب میں اخلاق اور نہ مذہب کا فائدہ محض حسن معاشرت۔

انسان کی فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنے فائدہ سے اسی صورت میں دست بردار ہوتا ہے جب اس سے بہتر کسی اور فائدہ کی توقع ہو یا کسی بڑی نقصان کا اندیشہ ہو۔ طالعلم جو اپنے مطالعہ میں رات کی میٹھی نیند کے فائدہ سے سے تنکش ہے تو محض اسلئے کہ اس فائدے کو چھوڑ کر علم کے بے بہا مفاد سے بہرہ اندوز نہ ہوگا اور کاشتکار جو گرمیوں کی دھوپ میں ہل چلائے میں مصروف ہے اور ٹھنڈی ہوا اور سایہ کے فائدے سے محترم نہ ہے تو محض اسی لئے کہ ہوا کہانیسے سال بھر تک پہو کا مرنایاڑ لگیا اور اگر خیریاں نہ ہوتی تو صرف دوسروں کے نقصان کا خیال کہی فائدہ حاصل کرنے سے روک نہیں سکتا۔ انسان تمام دنیا کی بھڑی بوٹی اور چرند کو اپنی غذا بناتا ہے اور تمام جاندار اور بے جان چیزوں کو اپنے صرف میں لاتا ہے حالانکہ یہ تمام فائدے دوسری مخلوق کو بیشیا نقصان پہنچا کر حاصل ہوتے ہیں مگر چونکہ اپنا کوئی اور بڑا فائدہ ہاتھ سے جاتا یا کوئی بڑا نقصان اپنے اوپر عائد ہوتا نہیں نظر آتا اس لئے اوروں کے نقصان کی ذرا پروا نہیں کرتا اور نہ صرف یہ کہ انسان غیر انسان مخلوق کے نقصان کی پروا نہ کرتا ہو بلکہ اپنے ہی نوع کی ہی پرروا نہیں

مذہب کے بغیر اخلاق کا وجود ناممکن ہے

کرتا اور جتنی چیزوں کی عام سہی نوع کو ضرورت ہو ان کو پہنچنے کے واسطے خرید کر اپنے صرف میں لاتا ہے اور جو لوگ اس قدر قیمت نہیں دے سکتے اور اس لیے تکلیف اٹھاتے ہیں ان کی رعایت نہیں کرتا اور جب یہ ضرورت دنیا کے ہر ایک کام میں دیکھی جاتی ہے تو اگر ایک لحظہ کے لیے مذہب کو مٹانے کی کوشش بار و برمان ایجاٹے اور خدا کا وجود اور اس کے جزا و سزا کی طاقتوں کو معدوم فرض کر لیا جائے اس وقت جو لوگ دوسروں کا مال و محضیت اور جان و آبرو لینے میں اپنا فائدہ تصور کرتے ہوں اور نیز دنیوی حکومت کے دائرہ اثر سے باہر یا خود بر حکومت ہونے کے سبب چورے طاقتور ہوں یا مخفی ریشہ دار ہوں سے کامیاب ہو سکتے ہوں وہ اپنی انسانی گائیڈ فیض فطرت کے ماتحتوں کی کچھ طوفان پر پانہ کر بیٹھے اور دنیا پر کیا بلا لائیں گے اور اس وقت کونسی طاقت ہوگی جو ان لوگوں کو حسن اخلاق پر مجبور کرے گی اور دنیا میں امن و امان قائم رکھے گی؟ کہا جاتا ہے کہ آج کل مذہب عالمک میں اکثر لوگ مذہب کو چھوڑ چکے ہیں اور باوجود اس کے وہ جن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہیں اور معاشرت کو ترک مذہب سے کوئی نقصان نہیں پہنچا مگر اول تو دیگر کمزور اقوام کے ساتھ انکا برتاؤ بہت کچھ انکی اخلاقی حسن و خوبی پر روشنی ڈالتا ہے اور ثبات کرتا ہے کہ نیک بڑا ذخیرہ ہے انہی کے ساتھ ہے جو پاپوں کے طاقتور اور کلمہ بکاب و سینے والے ہیں مگر اس گفتگو کو طول و سینہ کے بغیر دوسری چیز کی بات یہ ہے کہ مذہب کا ہزار سال کا طوفانی اثر چن صدیوں میں بھی زایل نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ چن نسلوں کی مادی تعلیم اس کو بالکل فنا کر دے تعلیم کبرائی کا اثر روح کو تدریک کر نہیالا اور اب اور آئندہ ہزار ہا جمائی اور روحانی نقصان پہنچا دلا ہے اور کوئی ایسا قانون یا قانون کا بنائے والا ہے جو عالم کے ذرہ ذرہ پر حکومت کرتا ہے اور اسکی نظر کہی اور کسی وقت خطا نہیں کرتی عرض یہ خیال مذہب کی برکت و عبادت کا تمام دنیا کی فضا میں پھیلا ہوا ہے اور اسی کی کشش ہے جو اب تک عقلا اور جہلا کے دلوں کو پورے طور پر چسپاں کرے کی طرف متوجہ نہیں ہونے دی اور یہی کشش ہے جو اکثر میل کے تول پر روئے آگاہی میں کئی نسلوں کے آگاہ ہونے سے قائل ہونے پر بھی انکی خدمت کی شکل میں جکڑا رہی

ہندو کا کہ اخلاق



پس مذہب کے بذریعہ اخلاقی ترقی کی نظیر اس وقت پیش ہو سکے گی جب یہ مادی تعلیم اور خدا کا انکار بھی مذہب کے عمر کے برابر طول کھینچے اور تمام زن و مرد پر مذہب کی طبع قابض ہو اور پھر اس وقت تک لوگ اخلاق میں نمونہ بن سکیں۔ اور حقیقت میں اگر خدا منحوس ہو جائے کہ یہ ایسا زمانہ آئے کہ تمام عالم خدا سے منکر ہو تو وہ وقت نہایت منحوس ہو گا اور یہ انسانی مخلوق اگر اس وقت ہی انسان ہی رہے اور فرشتہ نہ بن جائے تو نہ ملکی حکومت و قانون کی پیش جانیگی اور نہ کھوکھلی اخلاقی تعلیم کے بنائے کچھ بنیگا اور جو لوگ فائدہ حاصل کر سکتے ہوں گے وہ وہ قیامت پر پا کرین گے کہ عالم تہ و بالا ہو جائیگا مگر یقین ہے کہ بفضل خدا ایسا دن نہیں آئیگا اور جب تک مذہب انسانی فطرت میں داخل ہے ان مشتہ چند دوا دیا کرنے والوں کی کوشش مذہب کو نابود کرنے میں کامیاب نہ ہوگی کیونکہ فطرت کو بدلنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

بیر اور  
نقص

ایسی کوشش کر نیوالے اب بھی اگرچہ چاہتے ہیں مگر مذہب کے بے نیاز نہیں ہو سکتے رومہ والوں نے ملک کو دیوتا مانا تو اب ڈاکٹر میل اخلاق کو بحال رکھنے کیلئے انسانی زندگی کو مسمود بنانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں !

کہ ”بجائے ناویدہ طاقت کے اس زمینی زندگی کو خدا مکرہم اعلیٰ اخلاقی خیالات کی اشاعت کر سکتے ہیں“ یعنی خدا کے لئے بلکہ اپنی انسانی زندگی کیلئے ہم ناجائز فائدوں سے دستبردار ہو سکتے ہیں تو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ

”یہ چہ تو اساحصہ اور یہ تہوڑی سی بے حقیقت عمر اگر دنیا کے پرستے تک وراز نہ مانی جائے تو ایسے چہوڑے سے پیادہ پر اعلیٰ خیالات کی بنیاد رکھنی ناممکن ہے اور یہی چہوڑی عمر کا یقین کر لینے کے بعد تو ہی یونانی فلاسفر ایچی کیو میں کا عقیدہ اشاعت پاسکتا ہے کہ کہا لو اور پی لو کل تو مرنا ہی ہے“

اس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں کہ

”افراد انسانی کی زندگی اگرچہ حقیر ہے مگر نوع انسان کی زندگی خاصی طویل اور بے انتہا ہے

اگرچہ ہمیں سے خاص خاص ملکوں کی زندگی خدا بن سکتی ہے چنانچہ رومہ والوں نے ایسا کر دکھایا  
تو عام نوع انسان کی زندگی سے یہ اثر کیوں درپیدا ہو سکیگا

چنانچہ ایسا اثر پیدا ہو سکی تدریس بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

یہ اعلیٰ اخلاق اپنے عروج کیلئے کسی معاوضہ کی امید پر منتظر نہ ہوگا بلکہ اسکا ایسا معاوضہ ہوگا  
جو دیکھا جاسکے اور جو تکلیف کے وقت تپتی اور کمزوری کے وقت سہارے کا کام دے  
اور وہ معاوضہ اگلے جہان کی مشتبہ زندگی نہیں بلکہ اسی زندگی میں ان لوگوں کی خوشنودی  
ہے جنکی ہم عزت کرتے ہیں اور خیالی طور پر ان تمام مردہ اور زندہ لوگوں کی اپنی پیگی ہے جنکی  
تعریف و تعظیم کے ہم مغترف ہیں کیونکہ یہ خیال کہ ہمارے مردہ آیا و اجداد ہمارے اطوار کو پسند  
کرتے ہوں گے ایسا ہی طانتور ہے جیسا یہ خیال کہ زندہ لوگ پسند کرتے ہیں اور یہ تصور کہ  
سقراط، ہارڈ، واشنگٹن، انشائی نس یا مسیح ہمارے ساتھ ہمدردی رکھتے ہوں گے  
یہ کہ ہم بھی اسی نیت سے کام کرتے ہیں جس نیت سے وہ کرتے تھے بہت سونیک دون کے  
لئے اعلیٰ خیالات کی واسطے قوی محرک ہوا ہے

ڈاکٹر موصوف اس تدریس سے تیک اخلاق پیدا کر نیکیے لئے خدا کو چھوڑ کر کوئی محسوس محرک پیدا  
کرنا چاہتے ہیں مگر جہاں آکر ٹھہرے ہیں دیکھا گیا تو نگہی ہی غیر محسوس طاقت پر ہے یعنی خدا نہ ہی  
اپنے آبا و اجداد اور نبرہ گون کے ارواح کو حاضر ناظر مان کر انکی خوشنودی کا فائدہ مد نظر رکھنا پڑا  
اگر انکی زور دار تقریر کے ساتھ جہیں نبرہ گون کو شفیق بنایا گیا ہے وہ فلسفیانہ خیال ہی لکھ دیا جاتا  
کہ روح کوئی چیز نہیں اور مرنے کے بعد جسمانی اجزا اپنے اپنے عناصر میں مل جاتے ہیں اور عجباً  
بن کر اڑ جاتے ہیں تو پھر دیکھتے کہ یہ مردہ اور زندہ لوگوں کی خوشنودی کیونکر ہم سے ہمارے  
مفا کو چھوڑ سکتی کیونکہ جب وہ مگر کچھ رہے ہی نہیں تو اب خوشنودی مٹی اور ہوا کی کیا تسکین  
دے گی! اعراض ناممکن ہے کہ کوئی طاقت خوشنودی اور جزا و سزا دینے والی ماننے کے بغیر انسان  
نیک اطوار پر مجبور ہو سکے پس فطرت انسانی میں داخل ہونے کے سبب اگر مذہب کی اصلاح

نہیں ہیں اخلاق

ترقی انسانی فرض ہے تو مدار اخلاق ہو نیکی باعث اسکی تلقین اشاعت اخلاقی فرض ہے۔  
 ان لوگوں نے مذہب کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا اور اس لیے مذہب کو چھوڑ کر  
 اخلاق پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کی ماہیت سزا آشتی نہیں ہیں اور جانتے  
 ہیں کہ مذہب خدا پر ایمان لانا کا نام ہے لیکن جو لوگ تمام مذہب کو باعث نجات اس لئے ملتے  
 ہیں کہ یہ بین اخلاقی تعلیم موجود ہے وہ لوگ مذہب کی ضرورت کو تسلیم کرنے کے باوجود مذہب  
 کی حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ اسکی اصلی خواہش خدا کا اعتقاد اور اسکی ذات  
 وصفات کی معرفت ہوا سلسلے کے شروع سے لیکر آج تک مذہب کی تمام شکلوں میں اور مذہبی  
 ترقی کے تمام مروج بین ایک بالائے دستی کا یقین کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے  
 کو اعلیٰ مقصد اور مقصد ہائے نظر مانا جاتا ہے اور جب مذہب کا یہ مطلب ہے تو لامحالہ ماننا پڑے گا  
 کہ یہ اور چیز ہے اور رحم و انصاف شرافت و شجاعت وغیرہ جدا گانہ اوصاف ہیں پس جس طرح شجاعت  
 اور دلیری کی مشق کرنے سے صنعت و حرفت یا نجوم کی مہارت و بخاری و معاری کا علم حاصل  
 نہیں ہو سکتا سچائی اور ہمدردی کا وصف پیدا کرنے سے علم و حکمت کا وقوف پیدا نہیں ہوتا  
 اسی طرح انسان نیک بڑا نہ اور حسن معاشرت میں لاکھ ہتیا پیدا کرے معرفت و شہود و سہرہ و آبا  
 نہ ہو سکیگا۔ پس جو لوگ محض اخلاق سے خدا تک پہنچنا چاہتے ہیں وہ زمین پر چلنے سے  
 آسمان پر چڑھنے کی امید رکھتے ہیں۔ غرض اگر دنیا میں علت معلول کا قانون ناقابل  
 تنسیخ ہے اور اگر ہر ایک مدعا کیلئے اس کے مناسب حال اسباب ضرور ہوا کرتے ہیں تو یا  
 تو خدا کا عرفان حاصل کرنے کے لئے مذہب کی اس حد تک پہنچنا ضرور ہوگا جس میں خدا کی سچی  
 معرفت کی تلقین ہو اور خدا کو انہی اوصاف و خواص سے ماننا ہوگا جو اقصیت رکھتے ہوں  
 اور اگر نہیں یعنی اگر خدا کی حقیقی معرفت پیدا کرنے کی ضرورت نہ ہو تو پھر یہ کہنا چاہئے کہ مذہب  
 کی اصلی کشش انسان کے اندر ایک غیر ضروری عنصر ہے اور اس طرح نتیجہ وہی ہوگا جو مذہب  
 سے انکار کر دیا لے ملتے ہیں فرق صرف اس قدر ہوگا کہ وہ لوگ مذہب کے علاوہ دشمن ہیں

اور یہ بظاہر اسکی ضرورت کا دعویٰ کرتے ہیں اور درپردہ بتگینی چاہتے ہیں اور انکی جانب سے جو حمایت ہوتی ہے وہ درحقیقت ایک اور خدینہ فطرت یعنی اخلاق کی ہوتی ہے۔

پابندی اخلاق  
ذہنی قوت کا وسیع  
ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خدا کی معرفت پیدا ہونیکے بعد خواہ وہ کسی درجہ کی ہوا سکونہ نسبت اور تعلق پیدا کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور اس کے واسطے ایک طریق وہ غور و فکر کی شکلیں ہیں جن کو عبادت کہا جاتا ہے اور دوسرے طریق یہ ہے کہ جن قسم کے اوصاف اور خواص خدا کے معلوم ہوتے ہیں اسی قسم کے اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے مثلاً خدا رحم انصاف انتقام وغیرہ قوانین سے دنیا کو قہایم رکھتا ہے اس لئے انسان بھی اپنی طاقت کے موافق ان اوصاف کو حاصل کرے اور مخلوق خدا کے ساتھ وہی سلوک روا رکھے جو اپنے ذہن میں خدا کی طرف منسوب کرتا ہے اس لئے اخلاق بہت بڑی حد تک مناسبت اور تعلق میں درودینے والے ہیں اور نہ صرف وہی حیثیت سے بلکہ مذہبی حیثیت سے بھی نہایت ضروری اور مفید ہیں اور اس لئے مذہب اعتقاد کے بعد اخلاق کی بھی ایسی ہی تاکید کرتا ہے جیسی غور و فکر یعنی عبادت کی۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ اخلاق اور عبادت جو مناسبت اور تعلق خدا کی ذات سے پیدا ہوگا وہ قدر و کیفیت میں اسی درجہ پہ ہوگا جس درجہ تک خدا کی معرفت حاصل ہو چکی ہے مثلاً اگر کوئی شخص خدا کو مجسم اور مکان اور زمانہ میں محصور سمجھتا ہے اور پھر عبادت اور اخلاق سے اس کے ساتھ تعلق پیدا کرتا ہے تو اس کا تعلق ایک مجسم چیز سے ہوگا اور اسی کی معرفت کا نقش دل پر گہرا ہونا جائیگا اور یہ نہ ہو سکیگا کہ مجسم سمجھ کر عبادت کرے یا ہو اور اس عبادت سے ہی اس کا یہ جسم پاک ہو وادل میں بیٹھ جائے۔ پس اخلاق کو تعلق اور مناسبت کیلئے ضروری اور مفید تسلیم کرنے کے بعد بھی مذہب کا مدا معرفت ہی پر مبنی ہے اور کبھی طرح ثابت نہیں ہوگا کہ ناقص معرفت کے وقت اخلاق حسنہ حاصل کرنے سے انسان عارف کامل بن سکیگا اور محض حسنہ معاشرت سے سچے خدا کی پہنچ سکے گا۔

مختلف مذہب  
ایک دوسرے پر بہتر ہیں

اور غلط انداز میں بھی شک نہیں کہ مذہب کی مختلف شکلیں ہیں۔ بعض میں بعض

کی نسبت خدا کی واقعی معرفت تک پہنچنے کی قابلیت زیادہ ہے اور اس لحاظ سے ناقص و نامہدب  
 میں سے بعض کو بعض سے اچھا کہہ سکتے ہیں مثلاً اگر دخت یا پتھر کو خدا بجھا جاتا ہے تو چونکہ  
 پتھر اور خدا میں بہت بڑا تفاوت ہے ایک محسوس ہے تو دوسرا غیر محسوس ایک مادی ہے اور  
 دوسرا غیر مادی ایک محدود ہے اور دوسرا غیر محدود اس لئے یہ خیال خدا کی معرفت سے بہت دور  
 بلکہ اس سے متناقض ہے اور اگر خدا کو دخت اور پتھر سے بالآخر سمجھا جاتا ہے مگر اعتقاد کیا جاتا ہے  
 کہ انسان کو متوجہ کرنے کیلئے اس نے دخت میں ظہور اور حلول کیا ہے تو یہ خیال پہلے خیال کی  
 نسبت معرفت سے کم بعد رکھتا ہے مگر اس وجہ سے کہ وہ شخص خدا کو جسم میں آنے اور محتاج بننے  
 کے لائق سمجھتا ہے سچے عرفان سے بیگانہ ہے اور اگر خدا کو جسم میں در آنے سے بھی پاک سمجھا  
 جاتا ہے مگر ولایت وغیرہ بعض جسمانی صفات سے متصف مانا جاتا ہے یا اسکی صفات کمال  
 میں سے کسی صفت سے عاری مانا جاتا ہے تو بعینہ خدا کے حلول کر نیکی نسبت یہ خیال شریف اور  
 بہتر ہوگا مگر ایک گونا گونا گویا سمجھنے کے باعث سچی معرفت سے ہمیں بھی نا آشنائی ہے اور جس طرح  
 بچہ پیدا ہونے کے بعد بالغ ہونے تک اپنی نشوونما کے مدارج میں رفتہ رفتہ جرات سے قریب ہوتا  
 جاتا ہے اور بلوغ کی استعداد میں ترقی کرتا جاتا ہے لیکن اگر بالغ ہونے کی وقت ایک دن پیشتر  
 ہی مر جائے تو خواہ اسے ایک شیر خوار کی نسبت بہت زیادہ لذتیں اور فائدے حاصل ہو گئے  
 ہوں گے مگر بلوغ اور جرات کی نعمت سے محروم جائیگا اسی طرح معرفت کمال کی استعداد خواہ  
 کیسی قوی پیدا ہو چکی ہو لیکن اس تک پہنچنے سے پہلے جس درجہ پر انسان ٹھہر جائیگا اگرچہ اپنے  
 سے بہت تر خیالات کی نسبت فائدے میں رہیگا مگر اس بالآخر نعمت سے محروم و نا آشنا رہیگا۔  
 اور جس طرح قریب البین اگر کبھی بے اعتدالی سے ایسا مریض ہو سکتا ہے کہ شیر خوار سے جیسی راحت  
 اور لذت کو ہی کہہ دے یہی طرح خدا کی نسبت کوئی سے اعلیٰ خیالات رکھنے والا ممکن ہے کہ شکر  
 اور نقص کے اعتقاد کو اعلیٰ خیالات سے ملا کر معرفت سے ایسا دور جا چڑھے کہ محفل طور پر بالآخر  
 ہستی کو ماننے والا اس سے بہتر ہو۔

غرض دنیا کا نظام قدرت اور نیچر کے تمام کاروبار بالاتفاق اور بلا استثناء متباد  
میتے ہیں کہ مذہب کا سچا فائدہ اسی صورت میں حاصل ہوگا جبکہ مذہب سچا ہو اور جہوٹے مذہب  
سے سچے فائدے کی امید رکھنا سراسر بے دریغ کو پانا اور شیر قالین سے شیرستان کا کام  
لینا ہے یعنی بیج -

مذہب کی تدریجی ترقی

سو کھ عقل ترقی اور دیگر جذبات فطرت کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کا  
تخم انسان کی فطرت میں موجود ہے مگر ہر ایک کی ترقی اور اس کا کمال عموماً تربیت اور دوسری  
رہنمائی پر منحصر ہے اور جب انسان کو ایک حالت میں رہتے ہوئے کچھ عرصہ گزرتا ہے اور جدت پسندی  
کی برکت سے اور ایک حالت متحرک سے ملول ہو چلتے ہیں تو ان کے باطن کی فطرت میں بے  
ہوشیہ سین اپنی حالت کو بدل کر اس سے بہتر حالت میں جانے لگتا ہے اور پیدا ہوتی ہے تو اس وقت  
اپنی حالت پر سخت سانس لگا دے دلتے رہتے ہیں اور گاہ کسی اور قوم کی بہتر حالت پر مطلع ہوئیے  
ان میں سے کسی کو کوئی نیا خیال سوچتا ہے اور اکثر مہتمم بالشان اور باریک نکات کو دریافت کیے  
کیا دیکھا گیا ہے کہ کسی تمام قوم نے دفعۃً ترقی نہیں کی بلکہ عموماً اپنے زمانہ میں کسی ایک یا چند  
اشخاص کو اختراع و ایجاد کی عتق حاصل ہوتی ہے اور پھر اس ایک یا چند افراد کی کوشش سے  
اور نیز اپنی موجودہ حالت کی ملالت سے ملک اور قوم اس جانب توجہ کرتی ہے اور اگرچہ عموماً  
ایسے لوگ بھی اوقات موجود ہوتے ہیں جو نئے نکات کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور  
اس سے اختلاف ظاہر کرتے ہیں لیکن اگر نیا خیال واقعی ترجیح اور برتری رکھتا ہو تو ایجاد کی کوشش  
بارور ہو جاتی ہے اور تدریج پرانے ادھام نے خیال کیلئے جگہ خالی کر دیتے ہیں۔ زمین کے  
سطح ہونیکے بعد حرکت کرینیکا، اشیاء کے میدان طبعی کی کدش نقل کا، عام وسائل نقل و حرکت  
بعد ذخائر کی طاقت کو کام لینے کا، نامہ و پیام کیلئے اور دیگر تدابیر علاج کیلئے عام ذرائع کے بعد  
ترقی طاقت کو استعمال کرنے کا اور اس کے بعد بے تار ٹیلیگرافی کا خیال اسی طرح پیدا ہوا ہے کہ  
ایک ثابت و از تک ایک خیال پر قائم رہتے ہیں اور اس سے کام لینے کے بعد انسان میں قابلیت

ہوئی کہ اور طرف توجہ کرے اور پھر اُس وقت کسی بناء خدا کو بنایا خیال سوچھا اور رفتہ رفتہ اُس کی رواج ہوا۔ ڈاکٹر ایچ امرہل ازجی یعنی طاقت کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ :-

”طاقت دنیا میں مادہ کے علاوہ ایک اوتھیقی وجود ہے جو ہمارے حواس پر ایسا براہ رست  
آئینہ بن کر تباہی سے مادہ کو تلبہ ہے اور پچاس سال گزرے کہ اُس ہی کا کیو علم نہ تھا اور تندرال کا  
ایک لمبا سلسلہ ضروری تھا جس کے بعد اس کے موجدوں کو اس کے وجود اور اس کی  
حقیقت کا یقین آیا۔“

اور زمین کے گول ہونیکا خیال تو خیر بہت پرانا ہے مگر ان دوسرے خیالوں کی ایجاد کا وقت  
زمانہ کو کیا ہے اور وہ بتاتا ہے کہ اُس وقت تمام دنیا میں سے ایک ہی مرد ایسا نکلا ہے جس نے  
خلاف معمول ایک انوکھی بات معمولی واقعات میں سے نکال لی سیب کا درخت پر سے گرنے کا  
نہیں دیکھا اور پوچھی پرسہ پوش کی حرکت سوا اور طرح پر بخار کی طاقت کو کون نہ جانتا تھا مگر  
نیوٹن اور جیمز ایٹ ہی وہ خوش قسمت تھے جن کو ایسے معمولی واقعات کے کشش ثقل اور  
سٹیم انجن جیسے گرانمایہ اور مہتمم بالشان نتائج پر پہنچایا۔ انسان کو ہر جی سے پکڑنا اور اینٹ  
پتھر کی طرح ان سے سلوک کرنا کس کی آنکھوں سے پوشیدہ تھا مگر کسی نے ترس نہ کھایا اور جو  
تیز کہاتے تھے ان کا کہنا زمانہ نے نہ سنا اور گریفل شراپ ہی وہ باقبال نکلا جسکی  
باریک نظر نے اس اخلاقی نقص کو دور کر کے کی تدبیر نکالی اور انبیا و غلامی میں وہ کام کر گیا  
جسکو آج زمانہ غم سے یاد کرتا ہے۔ اور دوسری طرف یہ قاعدہ ہی ان تمام قسم کی ترقیوں میں  
دیکھا جاتا ہے کہ جہالت کی تاریکی میں جب کسی ترقی کا شہ ارہ چمکتا ہے تو اگر چہ فی زمانہ وہ شرارہ  
پاک اور بے عیب ہوتا ہے مگر اکثر اوقات گرد و پیش کی تاریکی اُس نور میں کئی طرح کی آمیزش  
کر دیتی ہے اور وہ خیال باوجود پاک اور اعلیٰ ہونے کے دوسرے خیالوں میں ملکر ناپاک اور  
پست ہو جاتا ہے۔ بھلے مسلح ہو سیکے زمین کے گول ہونیکا خیال ایک دائمی اور سچا خیال  
تھا مگر اس کے ساتھ دوسرے مسلمات ملی گئے اور گول، ناگوار اس کو عالم کے وسط میں۔ ان تلبہ

کیا گیا اور علم کا مرکز ٹھیکر کر تمام موجودات کو اُس کے گرد حرکت کرینو والا اور اس طرح اس چھوٹے سے گڑے کو تمام ستاروں اور سیاروں کی پیدائش کا مقصد سمجھ لیا گیا۔ غرض دوسرے خیالات کی آمیزش سے زمین کی نسبت جو یقین قائم ہوا وہ رستی سے بہت دور ہو گیا علیٰ ہذا جب سیاروں کو آفتاب کے گرد چکر لگاتے ہوئے مانا گیا تو اس خیال کے ساتھ جسکی اقصیت آج تک مسلم ہے یہ آمیزش ہو گئی کہ ہر ایک سیارہ میں ایک روح مانی گئی جو اس سے آفتاب کے گرد طوف کرداتی ہے کیونکہ اس سے پہلے جو آسمان کی چند تہیں مانی ہوئی تھیں انہیں ہی روح اور حرکت ارادی کا وجود مانا جاتا تھا پس اسی تاریک خیال کے بعد جب یہ روشن خیال کیسے پلہ سنے پیدا کیا تو روحیں آسمانوں کی بجائے سیاروں میں فرض کر لی گئیں اور پیدائش مجموعی سیاروں کے بارہ میں دہی علم حاصل نہ ہوا۔

غرض اس غور و فکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان جذبات فطری میں ترقی درجہ بدرجہ ترقی ہے اور تربیت پر منحصر ہے اور ہر ایک ترقی کو پانیوالے ابتدا میں چند افراد ہوتے ہیں اور ترقی کے درمیانی درجوں میں ایجاد کرینوالوں کی تسلیم گردویش کے تاریک خیالوں سے مل کر مکتدہ ہو جاتی ہے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد کوئی اور روشن خیال پیدا ہوتا ہے جو اپنی حیثیت کے موافق تاریکی کے کسی حصہ کو دور کر کے کسی اور موجود کیلئے جگہ خالی کر جاتا ہے۔ یہی صورت ہر میں دیکھی جاتی ہے کہ اُس کا تخم فطرت میں موجود ہے اور انسان اپنی جبلت کشش کے سبب سے اسکی تلاش شروع کرتا ہے مگر نقص بشریت اور کوتاہی نظر کے باعث غلطیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے ناپاک خیالات اور افعال کو اُس پاک کشش کے ساتھ ملا لیتا ہے مگر کچھ مدت یہ حالت قائم رہنے کے بعد حسب قاعدہ ملالت اور اذیت پیدا کی کامیلاں پیدا ہوتا ہے اور کسی نور کو قبول کرنے کی استعداد حاصل ہوتی ہے اس وقت کوئی خدا کا بندہ پیدا ہوتا ہے جو اس زمانہ اور حالت کے موافق مذہب کے متعلق کوئی روشن خیال پیش کرتا ہے اور اگرچہ ابتدا میں اُس کے جدت اور انوکھے پن سے اختلاف پیدا ہوتا ہے مگر آخر وہ استعداد جو قوم میں



پیدا ہو چکی ہوتی ہے غالب آتی ہے اور اس خیال کو تسلیم کر نبیوالے پیدا ہونے لگتے ہیں اور کچھ عرصہ اس روشنی کا فروغ رہنے کے بعد پھر گرد و پیش کے تاریک خیالات غلبہ پا کر اسکی خوبی کو ٹھک لیتے ہیں اور نیک و بد خیالات مل کر ہدایت مجرعی و قیحت سے دور رہ جاتے ہیں اور پھر اسی قسم کا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد کوئی اور شخص پہلے شخص کی تعلیم کے ساتھ دیگر تارکیوں کے متعلق اپنے چند اور روشن تجربے لیکر پیدا ہوتا ہے اور جب دستور پھر باقی ماندہ تارکیوں کے سب سے کوئی اور شکل پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح کا ایک سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مثلاً زنا جہالت و وحشت میں جب فطری کشش نے مجبور کیا اور یہ پاک خیال پیدا ہوا کہ کوئی ہستی ہم سے بڑی اور ہماری مالک اور پرورش کے لائق ہے تو چونکہ ان لوگوں کی نظر صرف محسوسات و قریب تک محدود تھی اس لیے کسی نے کسی خوب صورت پتھر کو کسی نے کسی عجیب و غریب خست کو اور کسی نے کسی سفید جانور کو محسوسات میں سب سے بڑی سمجھ کر اسکی پرورش شروع کی اور یہ وہ پہلا اختلاف ہو گا جو اس کے ماقبل کے متحدہ خیال کے بعد پیدا ہوا اور پھر اس حالت میں رہنے کے بعد جب ترقی کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو کوئی شخص اٹھا جس نے درخت پتھر وغیرہ کو بقدر اور ناقابل عبادت بتایا اور ان کے خیال کو ان محسوسات سے بالاتر لیجا نا چاہا مگر چونکہ انکی نظر وسیع نہ تھی اس لیے جو طاقتیں ان چیزوں سے دوسرے درجہ پر یقین صرف اپنی کی طرف متوجہ ہو سکے جس سے وہ اس کو شش میں تو کامیاب ہو گیا کہ یہ درخت پتھر ہی کے بالاتر نہیں ہیں بلکہ ان کے اوپر بارش اور ہوا آفتاب اور ماہتاب وغیرہ کی طاقتیں ہیں جو محسوسات پر حکمران ہیں اور واقع میں یہاں تک جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ بالکل سجا اور درست ہے اور اس لیے اس مسئلہ کو صرف اسی درجہ تک ماننے والے اور ایٹم پتھر کو معبودیت سے اس بنا پر برطرف کر نبیوالے کہ ان سے بالاتر اور ہی کوئی ہستی ہے اس بارہ خاص میں برسر حق ہیں مگر بہر اس خیال میں دیگر تاریک خیالات کی آمیزش کا موقعہ آیا اور ہر چیز کو بے سمجھو بوجہ خدا مان لینے کی جو عادت تھی اس نے درخت پتھر کو چھوڑ کر آفتاب و ماہتاب وغیرہ

دیوتاؤں کو سمجھ کر دیا اور درخت پنجر کی ناقابل عبادت ہونیکا پاک خیال ہوا اور آگ کی  
خدائی کے ساتھ ملکر حقانیت سے دور جا پڑا۔ اس کے بعد آگے بڑھنے کی استعداد پیدا ہونے  
پر اسی طرح کے روشن خیالوں کی تعلیم سے ترقی کرتے کرتے اُس درجہ پر آئے کہ کسی نے سب سے  
بالا تر اور اس سے پرے کسی سستی کا نشان بتایا اور اس عالم کی محسوس اور محسوس تمام شیا  
کا تغیر اور انقلاب دکھا کر اس معبود کا پتہ دیا جو ہمیشہ کیساں رہتا ہے اور اس خیال کو تسلیم کرنے  
کے بعد انسان کی دنیا پر نظر نے ایک اور شکل میں اپنی تاریکی کو ظاہر کیا کہ کبھی اپنے جیسے  
تعلقات اور رشتے مان کر اور کبھی اس خیال سے کہ جب وہ ہماری گرفت سے باہر ہے تو ہماری  
دشگیری اور درد کے لئے کسی کسی شکل میں ظہور کرنا ہو گا اُس کے لئے اولاد اور اوتار تسلیم  
کئے اس طرح باوجود نادیدہ خدا کو ماننے کے اپنی تمام قوت دیدنی اشیاء میں صرف کرنے لگے  
اور کبھی دنیوی اشیاء کو با عظمت اور بزرگتر ماننے کی جو عادت اس نے چھپی تھی اُس کے سبب  
ایک سخت سبب چیزوں کو اُس کا مخلوق اور کوم ماننے پر رضا مند ہوئے اور اگرچہ اپنے  
تئیں اس سے بے نیاز نہ مان سکے مگر یہاں کی بعض چیزوں کو جو سب سے بڑی نظر آئیں مثلاً  
مادہ یا روح اور اُن کے خواص کو اس کی خالقیت سے مستغنی اور اس کی طرح قدامت اور عظمت سے  
بہرہ ور سمجھنے کا نقص اُس پاک تعلیم میں ملا کر ایسی تاریکی پیدا کی جس سے شاہد ازل کا چہرہ اپنے  
واقعی حسن کے ساتھ آنکھی کو ناہ نظر رون میں جلوہ گر نہ ہو سکا۔

بہشت انبیاء

عوض عقل اور مذہب کے کیساں داخل فطرت ہونے اور ایک دوسرے کے مشابہ ہونے سے  
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدا میں سب بنی آدم محض فطری حالت میں ہوں گے اور مذہب کی  
نسبت یکساں کیفیت رکھتے ہوں گے جیسے کہ اُس وقت عقل کی نسبت ابتدائی اور کیساں  
حالت میں تھے مگر مدعا ہے مذہب یعنی خدا کی تلاش میں مصروف ہو کر جو کشش اُن کو قدرت  
کی جانب سے دی گئی تھی اس میں اپنی خواہشوں کو ملا کر اُس کے متعلق مختلف رستے اختیار کئے ہو گئے  
جیسے عداوت عقل یعنی ملاستی یا قہمت کی تلاش میں وقہمت کو بہت سے غیر واقع خیالات سے

(پہلے) لوگ ایک فرقہ تھے پھر خدا نے انبیاء  
خوشخبری دیئے والے اور اعدا سے ڈرانے والے  
بیچے اور ان کے ساتھ احکام ربانی نازل فرمائے  
تاکہ لوگوں کے مابین اُنکی اختلافوں کا فیصلہ کریں  
اور اختلاف اُنہی لوگوں نے کیا جبکہ وہ (حکم ربانی) بخشا  
گیا تھا اور اختلاف ایسے وقت کیا جبکہ اسے پاس رہو  
دلیلیں اچکی تھیں اور اختلاف اپنی خواہشوں کی سبب کیا  
پس نہ اسے اپنی حکم سے اختلاف کے بارے میں ان لوگوں کو  
ہدایت کی جواہان کا اور خدا جسے چاہتا ہے نہ کہ یہ کہ اسے

۱۔ معدن کا جراثیم یا نیا والا۔ ۲۔ علاج کیلئے ٹیکا لگانا یا مروجہ۔ ۳۔ فوٹو گراف کا موجد۔ ۴۔ تاریقی کا موجد۔  
۵۔ برقی لہر والے کو ثابت کر کے بے سپارامیٹری کا قیام پیدا کرنے والا۔ ۶۔ کسین، زیرو فوٹو گرافی کا موجد جس سے زندہ انسان کی ڈیڑھ  
عکس اباجا جاسکتا ہے۔

## باب سوئم

### وحی

کیا وحی انسان کا اپنا فعل ہے؟۔ سٹرپارکر کا خیال۔ روحانی حواس۔ کشف کی چند شاہین۔  
یقین حاصل ہونے کی عقلی اور طبی صورتیں۔ خدا کو ماننے کے دو طریق۔ جذبات فطرت اور استدلال کی آمیزش۔  
استدلالی یقین انسان کی اپنی ترقی ہے۔ عقل مذہب کو پیدا نہیں کر سکتی۔ مذہب کے تین غلام ہیں  
تجربہ بین قوی عامل ہوتا ہے۔ اور ضعیف مہمول۔ وحی میں خدا عامل ہوتا ہے اور انسان مہمول۔  
نبی اگرچہ بہت ہیں مگر تمام انسان نبی نہیں ہو سکتے۔ استعداد میں تفاوت درجات کا گیارہ نوع کا؟  
تفاوت حالات۔ انبیاء کی ضرورت۔ الہامی کتابوں کی ضرورت۔ نسخ شرائع۔ احکام شریعت  
کے فائدے حقیقت میں تجربے سے معلوم ہو سکتے ہیں تعلیم کے علاوہ نبی کا اُمت میں کچھ عرصہ تک  
رہنا بھی ضرور ہے۔ سلسلہ افشا و ہایت کی ضرورت۔ وحی اور الفاظ۔

کیا وحی انسان کا  
اپنا فعل ہے؟

جس طرح سے عقلی موجودوں پر فلسفہ کے نئے نکات کا ظاہر ہونا اخلاق عقل نہیں اسی طرح نبی  
مردوں پر معرفت کے تازہ ذرائع کا انکشاف قدرت کے عام قانون کے مخالف نہیں مگر اب سوال یہ  
کہ آیا جس طرح سے عقلی موجود غور و فکر اور استدلال و تنقید سے کسی نکتہ کو دریافت کرتے  
ہیں اور انکی اپنی طبیعت کا میلان اور محض ذاتی کوشش ان کو کسی ایسا تک پہنچا دیتی ہے اسی  
طرح انبیاء بھی اپنی ذاتی قابلیت اور فطری استعداد سے اس نعمت کو پالیتے ہیں یا ان کے  
انکشاف میں جس کو وحی والہام کہتے ہیں کسی بالائی طاقت کا بھی دخل ہوتا ہے۔ پس جو لوگ  
فلسفیانہ نظر سے نہ ہی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں وہ عموماً پہلے خیال کے حامی ہیں چنانچہ  
سٹرپارکر میں مشنوں کو نہایت قابلیت سے دیکھتے ہیں اور مذہب کا فطری نظارہ یا  
سپر چوٹلزم کا عنوان قائم کر کے فرماتے ہیں کہ:-

مشراکہ کا خیال

”اس عقیدہ کی تعلیم ہے کہ جس طرح حیوانی خواہشوں کیلئے فطرت نے ان کے سامان مہیا کیے ہیں اسی طرح روحانی خواہشوں کیلئے واسطے بھی مہیا کئے گئے ہیں اور یہ کہ جیسی روشنی اور آنکھ آواز اور کان۔ خوراک اور ذائقہ۔ رستی اور زوہن۔ حُسن اور سُخیل میں باہم تعلق ہے اسی طرح خدا اور روح میں بھی تعلق ہے اور یہ کہ جیسے طبعی میلان کی پیروی اور حیوانی قوانین کی اطاعت کرنے پر جسم کی خواہشوں کیلئے نیچر کی طرف سے سامان مہیا پاتے ہیں اور صحت اور قوت حاصل کرتے ہیں اور جیسے قلبی قوانین کی پابندی کرنے پر قلبی ضرورتوں کا سامان مہیا پاتے ہیں اور روحانی یا قلوبیت کو جو قلبی صحت ہی حاصل کرتے ہیں یہی سب طبع اگر ہم ایک اور طبعی میلان کی پیروی کریں اور فاصلہ خلتی و مذہبی کو ملحوظ رکھیں تو انکی ضرورتوں کیلئے بھی سامان مہیا پائیں گے اور سب سے بڑا اخلاقی صحت یعنی اخلاقی اور مذہبی رستی اور روحانی امن شعور اور راحت حاصل کر سکیں گے۔ اس عقیدہ کی تعلیم ہے کہ خدا اور روح میں جو قرب ہے دنیا اور جسم کا قرب اس سے زیادہ نہیں کیونکہ ہم خدا ہی میں زندہ ہیں اسی میں چلتے ہیں اور اسی میں ہر چیز کا قرب ہے اور یہ جیسے مادہ پر قنبد پائے کیلئے اور حیوانی ضروریات مہیا کرنے کیلئے ہم حیوانی حواس رکھتے ہیں جن سے فطری طور پر تمام مادی اشیاء کو جو ضروری ہوں حاصل کرتے ہیں اسی طرح خدا تک پہنچنے کیلئے اور روحانی ضروریات مہیا کرنے کیلئے ہم روحانی حواس رکھتے ہیں جن سے تمام روحانی اشیاء کو جو ضروری ہوں حاصل کرتے ہیں۔ جب ہم حیوانی حالات کا لحاظ رکھتے ہیں تو فطرت کو اپنے پہلو میں پاتے ہیں اور جب روحانی قوانین کا لحاظ رکھتے ہیں تو خدا کو اپنے پہلو میں پاتے ہیں اور جو لوگ ان حالات کو مد نظر رکھیں وہ ان سب کو صداقت بخشتا ہے۔ ہم عقل، ضمیر اور جذبہ مذہبی کی وساطت سے انکی بارگاہ میں داخل پاسکتے ہیں جیسے آنکھ کان اور ہاتھ کی وساطت سے براہِ رست نیچر تک پہنچ سکتے ہیں پس اپنی رہتوں میں سے اور ایک کششِ ثقل جیسے یقین باہر تپ اور عام قانون کے ذریعہ سے خدا انسان پر وحی کرتا ہے اور اس پر اپنی کا الہام کرتا ہے

اور کیوں نہ ہو کیا راستی خدا کا ویسا ہی خاصہ نہیں جیسے حرکت مادہ کا خاصہ ہے؟ اس لیے اگر خدا ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہمیشہ کیلئے فاعل ہے تو وحی کوئی معجزہ نہیں بلکہ ذی شعور روح پر خدا کے اثر کرنے کا ایک با ترتیب قاعدہ ہے جسے کشش ثقل بے شعور مادہ پر اثر کرنے کا قاعدہ ہے پس وحی کو گاہ گاہ خدا کا منزل نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ انسان کا دائمی عروج - اور فاضل کا علم حاصل کرنے کے لیے انسان کو اسکی اپنی ذات سے پرے پرانی دستاویزوں (الہامی کتابوں) کی طرف نہیں بھیجا جاتا کیونکہ اعتقاد اور عمل کا واحد قاعدہ یعنی کلمہ انسان سے بہت ہی قریب اور خود اس کے دل میں موجود ہے اور اسی کلمہ کے ساتھ وہ تمام دستاویزوں کی خواہ کوئی بھی ہوں پرتال کر سکتا ہے۔ خدا کے حضور مطلق کی طرح وحی آن چند مصنفین پر محدود نہیں جن کو یہودی عیسائی یا مسلمان مانتے ہیں بلکہ اسکی وسعت اسی قدر ہے جس قدر نسل انسانی وسیع ہے۔ خدا تمام فضا میں ہے اسی طرح تمام روحوں میں ہے اور جس طرح وہ بے شعور اور مجبور مادہ پر اثر کرتا اور اسکو مجبور بناتا ہے اسی طرح آزاد اور ذی شعور انسان پر وحی کرتا ہے اور اسکا مددگار ہوتا ہے۔

روحانی حواس جس صفت کو مشرط یا دکن مذہبی خاصہ اور روحانی حواس کہتے ہیں اور جس کے قوانین کا لحاظ رکھنے سے ان کے نزدیک کشف و الہام پیدا ہوتا ہے اسکو پروفیسر جیمس ایل ایل ڈی انسانی وجود کا نہ صرف مذہبی بلکہ ایک عام حاسہ مانتے اور اپنے لیکچر میں جو انہوں نے "تاریخ ہستی کے تحقق" کا عنوان قیام کر کے دیلہ مختلف واقعات اور تجربوں کے بنا پر اسکو ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ +

"ہماری مثالوں کے تمام سلسلہ سے نتیجہ نکلتا ہے کہ انسانی شعور کے اندر دیگر حواس کے علاوہ ان سے زیادہ پر زور اور عام ایک اور حاسہ ایسا موجود ہے جو پروفیسر شیم گکوش کی دلفت کے کسی تجربے کے تحقق اور وجود خارجی کا حکم دیتا ہے اور وہ ایسا تصور ہے جسکی بنیاد پر انسان کہ اٹھتا ہے کہ "وہ دیکھو وہ چیز موجود ہے" اور جسکی نسبت موجودہ سائنس کا لوجی (علم النفس) کا قبضہ

ہے کہ فہم کی رقیبت کا یقین اسی حاسہ سے پیدا ہوتا ہے۔  
لیکن خواہ مذہبی خاصہ جداگانہ موجود ہو یا پر فہم جیسے کا یہی حاسہ تحقق ہونے پر کشف پیدا  
کرنے کیلئے اس خاصہ کا ظہور جس وضاحت پر فہم مذکور نے بیان کیا موجودہ طرز بیان میں  
وہ انہی کا حصہ ہے اور میرے نزدیک اس مضمون سے بہت کچھ تعلق رکھتا ہے کیونکہ میری تحریر میں  
اب تک مذہب کا ذکر اسی حیثیت سے ہوا ہے کہ وہ اکثر حالات میں جذبہ عقلی سے مشابہت رکھتا  
ہے اور خصوصیتیں مذہب کو متاثر کرتی ہیں اور جس طرز سے مذہبی تجربہ یعنی کشف والہام کا ظہور  
ہوتا ہے اس کا ابھی ذکر نہیں ہوا پس مسئلہ اس کے خیالات پر رائے قائم کرنے سے پہلے ان کے  
لکچر کا کچھ حصہ نقل کرنا ضرور ہے تاکشف کی صورت کو کشف رشتہ سائنسی حاصل ہو جائے اور  
فیصلہ کرنے میں تمام پہلوؤں کا لحاظ رکھنا آسان ہو اور اس مضمون کی عظمت کے لحاظ سے اس کتاب  
کی طوالت میں خیال کرتا ہوں کہ قابل معافی ہوگی۔ پر فہم مذکورہ بالا نتیجہ کو چند اور نظائر  
ثابت کرنے کے بعد دیکھتے ہیں کہ +

کشف کی چند مثالیں

۱۔ ایک ہم یقینی طور پر اس دعوے کو پیش کرتے ہیں کہ خالص تجربہ ہائے مذہبی کے عالم میں ایک  
بہت سے اشخاص ہیں لاگتہ ہم بتا نہیں سکتے کہ ان کی تعداد کس قدر ہوگی ہوا پر مستعد علیہ  
اور اپنے ایمانیات کو نہ صرف اسی قدر سمجھتے ہوئے ہیں جس قدر ان کا ذہن تصور کر سکے بلکہ چند  
ہستی کے طور پر براہ رست آشنا ہوتے ہیں اور چونکہ کشفی مشاہدہ گھٹا بڑھتا رہتا ہے اس لیے  
ایسے ایماندار کے اعتقاد میں بھی قبض و بسط کی موعین پیدا ہوتی رہتی ہیں اور کلیات کے طور  
پر اس قاعدہ کو بیان کرنے کی نسبت مثالوں سے واضح کرنا زیادہ مفید ہوگا اس لیے میں  
چند جوالات پیش کرتا ہوں اور پہلے ایسی نظیر کا ذکر کرتا ہوں جس میں ایسے کشف کے زوال کا  
ذکر ہے اور یہ میرے ایک دوست کی مذہبی زندگی کا نقشہ ہے وہ ایک سائنٹفک مین یعنی اہل علم  
ہے اور اس کا تجربہ ظاہر کرتا ہے کہ ایسا کشف ذہنی تخیل کی نسبت احساس سے زیادہ مشاہدہ  
ہے۔ وہ کہتا ہے کہ :-

”بیسل و تیس سال کے اندر میں رفتہ رفتہ لاؤریہ اور لاندھیب ہوتا گیا لیکن پہر بھی میں نہیں کھ سکتا کہ میں نے کبھی اس ناقابلِ تخیل کیفیت کو بالکل کھو دیا ہو جس کو ہلر ہارٹ سپینسر نظام پرک پیچھے چھپی ہوئی شکل ملتی“ کے نام سے نامزد کرتا ہے بلکہ سپینسر لہا کتھل میں نہ آئی بلکہ ہستی کہتا ہے مگر میرے بیٹے وہ ایسی بالکل ناقابلِ فہمیداری تھی کہ یوں کہ اگرچہ میں نے خدا کی طرف سے عباد چوڑی ہوئی تھی اور کبھی دستور کے موافق نماز کی زمین اور نہیں کرتا تھا مگر وہ جو وہ تجربہ یا مکتشف ثابت کرتا ہے کہ میرا اس کے ساتھ ویسا ہی علی تعلق تھا جیسا عبارت میں ہوا کرتا ہے جب کبھی مجھے کوئی تکلیف ہوئی اور خصوصاً جب کبھی انگریز یا داری یا کاروبار منہمکی میں کوئی جھگڑا پیش آیا یا فکر لاحق ہوا۔ میں اب سمجھا ہوں کہ ان دنوں ایسی حالت کے اندر میں مدد کی واسطی کسی کی طرف جھکتا تھا جسکو وہ ”کے لفظ سے تعبیر کرتا ہوں۔ غرض ایسی تکالیف کے وقت میں وہ میرے پہلو میں ہوتا تھا یا میں اس کے پہلو میں کچھ ہی سمجھو مگر تعلق ضرور ہوتا تھا جو مجھے ہشتی دیتا تھا اور ایسی بے پایاں پائیداری بخش دیتا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ حاضر ہے اور حمایت کرتا ہے اور حقیقت میں دندہ انصاف صداقت اور قوت کا نہ غائب ہو نہ وہ الا حسرتہ تھا جسکی طرف میں اپنی کمزوری کی حالت میں علانیہ جھکتا تھا اور وہ ہمیشہ مجھ کو اس حال سے نجات بخشتا تھا مجھے اب معلوم ہوا کہ میرا اس کے ساتھ نمایاں اور شخص تعلق تھا کیونکہ گذشتہ سالوں سے مجھے اس رابطہ و پیام کی قوت نے چھوڑ دیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ مجھے ایک کامل اور نایا نقصان پہنچا ہے۔ اُن دنوں جب کبھی میں اکی طرف جھکا اُس کو پانے میں نہ کام نہیں رہا لیکن چونکہ سال ایسے آئے کہ کسی تو میں اسے پالیتا تھا اور کبھی بالکل نہیں پاسکتا تھا مجھے بہت سو ایسے سوئے یا دین کہ نام رات اس منہج میں نہیں زمین آئی اور میں تاریکی میں کرٹھن بدلتا رہا ہوں کہ پشے اُس اعلیٰ اور برتر شناسا کا دھن کپڑوں جو پہلے ہر وقت ساتھ رہتا تھا اور حمایت کرتا تھا گلاب اکی بتی رو کھین کہوئی گئی ہے اور جیسے اسکے میرے سامنے ایک ہو کا میدان ہے جہاں کچھ نہیں ملتا اور اب قریباً پچاس سال کی عمر میں اس کشفی طاقت نے مجھے



بالکل ہی چھوڑ دیا ہے اور مجھے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ایک بہت بڑی مدد سے محروم ہو گیا ہوں، بلکہ میری زندگی موت سے بدل گئی ہے، اور اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور اب مجھ کو معلوم ہوا کہ میرے وہ گذشتہ تجربے اور خوش اعتقادوں کو کون کی نماز کیساں تھی اگرچہ میں نے اسکو کبھی نماز نہیں کہا اور (اب معلوم ہوا کہ) جس کو وہ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہوں وہ میرے لئے سپیشل تھا "ناقابل فہم سیرتی" نہ تھی بلکہ میرا دنیا میں مشغول تھا جس پر میں حمایت کیلئے پورا توکل کرتا تھا اور جس کو میں اب کہیں کہہ دیا ہے۔

نہایت تیار سخن میں اس سے زیادہ کثیر الوقوع واقعہ کوئی نہ ہو گا کہ ایمانداروں کا ایمان اور اعتقاد قبض و بسط یا قوت و ضعف میں ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور غالباً ہر مذہبی آدمی کو کوئی خاص وقت ایسا نظر یا وہم کا جبکہ صداقت کا بے وسط شاہدہ اور زندہ خدا کی ہستی کا براہ راست تخیل اگر اس کے اعتقاد کے ضعف اور ہستی کو فنا کر دیتا ہو جیسا کہ رسولِ کامل کا تجربہ یاسی قسم کا ہے وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"مجھے گذشتہ جمعہ کی شام کو ایک الہام ہوا۔ میں مقام میری میں تھا اور اپنے اہل کعبہ کے قریب حاضرانِ اربعہ کے بارہ میں گفتگو کر رہا تھا جنکی نسبت میں کہا کہ بہت کم شناسا ہوں، مگر بیٹا، روحانی حالات پر بحث کرنے لگے اور انہوں نے گفتگو میں میں نے دیکھا کہ گویا تمام عالم میرے سامنے ایک دفعہ لی ہی چیز کی طرح گہراؤ سے نکل کر اکھڑا ہوا ہے اور اس سے پہلے میں نے کبھی ایسی صفائی کے ساتھ خدا کی ہستی کو اپنے اندر مارنے اور گرجوں میں نہیں کیا تھا۔ تمام کمرہ میرے نزدیک خدا سے گہرا ہوا تھا اور تمام ہوا ایک ایسی چیز کے وجود کے ساتھ لہرا رہی تھی جسکو میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے اور میں اس وقت ایسی صفائی اور اطمینان سے بول رہا تھا جیسے پیغمبر بولتے ہیں۔ میں نہیں بتا سکتا کہ وہ الہام کیا تھا میں نے اس وقت تک اسکا تجربہ نہیں کیا تھا لیکن میں کس دن اس کو مکمل کر لوں گا اور اس وقت تم سنو گے اور اسکی عظمت کا اعتراف کرو گے۔"

ایک اور طویل اور زیادہ مکمل تجربہ ایک پادری کا ہے جو میں سٹارٹ بک کے قلمی مسودہ سے نقل کرتا ہوں

وہ کہتے ہیں :-

”بچے وہ رات ہی یاد رہے گی اور قلم کوہ کی وہ جگہ ہی یاد رہے گی جہاں میری روح کھل کر  
ایک غیر محدود ہستی کی طرف گئی تھی اور جہاں اُس وقت ظاہری اور باطنی دونوں جہاں ایک  
جائے ہو گئے تھے۔ وہ ایک عمیق ہستی کا دوسری عمیق ہستی کی طرف جانا تھا یعنی ایک عمیق  
ہستی میرے اندر کو ظاہر ہوئی تھی اور ایک دوسری عمیق ہستی تک پہنچ گئی تھی جو بے تھاہ تھی  
اور تاروں سے بھی پرستے تک پھیلی ہوئی تھی۔ میں تنہا اس ایک کے ساتھ کھڑا تھا جس نے  
مجھے بتایا ہے اور دنیا کی خوبی، محبت اور غم وغیرہ تمام حالتوں کو پیدا کیا ہے۔ میں نے اسے تلاش  
نہیں کیا تھا مگر پھر ہی میری روح کا اُس کے ساتھ کامل اتحاد محسوس ہوتا تھا اور دیگر گرد و فواج کی  
اشیا کا معمولی احساس اُس وقت میری آنکھوں سے پوشیدہ ہو گیا تھا۔ اس لحظہ کیلئے سب چیزیں  
سو ایک ناقابل بیان مسرت اور خوشی کے ناپود ہو گئی تھیں۔ اس نظارہ کو مفصل بیان کرنا  
ناممکن ہے اسکی مثال صرف یہ ہو سکتی ہے کہ گویا یہ جسے کی ایک شمشیر چوکی سج رہی ہے جس میں تمام  
سُرنے لہنے کے بعد ایک ہم آہنگی اور ایک آواز پیدا ہو رہی ہے اور جس میں سننے والا اور کچھ محسوس نہیں  
کرنا سوا اس کے کہ اسکی روح اوپر کو اچھل رہی ہے اور اپنے خوش میں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہے  
رات کے سکون میں ایک دس سے بھی زیادہ سنجیدہ خاموشی کے اثر سے فخر تھری پیدا ہو رہی  
تھی اور تاریکی میں ایک ایسا وجود پیدا تھا جس کو میں معلوم کرتا تھا مگر دیکھ نہ سکتا تھا اور مجھے  
اپنے وجود کی نسبت شک ہو تو نہ ہو لیکن اُس کے وجود کی نسبت کوئی شک نہیں تھا اور فی الحقیقت  
اس وقت میری اپنی ہستی اسکی ہستی سے کم تھی۔ خدا کی نسبت نہایت اعلیٰ ایمان اور نہایت ہی  
سچا تصور سب سے دل میں اُہمیت پیدا ہوا ہے۔ میں اس وقت گویا کہہ طور پر کھڑا تھا اور اس سرمدی ہستی  
کو اپنے ارد گرد دیکھ رہا تھا اور دلی خوشی اس وقت جیسا کہ پہلی بار نہیں ہوا۔ میں اس وقت بالکل  
خدا کے سامنے کھڑا تھا اور اسکی روح نے مجھ کوئی زندگی بخشی ہوئی تھی۔ میں مانتا ہوں کہ اُس وقت  
میرے خیال یا اعتقاد میں کوئی نیا تغیر پیدا نہیں ہوا تھا سوا اس کے کہ وہ پہلا اعتقاد تھا کہ ایک

بعد اس عقیدہ تھا اس وقت تکفیر ہو کر پھول بیگیا تھا۔ اس وقت میرا پہلا عقیدہ تباہ نہیں ہو گیا تھا بلکہ نہایت تیزی سے اور نہایت عجیب طور پر اسکی یہ کھل گئی تھی اس وقت سب کوئی بحث جو خدا کی ہستی کے خلاف ہو میرے عقیدے کو متزلزل نہیں کر سکی اور ایک بار خدا کی حضوری محسوس کرنے کے بعد مینے اختیار کیا کہ نہیں کیا بلکہ اسکی ہستی کی یقینی شہادت میرے دل میں ہی وقت سے مستحکم ہوئی ہے اور مطالعہ اور غور و تامل سے معلوم ہوا ہے کہ ایسا ہی علی تجربہ اور لوگوں کو بھی ہوا ہے جنہوں نے خدا کو پایا ہے اور میں جانتا ہوں کہ بجا طور پر اسے معرفت کہہ سکتے ہیں۔ میں اس قدر فلسفہ نہیں پڑھا ہوں جو اس تجربہ پر واقع ہونیوالے اعتراضوں کو دفع کر سکے اور نہ لکھنے میں اس کو واضح کر سکا ہوں بلکہ میرے الفاظ نے اس کے صلی رنگ پر کسی قدر پردہ ڈال دیا ہے مگر جیسا کہچھ بھی وہ ہے مینے اسکو اپنی طاقت کے موافق بیان کر دیا ہے۔“

اور ایک اور اس سے زیادہ واضح تجربہ یہ ہے جو ایک سوٹو ز لینڈ کے باشندے کو پیش آیا ہے اور میں اسے فراموشی بیان سے ہمہ کرتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے:-

”میں بالکل تسلسلہ رہتا تھا ہم لوگوں کے سفر کا چھٹا دن تھا اور تنظیم ٹھہر چکا تھا۔ ہم ایک دن پہلے مقام سکسٹ سوٹو لینڈ کو جانے کیلئے روانہ ہوئے تھے۔ میں نہ تھکا ہوا تھا اور نہ بھوکا پایا تھا اور میرا قلب بالکل سکون میں تھا اور مقام فارلڈ پر پہنچ کر خیر و عافیت ہی معلوم ہو گئی تھی اور مجھے کوئی فکر و اندیشہ نہ تھا اور ہمارا راہبر بھی واقف کار تھا اور میں اسے یہ کہہ جاتا تھا اکی نسبت بھی کسی غلطی کا گمان دل میں نہ تھا۔ غرض میری حالت بالکل اطمینان اور تسکین کی تھی اسی حالت میں ناگہان مجھے ایک شے کی حضوری ہوئی جو میرے اوپر بھیا گئی۔ مختصر یہ کہ میں نے جانا کہ میں خدا کے حضور میں ہوں اور معلوم ہوا کہ اسکی نیکی اور اسکی طاقت میرے باطن میں درائی اور اس جوش کا بھجکا ایسا سخت تھا کہ میں نے فقیروں کو کہا کہ تم چلو اور میرا انتظار نہ کرو اور میں کھڑے رہ سکا اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے خدا کا شکر کیا کہ اس نے مجھ کو اس زندگی میں اپنی معرفت ہی اور مجھ جیسے ناچیز اور گنہگار پر عنایت کی اور نہایت حضور و شہادت سے

و خدا کی کہ میری زندگی اُس کے کاموں کیلئے مخصوص ہو۔ مجھے اسکی طرف سے جواب ملا وہ یہ تھا کہ مجھے ہمیشہ اسکی فرمانبرداری کے کام کرنے چاہئیں۔ اور اپنے تمام کاروبار کا فیصلہ اسی پر چڑھانا چاہیے۔

پھر آہستہ آہستہ اس حالت و جذبے میرے دل کو چوڑا کرنا شروع کیا یعنی میں نے معلوم کیا کہ خدا نے جو نعمت میرے ساتھ کیا تھا وہ ختم ہو گیا ہے لیکن اب بھی اندرونی شورش کا ایسا اثر تھا کہ میں چلنے کے قابل تو ہو گیا مگر آہستہ آہستہ اور چوکے میں زار زار رویا تھا میری آنکھیں سرخ تھیں اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے رفقا میری اس حالت کو دیکھیں..... وہ جب کی حالت چار یا پانچ منٹ رہی ہوگی مگر مجھے اُس کا عرصہ طویل معلوم ہوتا تھا میرے رفیقوں نے مقام دیون کے گزر پر میرا منٹ انتظار کیا لیکن میں ان سے کوئی پچیس یا تیس منٹ میں مل سکا۔ وہ نقش میرے دل پر ایسا گہرا تھا کہ میں پہاڑ پر چڑھتا ہوا خیال کرتا تھا کہ کیا حضرت موسیٰؑ نے طور سینا پر اس سے زیادہ خدائی جلوہ دیکھا ہوگا؟ اتنی بات اور میں کو کہ میرے اس وجد میں خدا کی نہ کوئی شکل تھی نہ رنگ تھا نہ بو نہ مزہ اور نہ اُس کا جلوہ کسی خاص سمت کو تھا بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے وجود کو اُس شمع الارواح نے بدل دیا ہے اور جس قدر میں کوشش کرتا ہوں کہ لفظوں میں اس حالت کا نقشہ چوکھنوں اسی قدر مجھے کوشش ناممکن ثابت ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ جو میں کہہ سکتا ہوں یہ ہے کہ خدا حاضر تھا گو وہ کہاں نہ دیتا تھا اور نہ کسی اور واسطہ کے تحت میں آسکتا تھا تاہم میری قوت فہم نے اسے پہچانا۔“

(دو نظیروں کو چوڑ کر) یہ تو گاہ گاہ خدا کی حضور کی مثالیں تھیں مگر خدا کی حضور کی کا خیال درجہ عادت ہوتا اس تجربے میں نظر اتنے ہے جو میں پر وقیعہ سٹار بلاک کے قلمی مسودہ سے نقل کرتا ہوں اور غالباً ہزاروں بے نقص عیسائی اس قسم کے تجربے بیان کر سکتے ہیں۔ یہ ایک نجاس سالہ شخص کا تجربہ ہے وہ کہتا ہے کہ“

خدا میرے لیئے تمام خیالات تمام ہشیا اور تمام اشخاص سے زیادہ ثابت اور متحقق ہے۔ میں اسکی حضور کی کو صریح طور پر محسوس کرتا ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ میں بالکل اسکے قوانین کے

مطابق زندگی بسر کرتا ہوں جو میرے جسم اور میرے دل میں لکھے ہوئے ہیں۔ میں اس کو دھوپ میں  
 اور بارش میں ہر جگہ محسوس کرتا ہوں اور میں اپنی اس کیفیت کو صرف یوں بیان کر سکتا ہوں کہ  
 وہ خوف اور ایک لذتِ اطمینان کا مجموعہ ہے۔ میں اس کی دعا اور حمد میں اس طور پر یاتنین کرتا ہوں  
 گویا اپنے کسی رفیق سے گفتگو کر رہا ہوں اور ہماری گفتگو بہت ہی سست و بخت ہوتی ہے وہ مجھ  
 بہرِ بار جواب دیتا ہے اور بعض وقت تو جواب الفاظ میں اور ایسا صاف ہوتا ہے کہ میں خیال کرتا ہوں  
 کہ میرے جسمانی کان اسے سنتے ہیں مگر عسوا ما وہ جواب ایک مضبوط قلبی نقش ہوتا ہے اور اکثر  
 بائبل کی کوئی آیت ہوتی ہے جس سے اس کا کوئی نیا نظارہ اور اس کے رحم اور اس کی حمایت کا منظر  
 پیش نظر ہوتا ہے اور طالع علمی کے حالات اور غانگی کا رد و بار اور مالی شکلات کی بابت اس کی مدد  
 و حمایت کی سینکڑوں مثالیں پیش کر سکتا ہوں جن میں مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ میرا ہے اور میں اس کا  
 ہوں وہ مجھ کو کبھی نہیں چھوڑتا اور اس کی وجہ سے میرے اندر ایک پائدار سرت موجود ہوتی ہے۔  
 اس کے بغیر زندگی ایک لقا و دق میدان اور بے پایاں و بے نشان صحرا سے مشابہ ہے۔  
 چند مثالیں اور مختلف العمر و کور و انماث کی ذکر کرتا ہوں۔ یہ سب پر فیسر سٹارلک کے قلمی نسخے سے  
 لی ہیں اور ایسی مثالیں بشمار مہیا ہو سکتی ہیں۔ یہ تجربہ ایک تائیس سالہ شخص کا ہے وہ کہتا ہے کہ:-  
 ”خدا میرے لیے بالکل متحقق ہستی ہے میں اس کی یاتنین کرتا ہوں اور اکثر جواب پاتا ہوں اور جب کبھی  
 خدا سے ہدایت کی درخواست کرتا ہوں تو ایسے خیالات میرے دل میں پیدا ہوتے ہیں جو دفعۃً آتے  
 ہیں اور تمام ان خیالات سے جدا اور ممتاز ہوتے ہیں جو میرے دل میں اور ذرا لعل سے موجود ہوں۔ ایک  
 سال کا عرصہ گزرا کہ مجھے چند مہینے تک ایک بڑی تشویش رہی تھی۔ جب پہلے پہلے وہ تشویش پیدا ہوئی  
 ہے تو میں ششدر رہ گیا تھا مگر تھوڑی ہی دیر میں یعنی دو یا تین گھنٹہ میں جیسے صبح کے طور پر بائبل کا ایک  
 فقرہ سنا کہ ”میرے عظمت تیرے لیے کافی ہے“ اور پھر جب مجھ کو اس تشویش کا خیال آیا میں نے وہی  
 فقرہ سنا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی خدا کے وجود کی نسبت شک کیا ہو یا اس کا یقین میرے  
 دل سے نکل گیا ہو۔ اور اگر خدا نے نمایاں طور پر میرے لیے کار و بار میں دخل دیا ہے اور میں محسوس کرتا

ہوں کہ اُس نے ہمیشہ مجھے مختصر تفصیل سے آگاہ کیا ہے اور دو باتیں دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ اُس نے مجھ کو ایسی تدبیر کی ہدایت کی ہے جو میرے میلان اور میری تجویز کے بالکل خلاف تھی۔ ایک اور شترہ سالہ شخص کا تجربہ ہے جو اگرچہ ایک بچے کا ہے مگر سائنسی لوجی و علم النفس کے رو سے کچھ کم تجربہ نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے۔

”میں بعض اوقات گریباں جاتا ہوں وہاں بیٹھتا ہوں اور رضیہ ادا کرتا ہوں مگر باہر آنے سے پیشتر میں محسوس کرتا ہوں کہ گویا خدا میرے ساتھ ہے میری دہن جانب ہوا میرے ساتھ زبور پڑھتا ہے ابھین گاتا ہے اور پھر میں محسوس کرتا ہوں کہ گریباں اُس کے پاس بیٹھ سکتا ہوں اپنی باتوں سے اس کی کوئی بھر سکتا ہوں اور اُسے بوسہ دے سکتا ہوں اور جب میں قربان گاہ کے پاس جاتا کرتا ہوں تو اس کو پانے کی کوشش کرتا ہوں اور اکثر اکی حضوری محسوس کرتا ہوں۔“

مختلف مقامات سے چن کر اونیٹالین لکھتا ہوں۔ ایک کہتا ہے۔

”خدا مجھے ایسا محیط ہے جیسا کوئی حیوانی کرہ۔ وہ میرے لیے میرے اپنے سانس زیادہ قریب ہے۔ میں حقیقی طور پر اس میں رہتا ہوں اسی میں حرکت کرتا ہوں اور اسی میں میرا تمام وجود ہے۔“

ایک اور کہتا ہے۔

”یسا اوقات مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں خدا کے حضور میں کھڑا ہوں اور اس سے باتیں کرتا ہوں میری مناجات کے جواب مجھ سے بہن اور بعض اوقات وہ جواب بالکل آہستہ ہوتے ہیں اور لہجہ آخر سے اکی حضوری اور اس کی قدرت کو ظاہر کرتے ہیں۔ کچھ وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا مجھ سے بہت دور معلوم ہوتا ہے مگر یہ ہمیشہ میرا اپنا ہی قصور ہوتا ہے۔“

ایک اور کہتا ہے۔

”میں ایک حضوری کا احساس رکھتا ہوں جو قوی ہوتی ہے اور ساتھ ہی اطمینان بخش ہوتی ہے اور وہ میرے اوپر نڈلاتی رہتی ہے اور کبھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بازوؤں سے مجھ کو ہلکے ہلکے ہلاتی ہے۔“

اس قسم کے تجربے اور کشف ہر ملک اور ہر قوم میں ملتے جلتے ہیں اور طالبانِ خدا ہر زمانہ میں اپنی اپنی استعداد

”یہ ہے اُس دُرِ مطلق کا خیال جو انسان کے دل پر نقش ہوتا ہے اور یہ ہے وہ اقتدار جو اس سے پیدا ہوتا ہے۔ جسے کل ہستی پیش نظر ہوتی ہے اور ایسے نمایان طور پر جیسے غلغلے کے قوت میں خیالی تصور میں۔ اور ہمارے اوضلاع و اطوار پر اُن کا ایسا بچھڑا اثر ہوتا ہے جیسا کہ عاشق کے دل پر اُس کے محبوب کے خیال سے بیخود عاشق کے اندر یہ خصوصیت کے ساتھ ایسا احساس تھا کہ خواہ کدھی چہیز

کے موافق اس شربت کا مزہ چکھتے رہیں۔ یہ قوی اقبال و ادب کا اثر ہے کہ جو عالی ہمت ہیں وہ اس طرح دیگر طرح کی خوبیوں کے ساتھ اس قسم کے تجربوں کو بھی نقل و تحریروں سے زندہ رکھنے کی کوشش میں سرگرم ہیں اور دوسری طرف جو قومیں غفلت و جہالت کا شکار ہو چکی ہیں وہ جیسے اپنے دنیوی ہنر و رون کی قدر نہیں کرتیں اسی طرح ان باطنی اہل کمال کے انکشاف کو قافیہ پر رکھنے کی بھی آرزو نہیں رکھتیں ان کے پاس اگر کچھ سرمایہ ہے تو وہ چند خفہ کمان لحد کی سرگزشتیں ہیں جو گذشتہ قدر زلفون کی بکرت سے فرسورہ اور ارق میں کہیں کہیں نظر آجاتی ہیں چنانچہ اس خواجہ عطار کی کتاب سے دو چار اسی قسم کے حوالے نقل کرتا ہوں۔

خواجہ بابا زید بسطامی سے گوگوں نے پوچھا کہ آپ کو یہ نثر کیونکر حاصل ہوا انہوں نے فرمایا کہ ”لو کہ میں ایک دفعہ ملک کو میں شہر سے باہر نکل گیا۔ چاندنی رات تھی اور جہاں سکون میں تھا۔ مجھے ایک حضوری ہوئی کہ یہ اٹھارہ ہزار عالم اس کے سامنے ایک ذرہ معلوم ہوتے تھے۔ میرے دل سے ایک شور مچا اٹھا اور عجیب حالت طاری ہوئی۔ میں نے عرض کی یا اہی اہی بڑی بارگاہ اور ایسی خالی ایسا کارخانہ اور اس طرح پوشیدہ۔ آواز آئی کہ بارگاہ سلطانی خالی نہیں کہ کوئی آئینہ بلکہ اس لئے خالی ہے کہ ہر شے مستعد یعنی ہر ناپاک اور ذالالت کو اس بارگاہ میں داخل ہونے پر ایک موقع پر فرماتے ہیں۔ ”میں نے یقین کی آنکھوں سے خدا کو دیکھا اُس نے مجھے نام موجودات مستغنی کر دیا اور اپنے نور کا جلوہ مجھ پر ظاہر کیا اور اپنے اسرار نمایان فرمائے اور اپنی عظمت اور اپنی ذات مجھ کو کہا ”میں تو اپنی ذات اور اپنی صفات کا خیال کیا میرا نور خدا کے نور کے سامنے آجی تھا اور میری عظمت خدا کی عظمت کے سامنے حقارت تھی اُس طرف ہم تن صفائی تھی اور اس طرف ستر پاکد ورت پہر جو دیکھتا ہوں تو اپنے نہیں اُس کے نور میں پاتا ہوں اور مجھ پر شک و شبہ کہ میں جو کچھ کرتا ہوں اسی کی قدر سے کہہ سکتا ہوں اُس کا نور میرے جسم میں چمکا اور حقیقت

کی طرف متوجہ ہو اس کا اپنا مطلوب ہر وقت اس کے سامنے رہتا ہے اس کے حافظہ سے کبھی بھٹ نہیں ہوتا اور ہمیشہ اس پر اپنا اثر کرتا رہتا ہے۔

ایسی حضوری کے احساس سے جو خیال پیدا ہوتا ہے مجھے اسکی نسبت اور بھی کچھ کہنا ہے ایسی حضوری جس کو حاصل ہوا اسکا اعتقاد ایسا ہی خفیہ ہوتا ہے جیسا کسی ظاہری حواس کے تجربہ کا ہوا

یقین حاصل ہونے کی قسم  
اور قلبی طور پر

یہ ظاہر ہوئی کہ عبادت جو میں کرتا تھا وہ بھی میری طرف سے نہ تھی بلکہ اسکی طرف سے تھی اور میں بھی سمجھتا رہا کہ میں عبادت کرتا ہوں۔ میں نے عرض کی خداوندیہ کیا معاملہ ہے جواب ملا کہ سب کچھ میں ہی ہوں کوئی اور نہیں یعنی کام کا ارتکاب تیری طرف سے ہے مگر اسکی طافت اور توفیق میری جانب سے ہے۔ جیسا کہ میں توفیق نہ دون تجربہ سے عبادت یا اور کوئی کام نہیں ہو سکتا غرض اس وقت مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ نہ میری آنکھیں میں نہ میرے کان میں اور نہ میری ہستی ہے وجود سب ہی کا ہے اور اس وجود نے باوجود میرے موجود نہ ہونے کے مجھے اپنی ہستی سے آگاہ کیا ہے پس میں خدا کو خدا سے دیکھتا تھا اور نہایت سکون اور اطمینان کا عالم تھا میرے کان سنتے نہیں تھے زبان بولتی نہیں تھی اور نام کسی علوم فراموش ہو گئے تھے۔ میں نے اس بے سامانی کی حالت میں بہت مدت میر کی۔ پس خدا نے مجھ پر عنایت کی اور مجھ کو اندلی علم بخشا اور اپنے نور سے مجھے آنکھیں عنایت کیں پس میں نے اسی کے نور سے اسکو دیکھا اور اسکی وساطت سے تمام موجودات کو دیکھا اور اسے الفاہوا کہ کیوں بائزید کو کیا ہے ہمہ اور ہامہ اور بے آلہ اور بآلہ ہے میں نے عرض کی خدا یا میں اس شرف پر غرور نہیں ہوتا اور اپنی ہستی کیلئے تجزیہ سے مستغنی نہیں ہوں۔ میں نہ ہوں اور تو میرا ہو تو اس سے بہتر ہے کہ تو میرا ہو اور میں ہوں اور میں تجھ ہی باتیں کروں اس سے بہتر ہے کہ تیرے بغیر اپنے نفس سے گفتگو کروں حکم ہو کہ شریعت کا خیال رکھو اور امر و نہی کی حد سے پاؤں باہر نہ نکالو تاہم تیری کوشش شکور ہو۔ اس کشفی حالت کے بہت عرصہ کا مکالمہ کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کشفی ترقی میں میں وہاں بہت کے درجہ پہنچا اور وہ پہلی دفعہ تھی کہ سینے توحید کو دیکھا کئی سال تک میں اس اُردی میں دوڑتا رہا۔ پھر معلوم ہوا کہ میں پرندہ بن گیا ہوں جو اسکی صفات کے نقصا میں اڑتا ہوں اور نیز دل میں خیال کیا کہ میں خدا تک پہنچ گیا مگر اگلے اربعہ ہفت کا میدان نہا چنانچہ مجھے معلوم ہوا کہ گویا میں تیس ہزار سال صدا نیت کے



کرتا ہے اور یہ اعتقاد اُن نتائج سے یقیناً زیادہ ہوتا ہے جو منطقی استدلال سے پیدا ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ بہت لوگوں میں ایسا احساس ہی نہ ہو لیکن جس کسی میں پیدا ہو اور ہو ہی نہ سکے حکم طور پر تودہ اپنے عقیدہ کو ایسا حق اور صدق جانتیگا کہ گو پختہ سم پختہ دلیل کے خلاف پیش کیجیائے اور گو وہ خود اسکی تردید کے قابل نہ ہی ہو مگر اس کے اعتقاد میں کتنی نزل

فضا میں اوتیس ہزار سال الوہیت کی فضا میں اور پندرہ ہزار سال قنوت کی فضا میں اڑا رہا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ بیٹے اس طرح کی چار ہزار وادیان قطع کی ہیں مگر نگاہ کی تو اپنے تئیں درجہ انبیاء کے آفاقہ میں پایا۔ پھر بیٹے اس کے نہایت فضا میں اس قدر سفر کیا کہ میں سمجھا اس سے اوپر اور کوئی قرب کا درجہ نہ ہو گا مگر دیکھا تو اپنا سراپا اس کے پاؤں پر پایا اور معلوم کہ اویا کی انتہا و انبیاء کی ابتدا ہے۔“

خواجہ ابوالحسن نوری جو فرماتے ہیں چالیس سال گذرے ہیں کہ چھ مین اور میرے دل میں جدائی ہو گئی ہے اس عرصہ میں نہ مجھے کوئی آرزو پیدا ہوئی اور نہ کسی شہوت نے ستایا اور نہ کوئی خیال دل میں گذر اور یہ سب ہے کہ کہ بیٹے خدا کو پہچانا اور وہ اس طرح ہوا کہ بیٹے ایک چمک دیکھی جو محسوس ہے پر غیب تک پہنچی ہوئی تھی اور میں اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ میں خود اس نور میں گم ہو گیا۔“

ایک دفعہ شیخ جنید بغدادی خواجہ ابوالحسن نوری کے پاس آئے نوری نے فریاد کی کہ ”یا سید الطائفہ میں ایک سخت مصیبت میں مبتلا ہوں اور طاقت سلب ہو چکی ہے اور وہ مصیبت یہ ہے کہ تیس سال ہو کر مجھ پر جلوہ کرتا ہے میں گم ہو جاتا ہوں اور جب میں ظاہر ہوتا ہوں وہ غائب ہو جاتا ہے غرض اسکی حضوری ہمیشہ میری قیبت میں ہوتی ہے میں ہر چند زاری کرتا ہوں مگر ہر سے جواب ملتا ہے کہ یا نور ہو گیا اور یا میں“ جنید نے کہا ”اے نوری ایسا ہونا چاہیے کہ تو نور نہ ہو اور جو کچھ ہو رہی ہو“

حضرت ابنہ جدویہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ جو اس قدر عبادت میں مصروف ہیں کبھی اپنے خدا کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں اسکو نہ دیکھتی تو کبھی عبادت نہ کرتی ”چنانچہ ان کا قول ہے کہ اے بنی آدم خدا کی طرف نہ آنکھوں کو راہ ہے اور نہ زبان کو کان اس بارہ میں کچھ نہیں کہیں سکتے اور پاؤں جبرست کے مارے

ہا ایک فلسفہ بن جو اسے معرفت الہی کے خلاف جو اس کو استدلال عقلی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس  
استدلال عقلی کا رد اس بات پر ہے کہ عقائد کی بنیاد و راسخ ثبوت پر مبنی چاہئے اور ایسے ثبوت میں  
چار باتوں کا حوالہ دیکھنا ضروری ہے (۱) اصول کلیہ بصیرت بیان ہو سکے (۲) حسی واقعات  
صیح اور بایان ہوں (۳) ان واقعات سے جو خیال قائم کیا جاوے وہ شخص میں ہو۔  
(۴) سو اجماع منطقی اصول کے موافق واضح ہوں یہ ہم اور ناقابل توضیح خیالات کا استدلال  
عقلی میں کوئی خرابی نہ ہو اور یہ فی الحقیقت قواسم و منہ کا ایک عظیم الشان تقاضا ہے اور ہمارا  
تمام فلسفہ اور تمام علوم ظاہری اس کا ثمرہ ہیں۔

لیکن اگر ہم انسان کی قافیہ حالت کو دیکھیں اور اس کی اس زندگی کا مطالعہ کریں جو علم و ہنر سے قطع نظر  
کیسے وہ کہتا ہے اور جس کا اندرونی اور ذاتی طور پر وہ اتباع کرتا ہے تو ہرگز اعتراف کرنا پڑتا کہ  
کہ اس حالت اور اس زندگی کا وہ حصہ جس کو استدلال عقلی ہتھم با نشان ظاہر کرتا ہے یعنی  
واضح اور مفصل لایل کے سوا کسی امر پر یقین نہ کرنا) یہ بدلتا ایک ہر صری اور مصنوعی حصہ ہے انہیں

چل نہیں سکتے۔ یہ کام دل کا ہے کوشش کرو کہ دل بیدار حاصل ہو کہ جب دل بیدار ہوگا تو ہر اس کو کسی مرد  
کی ضرورت نہیں کیونکہ بیدار دل ہی وہ ہے جو خدا میں گم ہو جائے اور جو اس میں گم ہو اس کو دیگر کی کیا  
موسم ہمارے ایک دفعہ حضرت ابو جحزہ مین درائین اور دت تک باہر نہ نکلیں خداوند نے عرض کی کہ باہر  
آئے اور خدا کی مسعت کو دیکھئے۔ انہوں نے فرمایا کہ نوازندہ کا صلح کو دیکھیے۔ پھر صلح کے دیدار نے ایسا صحر  
کیا ہے کہ مسعت کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

ہا انسان کے احوال میں اس قسم کے کشفی ظاہر اکثریت میں مل سکتے ہیں کہ یہ ضرور ہو کہ وہ لوگ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں یا وہ خبر  
شوقیں بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے اور یا کسی الہام میں انکی رفتار کو تیز کر نیکیے سو کچھ اور علی غایہ یہی ہوتے ہیں جن کے واسطے  
اس کیفیت کو ظاہر کرنا ضروری ہو چکا کہ حواہی باریک کے کشف میں دیکھا گیا ورنہ ان دونوں صورتوں کے سوا عام طور پر ان خصوص  
پر کشف کو پوشیدہ رکھنا ضروری ہے جو ہرگز انکی آئینہ نشی نہ ہو چنانچہ شیخ ذوالنون صری فرماتی ہیں کہ ہرگز معرفت کا  
دعویٰ نہ کرنا بدو گداری دعویٰ سچا ہی ہو تو ایسی طرف ہرگز نہ سداقت ہی تعریف نہیں چنانچہ شیخ ذوالنون کا مقولہ ہے کہ ہرگز ہرگز گناہ

حالات میں کاشف کی ہے

تو شک نہیں کہ زندگی کا یہ حصہ ایک خاص عروج و زوال پہنچتا ہے کیونکہ اس میں بکواس زیادہ ہوتی ہے  
 اور ثبوت مانگ کر اور کج سمجھی کے زبان بند کر دیا کرتے ہیں لیکن اگر تمہارا وجدان اور قلبی میلان  
 اس کے نتائج کے خلاف ہو تو دل کو پہرہ لینے اور اپنی بات پر یقین دلوانے میں یہ بالکل ناکام رہتا ہے  
 اگر تمہارے اندر وجدان ہے تو تمہاری فطرت میں اس کام کو استدلال عقلی کے مرکز سے زیادہ  
 عمیق ہے۔ تمہارا وجدانی علم تمہاری قلبی شجہ کی تمہارا اعتقاد اور تمہاری ضروریات پر مبنی  
 ایسے مقدمات بناتی ہیں جن سے تمہارا دل ایک نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے اور تمہارا اندر کوئی جاننے والا  
 ہے جو جان لیتا ہے کہ یہ نتیجہ ان نتائج سے زیادہ سچا ہے جو عقلی کج سمجھی سے پیدا ہوتے ہیں خواہ  
 وہ کیسی ہی قوت سے مقابلہ کر رہے ہوں اور یہ استدلال عقلی کا درجہ میں کمتر ہونا خواہ وہ مذہب کی  
 تائید میں پیش کیا گیا یا اسکی تردید میں ہر گز نمایاں ہے وہ بڑے بڑے فخر میں نظام کا پتہ  
 سے خدا کو ثابت کیا جاتا تھا اور جو ایک صدی پہلے قطعی اور یقینی سمجھے جاتے تھے آج سب  
 ایسے حقیر ہو گئے ہیں کہ کتب قانون میں انکی سبائے خاک بہرہ جلتے تو مضائقہ نہیں  
 اس لیے خیال کی صرف یہ وجہ ہے کہ موجودہ نسل نے ایسے خدا کو ماننا چھوڑ دیا ہے جس کو وہ دلائل  
 ثابت کرتی تھیں۔ آج ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا کیسا ہی ہو مگر وہ خدا نہیں ہے جس نے ہر گز نیا کو  
 اپنا جلال ظاہر کر سیکے لئے پیدا کیا ہے۔ بلکہ وہ ہمارا عقیدہ کیوں پیدا ہوا ہے اسکو تقریر میں ہم  
 بیان نہیں کر سکتے۔ نہ دوسروں کو تسلی دینے کے قابل اور نہ اپنی تسلی کے قابل۔ آج جو خیال پالا  
 ہوا ہے کہ خالق اگر کوئی ہے تو وہ رحیم قادر خدا نہیں بلکہ ایک جبار اور محدود ہستی ہے میں  
 اس کے خلاف ہی ایسی ہی جدت کر سکتا ہوں جیسی خدا کے ثبوت کے خلاف ہوئی ہے۔  
 حقیقت یہ ہے کہ اہمیت اور مذہب کے دائرہ میں عقلی دلائل جیسی تک سفید ہر تو ہیں کیونکہ  
 خود ہماری وجدانی غریب اس نتیجہ کو مانتی ہے۔ اس حالت میں بیشک ہماری ضمیر اور ہماری عقل ہر  
 کام کرتی ہیں اور اس سے ایک دنیا پر حکومت کرنے والا اعتقاد جیسے بڑھ یار میں کیتھک مذہب  
 ہیں پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس وقت ہمارا خیال اور طبعی اعتقاد کا اصل عنصر یہ ہے کہ عقلی دلائل صرف

اسکو نہ سمجھ سکے کہ کلیہ قاعدہ بنائیکا کام دیتا ہے۔ پس بے دلیل اور فوری یقین ہماری فطرت میں نہ نشین ہوتا ہے اور ثبوت عقلی سطح پر تیرنے والا عقیدہ ضمیر بہت مناسب ہے اور ذہن پروردہ اگر کسی شخص کو خدا کی ہستی کا ایسا ہی یقین ہے جیسا میں نے گذشتہ حوالجات میں بیان کیا ہے تو تمہارا اعتراضی دلائل اس کے اعتقاد کو بد کرنے کی جو کوشش کریں گے محض بیہودہ ہوگی۔

میں یہ نہیں کہتا کہ خلاف عقل اور بے ثبوت باتوں کو مذہب میں فوقیت دی جا چاہئے اور عقل بالکل آکھچہ بند کر لینی چاہئے بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ واقع میں دنیا کرتی ہوئی ہے۔

خدا کو ان کے لئے دو طریقے۔

فاضل پر فیسر نے جہاں تک میں خیال کرتا ہوں بجا فرمایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ مذہب کی بنیاد وجدان پر ہے اور نہ ہی جذبی کسی فطرت میں موجود ہونے کے بعد دوسرے پیش آتے ہیں ایک تو وہ تجربہ اور کشف کا رستہ ہے جسکی چند مثالیں انہوں نے لکھی ہیں اور جو بقول ان کے مذہبی دنیا میں بیشمار موجود ہیں اور دوسرا رستہ استدلال عقلی کا ہے جو بعض لوگوں نے وجدان کی جنمائی کے بعد اختیار کیا ہے یعنی انکی غیبت مذہب کی تلاش اور مدعا ہے مذہب کی جستجو میں پیدا وجدان اور جذبہ فطری سے ہوئی ہے مگر اس پر یقین اور اعتقاد کرنے کیلئے ویسا تجربہ اور کشف حاصل نہیں ہوا اور بجائے اس کے عقلی غور و فکر اور قیاس و استدلال کو کام لینا پڑا ہے۔ اسکی عمدہ مثال موجودہ فلسفہ ہائے مذہبی میں مشہور جرمن فلاسفہ امینوئل کانت کے مسلک میں ملتی ہے جس کے عقیدہ کو ڈاکٹر موصوف یون بیان کرتے ہیں :-

خدا فطرت اور استدلال کی اسیسٹنس

”امینوئل کانت خدا کی نسبت پیش میں کے ساتھ پیدا کر نیکی نسبت روح اور روح کی آزادی اور حیات بعد الموت غرض ایسے عقاید کی نسبت عجیب مذہب کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں علم معمول نہیں ہو سکتیں (یعنی انکا علم نہیں ہو سکتا) کیونکہ ہمارے تصورات ہمیشہ چاہتے ہیں کہ کوئی شے جو چیز جس پر عمل کریں اور چونکہ لفظ خدا روح اور سرمدیت کے مقابل میں کوئی محسوس معنی موجود نہیں اسلئے استدلالی طور پر تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ الفاظ کوئی اہمیت نہیں رکھتے مگر یہ عجیب بات ہے کہ عملی طور پر ہم ان کے معین معنی مراد لیتے ہیں۔ ہم اس طرح کاروبار کرتے ہیں گویا کوئی خدا کرتا ہو

ایسے طور پر غور و فکر کرتے ہیں گویا ہم آواز ہیں۔ نظام فطرت کو ایسے طور پر دیکھتے ہیں گویا وہ خاص مشین مینی کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ تدبیر کرتے ہیں گویا ہم غیر فانی ہیں اور ہم ہم پاتے ہیں کہ یہ الفاظ ہماری اخلاقی زندگی میں ایک واقعی اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ پس ہمارا یہ عقائد کہ یہ محسوس اشیاء موجود ہیں اس بنا پر ویسا ہی عقائد ہے جیسا اس صورت میں ہوتا جبکہ ہم اس کو حقیقت میں تصور کر سکتے ہیں ہمارے ذہن کا یہ ایک عجیب نظارہ ہے کہ ہم یہی چند اشیاء کے حقیقی وجود کے قابل ہیں جن کا تصور ہم کسی طرح ہی نہیں کر سکتے۔

اگرچہ کائنات نے اپنی عقائد کو محض جذبہ فطرت پر بنا لیا ہے اور دیگر عقلی دلائل سے کام نہیں لیا بلکہ انکو نامانی مانا ہے مگر چونکہ جذبہ فطرت کو علت مگر اس سے نتیجہ نکالا گیا ہے اس لیے اس کا مسلک بھی استدلال عقلی میں ہی داخل ہو گا اور معرفت کے ان تجربوں سے جدا گانہ ہو گا جنہیں خدا کی براہ راست تصویق و عقائد کو مستحکم کر دیتی ہے پس غائب میں غائب نہیں کرنا ہوں جبکہ کہتا ہوں کہ فطری کشش کے بعد دو مسلک ہو جاتے ہیں ایک میں جذبہ فطری کی شہادت پر جیسا کہ کائنات کا خیال ہے یا کسی اور عقلی شہادت پر خدا کو ثابت کیا جاتا ہے اور ایک دوسرا مسلک ہے جس میں اپنے عینی مشاہد سے اور اپنے کشف و الہام کو مدد دیا جائے اور خدا کو اس لیے مانا جاتا ہے کہ اسکو دیکھا ہے۔ پس عیدانی کشش کے بعد جو عقلی طریقے خدا کو ثابت کرنے اور اس پر ایمان لانے کے ہر زمانے میں مختلف عقائد نے ایجاد کئے ہیں اگر انکی ہر کشش کو ہی وحی و الہام کے نام سے لقب کیا جائے تو یہی وحی کی نسبت مٹھ پاردکن کا خیال بیشک درست ہو گا کہ اس میں کسی بالائی طاقت کو دخل نہیں اور صرف وہی جذبہ فطرت اور عقائد غور و تأمل کی طاقت ہے جس نے ان عقائد کے ذہن میں خدا کو ثابت کرنے کی دلائل پیدا کی ہیں اور جذبہ فطرت اور عقل و ہوش کا نشان انسانوں میں پایا جاتا ہے اس لیے عقل و ہوش کی وحی کو اگر وحی کہا جائے تو نقول ان کے یہی ہی وسیع ہے جیسی وسعت نسل انسانی کو حاصل ہے۔ مگر واقع یہ ہے کہ نفس عقلی استدلال وحی کے قدر سے لقب ہے اور یہ کہی نام نہاد کی بنیادوں پر رکھی گئی ہے بلکہ جذبہ

استدلالی بقایا انسانی  
میں رہتی ہے۔

فطرت سے مذہب کی تلاش پیدا ہونے کے بعد اس کا وجود اور اسکی اشاعت انہی لوگوں کے  
توسل سے ہوئی ہے جو براہ راست خدا سے تعلق رکھنے کا اور اس کے جلوے دیکھنے کا دعویٰ  
کرتے ہیں اور پھر جب مذہب کے مخالف اسکا انکار کرتے ہیں تو ان کی دہان بندی کیلئے  
مذہب کی جانب سے اپنے اپنے حال اور زمانے کے مناسبت سی دلائل پیدا کی جاتی ہیں  
پروفیسر جیمس ایک اور پچرین فرماتے ہیں +

مذہب کے مضمون نے ہمیں اس سوال تک پہنچایا ہے کہ آیا وجود باری تعالیٰ کا احسا  
کیا ایسا احساس ہے جس کو ظاہر میں نظر ہی سمجھ مان سکے۔ اس سوال کو پہلے تصوف کے آگے  
پیش کیا تو اگرچہ تصوف نے بڑے زور سے اس کے ثبوت کا دعویٰ کیا مگر اس کے تجربے  
ایسے مخفی اور غیر باہر گزرتے ہیں کہ اس کا فیصلہ عام طور پر قابل تسلیم نہیں ہوتا البتہ فلسفہ  
کرتا ہے کہ جو فیصلہ اسکی بارگاہ موصوادر ہو وہ عام اہل الرائے کے نزدیک قابل تسلیم ہوتا ہے  
اس لیے یہی سوال فلسفہ کے آگے پیش کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ (آگے فلسفہ کے رجوع فیصلہ کو  
ذہن نے کیا ہے اسکو یوں بیان کرتے ہیں) میرا اعتقاد ہے کہ مذہب کا اصلی حشر یہ ضمیر اور حیا  
ہے اور فلسفیانہ اور عالمانہ دلائل جو اسکی تائید میں پیش کی جاتی ہیں وہ دوسرے درجہ پر  
اور ضمیر کے فیصلہ کو ان سے وہی نسبت ہے جو کسی مضمون کو اس کے دوسری زبان کے ترجمہ  
سے ہوتی ہے مگر صرف اتنا کہنے سے غلط فہمی واقع ہوتی ہے اس لیے ہمیں بیان کرنا ہوں  
کہ میرا مطلب کیا ہے۔

جب میں عالمانہ دلائل کو دوسرے درجہ پر کرتا ہوں تو اس سے میرا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی دنیا  
جو جیمس نے ہی احساس پیدا ہی نہ ہوا ہو تو میں یقین نہیں کرتا کہ ایسی دنیا میں محض عقل کی زمنائی  
سے مذہب پیدا ہو جائے اور میں یقین نہیں کرتا کہ ایسی دنیا جیمس ایک طرف تکالیف اور تکالیف کے  
ساتھ ان سے نجات پانے کی تلاش اور دوسری طرف عارفانہ الہام نہ ہوتے تو ایسی دنیا میں  
صرف شک عقل غور و فکر ایسا مذہبی فلسفہ پیدا کر سکتا ہے جس کا کچھ ہمارے پاس موجود ہے اس

عقل مذہب کو پیدا  
نہیں کر سکتی۔

زیادہ تر صرف مظاہر قدرت کی عالمانہ چھان بین ہوتی اور یہی دنیوی علوم مرتب ہوتے جو اجمال  
موجود ہیں یا سائنس اور علوم کے ساتھ کہ یہ قدر روحانی مناظر کی تلاش کی جاتی جیسا کہ اب بعد میں  
اسکی طرف میلان ہوا ہے لیکن وہ بلند پروازیوں پر دستاویز ہے اور خیالی دلائل نہیں ہیں کی صورت میں  
کی جاتی ہیں اسکی طرف اس دنیا کے لوگوں کا میلان ہرگز نہ ہوتا کیونکہ ان کو خدا کے ساتھ راہ و رسم  
پیدا کر سکی کوئی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ پس بالائیل عقلی میرے نزدیک عقاید ثانوی اور بیرونی  
عارفین ہیں جن کو عقل نے ضمیر کی ہدایت اور وجدان کا اشارہ پا کر مبادیہ پر اس لکچر کے آخر میں ہیں  
”ماہر جب کچھ اظہار کرتا ہے وہ حقیقت میں ذاتی تجربہ کی چیز ہے۔ وہ خدا کو واقع میں حاضر ہے  
جاننا ہے اور بندہ اور خدا میں تعلقات داد و ستد کو واقعی سمجھتا ہے۔ پس اگر اس عقیدے میں اپنے  
دل پر کھڑا ہونے کی طاقت نہ ہو اور اتل عقلی سے مدد لینے کی ضرورت ہو تو استدلال سے  
انسان پر اسہارا دینے سے قاصر ہو گا جسکی اسے ضرورت ہے۔ استدلال منطق و حقائق کی تقسیم و تعریف  
اور توضیح کر سکتا ہے لیکن انکو پیدا نہیں کر سکتا اور نہ ان کو مشخص معین کر سکتا ہے اور مذہب میں  
یہاں تک زور دیا جاتا ہے کہ گویا خدا وہ سائنس موجود ہے پس اسے صرف وجدان ہی ثابت کر سکتا  
ہے۔ فلسفہ اس فضا میں دوسرے درجہ کی قوت ہے اور عقیدے کی صداقت کو ثابت نہیں کر سکتا  
پس تفسیر آئینہ انسانیت کے ساتھ ہرگز نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ تجاربہ ہی کی صداقت کو محض ذہنی  
عمل عقل سے ثابت کرنا بالکل خلاف اسید ہے۔“

نہجے کے تین ذمہ

عرض معلوم ہوا کہ مذہب کے تین خاوم ہیں۔ جذبہ فطرت، تجزیہ یعنی کشف اور استدلال۔  
ان میں جذبہ فطرت اصل الاصول ہے اور جیسا کہ ذکر ہوا کم و بیش تمام انسانوں میں موجود ہے اور  
اسکی نسبت یہ سوال بے محل ہے کہ یہ کیسی بالائی طاقت کو فعل ہے یا خود بخود موجود ہے کیونکہ  
انسان اور فطرت انسانی کا جو خالق مانا جاتا ہے اسی طرف فطرت اور جو اس فطرت ہی منسوب  
ہوئے اور استدلال چونکہ عقل کی ایجاد ہے اسلئے جہاں عقل کا وجود ہو گا وہاں اس کا وجود بھی  
ممکن ہے پس براہ راست بالائی طاقت کا فعل صرف اپنی حالات کی نسبت و کچھ باقی رہا جن میں

بیواسطہ خدا کی حضور ہی ہوتی ہے سو اس کی نسبت غور کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ تجربہ کیلئے تجربہ میں کیا قانون مقرر ہے کیونکہ جو قاعدہ عام طور پر تجربہ کو بیواسطہ مقرر ہوگا ضرور ہے کہ آیات کے تجربے پر ہی دینی فائدہ ہو سکیگا۔

تجربہ میں قیاسی طرز ہوتا ہے اور غرضیت معمول

موجودات عالم میں سب کے کم درجہ جمادات کا ہے اوس کے اوپر جب تیب نباتات حیوانات اور انسان کا درجہ ہے اور ان سب کا ایک دوسرے پر اثر ہوتا ہے اور علیٰ ہذا قانون میں قوت کیمیائی، قوت نموات، قوت حیوۃ، قوت فعل، اور قوت ادراج ایک دوسرے سے متضاد و برزہین اور ایک دوسرے پر متضاد جمادات کو نباتات اپنی نسوں اور سامون سے جذب کرتی ہیں وہ ان کے بدن میں پنچا کر ان کو نشوونما بخشتی ہیں اور کبھی بعض جمادات اپنا اثر سے ان کے نشوونما کو زایل کر دیتی ہیں حیوان جمادات اور نباتات دونوں سے خوراک حاصل کرتا اور اس سے بڑھتا ہوا ہے مگر کبھی دینی اثر کے اپنے اثر سے اس کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ انسان ان سب کو اپنی ضرورتوں میں صرف کرتا ہے اور کبھی فائدہ اٹھاتا ہے کبھی نقصان۔ اسی طرح کیمیائی طاقتیں جب اپنی اصل حالت میں ہوں کسی غیر چیز کے در آئے پر اگر وہ ٹھوس ہو مثلاً لوہا زمین میں دفن کر دیا جائے تو تحلیل کر دیتی ہیں اور اپنی موجودہ شکل میں لے آتی ہیں اور اگر متخلخل ہو مثلاً روئی زمین میں وادی جاسے تو اس کے اجزاء کو خاک بنا کر پیوستہ کر دیتی ہیں اور اپنی ترکیب کے قانون کو ظاہر کرتی ہیں۔ لیکن قوت نموات اپنے اثر سے کیمیائی ترکیب سے فائدہ اٹھاتی ہے اور تحلیل کو باطل کرتی ہے یعنی وزنت کی جڑیں جو زمین میں دفن ہوتی ہیں بجائے تحلیل ہو کر مٹی ہو جائیکے زمین کے ذروں کو جذب کر کے اپنی جسم کو بڑھاتی ہیں۔ قوت حیوۃ ان دونوں سے فائدہ لیتا ہے اور کبھی کسی چیز کو تحلیل کر کے کام میں لاتی ہے اور کبھی ترکیب سے اپنا مطلب نکالتی ہے۔ قوت فعل جو ان سب پر فائق ہے سب سے خدمت لیتی ہے وہ ان سب کے کیمیائی خواص سے ترکیب و تحلیل کا کام دیتی ہے اور غذا و دوا کا استعمال کر کے جسمانی اجزاء کو پیوستہ کرتی اور غیر مفید مواد کو تحلیل کرتی رہتی ہے نباتات کی قوت نموات سے فائدہ اٹھا کر غذا اور دوا کے سامان فراہم کرتی ہے اور حیوان کی قوت حیوۃ سے مستفید ہو کر اس کو انسانی



ضرورتوں کیلئے مطیع و منقاد بناتی ہے اور اس طرح قسب و سب کے اسام اور ہر طرح کی طاقتیں ایک دوسرے پر اثر کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ مگر غور سے دیکھا جائے تو ایک فرق اثر کرنا والا ہے اور دوسرا اثر قبول کرنا والا ایک فاعل ہے اور دوسرا منفعل۔ جمادات سب سے نیچے ہیں اس لئے سب کا اثر قبول کرتے ہیں اور جو اثر ان کا نباتات وغیرہ پر دیکھا جاتا ہے اس میں فاعل حقیقت اور پروردگار ہوتے ہیں یعنی نباتات اپنی جڑوں کی کشش سے کہا کو اور تنہ اور پتوں کی کشش سے نم اور پھول کو جذب کرتی ہیں انکی فاعلیت سے جو اجزاء جسم میں در آتے ہیں ان پر نباتات کی قوت محلہ اپنی فاعلیت کا اثر ظاہر کرتی ہے اور تحلیل کر کے جزو بدن بنالیتی ہے یا اگر نبات کسی اپنی میں یا مہر میں پیدا ہوتی ہے جس کو لوگ نشوونما کیلئے مضر کہا کرتے ہیں تو وہ ان بھی فاعلیت اس میں یا ہوا کی طرف منسوب ہونے کی بجائے حقیقت میں نبات ہی کو حاصل ہے یعنی اسکی قوت کشش یا توانا مناسبتاً کو کشش ہی نہیں کرتی اس لئے اسکی جسمانی ترقی یا بالفاظ دیگر اسکی نباتیت ذایل ہو جاتی ہے اور یا اسکو کشش کر نیکیہ بعد جب قوت محلہ ان ذرات کو جزو بدن بناتی ہے تو چونکہ وہ ذرات نباتی غذا کے متافی ہوتے ہیں ان سے جو جسم بنتا ہے وہ نباتات نہیں بہت غرض ہر حال میں جمادات کا اثر نباتات پر نباتات کی اپنی کشش اور فاعلیت پر موقوف ہے۔ اور اسی طرح جمادات اور نباتات دونوں کا اثر حیوان پر اس کے اپنے منہ سے نکلنے یا تنفس و سانس سے کشش کرنے پر یعنی اسکی اپنی فاعلیت پر منحصر ہے اور علیٰ ذہالقیاس انسان جو کچھ غذا وان، اشیاء سے اٹھاتا ہے اس میں بھی وہی فاعل ہے اور دیگر تمام اشیاء منفعل۔ اسکی طبعی کشش خوراک کو جزو بدن بناتی ہے اور ارادی حرکت نباتات اور حیوانات کو کام لیتی ہے اگر وہ نجات کو اٹھانا آگے ہوئے کو توڑنا یا ٹوٹے ہوئے کو اٹھانا نہ چاہے تو قوت تمکون کوئی اثر اس تک پہنچ گیا اور اگر جانور کو اپنے ساتھ لانا اور مطیع کرنا نہ چاہے تو قوت حیات اس پر کوئی عمل نہ کرے گی۔ غرض ہر ایک عمل میں اعلیٰ اور قویٰ فاعل ہوتا ہے اور ادنیٰ اور ضعیف منفعل۔ اب اس عمل سے اور ان کا اثر ظاہر ہونے سے جو واقفیت اور شناسائی و یقین کو اکید و سرسے ہوئی ہو اگر اس کا نام تجربہ کہیں (اور حقیقت تجربہ کہا کہ تو میں)

تو بیشک انسان کو حیوان کا تجربہ ہے اور حیوان کو انسان کا مگر اس تجربہ میں حیوان کی اپنی  
کوشش کو چندان دخل نہیں۔ بیشک کتے میں یہ خاصیت ہو کہ وہ انسان سے مانوس ہو کر  
اس پر اپنی جان فدا کرے اور اسکی عادات و خصائل سے آگاہ ہو کر اس کے اشارہ پر چلے  
لیکن جب تک انسان کتے کو مانوس نہ کرنا چاہے کتا انسان کا تجربہ ہرگز حاصل نہیں کر سکتا  
اور اسی طرح اگر نباتات میں شعور فرض کر لیا جائے اور جو حالت اسکی نخل بندی یا کھانے کے وقت  
ہوتی ہے اس کے احساس کا نام تجربہ رکھا جائے تو جو تجربہ نبات کو حیوان یا انسان کی نسبت  
ہے وہ اسکو ہرگز حاصل نہ ہو اگر انسان اور حیوان خود اسکی طرف توجہ نہ کریں علیٰ ہذا لکڑی کو  
آگ کا اور لوہے کو مقناطیس کا تجربہ ہرگز نہ ہو اگر آگ اور مقناطیس ان کو یہ تجربہ کروانے چاہیں  
میں شاید اس ضمنوں کو جس طرح چرچہ کر دل میں ہے اب تک ادا نہیں کر سکا اور اس  
لیئے شاید کوئی یون کہہ سکے کہ خوراک انسان اور حیوان میں جاتی ہے گو اسکو تحلیل کر کے  
جزو بدن بنانے والی طاقتیں انسان و حیوان میں ہوتی ہیں۔ مگر اس کے بعد خوراک کے  
اجزاء کا اثر بھی کہا نہیں لے پر ہوتا ہے جس سے وہ کہی تو انا ہو جاتا ہے اور کہی مختلف اعضا  
کا شکر بنتا ہے اور اس اثر میں فاعل خوراک ہے اور اس کے علاوہ شیر جو انسان کو پاتا ہے  
اور یوں اسکا تجربہ حاصل کرتا ہے اس میں انسان کے اپنے فعل کو کچھ ہی دخل نہیں اور جو شیر  
فاعل ہے اور انسان منفعل ہے۔ مگر نہیں، یہاں شیر کو انسان کا جس قدر تجربہ ہے وہ یہی ہے  
کہ اس شکل کی پسینہ گوشت دار ہوتی ہے جو میری غذا ہے اور کھانے کے بعد اس ذائقہ سے  
ہمیشہ ماہوتا ہے جو انسان کے گوشت میں ہوگا مگر انسان کی شکل اور گوشت کا ذائقہ عام  
جسمانی صفات ہیں جن کا اسے تجربہ ہو اور نہ انسان بحیثیت انسان ہونے کے جو صفات  
رکتا ہے انکا تجربہ شیر کو اسی وقت ہوتا ہے جبکہ بہادر انسان شجاعت کے زور سے اور کس کا  
ایک عقل تدبیروں سے اسکو زیر کر لیتا ہے اور اس وقت اس تجربہ میں فاعلیت ظاہر ہے کہ  
انسان کی جانب سے ہو اور اسی طرح اگر خوراک کے ذرات میں شعور ہو اور ان کے اثر کا نام تجربہ

کہا جاوے تو خوراک کو جو تجربہ کھانہ ہوا لے کا اپنا اثر کرے تیکے وقت ہوتا ہے وہ اسکی عم  
جسمانی صفت کا ہوتا ہے ورنہ خاص حیوانی یا انسانی صفات کا تجربہ خوراک کو ہی وقت ہوتا  
جیکہ وہ ارادی حرکتوں سے اسکی طرف جھپٹتا ہے عقلی تدابیر سے اسکو ہسیا کرنے کا اہتمام  
کرتا ہے اور طبعی کشش سے اسکو جذب کرتا اور جزو بدن بناتا ہے اور ان صورتوں میں وہ  
خود قائل ہوتا ہے اور خوراک منفعل -

عرض تجربہ کا عام قانون یہ ثابت ہوا کہ اعلیٰ کی تعلیت کے بغیر ادنیٰ کو اوس کا تجربہ  
نہیں ہوتا جیسا کہ انسان کو بہت بڑا تجربہ وہ اپنی عقل سے زمین کی تہ تک پہنچ گیا ہے اور آسمان  
کی چوٹی تک اور جو حالات اجسام مغلی اور اجرام علوی کے اُس پر آشفت ہوئے ہیں اُن کے  
گہمہ میں وہ اپنی عقل کو غیر محدود اور چرچہ کو اپنی گرفت کے اندر سمجھنے لگا ہے مگر وہ  
آفتاب کو ماپ رہا ہو یا زمین کو تول رہا ہو اسکی اپنی کوشش سے جس قدر تجربہ حاصل ہوا ہے  
وہ محض کم درجہ کی مخلوقات کا ہے۔ اس نے چاند کے پہاڑوں کو دیکھ لیا تو آفتاب کے  
داغوں کو جانچ لیا تو محض روشنی اور روشنی کے مختلف رنگوں کو دیکھا ہے جو ایک کیفیت ہی اور  
اُن کے ماپ تول اور عناصر کی نسبت قیاس و ڈرائے ہیں جو جادہ جسم اور اُن کے خواص  
ہیں۔ اپنے سے کسی بالاتر ہستی کا تجربہ ایک طرف وہ خود اپنا اور اپنے برابر والوں کا تجربہ  
بھی نہیں کر سکا۔ انسان کی نسبت اُس کے معلومات کیا ہیں؟ محض جسمانی ساخت جسمانی  
عناصر اور جسمانی خواص عرض وہی باتیں جو کم و بیش اس سے کم تر یعنی حیوان اور نباتات  
میں بھی پائی جاتی ہیں مگر جس چیز کے سبب انسان انسان بنا ہے اور جو اسے دیگر موجودات  
سے برتری دیتی ہے اس کا انکشاف نہ آج تک ہوا ہے اور نہ غالباً آگے کہی ہو۔

پس جب کیفیت ہو اور اس نے اعلیٰ کو بلکہ برابر والے کو بلکہ خود اپنے تئیں ہی نہیں  
دیکھ سکتا تو کس بنا پر کہا جاتا ہے کہ اُس بالاتر سے بالاتر ہستی کا جلوہ اور اسکی ذات و صفات کے  
متعلق انکشاف انسان خود اپنی کوشش سے حاصل کر سکتا ہے اور جب یہ صورت ہی تو وحی

وہی ایک خداوندی  
ہے اور انسان کو

جو ایک اعلم و مجرب کا تجربہ ہے اور یہ ہیں نہ صرف جلوہ ربانی پر اکتفا ہوتا ہے بلکہ انسان پر ایسے تجربوں سے خدا کی معرفت حاصل کرنے اور خلق اللہ کو ایسے عرفان تک پہنچانے کے وسائل بھی جن کو عبادت کہا جاتا ہے منکشف ہو جاتے ہیں اسکی نسبت کیونکر دعویٰ ہو سکتا ہے کہ ایسا بڑا انکشاف خود انسان کا اپنا دائمی عروج ہے۔ اور اسکی اپنی کوشش سے حاصل ہوتا ہے اور خدا کی فاعلیت کا یہیں کوئی دخل نہیں۔

مشریاد کس ہر کوئی کوئی معجزہ نہیں، کہہ کر ڈراتے ہیں اور بیشک معجزہ کا لفظ اجل کسی چیز سے نفرت و لوٹنے اور خوفزدہ کر نیکیے لیے کافی ہے لیکن اگر معجزہ کے معنی خدا قانون قدرت کے ہیں تو ادنیٰ کا محض اپنی کوشش سے اعلیٰ تک پہنچ جانا بیشک معجزہ ہے اور اس جرم کے مرتجب مشر یا سر کہ ہیں کہ وحی کو خلاف قانون تجربہ مان کر آج کل کے فلاسفہ سے معجزہ منوانا چاہتے ہیں مگر جو لوگ خدا کی فاعلانہ حرکت سے ایسے جلوہوں کا نظر اتارنا تو ہیں وہ بالکل لاف نیچے یعنی فطرۃ اللہ المستمرہ کے موافق اعتقاد رکھتے ہیں اور معجزہ ماننے کے گنہگار نہیں ہیں۔ سر کس کا گھوڑا خواہ کیسا ہی صہیل ہو اگر مالک تعلیم نہ دے گھوڑا اپنے آپ اسکے اشاروں کو نہ سمجھیں گا اور ہاتھ اٹھانے پر سیدم ہو کر نہ لیٹ جائیگا اسی طرح انسان خواہ کیسا ہی تجزیہ شریف ہو جب تک خود خدا اپنی حضور ہی نہ دے محض اپنی کوشش سے اسکی معرفت کا عین الیقین حاصل نہ کر لیا اور اس کے نور سے روح کو منور نہ کر سکیگا۔ چہرہ ہے کہ مٹی اور ہوا سے نباتات ہی اجزا کو جذب کرتی ہے جن میں نبات بننے کی قابلیت ہے۔ نبات میں سے حیوان اپنی پتوں اور پھلوں کو کھاتا ہے جو اس کو کھانا میں نباتات و حیوانات وغیرہ میں سے انسان اپنی کوشش سے جو کام کے لائق ہیں اسی طرح خدا انہی بندہ میں پرچی کرتا ہے جسکی فطرت اس بارگرا نامیہ کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس جا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی اپنی قابلیت کو یہی اس منصب میں دخل ہے اور اس لیے ابتدا کو حسب فطرت دیگر یعنی روح سے فائق اور افضل مانا جاتا ہے مگر نباتات کی کوشش کو خود راگ جذب کرنے میں حیران

کی خواہش کو نبات کے لگنے و بین انسان کے ارادہ کو مخلوقات سے کام لینے میں جس قدر دخل ہے میں اسی قدر دخل خدا کو وحی پہنچنے میں سمجھا جاسکتا ہے یعنی اسکی طرف سے فعل اور انسان کی طرف سے افعال۔ پس اگر نبات حیوان اور انسان کی فاعلیت معجزہ اور غلات قانون نہیں ہے تو خدا کی فاعلیت بھی معجزہ نہ ہوگی۔

مشرقیوں کو یہود و نصاریٰ اور اہل اسلام کو الزام دیتے ہیں کہ وہ چند مصنفین پر وحی کو محدود سمجھتے ہیں اور خدا کے حاضر و ناظر اور سرمدی فاعل ہونیکا واسطہ دیکر تمام انسانوں کو وحی کا شرف دلوانا چاہتے ہیں مگر نہیں معلوم یہود و نصاریٰ پر یہ الزام کہاں تک درست ہے البتہ اسلام کے بارہ میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ بہتان کے ترکیب ہوئے ہیں۔ اسلام ہر قوم میں رسول بھیجتا ہے کا مدعی ہے **وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ** (فاطر ۲۳: ۲۴) اور خدا کی رحمت کو انسان ایک طرف تمام شایا پر وسیع مانتا ہے **رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ** (اعراف ۱۹) مگر اس بارہ میں وہی عمل کا قانون پیش نظر کہنا ہوگا۔ انسان جو جانور خیریتا ہے چاہتا ہے کہ اس کے اشاروں پر کام کرے اور اس عرض کیلئے سب پر حتیٰ الوسع جان کھپاتا ہے مگر تمام عمر کے عمل میں چند ایک آدمہ جانور ہی ایسا نکلتا ہے جو اسکی آرزو کو پورے طور پر بر لاتا ہو۔ کتنے سب یکساں ہیں بگڑشکار کی مہارت اور آقا پر جان قربان کرنے کی صفت سب میں موجود نہیں اور جن میں موجود ہے ان میں سے بھی وہ بہت ہی نادر ہیں جنکی خدمت اور وفاداری کے گیت گائے جائیں اسی طرح باریک ذرات واسے جادات اور سبز پتوں والے درخت سب ہیں مگر ان میں وہ بہت کم ہیں جو نباتات کو تر و تازہ اور جانورون کو قریہ کرنے کی خاصیت رکھتے ہیں۔ عرض ان سب حالات میں کام لینے والوں کیطورت سے بخل نہیں ہوتا مگر کام آہیوالے کی استعداد کے سبب اثر میں ہزاروں کوس کا فرق نظر آتا ہے یہی کیفیت اس فعل کی ہے جو خدا کی طرف سے روحانی صفائی کے لیئے کیا جاتا ہے۔ سبب فیاض کی جانب سے بخل نہیں مگر مادہ قابلیت چند انسانوں میں پایا جاتا ہے اور وہی اس برکت سے بھی مستفید

نبی اگرچہ بہت ہیں  
مگر تمام انسان ہی  
نہیں ہو سکتے۔

ہوتے ہیں۔ آفتاب کی روشنی (جو سات رنگوں سے مرکب مانی جاتی ہے) جب کسی شفا چیز پر پڑتی ہے تو اپنا پورا جلوہ دکھاتی ہے لیکن رنگ اریشہ اپنی ہر رنگ شعاؤں کے سوا روشنی کے باقی تمام رنگوں کو جذب کر لیتا ہے اور اس لیے روشنی شیشے کے ہر رنگ ہو جاتی ہے سیاہ چونکہ (حسب تحقیق جدید) تمام رنگوں سے محروم ہے اس لیے وہ روشنی کو بالکل جذب کر لیتی ہے اور روشن دان کو سیاہ کر دیتے سے کمرہ تاریک ہو جاتا ہے مگر اس طرح تاریکی پھیلنے یا مختلف رنگوں کی روشنی پیدا ہونے سے آفتاب پر کوئی الزام عاید نہیں ہوتا اور اس کے فیض عام سے کسی کو انکار نہیں اسی طرح وحی ربانی اپنے کامل اوصاف سے اُسی با اقبال پر نازل ہوتی ہے جس کا قلب رذائل کے تمام الوان سے پاک اور نور معرفت کو اخذ کرنے کے قابل ہوگا چونکہ ایسے نفوس قدرت کم ہیں اس لیے منصب نبوت بھی اُسی نسبت ہی عطا ہوتا ہے۔

استعداد میں تفاوت  
درجات کا ہی باعث کا؟

مستطاب اگر اس اختلاف حالات سے انکار نہیں کرتے مگر اسے تسلیم کرنے میں اپنے انداز کو بھی نہیں بدست چنانچہ فرماتے ہیں:

چونکہ خدا نے فطرۃً کسی نسل اور کسی انسان کو عقل، ضمیر، محبت اور روح سے محروم نہیں کیا اسی طرح کسی کو وحی سے بھی محروم نہیں رکھا۔ یہی ہماری تمام ہستی کیلئے روشنی ہے اور تمام انسانی قابلیتوں کیلئے بنیاد ہے اور یہی واحد ذریعہ ہے جس سے ہم اس دیدہ ہستی کا علم، تمام محسوس علوم کی منطقی شہدیں اور روحانی دنیا کا راستہ پاتے ہیں جیسا انسان مادہ کے بغیر نہیں رہ سکتا ویسا ہی خدا کے بغیر نہیں رہ سکتا پس نظر کی طرح وحی بھی اپنی نوع میں سب جگہ کیان ہوگی۔ البتہ درجات کے لحاظ سے ایک قوم کی نسبت دوسری قوم میں اور ایک انسان کی نسبت دوسرے انسان میں متفاوت ہوگی۔ کیونکہ وحی کا درجہ دو چیزوں پر منحصر ہوگا ایک فطری قابلیت اور خاص خاص ذہنی اخلاقی اور مذہبی جذبات پر جو ہر شخص کو خدا کی طرف سے دیئے گئے ہیں اور دوسرے اس طریق استعمال پر جو انسان ان عطیوں کی نسبت اختیار کرے۔ مختصر یہ کہ درجات کا فرق انسانی فطرت کی مقدار اور اخلاقیات کی مقدار پر موقوف ہے اور چونکہ انسان اپنے فطری عطا

میں اور اس سبب زیادہ ان عطیوں کے استعمال میں باہد کر مختلف ہیں اس لئے ان میں نہایت  
 حقیر درجہ کے گنہگار سے لیکر اعلیٰ درجہ کے پارسا تک وحی کے درجات ہی مختلف ہوں گے۔  
 یہاں ”خدا کے بغیر درہ سکے“ سے تمام انسانوں کے لئے وحی کو عام ماننا تو ایسا  
 ہے جیسے آفتاب کے فیض عام سی شیشہ کو منور سمجھنا البتہ وحی کے درجات کا مختلف ہونا  
 وہ بجا فرماتے ہیں کہ انسان کی اپنی استعداد اور اس کے استعمال پر منحصر ہے لیکن یہ بات کہ وحی  
 ہوتی سب کو ہے اور صرف درجات کا تفاوت ہی اس میں بہت کچھ کلام ہے۔ حقیر درجہ کے  
 گنہگار چرچیں وحی کا آنا وہ تسلیم کرتے ہیں اگر اس سے مراد وہ تجلی ربانی ہے جس سے انسانی روح کی  
 ذات و صفات کا تجربہ حاصل کر کے صاف اور منور ہو جاتی ہے اور نہ صرف نور اور صفائی  
 حاصل کرتی ہے بلکہ اپنی روشنی سے دیگر جو بندگان راہ کو شعلہ کہا کر منزل مقصود تک پہنچا دیتی  
 ہے تو گنہگار پر ایسی وحی اور ایسی تجلی کا ہونا بالکل خلاف قانون اور خلاف واقع ہے اور خود  
 مشرب امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ”بیوقوف کو دانائی کی بدکار کو نیکی کی اور زند کو مذہب کی وحی نہیں سکتی“  
 پس اس بنا پر صرف درجات کا فرق نہیں ثابت ہوتا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک پر وحی ہوتی ہے  
 اور دوسرا اس سے بالکل محروم رہتا ہے۔ اور اگر ان کا مقصد اس جذبہ فطری سے ہو جو انسان  
 کو بالائی ہستی کی طرف پہنچتا ہے اور جس کو جذبہ مذہبی کہتے ہیں یا جو جذبہ نیکی کی رغبت پیدا کرتا ہے  
 اور جذبہ اخلاقی کے نام سے موسوم ہے تو بیشک یہ دونوں جذبے کا فروغ و ترقی اور فاسق اور

پارسا میں موجود ہیں -

ہم نے اس کو رستہ دکھا دیا ہے اب چلے شکر خفیا  
 کرے یا ناشکری  
 کیا ہم نے اس کو دوا کھین زبان اور دلب نہیں دی  
 اور کیا اس کو دوا نہیں بتائے  
 رخصتمے بتائی اس کو ایسی بدکاری اور نکو کاری

إِنَّا هَدَيْنَا السَّبِيلَ إِنَّمَا شَكَرَ أَقْوَامًا  
 كَفُورًا ط (دہر پارہ ۱۹ ع ۱)  
 أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ وَلَسْنَا نَافِقَتَيْنِ  
 وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ط (بلد پارہ ۳)  
 فَالْهَمَّ الْفُجُورَ هَا وَتَقَى هَا ط (شس پارہ ۲)

تفاوت حالات

یہ دو نوعہ سبب یعنی مذہبی اور اخلاقی چونکہ خدا کی طرف سے ہیں اس لیے مجازاً ان کو دینی کہا جائے تو مضائقہ نہیں مگر حقیقت میں یہ دینی نہیں ہیں البتہ ان کے وجود سے دینی کارنامہ صاف ہوتا ہے اور انسان میں ترقی کی خواہش پیدا ہو کر وہ اپنی طرف سے ایسی کوشش سجالا ہے جس سے تو میری کو اخذ کرنے کی قابلیت ہو اور پھر کوشش کا تفاوت نتائج میں اختلاف پیدا کرتا ہے مثلاً اگر شیشہ دل مادی کدورتوں اور جسمانی ناجائز خواہشوں سے بالکل مفلک ہو گیا ہے تو آفتاب وحدت کی روشنی براہ راست اس پر جلوہ کرتی ہے اور وہ اس آئینہ کی طرح منور ہو جاتا ہے جو آفتاب کے سامنے رکھا ہو اور یہی لوگ ہیں جن کو رسول یا پیغمبر کہا جاتا ہے اور اگر پاکیزگی کے اس درجہ تک نہیں پہنچتا اور نو سبب کی کیفیت کو سبب وسط اخذ کرنے کے قابل نہیں ہوتا تو منور ہونے کیلئے کسی اور قلب مصفا کی وساطت تلاش کرتا ہے جیسے آفتاب کے سناں رکھے ہوئے آئینہ کی شعاع یا دگشت دوسری چیزوں کو انکی حیثیت کے موافق روشن کر دیتی ہے وہ شخص قلب صافی کے جلوہ سے حسب طاقت نور حاصل کرتا ہے اور ایسے لوگ پیغمبر کی امت اور اس کے پیرو مشہور ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص جسمانی خواہشوں اور دنیوی آلائشوں سے مغلوب ہو کر مذہبی جذبہ کو ضائع کر دیتا ہے تو وہ اس سیاہ تختہ جیسا ہے جو آفتاب کی تمام شعاعوں کو راہیگان چھوڑتا ہے اور مطلق روشن نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ بوسط منور ہو سکتے ہیں اور کسی درمیانی واسطہ یعنی نبی کی ہدایت سے مستفید ہوتے ہیں اور باوجودیکہ دنیا میں انبیاء کی آواز کا ہر طرف غلغلہ ہے مگر وہ لوگ سوئے تاریکی اور گمراہی کے کچھ نہیں پاتے۔ اور اسی لیے ارشاد ہے کہ انبیاء کی ہدایت انہی لوگوں کو مفید ہے جو جذبہ مذہبی کے سبب بے دیکھے خدا کی طرف متوجہ ہیں ورنہ جس طرح بہت لوگ اس سوراہہ راست پاتے ہیں اسی طرح اکثر اشخاص گمراہ بھی ہوتے ہیں اور وہ وہی ہیں جنہوں نے اپنے اذلی عہد کو نوٹ دیا ہے یعنی جذبہ مذہبی ضائع کر دیا

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ  
الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (تقریباً)

یہ سبب کتاب ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ ہدایت ہے پیغمبر کا رون کیلئے جو ایمان لاتے ہیں غیب پر۔



يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا مِّنْ هَؤُلَاءِ ذِينَ كُفِّرُوا  
وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ الَّذِينَ  
يَقْضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ  
(بقرہ پارہ ۷۲)

وہ اس سے اکثر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر کو ہدایت  
دیتا ہے اور گمراہ اپنی کو کرتا ہے جو فاسق ہیں اور جو  
خدا کے بیان کو لاف میں مضبوط کرنے کے بعد توڑتے  
ہیں۔

انہی کی ضرورت

غرض مذہبی جذبہ جو سب میں موجود ہے وہ اور چیز ہے اور صرف انسان کو استعداد  
پیدا کر نیک کام دیتا ہے اور وہ جلوہ ربانی جس کو وحی کہتے ہیں اور چیز ہے جو بالاتر ہستی کی اپنی  
توجہ اور غا علیت سے حاصل ہوتا ہے۔ مٹھیا رکھ کر کی نظر صرف جذبہ نہیں ہے بلکہ محدود ہے  
اور اسی کو وحی سمجھتے ہیں۔ اسی لئے اس کا تمام انسانوں کے لئے عام ماننے ہیں اور وہ اور ان کے  
دیگر بھیجاں جو انہی کی ضرورت کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ انسان محض خدا کو ماننے سے  
نجات پا سکتا ہے اور کلمۃ اللہ خود اس کے اندر موجود ہے وہ اس امر کو بالکل نظر انداز کر دیتے  
ہیں کہ مذہب جیسا کہ ذکر ہو چکا تجربہ کی چیز ہے اور تجربہ ہی ایسی ہستی کا جو از روئے فطرت  
انسانی ہستی سے بالاتر ہے پس اس کی معرفت اور اس کی ذات و صفات کے تجربہ کیلئے خود اس  
ذات کی توجہ و کار ہے۔ یہ لوگ مذہب اور عقل اور نیز مذہب اور اخلاق میں تمیز نہیں کرتے  
اور اس لئے اپنی عقل کے گھٹن میں سمجھتے ہیں کہ جس طرح وہ حیاتیات کی تحقیق کر سکتی ہے  
اسی طرح الہیات میں بھی اس سے کام لے سکتا ہے۔ اور مذہب کا ثمرہ محض اخلاق کو سمجھ کر  
کہنے لگتے ہیں کہ اخلاق حسنہ کو حاصل کرنے پر مذہب سکھانے والوں کی ضرورت نہیں رہتی  
حالانکہ دونوں اصول غلط ہیں عقل محض حیاتیات پر حاکم ہے اور اپنی ہم پلہ یعنی روح اور اپنے  
سے بڑے یعنی خدا کی نسبت وہ کوئی تجربہ نہیں کر سکتی۔ اور اخلاق مذہب کا واحد ثمرہ بلکہ  
مہتمم بالشان ثمرہ ہی نہیں۔ اخلاقی جذبہ بیشک نجیب و شریف کشش ہے مگر مذہب کا یہ  
نہایت پیش رفت و نتیجہ ہے مذہبی جذبہ خدا کی تلاش کرتا ہے پس اس کا حقیقی ثمرہ خدا کی معرفت  
ہے البتہ خدا کی معرفت حاصل ہونے پر اور یہ معلوم کرنے پر کہ تمام موجودات اسی کی مخلوق ہے

خدا کی محبت پیدا ہو کر کانون محبت سے اپنے محبوب کے ساتھ محبوب کی تمام چیزوں سے  
 الفت پیدا ہو جاتی ہے اور مقننات کے الفت سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہی اعلیٰ  
 اخلاق ہیں لیکن چونکہ اخلاق کا فائدہ محسوس اور نمایان ہے اور انسان کو دوسروں سے  
 نیک برتاؤ کرنے پر اپنی ذات کیلئے ہی بہت احتیاج و آرام ملتا ہے اس لیے انسانی عقل  
 اگر کامل ہو تو اخلاق کا تجربہ کر سکتی ہے اور عقلاً زمانہ مذہب کے ایک سو ہو کر ہی اس کی ضرورت  
 کو محسوس کرتے ہیں پس اگر نجات اسی کا نام ہے کہ انسان اس دنیاوی رست میں لوگوں سے  
 نیک سلوک رکھے اور اس کے عوض میں ان کی طرف سے عہدہ برتاؤ کا لطف اٹھائے تو  
 پھر بھی اگرچہ مذہب کے لیے پرواہ ہو کر تمام لوگ اخلاق پر قائم نہیں رہ سکتے گناہ یا بعض انا اور  
 دوزخ اندیش محض عقل کی رہنمائی سے نجات پاسکیں گے اور اس صورت میں ان کے لیے  
 نہ صرف مذہب کھانا یا لون یعنی پیغمبر کی بلکہ مدعا کے مذہب یعنی خدا کو ماننے کی ہی ضرورت  
 نہیں لیکن اگر نجات محض دنیاوی راحت و آرام کا نام نہیں بلکہ اس تجلی ربانی اور معرفت الہی  
 کو کہتے ہیں جو اس دنیا میں اور اس پسے ابد الایات تک انسانی روح کو منور اور ریشاش رکھتی ہو  
 اور کشف و شہود کے وہ تجربہ کرداتی ہے جو جسمانی آنکھ اور جسمانی دماغ کی دھڑ سے باہر ہیں  
 اور جسکی تشنگی ابتداء سے آفرینش سے اب تک انسانی فطرت کے کسی نامعلوم گوشہ میں شعلہ زب بج کر  
 اس سے ہزاروں کنوئیں جھنکواتی رہی ہے تو یہی نجات کا حاصل کر باقی دنیا عقل کی گرفت سے باہر  
 اور محض جسمانی بلند پروازیوں سے اس تک پہنچنا ویسا ہی موہوم ہے جیسے نور آفتاب کی حرکت  
 کے بغیر ترخانہ کے روشنی ان کا منور ہو جانا یا انسانی کوشش کے بغیر جنگلی گھوڑے کا باجے کی  
 آواز پر ناچنا یہ اپنے وقت کے فلاسفر اور فیلسوف مادیات کو شوق سے دیکھیں بھالیں اور  
 نہ صرف زمین بلکہ مریخ و مشتری کے چہ چہ سے واقف ہو جائیں لیکن اپنی حد سے قدم نہ بڑھائیں  
 کشش ثقل سے سخت اثر سے میں جا پہنچیں مگر جسمانی اعتباروں سے اس مالا ترستی کی طرف نہ اڑیں  
 اس تک پہنچنا ہے تو جسمانی آلائشوں سے ایسے پاک ہوں کہ نوز و حدت سے واسطہ ان پر چکے یعنی

خود غیر تجربہ یافتہ اور یہ نہیں ہو سکتا تو خود پسندی چھوڑ کر اپنے صغیر دل کو کسی اور قلب صافی کے مقابل کہیں اور بالواسطہ آفتاب وحدت کے نور سے منور ہوں یعنی کسی نبی کی امت بن کر اسکی وساطت سے معرفت حاصل کریں کیا کہا ہے

نگہ بند نور خورشید ازل و ظرف ہر دیدہ      باب دیدہ طران نگہ تا عکس آن مینی  
تو خفاشی ز نور قیاس نور خورشید      ترا سودا میں بود - گر نور خورشید مینی یان مینی

یہ لوگ اپنے مطالب کے وقت اور دوسروں کو سکت کر نیکے لئے قانون قدرت اور لا آفرین کو ایک ہلک حریرہ اور بیخیا حملہ سمجھا کرتے ہیں مگر انہیں ہے کہ مذہب کے بارہ میں خود قانون قدرت کا حفظ کیا ہوا سبق بالکل بھول جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ جس چیز کا تجربہ وہ خود نہیں کر سکتے اسکا علم تجربہ کاروں کی شاگردی کے بغیر کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر پراگ پرانی دستاویزوں (ابہامی کتابوں) کو تقویم پارینہ سمجھتے ہیں اور خود کلمۃ الحق سے واقف ہو نیکا وعدے کرتے ہیں۔ حالانکہ ان جسمانی تجربوں میں ہی وہ پراگ پرانی دستاویزوں سے مستغنی نہیں ہیں جو سائنس کے تجربے نئی تحقیق کے موافق ساہا سال سے ہوتے آئے ہیں اور جنکی دستاویز میں دفتر کے دفتر تیار ہو چکی ہیں اگر ان سب کو دیا بر و کر دیا جاوے اور آجکل کا ایک طالب علم یہ دعویٰ کرے کہ کلمۃ بعلم "خود اسکے دل میں موجود ہے اس لئے ان دستاویزوں کی ضرورت نہیں وہ اپنی واحد کوشش سے ان تمام قوانین کو کیونکر دریافت کر لیا جو نیوٹن کے وقت سے آج تک بتدریج معلوم ہوتے آئے ہیں اور وہ صنعتیں کیونکر ایجاد کر سکیگا جن سے ان بزرگوں کی برکت سے ہم آج بہرہ ور ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نیوٹن کو سائنس کا امام نہ مانے اور اسکی اسی تہیوی پر اعتقاد نہ رکھے کہ روشنی چند رنگوں سے مرکب ہے وہ سہ گوشہ بلور کو روشن مان کے سلسلے رکھ کر نیوٹن کی طرح آفتاب کی شعاعوں کا تجربہ کرنا ضروری نہ سمجھیں گے اور روشنی کے متعلق وہ علم حاصل نہ کر سکیگا جسکی ترتیب اس فلاسفر نے حکموتائی ہے۔

ابن سینا نے جب پہلی دفعہ دھانی جہاد کو دیکھا جو یورپ سے آکر ان کے کسی بندر پر لنگر انداز

ابہامی کتابوں کی  
ضرورت

ہوا تھا تو چونکہ وہ اپنی پرانی صنعت و حرفت پر نہایت غرہ تھے اس نئی اور مفید ایجاد کو دیکھ کر متوجہ نہ ہوئے اور وہی بات کہی جو سٹریاڈ کر کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے، دوسرے ان کے تجربوں سے قایہ نہ لینے کی یہ اپنی غلطی اُن سے سرزد ہوئی جس کے وبال میں آج تک تمام ملک چین مبتلا ہے اور اُس کو اب تک ترقی کی اس راہ پر چلنا نصیب نہیں ہوا جس کو دوسرے لوگ بڑی حد تک طے کر چکے ہیں۔

پس اگرچہ مادی علم کی استعداد ہمارے اندر موجود ہے مگر اس سے کام اسی طرح لے سکتے ہیں کہ جو لوگ پہلے اس کوشش میں سرگرم رہے ہیں انکی عالمانہ قابلیت کو تسلیم کریں اور چونکہ علم تک پہنچنے کی انہوں نے ایجاد کی ہیں اُن کو عمل میں لائیں اور یوں مدارج ترقی پر فائز ہوں اور دوسرے اگر ہم اُن کو بالکل نظر انداز کر دیں اور خود ابتدا سے ہر بات کو اپنی رائے سے دریافت کرنا شروع کریں تو اگرچہ بہت ہی کم مگر کئی کئی قدر علم سے آشنا ہو جائیں گے لیکن یہ نامائدہ جو ہر کو حاصل ہو گا تو اس لئے کہ یہ تجربے ہم ادبیات پر کرتے ہیں اور مادیات ہم سے کمتر اور خود ہماری فاعلیت کے زیر اثر ہیں اور جو چیز خود ہم پر اس اعلانہ اثر کی بنیادی ہے انکی نسبت ہماری جو کچھ کوشش ہو سکتی ہے وہ محض استعداد پیدا کرنے کی اور اُن لوگوں کے بتائے ہوئے وسائل عمل میں لانے کی ہے جو ہم سے پہلے اس میدان میں قدم رکھ چکے ہیں ورنہ ان لوگوں کی تمام باتوں کو بھول کر اور خود اپنی قوت پر بہرہ ور کر کے ہم اس کوشش میں اتنا بھی کامیاب نہیں ہو سکتے جس قدر مادیات کے تجربے میں ہونا ممکن ہے۔ اور اگر سٹریاڈ کر کے کہتے ہیں تو نوع انسانی کو محض اپنے دل کے کلمہ سختی پر چوڑ دیا جاوے تو پھر وہیں سے چلنا ہو گا جہاں سے ابتدائی تلاش کرنے والے چلے تھے یعنی کہی چوہے کو خدا مانتے گے اور کہی مہیڈک کو یا آجکل کی ایجاد دیکھ کر کہی مشین کو مسجد کرینگے اور کہی بیٹری کو۔ اور یہی وجہ ہے کہ مذہب میں نہ صرف عوام الناس کو بلکہ خود صاحب مذہب یعنی پیغمبر کو بھی گدشتہ پیغمبروں پر ایمان لانا اور جس امر میں خود اسکو وحی ہو انکی شریعت پر عمل کرنا فرض ٹھہرایا گیا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَّاهِهِمْ  
اِقْتَبَاهُ (انعام پارتہ غذا)

(پیغمبر) وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی  
ہے پس تو ان کی ہدایت کی پیروی کر۔

سخن شریف

اور اس طرح پیغمبر قدیم شریعتوں سے اور ان الہاموں سے جو خود اسکو ہوتے ہیں ایسا  
دستور العمل تیار کرتا ہے جس پر عمل کرنے سے معرفت الہی کے عقد سے حل ہو سکیں اور ہر شخص  
حیثیت نور ہدایت سے منور ہو۔

یہ بھی یاد رکھتے ہیں کہ سچا اس امر کے کہ معرفت میں بالاتر تہمتی کا تجربہ ہے اور  
جسمانی علوم میں اپنے سے کمتر چیزوں کا اور طرح پر جسمانی علوم اور معرفت کی تحصیل میں بہت کچھ  
مشابہت ہے۔ ایک طالب علم غرضت تک کسی علم کے مقررہ اصول کے موافق عمل کر نیسے اکثر اس  
قابل ہو جاتا ہے کہ گذشتہ تجربہ کہ بنیہ الوان کی بعض کوتاہیوں سے واقف ہو جائے اور مصلح  
اور مجدد دین کو اس علم کو اصلاح و ترمیم سے ترقی دے مگر بعض اوقات جب کوئی علم یا علم کی کوئی شاخ  
یہ مسئلہ پورے طور پر حل ہو چکا ہو تو اس میں آئندہ آنے والے طلبہ کو اصلاح و ترمیم کی گنجائش  
نہیں رہتی اور اس صورت میں ان کا کام محض یہی رہ جاتا ہے کہ گذشتہ استادوں کے اصول  
کو دیکھیں اور ان کے موافق عمل کر نیسے فائدہ اٹھائیں مثلاً علم ہندو یعنی تخمینہ آفتاب میں ایک ایسا  
فن ہے جو بظاہر اپنے کمال کو پہنچ چکا ہے اب اس کے اصول و قواعد میں غلطی نکالنا جہاں تک  
کے سر کوئی معنی نہیں رکھتا اس لئے ہمیں جو کچھ ہو سکتا ہے یا ہو رہا ہے وہ اسی قدر ہے کہ  
ان قواعد و اصول کو حکمی اور یقینی مان کر اپنی اپنی استعداد کے موافق ان سے نتائج نکالتے ہیں  
یا آج کل کے عالموں نے اس فن میں پرکٹیکل جیو میٹری کے نام سے جو ترقی کی ہے  
اس میں اور کچھ نہیں کر سکے سو اس کے کہ جن عقلی دلائل سے اقلیدس اپنے دعویٰ کو ثابت کرتا  
ہے انکی حکیمہ پائش کے آلات استعمال کرنے لگے ہیں اور دو خطوں یا مثلثین وغیرہ کو برابر مختلف  
ثابت کرنے کیلئے قواعد کلیہ کو کام میں لانے کے بجائے زیادہ تر آلات سرے پائش کو دکھا دیتے  
ہیں مگر اس تبدیلی سے اصول علم میں کوئی ترقی نہیں ہوئی بلکہ کہنا چاہئے کہ عقلی غور و تامل کی جو

مشق پہلی صورت میں ہوتی تھی آلات کے استعمال سے وہ فائدہ معدوم ہو گیا۔ یا اگر عملی مشق کو ایک فائدہ کہا جائے تو یون کہنا پڑیگا کہ ایک فائدہ کو چھوڑ کر اسی جیسا ایک اور فائدہ پیدا کیا گیا ہے مطلب یہ کہ علم اگر نامکمل ہے تو آئندہ آئینوں کے آئین بہتر انقلاب پیدا کر سکتے ہیں اور مکمل ہے تو آئندہ یا تو کوئی جدید فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یا ہوتا ہے تو پہلے فائدہ کی مانند۔ یہی حقیقت یہاں ہے کہ معرفت اور حصول معرفت کے قواعد و ضوابط (شرعیات) خدا کی طرف سے قلب مصفا پر القا ہوتے ہیں مگر جب تک یہ سب قاعدہ یا ان میں سے بعض آئینوں کی قلت سے سبب ناقص شکل میں اقامت ہوتے رہتے ہیں آئندہ آئینوں کے آئینوں پر انکی غلطیاں واضح ہوتی رہتی ہیں اور اس صورت میں پہلی وحی کی بجائے دوسری وحی بہتر ہوتی ہے مگر جب تمام قاعدے یا ان میں سے بعض اپنی حقیقی صورت میں منکشف ہوتے ہیں تو آئندہ بہتر انقلاب کی گنجائش نہیں رہتی اور اس وقت یا تو جدید انکشاف ہوتا ہی نہیں یا حسب ضرورت کچھ القاء ہوتا ہی ہے تو اسکا فائدہ پہلے انکشاف کی مانند ہوتا ہے۔

مَا تَسْتَعْجِلُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نَسْتَهْأَنَاتٍ يُخْفِي  
مِنْهَا أَوْ يُمِيزُهَا لَكُمْ تَعْلَمُونَ إِنَّ اللَّهَ عَظِيمُ  
مُكَلِّمَاتٍ قَدِيرٌ (بقدر پارہ ۱۳)

ہر کسی نشان کو منسوخ یا فراموش اسی صورت میں  
کرتے ہیں کہ اس کو بہتر اسی جیسا اور نشان پیدا  
کر دیتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے

احکام شریعت کے حایر  
حقیقت میں شجریت  
معلوم ہوئے تو نہیں۔

تجربہ کا عام قاعدہ ہے کہ اس میں استدلال عقلی کو بہت ہی کم دخل ہوتا ہے یعنی کسی چیز کی کسی فعل سے جو اثر مرتب ہوتا ہے اسکی نسبت بتایا نہیں جاسکتا کہ کیوں ایسا ہوا۔ حرکت سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور حرارت سے خاص خاص حالات میں کبھی پھیلاؤ، کبھی حرکت، کبھی برق ظاہر ہوتی ہے۔ کوئین سے بجار اتر جاتا ہے۔ کلور فارم سے جس باطل ہو جاتی ہے منکھیا سے انسان مر جاتا ہے اور خاص طریقوں سے اسکا استعمال بہت سے امراض کو دور کرتا ہے۔ متناطبیسی سوئی کے دو نوک تاروں میں سے ایک معین سر ہمیشہ شمال کی جانب رہتا ہے اور دوسرا ہمیشہ جنوب کی طرف محیط کے لاکھوں اثر پیدا کرتے ہیں جنکی کوئی عقلی وجہ بتائی نہیں جاتی اور ایسا

کیون ہوا؟ اسکا جواب نہیں ہو سکتا مگر اثر کو دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ ایسا ہوتا ضرور ہے۔ اسی طرح جو تجربے حاملان شریعت پیش کرتے ہیں انکی نسبت ہر جگہ کیون اور کس ایسے کا سول ہی بے معنی ہے وہ لوگ تجربے سے دیکھتے ہیں کہ وہ مختلف قسم کے اعمال جن کو عبادت اور کار ثواب کہا جاتا ہے انکو مقررہ شرطوں کے ساتھ پورے طور پر سجالانے سے روح کو جدا اور نور حاصل ہوتا ہو اور معرفت ربانی کے وہ کرشمے نظر آتے ہیں جن کو دل محسوس کرتا ہو مگر زبان ادا کرنے سے قاصر ہے اور اس کے خلاف کرنے سے اور ان اعمال کے ارتکاب سے جو جن کو گناہ کہتے ہیں روح میں ظلمت اور کثافت پیدا ہو کر لذائذ روحانی سے بیکارگی ہو جاتی ہے غرض عبادت اور گناہ کے ان اثرات کو جسانی عقل اگر چہ حل نہ کر سکے مگر تجربہ کرنا واسطے اس پر یقین کرنے میں ایسے ہی محبوب رہیں جیسے فیضانِ اور ڈاکٹر قوائے قدرت اور دواؤں پر یقین کرنے میں۔

لیکن جس طرح تجربہ کے ان ابتدائی اصول اور ان کے اثرات کو مکرر دوسرے درجہ پر جواز پید ہوتے ہیں انکی نسبت اتنے لال کا سلسلہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً اچھا گنے کے بعد دفعہ ٹھہر جانے پر جو پسینہ آتا ہے اسکی وجہ بیان ہو سکتی ہے کہ چونکہ بہا گنے سے حرکت پیدا ہوئی ہے اور حرکت کے وقت بدن ہر جانے سے وہی طاقت حرارت میں تبدیل ہو گئی ہے اور حرارت جو جسمانی طور بتوں میں سلا اور سام میں پھیلاؤ پیدا ہو گیا ہے اس ایسے بہا گنے والیکو پسینہ آ گیا ہے۔ اسی طرح عبادت کی ان مختلف صورتوں کی نسبت جو وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام تلقین کرتے رہے ہیں کچھ کچھ تجزیہ بیان ہو سکتی ہے مثلاً جو پیغمبر کسی ایسی قوم کی طرف مبعوث ہوا ہے جو ہر وقت مصیبت اور گناہ کی مرز رہتی ہو یا کسی اور وجہ سے روحانیت سے بالکل ہر گناہ اور اپنی حالت پر غرور ہو یا سب ان لوگوں کو معرفت تک پہنچانے کیلئے ہدایت کرے کہ اپنے اہل عیال اور مال دولت کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں بسر کریں اور کسی وقت وہ بیان اور گیان کے سوا دنیا کی طرف متوجہ نہ ہوں اور اس طرح سخت مرض کیلئے سب سے زیادہ تلخ دوا تجویز کرے اور اس کے خلاف جس قوم میں انکی فطری استعداد یا گندیشہ انبیاء کی تعلیم کا اثر پاتی ہو جس نے کے سبب حق کے خلاف حد سوز یا بد مکبر اور

اصرار نہ ہو اس قوم کا پیغمبر بجائے ہر وقت سخت عبادت میں مصروف رکھنے کے ہفتے میں کیا  
 وقوعہ خدا کا خیال کرنے اور عبادت بجالانے کو معرفت کیلئے کافی قرار دے اور ان دو تو کے  
 خلاف کوئی ایسا نبی جو ہر قوم اور ہر زمانے کی تعلیم کو واسطے مبعوث ہوا ہو اور عالم و جہاں شہی و سعید  
 سب کے لئے دستور العمل قائم کر نیکی واسطے آیا ہو وہ ایک طرف کئی کئی دن غفلت میں گزارنے کو  
 ممنوع قرار دے تو دوسری طرف ہر وقت خدا کی طرف و میان لگانا بھی فرض نہ ٹھہرے اور اس  
 طرح دن میں چند بار عبادت بجالانا ذریعہ حصول معرفت گزارنے غرض کہا جاسکتا ہے کہ ایسے یا  
 اسی قسم کے اور اسباب کی بنا پر جو خدا سے قریب یا دور کرتے ہیں انبیا اپنے اپنے وقت پر وحی  
 و الہام سے یا الفاظ دیگر اس بالاتر ہستی کے تجربہ سے عبادت کی مختلف صورتیں اور مختلف  
 اوقات قرار دیتے ہوں گے۔ مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس شخص نے انبیا کے احکام  
 کو بجا لا کر ان کے اثر کا ذاتی تجربہ نہیں کیا اسکی طرف سے عبادت کی ان گونا گوں شکلوں میں سے  
 کسی کو کسی پر فائق سمجھنا اور ترجیح دینے کے لئے یا عام طور پر احکام کی علت بیان کرنے کے لئے  
 مذکورہ بالا توجیہ یا اور دلائل کو پیش کرنا محض ٹھمن اور ظن ہے اور حقیقی انکشاف کا مادہ خود عمل کرنے  
 اور اسکے اثر کو دیکھنے پر ہے۔

۴۔ بلکہ دیکھا جاتا ہو کہ بعض اوقات کسی مذہبی حکم کی کوئی علت تلاش کرنے اور اس پر یقین کر لینے سے اس حکم میں وہ  
 کشش نہیں رہتی جو محض مذہبی حکم ماننے کی صورت میں نظر آتی ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں وہ  
 فائدہ قریباً باطل ہو گیا ہو گا جو مذہب کا اہل مدعا تھا مثلاً برہمنوں کے مذہب میں سچ کو پہنانا اور خاص اوقات پر صندل  
 اور گھی وغیرہ جلا کر ہون کرنا نہایت تاکید فرماتا ہے۔ اور چرائے خیال کے ہندو اس فرض کو نہایت غصیت سے  
 اسکی وجہ کا سوال کر نیکی بغیر بجا لاتے ہیں مگر حال میں جو مذہب کی ہر ایک مخفی سے مخفی حکم کا عقلی سانچے میں ڈالنا  
 اور اسکی کم کو دریافت کرنا ایک عام پرفیشن ہو گیا ہے تو اس مذہب کے روشن خیال پیروکنے لگ گئے ہیں کہ  
 غسل اور نہون بدن اور مکان کی صفائی کے واسطے فرض ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ غسل سے صفائی کا  
 فائدہ ہی حاصل ہوتا ہے اور شاید نہون سے ہی ایسا جوتا ہو لیکن اگر ان دو نفعوں سے صرف یہی غرض ہوتو



تعلیم کے علاوہ نبی کا امت  
میں شکر و عبادت کا جو روح  
رہنمائی ضرور ہے۔

اور پھر عمل کرنے اور لڑکر دیکھنے میں یہ بھی بڑی وقت ہو کہ انسانی طبائع کے اختلاف سے ایک ہی نسل کا نتیجہ مختلف اشخاص میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہی نماز ایک شخص کے لیے ایک دن میں عرفان کا دروازہ کہول دیتی ہے اور دوسرے شخص کو سالہا سال میں ایک جلوہ نظر نہیں آتا یا کچھ معلوم ہوتا ہے تو اس کے ساتھ کوئی آلودگی بھی موجود ہوتی ہے اور بعض اوقات

ایسی ضرورت اسی قدر دہائی ہے جس قدر کپڑے دھونے اور مکان میں سفیدی کرنے اور جہاڑ بچنے کی ہے۔ اور اگرچہ ایسے روشن خیال پڑائے اثر کے سبب اپنی تک ان دور تو فعلوں کا صفائی کے دیگر لوازمات کی نسبت زیادہ اہتمام کرتے ہیں لیکن اگر غسل اور نہوٹن سے محض یہی مطلب ہو اور شائع ہو کر دن میں راسخ ہی ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ان افعال کی عظمت نشان نہ رہیگی جو حکم خدا ماننے کی صورت میں لگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور جس طرح جہاڑ و دنیا خدا تک پہنچ کر کا ذریعہ نہیں مانا جاتا یہ فعل ہی اس سطح پر آجائیں گے۔ اگرچہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ انکا حقیقی فائدہ کیا ہے مگر اس قدر تو ظاہر ہے کہ مذہب اور مذہبی احکام محض اس کو تعلق رکھتے ہیں اس لیے ہمارا اور جہاڑ و دنیا کیسیان قرار پا کر جو خیال خدا کا اور جو دھیان ہستی کی طرف اب ان افعال کو سجالانے کی بوقت ہوتا ہے وہ اس صورت میں کا فور ہو جائیگا جبکہ اسکو محض ظاہری صفائی کی نیت ہو کیا جائیگا اور جو خدا کے دھیان سے روح کو حاصل ہوتا ہے وہ اس وقت سیر نہ آئیگا۔ اسی طرح اسلام میں حج بیت اللہ چار بڑے فرضوں میں سے ایک ہے اور مسلمان ہر سال دنیا کے گوشہ سے نہایت شوق کے ساتھ یہ سعادت حاصل کر سیکے لڑ جائے زمین (اللہم ارزقناہ) مگر جو رشتہ خیالی آجکل تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اسکی مسلمانوں میں بھی کمی نہیں چنانچہ ایسے لوگ خیال کرتے ہیں کہ تمام عالم کے مسلمانوں کو سال میں ایک دفعہ کسی مرکز پر جمع کر کے تبادلہ خیالات کرنے کیلئے یہ فرض قرار پایا ہے اور بیشک یہ سادہ ہی حج سے منصوب ہو لیکن محض یہی فائدہ قرار دینے سے حج کی اتنی ہی عظمت رہ جاتی ہے جو چوٹ پیمانہ پر سالانہ کانفرنسوں اور کانگریسوں کی ہے اور جیسا کہ آجکل خیال دوڑا جاتا ہے اگر کہی واقع میں تمام دنیا کے مسلمانوں کی ایک کانفرنس قرار پائے تو وہی بنائی حج کی قائم مقام بلکہ نعم البیل ہوگی اور اگرچہ کانفرنسوں والے ان جلسوں کو مقدس اور عظیم ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے

اس آلودگی کو عین معرفت سمجھ لینے سے اور اپنے تئیں خدا رسیدہ جاننے سے ایسی معکوس ترقی ہوتی ہے کہ وہی خدا کا بندہ کسی وقت بالکل شیطان کا بندہ بن جاتا ہے اس لئے علاوہ اس دستور العمل کے جس کو شریعت کہتی ہیں اور علامہ اُن دلائل کے جو اسکی ترجیح اور فوقیت کے لئے پیش کیجائیں کسی ایسے شخص کا موجود ہونا ہی ضرور ہے جو ذاتی طور پر ان کیفیتوں سے واقف ہو اور ہر حالت کو اور اسکی صفائی یا آلودگی کو پہچان سکے اس وجہ سے نبی کا شریعت کی تعلیم دینے کے علاوہ کچھ مدت تک اُن لوگوں میں موجود رہنا ہی ضرور ہے تا ان اعمال کی بجا آوری سے جو حالات پیش آئیں اور جو نقص یا غریبان مختلف طبیعتوں میں پیدا ہوں وہ انکی نسبت اپنی تجربے سے سہرا پاتا دیتا ہے۔ اسی طرح ہر اس دستور العمل کے علم سے اور اس پر عمل کرنے سے اور اپنے بہنکی صحبت کا فیض لینے سے اس کے متبعین کا ایک ایسا گردہ تیار ہو جاتا ہے جن کے دل صاف ہو کر تعلیقات بانی سے معمور ہوں اور پھر کاندہ کیلئے وہ لوگ نبی کے قائم مقام ہو کر دوسروں کو اپنے تجربوں سے فیضیاب کرتے رہیں۔

گر ظاہر ہے کہ ان میں شامل ہر ایک خدا کی طرف وہ عاجزانہ توجہ نہیں ہوتی جو اعمال نہی میں ہوا کرتی ہے وہ ان قدم رکھا جاتا ہے تو سوا وہ سو اور اٹھایا جاتا ہے تو نذر احتیاط سے اور دل میں خیال ہوتا ہے کہ ان کاموں میں کوئی بجا آنکھوں سے اور جسم کی بجائے جان کو کام لیتا ہے تو یہی کم ہی اور یہاں قوی صلیوں میں جو بات ہوتی ہے۔ تعلق سے اور جو کام ہوتا ہے۔ طنطنہ سے۔ پس اگرچہ اس کے اپنے وجہ سے اگرچہ محض پانچ سلم تک یا عام سلامی پنجمن قرار دیا جائے تو اس خیال کو دل میں جا کر اسکو بھالانے کے وقت خدا کی عظمت و جبروت کا وہ نقش ہو گا جو محض حکمرانی یا سنے کے لئے نہیں بقول شخص سادہ لوح مسلمانوں کے دل پہ پڑتا ہے۔ پس اگرچہ مذہبی احکام کیچہ تلاش کرنا بعض اوقات اپنی اطمینان کیلئے اور اکثر اوقات دوسرے کو ترغیب دینے کیلئے بڑی حد تک مفید ہو اور اس لئے خوشحال بزرگواروں کی ایسی کوشش قابل شک ہے مگر کہیں اتنی ترمیم ضرور ہوتی چاہئے کہ جو بد تلاش کیجائے تب ہی حکم کو محض اسی منہ سے بھڑکایا بلکہ دین ظاہر کیا جائے کہ خدا اُن فائدہ مند کے جو خدا کے اس حکم میں روحانی صفائی اور حصول نعت کے متعلق ہیں ایک فائدہ یا بعض اوقات ایک بڑا فائدہ یہی ہے۔

مسند ایشیاء و عربیہ  
کی ضرورت

لیکن چونکہ نبی کا دل دنیوی آلودگیوں سے بالکل صاف اور تجلیات الہی سے کامل طور پر بہرہ یاب ہوتا ہے اس لیے جو کام وہ تنہا کر سکتا ہے اس کو اس کے متبعین یا ہم تقسیم کر کے پورا کر سکتے ہیں چنانچہ ان میں سے بعض احکام شریعت کی تفصیل اور شرح اور انکی تعلیم میں مصروف ہوتے ہیں اور علماء دین کا لقب پاتے ہیں اور بعض کشف و مراقبہ میں منہمک ہو کر اپنی صحبت سے طالبان حق کے عرفانی عقد و ن کو حل کرتے رہتے ہیں اور اہل تصوف کے نام سے مشہور ہوتے ہیں اور انکی وساطت سے علم عمل اور صحبت کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے اور آفتاب وحدت کا نور کبھی آئینہ قلب کی وساطت سے دیکھنے کی عملی صورت پیدا ہوتی ہے اس لیے مذہب میں جس طرح ان روحانی تجربوں کو جن کو عبارت کہتے ہیں نور معرفت حاصل کرنا وسیلہ مانا جاتا ہے۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا  
لَكُنَّ مِنْ أَلْوَنِ الْحَيَاتِ (البقرہ ۱۸۳)  
اور صبر اور نماز سے مدد لو۔ اور بہت ناگوار ہوتی  
ہے مگر خدا سے ڈرنیوالوں کو ناگوار نہیں۔  
اسی طرح ان تجربہ کر نیوالے رہناؤں کو بھی واسطہ گزراں کر ان کا دہن پر طبع کا حکم دیا جاتا ہے۔  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ  
الْوَسِيلَةَ رَجَاءً هُدًى فِي سَبِيلِهِ  
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ط (مائدہ پارہ ۶ ع ۶)  
اے ایمان والو! پرہیزگاری اختیار کرو اور خدا کی  
طرف آئیے لہذا وسیلہ پکڑو اور اس کے رستہ میں  
کوشش سے کام لو تا تم نفع پاؤ  
اور ان کی ہدایتوں کو جن کو مہر پر مار کر پُرانی دستاویزیں کہتے ہیں تسلیم کرنے کے بغیر کمال فہم  
نامید قرار دیا جاتا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا  
مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّثْلَ شُعْبَةَ (انعام پارہ ۷)  
انہوں نے جیسا چاہئے خدا کو نہیں پہچانا جو کہتے ہیں  
کہ خدا نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل نہیں کی۔  
مگر آہ انسان! اکثر حالات میں خود پسندی اور تکبر سے ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ وہ کسی کو اپنے  
سے برتر سمجھنا گوارا نہیں کرتا جن میں یہ مرض نہایت شدت سے موجود ہے وہ اپنی شان کے آگے  
خدا کی خدائی کو بھی پسند نہیں کرتے اور جو بھی کوئی خدا کا اقرار کرتے ہیں وہ چونکہ اسکی طرف سے

فیضان نور کے اہل نہیں ہوتے نہیں برداشت کرتے کہ کوئی اور اس نعمت سے مستحق ہو اور یوں جو دنیا سے منکر ہو جاتے ہیں اور اگر کسی وجہ سے ایسے لوگوں کا دلہا مان لیتے ہیں تب ہی اپنی عقل و تدبیر پر ایسے فریفتہ ہوتے ہیں کہ جہلا کے لئے انکی ضرورت ہو تو جو اگر اپنے جیسے فلاسفہ کو ان سے بے نیاز مانتے ہیں اور جو اپنے تئیں ان سے بے نیاز نہیں مان سکتے وہ ایک اور صورت سے اپنی خود پسندی کا اظہار کرتے ہیں کہ نبی کے اقوال کو واجب العمل گردانتے ہیں مگر اس کے وجود کا فیض تسلیم نہیں کرتے اور احوال صحبت کو بے اصل ٹھیکر اگر معرفت سے آشنا رہ جاتے ہیں اور جو اس راوی میں ہی قدم رکھتے ہیں اور قلوب مصفا سے انکس حاصل کرتے کے بغیر چارہ نہیں دیکھتے وہ بھی بالطبع اپنی عظمت پر گردیدہ اور قلاوہ اطاعت کو اتارنے کے شتاق رہتے ہیں اسلئے چند ابتدائی جلوون بلکہ چند ابتدائی اصولون سے واقف ہو کر جن میں انکی اپنی نفسانی آلائشون کا بھی بہت کچھ قفل ہوتا ہے اپنی تئیں سحر معرفت کا شکار سمجھ کر عین دریا میں خشک لب رہ جاتے ہیں اور بے زیادہ حسرت و ناکامی کا شکار بنتے ہیں معرض نہایت افسوس سے اقرار کرتے ہیں کہ جو گوہر شب چراغ روزیشاق سے انسان کی جیب نمٹتا میں رکھا گیا تھا اسکی سچی روشنی سے بہت کم حوصلہ مندوں نے فائدہ لیا ہے اور بہت کم سلیم المزاج ہیں جنہوں نے آوروں کے فضل و کمال کو اپنے لئے ثابت کر لیا ہے بے تحقیق دعویٰ نہ کیا ہو۔ سچ ہے۔

وَأَنْ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيْسُوا بِعَبْدِهِمْ  
عَلَىٰ بَعْضِ الْأَذْيَانِ آمَنُوا بِهَا وَالصَّالِحَاتِ  
وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ (ص پارہ ۲۷ ع ۲)

اور بیشک بہت سی ہم نوا ایک دوسری پر زیادتی کرتے ہیں مگر جو ایماندار اور نیکو کام ہیں وہ ایسے نہ ہوں گے لیکن وہ بہت ہی کم ہیں

وحی اور الفاظ

عرض گذشتہ تحریر میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ وحی ایک بالاتر ہستی کا تجربہ ہے جس میں فاعلیت اور حرکت کا آغاز اس ہستی کی جانب سے ہے اور انفعال اور قبول اثر انسان کی طرف سے اور اس تجربے سے اسکو وہ قاعدے معلوم ہوتے ہیں جن پر عمل کرنے سے

اور لوگ معرفت الہی حاصل کر سکیں اور اس میں تعلق چونکہ محض روح انسانی اور خدا کا ہے اس لیے انسانی جسم اور حیوانی حواس کو اس انکشاف میں دخل نہیں ہوتا یعنی کوئی زبان سے بولنے والا اور دوسرا جسمانی کانون سے سننے والا نہیں ہوتا مگر اس وجہ سے کہ جسم اور حیوانی حواس میں کوئی دخل نہیں ہوتا مگر پارکے کا یہ نتیجہ بھی غلط ہے کہ وحی میں الفاظ نہیں ہوتے۔ وہ وحی یہ بیان کرتے ہیں کہ ”الفاظی وحی مفروضیات کو عبیر خدا، انصاف، محبت، مذہب وغیرہ میں ظاہر نہیں کر سکتی اور الفاظ سے ان خیالات کو ادا کرنا دیا ہی ہے جس پر کسی لفظ سے ایک بہرے آدمی کو آواز کا خیال دلوانا“ لیکن اگرچہ اس میں شک نہیں کہ خدا کی ذات و صفات اور اس کی صفات کا ظہور انسانی عقل سے بالاتر ہے اس لیے معرفت الہی کے متعلق جو وحی خدا کی طرف سے انسان کے قلب پر ہوتی ہے اسکی حقیقت اور کیفیت کو وہ لوگ ہرگز نہیں سمجھ سکتے جو اس سعادت سے بے بہرہ ہوں مگر جب عقلی اور عین محدود ہو کر اس مسئلہ کے متعلق غور کیا جائیگا تو لامحالہ انسانی فطرت اور اس کے خواہش کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا ہو گا اور جب تک چاشنی معرفت حاصل نہ ہو اسی تحقیق پر اکتفا کرنا ہو گا اور جب انسانی فطرت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب تک روح کو جسم سے تعلق ہے انسانی فطرت کا یہ ایک عجیب تقاضا ہے کہ جو خیالات ملین گذرتے ہیں خواہ وہ بیرونی دلائل اور تجربوں کی بنا پر ہوں یا وحی پر وقوع پیدا ہوں انسان کے باطن میں انکا طور و عینہ اسی صورت پر ہوتا ہے جس طرح ان کو بیان کرنے کے وقت زبان پر یہی وہ معانی الفاظ کا لباس پہن ہوئے ظاہر ہوتے ہیں اور انسان اپنے دل سے اسی طرح باتیں کیا کرتا ہے گویا کسی غیر سے ہم کلام ہے اور اگر کوئی شخص ایسی سوانحی میں پرورش پائے جو میں مختلف زبانوں کے لوگ موجود ہوں اور اور اس وجہ سے اسکو پتہ نہ تھا کہ تمام زبانوں میں گفتگو کرنے کی قدرت حاصل ہو تو اس وقت معلوم کر نیے لوگ کہ اس شخص کی مادری زبان کونسی ہے یہی ایک ذریعہ ہے کہ اپنے دل سے باتیں کر نیچے وقت جس زبان کو وہ استعمال کرتا ہو یا تنہائی میں خدا سے مناجات کرنے کے وقت جو الفاظ اس کی زبان



نہ کر سکتے تھے اس لئے کہی کسی بڑے عجیب و غریب پتھر یا جانور کے نام سے اور کہی کسی قابل تنظیم  
 انسان کے نام سے اور کہی سب سے زیادہ قابل عظمت رشتہ یعنی باپ کے لفظ سے یہ تصور ذہن میں  
 قائم ہوا ہو گا اور بعد میں غلط نہیں سے اس نام کا درخت یا انسان سمجھو گرد آ گیا یا خدائے کے ساتھ  
 باپ کہہ کر پکارنا بول لیا کہ وہی بیٹا بنا کر خدائی منصب میں شریک سمجھا گیا ہو گا۔ غرض انسانی فطرت  
 کو دیکھتے ہوئے کسی طرح ممکن نہیں کہ قلب پر وحی کا نزول ہو اور اس کے ساتھ الفاظ نہ ہوں  
 مگر بعد میں وحی کی اشاعت کرنا یا لون کی طرف سے یہ کوتاہی اکثر ہوتی ہے کہ الفاظ وحی کو محفوظ  
 نہیں رکھا گیا بعض اوقات اون کو بالکل بھلا دیا گیا ہے اور کہی اپنی غلط یادداشت سے اس میں کمی بیشی  
 کر دیتی ہے یا کہی ترجمہ و ترجمہ ہوتے ہوئے اصلی الفاظ گم ہو جانے پر مضمون کچھ کا کچھ ہو گیا ہے  
 اور یہ سعادت بہت کم خوش نصیبوں کو حاصل ہے کہ الفاظ وحی کو بن و عن بے کم و کاست  
 یقینی طور پر محفوظ رکھیں۔



# باب چہارم

## ملائکہ - معراج - معجزہ

ملائکہ - روحانی مناظر - روحانی مناظر کا قاعدہ - قوائے قدرت کے عمل کا قاعدہ - واقعات عالم کا  
عاصر قاعدہ - نتیجہ - ارواح مجردہ کی نسبت مشرہائیں کی ایک سیو فکٹے کا استلال - جنات اور  
شیطانی وحی - معراج کے متعلق تہید - دل بادل بہتیت - قلبی رابطہ سے کسی واقعہ کا علم ہونے پر روح اپنے  
نہیں وہاں موجود سمجھتی ہے - روح کیلئے فاصلہ کوئی چیز نہیں - معراج کی ایک توجیہ - معراج کے متعلق  
ایسی کچھ اور بھی پتہ چلتا ہے - روح کا اثر جسم پر - روحانی اثر سے جسم میں تفسیر پیدا کرنا - روحانی اثر سے  
مردہ جیسا بھیج کیا جاسکتا ہے - روحانی اثر سے جسم میں ارادی حرکت پیدا کرنا - روحانی اثر سے  
جسم کا زیادہ حرکت کرنا - طاقت کا انکار اور اسکی وجہ - نیز کی حرکتیں - انسان کی حرکت اور آگ کا  
تجربہ - سر حلیم کو کس کے تجربے - ڈاکٹر سپڈر کے تجربے مشرہائیں کے متعلق - روحانی  
عمل کیلئے تاریکی مناسب ہے - روحانی اثر سے جسم کی حرکت ناقابل انکار ہے - روحانی اثر سے حرکت  
پیدا ہونے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی - ارادہ سے حرکت پیدا ہونے کی علت یہی نامعلوم ہے - جسم کا جسم کو  
حرکت دینا ہی ایک راز ہے - روحانی اثر اس زمانہ میں کمتر نظر آتے ہیں - معجزہ - یقین کیلئے کسی واقعہ  
کا ثبوت ضروری نہ کہ سبب دریافت ہوتا - روحانی طاقتیں ہمارا تابدہ کی زبان سے - معراج جسمانی  
روحانی عمل کیلئے قاعدوں کی تعلیم ضروری نہیں -

ملائکہ

اکثر الہامی مذاہب وحی کیلئے اور دنیا کے دیگر کاروبار کے لیئے علاوہ ان طاقتوں کے  
جن کو عقل اور جوش دریافت کر سکتے ہیں اور مخفی طاقتیں ہی مانتے ہیں جو خدا میں اور جہات میں  
بطور واسطہ کے کام کرتی ہیں اور ذرشتہ یا ملائکہ یا فرشتہ کے نام سے نامزد ہیں وہ کہتے ہیں کہ  
شدائے ابرار کیلئے اور جہات رزاق کیلئے خدا کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے - یہی فرشتہ کیلئے علیحدہ فرشتہ



متبعین سے انبیا کو پیغام الہی پہنچانے کیلئے ایک اور فرشتہ مامور ہے اور اسی طرح مذاب ثواب اور دیگر کاروبار کیلئے جداگانہ فرشتے مقرر جاتے ہیں لیکن چونکہ یہ طاقتیں احساس کی گرفت سے باہر ہیں اسلئے اہل عقل کو انکی نسبت شک ہونا لازمی امر ہے چنانچہ اکثر عقلا ان کے وجود سے بالکل منکر ہیں اور ایسے اعتقاد کو جاہلانہ ضعیف الاعتقاد ہی سمجھ کر انسان کے دہن عقل پر اسکو ایک بدنامی داغ جاتے ہیں اور بعض جو مذہب کے پابند ہیں اپنی عقائد نفرت کے سبب سے اسکو ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں اس لئے اپنی اپنی استطاعت کے موافق ان اقوال مذہب کی جنہیں فرشتوں کا ذکر ہے تاویل کرتے ہیں اور ان اقوال سے محسوس مطلب لگانے کی کوشش کرتے ہیں غرض فی نہایت علمی دنیا کا یہ عام میلان ہو رہا ہے کہ فرشتوں کے معنی اور ہر تہ تو ہوں مگر کوئی علیحدہ نامحسوس مخلوق ہرگز موجود نہیں ہے چنانچہ مشر پارکرنے جو مسئلہ وحی و نبوت کو حل کرنے کی کوشش کی ہے اس میں ایسی مخلوق کی ضرورت نہ رہی پھر فریض کیا ہے اور فرمایا ہے کہ خدا اور بندہ کے مابین کوئی واسطہ اور فرشتہ حال نہیں ہے کیونکہ بندہ بذات خود عرض کر سکتا ہے اور خدا بذات خود سن سکتا ہے جو شخص نصیریہ یا التوحا کرتی کی ضرورت نہیں رکھتا اسکو نوع انسان کی وکالت کر نیکی لڑکسی اور کیل کی ضرورت نہیں۔ اس وقت جو ویل مشر پارکرنے پیش کی ہے وہ میرے خیال میں دعویٰ پر چسپان نہیں کیونکہ وحی جیسا کہ میں نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے انسان کی محض اپنی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے جس کو التجا اور عقل کرنے سے تشبیہ دیجایو بلکہ وہ خدا کی طرف سے وحی کا حلا نہ تو یہ ہے اور انسان اپنی استعداد کے موافق اسکا معمول اور تاثر ہو رہا ہے پس اسوقت دیکھنا یہ ہے کہ کوئی بالآخر لطیف اور قوی ہستی کٹر کشف اور ضعیف ہستی پر فاعلانہ اثر کیوں کر کرتی ہے۔ اس طرح پر غور کرنے سے جو قانون قدرت دریافت ہوگا عقلی دائرہ میں محدود ہو کر وہی قانون خدا کے اس فاعلی اثر یعنی وحی کے لئے بھی ماننا پڑے گا۔

روحانی مناظر

وہ روحانی منظر جو قدیم الایام سے لیکر آج تک بھوت، پریت، ماہر زاد، ارواح، خیال و اہم وغیرہ ناموں سے مشہور ہے اگلے میں انکی اہمیت چاہے کچھ ہو مگر ان کا لوگوں کو ہر ملک اور ہر زمانہ میں گاہ بگاہ نظر آنا اور لوگوں کا اپنی سمجھ کے موافق انکی وجہ قرار دینا اس کثرت سے

مروی ہے کہ ایسے واقعات سوانح نامہ میں ہو سکتا اور محض اس بنا پر کہ کسی نامہ میں ایسی مناظر کو قطعاً بے اصل اور خیالی مان لیا گیا ہے ان واقعات کی نسبت غور کر نیوالے انکی وجہ دریافت کرنے اور ان سے کوئی مفید سبق لینے سے باز نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ علاوہ ان ملکوں کے جہاں ایسی مناظر کو جتنا فرض کر کے حاضرات وغیرہ علموں سے اپنے خیال کے مطابق ان سے علاج معالجہ کا کام لیا جاتا ہے۔ مہذب ممالک میں عالمانِ سمرزم۔ تھئیٹریکل سوسیٹی اور سوسیٹی فار سائیکیکل ریسیچ وغیرہ بہت سو گروہ پیدا ہوتے رہتے ہیں جنہوں نے ان واقعات پر تھوڑی بہت روشنی ڈالی ہے اور اگرچہ یہ کام تکمیل کو نہیں پہنچا اور نیز اگرچہ ابھی تک ان فرقوں میں بہت کچھ اختلاف ہے مگر تلاش و تحقیق سے یہ نتیجہ یقینی پیدا ہوا ہے کہ ایسے واقعات غلط افواہ اور چرچہ نہیں ہیں اور دوسرے یہ کہ انسان کے اندر بہت سی مخفی طاقتیں ہیں جو خاص خاص حالات میں عجیب اثر پیدا کرتی ہیں مثلاً لیڈ بیٹری لارڈ لٹن کی کتاب سے لے کر سٹوری سے نقل کرتے ہیں کہ سولی

اس کتاب کو دیکھنے والے تھوڑے ہوں یا بہت ان میں سے نسبتاً بہت زیادہ ایسی ہونگے جنہوں نے کم از کم تمام عمر میں ایک دفعہ ضرور کوئی ایسا واقعہ دیکھا ہو گا جس نے انکی عقل کو متحرک کر دیا اور جو ضرور اس قسم کے خیالات تک لیگیا ہو جن کو سوپر سٹیشن یا صنیف الاحقاد کی کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ کوئی خواب ہی ہو جس میں کوئی اطلاع یا پیشین گوئی ہو اور جو صرف عجائبات ہی میں شمار ہو سکے بلکہ اسکو ثبوت جنات یا روحانیات میں شامل ہونا پڑے۔ چھو یقین ہے کہ لوگ خواہ کیسے ہی تعلیم یافتہ ہوں کیسے ہی مہذب ملک اور روحانیات سے انکار کرنے والے زمانہ میں ہوں انکی مشیر تعداد نے ایسی طر ضرور دیکھے ہوں گے یا بالکل قابل اعتنا شہادت سے سنئے ہونگے جن کو تفسیر میں اڑا سکتے ہوں گے اور نہ عقل اور فلاسفی سے ان کو صل کر سکتے ہوں گے اور ایسی مناظر کا شمار اس تعداد میں بہت زیادہ ہے۔ جسکی روایتیں بیان کی جاتی ہیں اور جس میں اڑائی جاتی ہیں کیونکہ جو لوگ انکو دیکھتے ہیں ان میں سے بہت کم ایسے ہونگے جو انکی طرف توجہ کریں اور سننے والے

بہی خواہ وہ کیسے ہی قابل یقین ذریعہ سے سنیں اس پر یقین کرنے سے ہر چیز گزرتے ہیں کہ وہ علوم الناس میں شکی مزاج قرار پائیں گے کیونکہ عام خیال ایسے مناظر کے برخلاف ظلم کی حد تک پہنچا ہوا ہے لیکن جو شخص مسیحی اس اصرار کو اپنے کمرہ میں تنہا بیٹھ کر پڑھ گیا وہ غور کر گیا اور اپنا حفظہ کو دھونڈا تو غالباً اس کے کشمکشی شیعہ میں ایک خواب سی یادداشت ضرور پائیگا جو اس کے نزدیک یادہ اور یہود نہ ہوگی اور جو میرے بیان کو درست ثابت کر گی۔“

راگے مٹرلڈ بیٹل کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں تھو سا فیکل سو ساٹھی اور ساٹھی قادیان ٹیکل دیسرح کی بدلت ان مضامین کو لاٹر لٹن کے دھت کی نسبت زیادہ ترین عقل سمجھا جاتا ہے اور ہم انکی نسبت زیادہ عمر کی اور توجیہ کے ساتھ بیان کر نیکی قابل ہیں مگر کوچہ لاٹر لٹن نے لکھا ہے وہ ان کے زمانے میں جس قدر صحیح تھا اسی قدر اب ہی ہے۔“

میں سر کرو ایرو اتعات کی بڑی تعداد جمع کر نیکی بعد اپنی کتاب کے آخر میں توجیہ نکالتی ہوئی لکھتی ہیں ا میرا یہی خیال ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جا کہ وہ روح ہیں اور ان کو یہ خیال کرنے کی عادت ہو جا کہ جسم سے علیحدہ بھی انکا کوئی شخص ہے تو نہ صرف آئندہ زندگی کو سمجھنے کی بہتر قابلیت پیدا کر لیں گے بلکہ انکو یہ سمجھ لینا بھی کچھ مشکل نہ معلوم ہو گا کہ جس طرح وہ ایک طرف آدمی دنیا سے تعلق رکھتی ہیں بالکل اسی طرح کائنات کو دوسری طرف روحانی عالم سے ہر اور اس سیٹے وہ عجیب البتین جو بعض اوج کی طرف سے بعض مقصود پر اور خاص حالات میں وہ ظاہر ہوتی دیکھتے ہیں بالکل ترین قیاس ہی کہ وہی ہی شعاعیں ان خود کی ہوں جو روح میں ولایت ہیں اور جو عارضی طور پر جانی تلقن کے سبب پوشیدہ ہو گئے ہیں۔“

غرض روحانی طاقتوں کا تجربہ اس کثرت سے ہوا ہے کہ ان کے وجود کی انکار کرنا بقول مٹرلڈ سن انکا

روحانی مناظر  
کا قیاس

+ کتاب ٹائٹل سائنڈ آف نیچر باب ۱۸ صفحہ ۲۹۹-۲۸۰

+ مٹرلڈ سن لکھتے ہیں میں اپنے یا اور دیگر تجربوں کی ایسے اتعات کا پیش آنا ثابت کر نیکی کوشش میں اپنا وقت ضائع نہ کروں گا اس کام کا وقت گزر چکا ہے ہندو دنیا کو یہ باتعات میں سے تعلیم میں کہ ثبوت کی ضرورت نہیں۔ آج جو شخص روحانی مناظر کا انکار کرے وہ سنا نہیں محض جاہل ہے اور ایسے شخص کے خیال کو دھونڈ کر نیکی کوشش بارہر ہونے کی کوئی امید نہیں۔ (کلا آف سائنٹیکل فینا سنا باب ۱۸ صفحہ ۲۸۰-۲۸۱)

نہیں جہالت ہو اور اتفاقی واقعات کو دیکھتے دیکھتے کچھ قاعدے اور شرطیں دریافت ہو گئے  
ہیں جن سے میری کم کرنا والے اکثر اوقات اپنے لادہ سے ان تماشوں کو دیکھ لیتے ہیں بلکہ ان سے  
سلب امراض وغیرہ کا تہہ و تراہت کام بھی لینے کے قابل ہو گئے ہیں اور بخلاف ان قاعدوں کے  
جو روحانی طاقتوں کو ظاہر کرنے کے لئے دریافت ہوئے ہیں ایک سب سے بڑا اور ضروری قاعدہ یہ ہے  
کہ ایسا عمل کرنا چاہئے جس سے حاضرات والوں کی طرح کسی کسی شخص کو اپنا معمول ٹھیکہ کرنا سکواپنے روحانی اثر  
سے یہ پیش کر سکیں اور پھر اسکی وساطت سے دور دور کی چیزیں اور مخفی اوزار دریافت کرتے ہیں دور دور  
کی چیزیں منگواتے ہیں اور کئی طرح کے شعبہ سے دکھاتے ہیں۔ یاد دہانی یہ کہ عمل نہیں کرتے اور براہ راست  
اپنی طاقت کا کرشمہ دکھاتے ہیں تب بھی اسوقت وہ پورے طور پر ہوش و حواس میں نہیں ہوتے بلکہ  
ضرور ہے کہ ایک طرح کی بخود کی جس کو ہینٹا ٹم کہتے ہیں ان پر طاری ہوئے وہ یہ کہ جسم اور جسمانی تعلقات  
کشیف ہیں اور راز چھپنے میں اس لئے اس کثافت کے ساتھ وہ دریافت نہیں ہو سکتے اس لئے  
یا تو خود عامل کو بخود ہو کر جسمانی کثافت سے قطع تعلق کرنا اور کس قدر لطیف ہو نا ضرور ہوتا ہے اور یا براہ  
راست اثر ڈالنے کی بجائے ایک واسطہ سے کام لینا پڑتا ہے اور وہ واسطہ ہی عموماً بچوں یا عورتوں  
کو ٹھیکہ کرتے ہیں اس لئے کہ انکی رچھیں جوان مردوں کی نسبت کسی قدر لطیف ہونے کے سبب اور  
پھر بے ہوش ہو کر اور بھی رازوں کی پوشیدگی سے قریب تر ہوتی ہیں اور اس طرح عامل کی روح میں  
جو ہوش و حواس ہیں انکے سبب کثافت رکھتی ہے اور دوسری چیزوں میں جو مخفی ہونے کے سبب  
کشیف روح کے تصرف میں نہیں آسکتیں ایک واسطہ جو عامل کی نسبت لطیف تر ہے عامل کو براہ راست  
غرض یہ کہ کشیف سے لطیف کی طرف جانا ہو تو لطافت کا ایک جد درمیان میں لانا ضرور ہے اور  
کشیف و فوہ لطیف تک نہیں پہنچ سکتا۔

۴ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب لاف سائیک فینا مننا مصنفہ مشر ہڈ سن اور کتاب آدم سائیل آف ڈھنہ

مصنفہ سر ایمر ڈیٹ لیڈ بیٹر جنہیں اکثر تجربے مصنفین کے چہنما ہیں۔

۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب لاف سائیک فینا مننا اور بالخصوص باب سوم اور کتاب ہینڈ بک  
مصنفہ مشر ایف ٹولیمو ایچ مائرس۔

قولے تشریح کے  
عمل کا قاعدہ

یہ تو وہ قاعدہ ہے جو انسانی روح کے اثر کے واسطے مقرر ہے اب قدرت کے دوسرے کاموں کو دیکھنا چاہئے تو معلوم ہوتا ہے کہ حرارت، روشنی، کشش ثقل وغیرہ لطیف طاقتیں جو آفتاب سے یا دیگر ستاروں سے ایک دوسرے تک پہنچتی ہیں ان کا اثر بھی بغیر لطیف واسطہ کے نامائین جاتا ہوتا ہے اور بغیر جو فضا میں پھیلا ہوا ہے انکی حرکت کا ذریعہ سلیم کیا جاتا ہے یونٹن کہتا ہے کہ ان طاقتوں کا یہ واسطہ جانا سمجھ میں نہیں آتا اس پر ڈاکٹر سپنسر اعتراف کرتے ہیں کہ اس پر خود متفلسف ہے۔ پس اسکو ایک جزو سے دوسری جزو تک جو فاصلہ ہے اس میں روشنی وغیرہ کی حرکت کیونکر ہوگی؟ ان کے اعتراف کی طرح مسئلہ پر خلاف روشنی ڈالنے کی بجائے اس طرف ہر کام اٹھ کر اجزاء کے امین کوئی اور اس سے بھی لطیف واسطہ ہونا چاہئے جس سے آفتاب کا اثر پہنچ سکے۔

واقعا عالم کا عام  
قاعدہ

اس کے بعد عام پیدائش کے قاعدوں کو دیکھا جائے تو یہ بڑے بڑے گے جو فضا میں دوڑتے پھرتے ہیں اور کروں کے اندر یہ بڑے بڑے پہاڑ اور دریا اور درخت اور حیوانات غرض حق قدرہ جسمانی اشیا نظر آتی ہیں قدرت نے ان کو پیدا کرنا چاہا ہے تو پہلے نہایت لطیف اور نامعقول ذرات سے کام شروع کیا ہے اور پہاڑ کو باہم مرکب کرنے سے گراں گین اور تیاں اور کئی کئی طرح کے ترابا طے کرنے سے لطافت بتدریج کم ہوتی گئی ہے اور کثافت بڑھتے بڑھتے یہ چاند سورج اور زمین جیسے اجسام پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کے بعد فروا فروا ہر ایک نوع کو دیکھا جائے تو بڑے بڑے و زخون کا کام چھوٹے چھوٹے تخمیں سے اور دیو میل حیوانات کا کام ایک قطرہ مٹی سے شروع ہوتا ہے اور اس کے علاوہ یہ مسلاؤں یا ریشین، ہلاک کر نیوالے اور تیار کر نیوالی برقیں سب لطیف بنجاری پیدا

ہند کتاب فرسٹ پرنسپلز مصنف ہربرٹ اسپنسر بائبل ص ۱۵۷

۴۰۔ یہ ذرے اس قدر چھوٹے ہیں کہ مادہ کا کوئی چھوٹا ذرہ جو محسوس ہو سکے اس میں ابتدائی ذریچہ کرٹوسے زیادہ تخمینہ کئے گئے ہیں کہ کتاب سرلیچ آف نیچر باب دوم ص ۱۸۹ (۱۸۹۷ء) اور چونکہ بعض اب میں مادہ کو خدا کی پیدائش نہیں مانا جاتا اور اس کتاب میں اس وقت تک اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا ہے اس لئے درست یہاں ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس سے کسی کو اختلاف نہ ہو کہ یہ ذرات مخلوق ہو یا نیک امین کلام نہیں کہ دیگر کلمات کے بنائے ہیں کام انہی سے شروع ہوا ہے۔

ہوتی ہیں اور ایک لطیف واسطہ یعنی حرارت آفتاب اُن میں عمل کر رہا ہے۔ غرض کثیف اور لطیف کا باہمی تعلق دیکھا جائے تو ہر جگہ یہی نظر آتا ہے کہ لطیف اور کثیف میں لطافت اور کثافت کے میں ہیں

کوئی اور واسطہ ضرور ہوتا ہے اور کثیف کی پیدائش کو دیکھا جائے تب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُس کثیف کی نسبت لطیف درجہ سے شروع ہو کر بتدریج مطلوبہ کثافت بہم پہنچاتی جاتی ہے۔

اب اگر خدا کوئی ہستی ہے اور اگر وہ ایک طرف عالم کو پیدا کر رہا ہے اور دوسری طرف بعض انسانوں کو اپنی معرفت کے تجربے کو دار رہا ہے تو اُس کو موجودان کر یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ایک زمین جیسے کرہ کی نسبت جس قدر لطافت ایک ستورہ میں ہے اس قدر وہ کی نسبت ذات خداوندی کی لطافت بدرجہا زیادہ ہوگی اور اسی طرح ایک گندہ کار انسان کی نسبت جس قدر لطافت ایک پاک و مقدس انسان کی روح میں ہے اس روح کی نسبت ذات خداوندی کی لطافت اس ذات کی طرح بے انتہا ہوگی اور اگرچہ بعض مذاہب میں روح انسان ذات خداوندی کا مظہر اتم ہے بلکہ روح کو عین خدا مانا جاتا ہے لیکن فرق مراتب سے کیونکہ انکار نہ ہوگا اور انسان اپنے انسانی تقیید میں رہ کر کتنا ہی پاک بازا اور بے تعلقی ہو جائے تنفس اور غذا وغیرہ جہاتی ضروریات سے ہرگز بے نیاز نہیں ہوتا۔

یہ مانا کہ جسمانی خواہشوں کو پاک بازا انسان محبت اور شوق سے پورا نہیں کرتا بلکہ محض فضل انسانی سمجھ کر سجااتا ہے گران کو چھوڑ کر عامہ انسانی کو بے قرار نہیں رکھ سکتا اس لیے اس حالت میں اسکی روح وہ لطافت ہرگز نہیں رکھتی جو ذات خداوندی کا خالصہ ہے البتہ تمام عمر میں ایک یا چند مرتبہ کسی بڑے سے بڑے پاک بازا پر ایسی حالت طاری ہو سکتی ہے کہ اسوقت کیلئے وہ جسم اور جسمانی خواہشوں سے بالکل پاک ہو پس ایک طرف تو وہ لطیف اور خدا اور دوسری طرف روح لطیف اور خدا کی لطافت کا تفاوت خیال کرنے کے بعد اور نیز دنیا میں لطیف اور کثیف کے اثر اور پیدائش کی کیفیت دیکھنے کے بعد کیا نتیجہ صحیح ہوگا کہ یہ لطیف سے کثیف کی طرف انکی ترتیب اور فائدہ اسی جگہ سے شروع ہوا ہے جہاں سے ہکو نظر آیا ہے اور اس سے پہلے تمام کام بتدریج اور بتدریج جاری رہا ہے اور لطیف خدا سے کثیف مادہ دفعہ متاثر ہو گیا ہے اور ایسا خیال فلسفیانہ اور قابلِ فحس نہ ہوگا یا یہ

خیال کہ خدا نے پیدائش کا جو کام شروع کیا ہے وہ اس کثیف ذرہ سے نہیں شروع ہوا بلکہ اس سے  
بہرہا زیادہ لطیف ہستی اور شروع ہوا ہو گا نہ اس لئے کہ ذرہ ہی شروع کرنے پر وہ قادر نہیں بلکہ اس لیے کہ  
جس طرح زمین جیسا بڑا کرہ براہ راست ذرہ ہی پیدا ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا اسی طرح اپنی کثافت کے  
سبب براہ راست خدا کا معمول بننے کے لائق نہیں ہے اور اسی طرح دوسری جانب وحی کے متعلق جو  
نتیجہ قائم کیا گیا ہے کہ لا محدود و لطیف ہستی محدود اور جسمانی کثیف تعلقات میں قید ہونے والے انسان پر  
بے اسطر نور افکار تاسے کیا اس خیال کے لوگ اپنی تئیں فیلسوف کہہ سکتے ہیں یا وہ لوگ جو انسان  
کے پرے لطیف احوال و ذریعہ ہستہ میں اور اس طرح سے لطیف و بے کیف نور کے بتدریج کثیف تک  
پہنچنے کے قابل ہیں نہ اس لئے کہ خدا کی قدرت میں نقص ہے بلکہ اس لئے کہ روح انسان جسم میں قید  
ہونے کے سبب براہ راست نور اخذ کرنے کے قابل نہیں اور اسی لئے وہ لوگ جبریل کو ہی براہ راست  
خدا سے نور حاصل کر لیا نہیں مانتے بلکہ اس سے اوپر لطافت کے اور درجات مان کر اور جبریل کو کثیف  
کی ایک حد تک محدود سمجھ کر اس کی زبان سے نکلوا دیتے ہیں کہ ۔

اگر ایک سرسوسے برتر پر م  
فروغ تجھے بسوز و پریم

البتہ روح انسانی خاص اس حالت میں جبکہ وہ ایک لمحہ کیلئے جسم اور جسمانی خیالات سے برتری حاصل  
کرے اور بالکل بے لوث ہو جائے اس وقت اس کی قابلیت کے مطابق خدا کی طرف سے فیضان نور میں  
قابل نہیں ہوتا اور چونکہ اس وقت وہ باوجود جسم ہر شے جسمانی خیال سے بالکل قطع تعلق کرتی ہے اس لئے  
اسکی اسوقت کی صفائی ملائکہ ذریعہ کی صفائی سے اپنی اس خلاف معمول کوشش کے سبب زیادہ ہوتی ہے اور  
اس اعلیٰ صفائی کے سبب ان سے زیادہ نور ربانی حاصل کرنے کے قابل ہوتی ہے اور براہ راست وحی  
کی سعادت حاصل کرتی ہے ۔

پس ان تجربہ کر نیوالے انسان کا یہ اظہار بالکل مطابق فطرت معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام  
کے باہمی اختلاف مراتب اور نیز ایک ہی نبی کے مختلف روحانی انقلابوں کے سبب وحی کی مختلف شکلیں  
ہوتی ہیں کیسی خوش متشکل نظر آتا ہے کہی قسم کی آواز میں وحی کا اظہار ہوتا ہے اور کہی نور ہے

ہر واسطہ جلوہ گر ہو تا ہے مگر اس وقت بھی اگر نبی میں کسی قدر حجابانیت کا احساس موجود ہے تو آگ یا بجلی وغیرہ کی شکل میں جلوہ نظر آتا ہے اور چونکہ اس وقت فرشتہ کا واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا اس طرف سے اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ (میں خدا ہوں) کا دعویٰ ہو تا ہے اور چونکہ نبی کا جسمانی تعلق ہمہ جہہ موجود نہیں ہوا نور کے کیف کی بجائے اس سے کیفیت تر کیفیت یعنی آگ کا تصور ہو تا ہے مگر جس حالت میں احسان جسم بالکل فنا ہو جاتا ہے اس وقت براہ راست وہ نور نظر آتا ہے جس کو آگ کہہ نہیں دیکھتی کان نہیں سنتے مگر قلب صافی اس کا لطف اٹھا تا ہے اور بیان نہیں کر سکتا اور اس حالت کو اصطلاح میں معراج کہتے ہیں۔

ارواح مجردہ کی نسبت  
مشترکات کی رو سے

پس اگرچہ ملائکہ جسم سے پاک اور نور محض مانے جاتے ہیں اور ان کا سا نڈھیک تجربہ اس وقت تک کسی روح مجسّم کا اثر دیکھ نہیں سکتا۔ مگر اس عقیدہ سے انکار نہیں ہو سکتا اس لیے کہ نظام عالم میں کثافت و لطافت کی ترتیب اور قاعدہ اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے اور نیز جن لوگوں نے مظاہر روحانی کا مطالعہ کیا ہے اور عالمانہ تعصب کو چھوڑ کر سب بارہ میں تامل کرنے کے عادی ہیں وہ ارواح مجردہ کے اثر کو ثابت شدہ نہیں تو ممکن ماننے پر ضرور مجبور ہوئے ہیں چنانچہ سٹر فریڈرک ڈبلیو ایچ مائرس جو مشہور سائنسی فائبر ہائیڈکلیک لیسرچ کے ممبر ہیں اپنی کتاب ہیو من پرسنلٹی (روح کا مطالعہ) میں ایسے دینی واقعات کو حل کرتے ہوئے جو انسان کو بغیر حواس کے معلوم ہو جاتے ہیں لکھتے ہیں۔

”ٹیلی پتھی اور ٹیلیس تھیسیا یعنی خیالات بعیدہ اور مشاغل بعیدہ کا وہ احساس جو معلومہات حواس کے بغیر ہو تا ہے ایسی انسانی قابلیتوں کو یا تو یوں حل کیا جاسکتا ہے کہ ہماری اپنی ذہنی طاقتیں بحساب سبقت کھتی ہیں یا ہم پر سے زیادہ آزاد اور کم پابند ارواح کا اثر ہوتا ہے۔ یہ دوسرا اصول جو ارواح مجردہ کی وساطت سے تمام غیر معمولی مظاہر کی تشریح کرتا ہے باری نظر اس مسئلہ کو حل کر دیتا ہے اور اس اصول کو سٹر اے آس و لیس اور دوسرے لوگوں نے یہاں تک وسعت دی ہے کہ پھر روحانی طاقتوں کے اصول کی تکوید یہ ثبوت اور گراں بار کہتے ہیں کوئی ضرورت نہیں چھوڑی مگر میں یقین رکھتا ہوں کہ



آگے چلکر یہ بات صاف ظاہر ہو جائیگی کہ وہ روحانی طاقتیں جن کو مین ثابت کرنا ہوں اگر انسان کے اندر ان کے موجود ہونے سے انکار کیا جائے تو اس صحت میں بیشک ایسی اصول کو عدیا کہ یہ ہے یعنی بیرونی ارواح کا دائمی دخل اور دائمی رہنمائی ضرور ماننا پڑیگا لیکن جو خیال میں نے قائم کیا ہے یعنی انسان کے اندر ایک عظیم لمشان روح کا موجود ہونا اسکو جب ان مظاہر منطبق کیا جائے جو بادی النظر میں مشرولین کے اصول (اور محجودہ) کا خیال لواتے ہیں اور جن مظاہر کو مین بیرونی ارواح کو دخل دینے کے بغیر انسان کی اندرونی روح کی طاقت سے حل کرتا ہوں تو ثابت ہوگا کہ میرا اصول حدیث و تجاویز اور غیر ضروری نہیں ہے بلکہ حد بندی کر نیا والا اور معقول اصول ہے مگر حقیقت میں مین یہ نہیں کہتا کہ جو خیال میں قائم کرتا ہوں وہ تمام واقعات منطبق ہو سکتا ہے اور ارواح مجودہ کے اصول کو بالکل خارج کر دیتا ہے بلکہ اس کے خلاف یہ دونوں اصول ایک دوسرے کی قوت دیتے ہیں کیونکہ مقامات بعدہ رابطہ پیکار نیکی طاقتیں بڑی حد تک موجود ہیں خواہ ہم ان کو اپنی ہی روح سے منسوب کریں اور ہم ایسے وقت میں روحانی طور پر ایک دوسرے پر جوبائیم فاصلہ ہوں انہر کہتے ہیں۔ پس اگر ہمارے جسم میں آئی ہوئی وہ مین ایک وقت میں اس کو شت پرست کی رسالت سے آزاد ہو کر کام کر سکتی ہیں تو یہ عقیدہ اور ہی مضبوط ہوگا کہ اور روحیں بغیر جسم کے موجود ہیں اور اسی طرح بغیر جسم کے ہر اثر کہہ سکتی ہیں۔ "آگے چل کر دیا جاہر کے خاتمہ پر لکھتے ہیں صفحہ ۲۲) "ہم جانتے ہیں کہ زندہ انسان کی روح اپنے اعضا پر حکومت کرتی ہے اور آگے چل کر ایسی دلائل ہیں مینگی جن سے نتیجہ نکلے کہ جسم سے آزاد روحیں بھی ایک قسم کے فیض کے ساتھ زندہ انسانوں کے اعضا پر حکومت کر سکتی ہیں یعنی وہ براہ رہت مادہ کے ایک حصہ جس کو ہم زندہ کہتے ہیں یعنی دماغ پر انسان کی حالت بخودی میں اثر کر سکتی ہیں پس میری نزدیک یہ خیال خلاف قیاس نہیں ہے کہ اسی طرح روحانی کارکن براسطت ایک قسم کی طاقت کے جوہر زندہ انسان سے اخذ کرتے ہوں غیر زندہ مادہ پر بھی کسی قسم کا اثر پیدا کریں۔ اور مین یقین کرتا ہوں کہ سرولیم کو کس اور مرحوم ڈاکٹر مسپیٹو اور اور لوگوں نے ایسے اثر وں کو بطور ایک افتد کے قابل اعتماد طور پر دیکھا اور بیان کیا ہے بالخصوص ڈی ڈی ہوم اور ڈبلیو سٹیٹن

مومن کے حالات میں۔ اور اگر مین انکو اور دیگر مجموعہ قسم واقعات کو غیر منتج کہوں تو یہ محض سلیقہ ہوگا کہ یہ واقعات اور بہت سی قابل اعتماد حکایات میں یعنی اس قسم کی تحقیقات کی ایک لمبی سٹری میں جس میں اکثر دھوکا اور فریب ثابت ہوا ہو وہ گئے ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ اندر میں زمانہ اس قسم کی شہادت پر تحقیق وقت رکھتی ہو مصنفہ مجموعہ کی نسبت متفرق تقریر میں عمدہ طور سے موجود۔

مشر ماٹرس اپنے معلومات کی بنا پر افواج مجروحہ کا امکان تسلیم کرتے ہیں مگر فریج فلا سف مسیو لوفی فکیٹے ایک لطیف استدلال سے ایسی افواج کا وجود ثابت کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ۔ ہماری ارد گرد کی زندہ مخلوق میں نباتات سے لیکر انسان تک دائما اور پرکھ جانیر الا سلسلہ ہے چنانچہ کمال حاصل کرتا جاتا ہے۔ کافی اور دیگر بھری رہے تھیں گیوں کو جو نظام نباتی کی ابتدائی حالت ہے نقطہ روانگی ٹھیکہ کریم نباتی دنیا کے تمام کمال حاصل کرینو اسے سلسلہ میں سگڑ جاتے ہیں اور ابتدائی حیوانات یعنی گھوٹے اور دیگر نباتات خاصہ نباتات تک پہنچ جاتے ہیں اور وہاں سے اعلیٰ تہذیب انات کے پلے انتہا درجوں کو طے کرتے ہوئے انسانی قالب میں آتے ہیں۔ اس سٹری کا ہر ایک پایہ قابل غیر محسوس ہے اور ان تغیرات اور درجات کی ترتیب ایسی عمدہ ہے کہ اس نے درمیانی ہستیوں کے ایک غیر محدود سلسلہ کو گھیرا ہوا ہے جس کا ایک کنارہ کافی ہے اور دوسرا کنارہ ہماری فروع انسانی۔ اور باوجود اس کے ہم ممکن سمجھتے ہیں کہ آئندہ ہم میں اور خدا میں درمیانی ہستی کا کوئی واسطہ حاصل ہوا اور اس تدریجی ترقی کے سلسلہ میں انسان اور خدا کے مابین ایک بڑا فاصلہ خالی پڑا رہ گیا ہو! ہم ممکن سمجھتے ہیں کہ تمام تجربہ چھوٹی تو چھوٹی نباتات سے لیکر نوع انسانی تک پہنچی اور پشمار درجات کی ترتیب ہو کر انسان اور خدا کے درمیان صرف ایک ناپید کننا جنگل ہو! بے شبہ یہ ناممکن ہے اور اگر کہیں نہ رہے ہے یا فلسفہ نے ایسی غلطی کی حمایت کی ہو تو اسکی وجہ صرف مظاہر قدرت کی ناقصی ہے ہمیں شک کہ زمانا ممکن ہے کہ جس طرح نباتات اور حیوان کے مابین اور حیوان اور انسان کے مابین دیکھا جاتا ہے اسی طرح انسان اور خدا کے مابین ضرور درمیانی مخلوقات کی چڑی قسط ہے جسکی وساطت سے انسان اور خدا کے پہنچتا ہے جو اس پر اپنی غیر محدود طاققت اور جلال سے حکومت کر رہا ہو۔

غرض یہ تو ہو کہ یقین ہے کہ ایسی درمیانی مخلوقات (یعنی جو انسان سے آگے لطافت کی تدریجی ترتیب طے کرتی ہوئی خدا تک پہنچتی ہے) موجود ہے گو یہ ضرور ہے کہ وہ ہموں نظر نہیں آتی لیکن اگر ہم ہر مالیہ بی چیز کے وجود سے انکار کریں جس کو ہم دیکھ نہ سکیں تو نہایت آسانی سے ہماری تکذیب ہو سکتی ہے۔ فرض کرو کہ کوئی علم مادیات کا عالم کسی لابسے ایک قطرہ پانی کا لے اور ایک جاہل کو دکھا کر کہے کہ یہ قطرہ حسین تم کچھ نہیں دیکھتے ہو چہرے چھوٹے حیوانات اور نباتات کو بھرا ہوا ہے جو بعینہ محسوس ہوتا ہے اور نباتات کی طرح زندہ رہتے ہیں پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں تو وہ جاہل فوراً سر بھیر دیکھا اور کہنے لگا وہ ایک دیوانہ ہے لیکن اگر اس کی آنکھوں پر جو رد میں رکھ دیکھا لے اور وہ قطرے کی تشخیص نہ کرے تو اسکو اقرار کرنا پڑے گا کہ کہنے والا سچ کہتا تھا کیونکہ اب اسی قطرہ میں جس کو وہ صاف سمجھتا تھا اسکی آنکھ سائیس کی مدد پا کر چھوٹے پیمانہ پر تمام دنیا کو موجود پائیگی۔ غرض جو ان ہم کچھ نہیں دیکھتے وہ ان زندہ مخلوق کی بڑی تعداد موجود ہوتی ہے اور یہ محض سائنس کے امکان میں ہے کہ اس بارہ میں علوم الناس کی آنکھوں کو روشن کیے۔“

ہم چاہتے ہیں کہ ہم ہی اسی حکیم کی حیثیت اختیار کریں۔ بیشک انسان اور خدا کے درمیان طبقہ چھلکا اور اندھے فلسفہ کو کچھ نہیں سمجھتا لیکن اگر ہم حیوانی آنکھوں کی بجائے روحانی آنکھ سے کام لیں یعنی عقل قیاس و ادب و تعلیم کے استعمال کریں تو پھر ہر مخلوق روشنی میں آجائے گی۔“

سید فلک کا مذہب ہے کہ ایک ہی قسم کی روحیں اپنی ہستی کو نباتات کے اعتباری درجوں سے شروع کرتی ہیں اور مختلف جنوں میں ہوتی ہوئی نباتات اور حیوانات کے تمام مراتب طے کر کے انسانی لہجہ میں آتی ہیں اور یہاں سے گزر کر اس سے زیادہ لطیف شکلوں میں ظہور کرتی ہوئی انتہائی نقطہ کمال تک پہنچتی ہیں اور اسی سیلئے اس مقام پر نباتاتی اور حیوانی ترتیب کا ذکر انہی الفاظ میں کرتے ہیں جو اس خیال کیلئے موزوں ہیں لیکن خواہ انکا مذہب درست ہو اور ارواح متنازع کے طور پر بتدریج کمال حاصل کرتی ہوں یا اس مقام پر ڈاکٹر ان کے خیال کو پیش نظر رکھا جائے جسکے مطابق انکا ہمنیال کہہ سکتا ہو کہ وہ ہم ہی ہیں جو مختلف حیوانات کی شکل اختیار کرتے ہوئے انسانی صورت تک پہنچ رہے ہیں اور یا ان تمام موجودات کو مختلف

ارواح اور مختلف نسلیں ناما جائے غرض ہر دست ان تمام اختلافوں کی یکسو ہو کر یہاں تک اس واقعہ کی  
کہ صرف نباتات بلکہ خاک ایک ذرہ کی لیکر انسان تک جس قدر معدنیات نباتات اور حیوانات کی  
تسمین موجود ہیں ان سب میں ایک ترتیب پائی جاتی ہے اور اس سلسلہ کا ہر ایک درجہ اپنی پہلے درجہ  
کی نسبت کسی نہ کسی نقص سے پاک اور کسی نہ کسی کمال سے متصف ہوتا ہے حتیٰ کہ سب کے بعد انسان ہستی کے  
شیخ پر آتا ہے اور ان سب سے کمال تمام اور اشرف ہونیکا دعویٰ کرنا ہے لیکن اس کا دعویٰ خواہ کیسا ہی  
سچا اور درست ہو مگر ہر طرح سے کمال اس مخلوق کو ہی نہیں کہہ سکتے بلکہ ابھی تک بہت سے نقصان ہستی  
کے نشانی اور بہت سی احتیاجیں موجود ہیں۔ اب اس دنیا کو ایک ہر طرح سے لطیف اور ہر طرح سے  
کمال خدا کی مخلوق مانکر یہ عقیدہ بیشک نہایت نا انصافی پر مبنی ہوگا کہ اس کا وہ مطلق نے جو کمال  
و کمال کی طرف جانیا اس سلسلہ شروع کیا تھا وہ محض انسان پر لگ کر ختم ہو گیا ہے حالانکہ انسان سے اور پہلے  
مرتبہ لطافت خیال میں آسکتے ہیں مگر واقعہ میں ایسی کوئی ہستی پیدا نہیں کی گئی جو انسان سے لطیف تر ہو۔  
گویا بقول سیوٹنگٹھ کے ایک بندی کی طرف جانیرالی شکر بنائی گئی ہے جس کو دیکھ کر گمان ہوتا ہے  
کہ بڑی کے انتہائی نقطہ تک پہنچ چکی مگر تھوڑی اور چلکر ایک ایسی عین اور ایک شند آ جاتی ہے  
جو بندی کا نام و نشان نہیں چھوڑتی پس جب ایک سلسلہ کو کمال کی طرف لجا کر نامکمل حالت میں چھوڑ  
دینا قدرت کا طے سے بالکل بعید معلوم ہوتا ہے تو لامحالہ عقل سلیم دوسرا نتیجہ ہی نکال سکتی ہے جس کو  
حاصلان مذہب اپنی روحانی شاہدوں کی بنا پر واقعہ کہتے ہیں یعنی یہ کہ انسان سے اوپر مخلوق کے  
بیشمار درجات ہیں جو انسان کے سے نقص اور کثافتیں نہیں رکھتے اور اپنی اپنی حیثیت کے موافق  
گوناگون لطافتوں اور کمالات سے متصف ہیں۔ وَمَا يَجْعَلُكَ جُودًا سَيِّئًا اَلَا هُوَ رَدُّهُ  
پارہ ۱) خدا کے شکر کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

گمراہ ! دنیا والوں کا عام دستور ہے کہ جن قسم کے عقائد و خیالات کو رواج عام اور فیشن کا  
خلعت مل جاتا ہے اُن کے خلاف کوئی نتیجہ خواہ کیسا ہی قرین قیاس ہو اس کو ہوشیارانہ میرحی کے  
ساتھ ہمال کر مینے پر غر کر کیا جاتا ہے چنانچہ اذیت کی ترقی نے محسوس ہو کر ان خیالات کو نہایت معیوض

سمجھ لیا ہے اور اس خیال کے رواج نے اہل علم کے دلوں پر ایسا حجاب پیدا کر دیا ہے کہ وہ تجربہ سے اوپر کی باتوں کو پیش کرتے ہوئے جھجکتے ہیں ورنہ گذشتہ اہل لال کی روش عقل نے جس لطیف مخلوق کے نشان دریافت کی ہیں اگرچہ وہ اس کے تمام درجات اور مراتب بتا نہیں سکتی کیونکہ اس عالم کی تفصیل کیلئے انسانی دماغ میں کوئی تمثیل موجود نہیں مگر دماغی صدد گاہ کی اسی نور و بین عقل سے اس منظر کی کچھ اور کیفیت ہی نظر آتی ہے۔ یہاں انسان میں مہملہ اور کثافتوں کے شرارت بھی ہے پس اس سے اوپر جو مخلوق ہوگی وہ اگر محض نیک ہو اور شرارت سے بالکل پاک تو یہ امر تزیین کے خلاف ہوگا اور ضرور ہے کہ جہ طرح پر وہ مخلوق اور لطافتوں میں درجہ بدرجہ ترقی کرتی ہوگی اسی شرارت سے پاک ہونے میں بھی تاخیر کی ترقی ہو اور اس لیے ضرور ہے کہ انسان سے اوپر کچھ درجہ ایسے موجود ہوں جن میں کسی نہ کسی حد تک شرارت کا وجود پایا جاتا ہے اور پھر وہ درجات شروع ہوں جو انکی میں ترقی کرتے جائیں اور پھر وہ نور معرفت جزوات باری کی طرف سے القا ہوتا ہے ان درجات تک اپنی حقیقی صفائی اور پاکیزگی میں جلوہ گر ہوتا ہوگا جو شرارت سے بالکل معراہین مگر ان سے نیچے کو درجہ اپنی شرارت اور بدی کے سبب اپنی اپنی کیفیت کے موافق اس صفائی اور پاکیزگی سے محروم رہتے ہوں گے۔ اب اگر انسان نے کسی طرح کی روحانی طاقتیں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے تو وہ ایسی لطیف مخلوقات سے فیضیاب ہو چکے قابل ہو جاتا ہوگا اور پھر اگر ہو س کو چھوڑنے میں کامل طور پر کامیاب نہیں ہوا بلکہ نجاست اور گناہ کی آمیزش باقی ہے تو اس کے دل کو محض اپنی درجات سے تناسب ہوگی جو کیفیت شرارت رکھتی ہیں اور وہ انہی کی مکدر روشنی کو حاصل کرتا ہوگا لیکن اگر آئینہ قلب بالکل صاف ہو گیا ہے تو محض نیک ارواح کی وساطت سے نور معرفت حاصل کر چکے قابل ہوتا ہوگا۔ اور اگرچہ گناہ کی آمیزش کے اور پارسائی کے مراتب بھی کثرت سے باہر گر مختلف ہوتے ہیں ایک گاہ گناہ کے چھوڑنے پر قادر ہوتا ہے اور اکثر مبتلا رہتا ہے اور دوسرا اکثر گناہ سے متنفر رہتا ہے اور کبھی مبتلا ہوتا ہے اور اسی طرح پارساؤں میں سے بعض خدا کا خیال اکثر قائم رکھتے ہیں اور کبھی اپنی جائز خواہشوں میں مصروف ہو کر غافل ہی ہو جاتے ہیں اور بعض غفلت میں

زیادہ رہتے ہیں اور کبھی توجہ کو قائم کر سکتے ہیں مگر بالکل ایسے انسان کا پہلا گروہ ہے جن کے کشف و الہام سے غلط مذاہب راجح پاتے ہوں گے اور موشرا الذکر فریق حسب استعداد پس منہ سے دنیا کو روشن کرتا ہوگا اور پھر اس دوسرے گروہ میں سے بعض انبیاء کو کسی وقت صفائی کا وہ درجہ میسر آتا ہوگا کہ انکی روح نیک ارواح مجرورہ سے بھی زیادہ لطیف ہو جائے اور براہ راست ذات باری سے فیضیاب ہو۔ تعرض دنیا میں کثیف اور لطیف کے باہمی تعلق کو دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور اسکے خلاف بقول مشر پارکیر تمام انسان اور قبول منکرین ملائکہ تمام انبیاء تمام اوقات میں براہ راست خدا سے نور حاصل کریں نیچر کی شہادت ہرگز اسکی تائید نہیں کرتی اور جو کچھ نیچر کہتی ہے وہی مذہب والے اپنے روحانی تجربوں کی بنا پر پیش کرتے ہیں کچھ لطیف مخلوقات شرارت سے متصف ہیں جن کو جنات یا شیاطین کہتے ہیں اور کچھ محض نیک ہیں اور ملائکہ کے نام سے موسوم ہیں اور نیز بہ کثرت شیاطین کی طرف سے گنہگاروں پر مروجی ہوتی ہے اور ملائکہ کی طرف سے پارساؤں پر اور بعض اعلیٰ درجہ کے پارسا کسی وقت براہ راست خدا سے نور اخذ کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

إِنَّ الشَّيَاطِينَ لَكَاؤُجُونَ إِلَىٰ أُولَٰئِكَ  
يَعْبُدُونَكَ وَإِنْ أَطَعُوا هُمْ إِنَّكَ لَمَشْرِكُونَ ط (انعام پارہ ۱۷)

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ  
مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا آيَةً  
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ ط (نحل پارہ ۱۷)  
وَإِنَّهُ لَنَزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ط نَزَلَ بِهِ  
الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ  
مِنَ الْمُنذِرِينَ ط ..... وَمَا تَنزِيلُكَ

بیشک شیطان وحی کرتے ہیں اپنی دوستوں  
کی طرف تا وہ تم سے (حق کے بارہ میں) تزلزل کریں اور  
اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو تم مشرک ہو گے۔  
خدا آواز ہے فرشتوں کو اپنے حکم کی وحی کے ساتھ  
اپنی بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ خدا کی طرف  
سوی تلخ کریں لائق عبادت ہیں کوئی نہیں پس بھیج دینا  
اور یہ فیضان دنیا کے پروردگار کا ہے اسکو امانت  
روح نے تیرے دل پر اتارا ہے تاکہ تو لوگوں کو خدا کے  
عذاب سے ڈراوے ..... اور اس کو شیطانوں نے

بِالشَّيَاطِينِ ط وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا  
يَسْتَطِيعُونَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعَرُونَ ط  
هَلْ اَنْتُمْ عَلَّمُوهُ عَلَى مَنْ نَزَّلَ الشَّيَاطِينُ ط  
تَنْزِيلُ عَلَى كُلِّ اَقَاك اِنَّمَا يُلْقَوْنَ السَّمْعَ  
وَاَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ط

(شعراء پارہ ۱۹ ص ۱۱۱)

اِنَّ هُوَ الْاَوْحٰی یُوْحٰی عَلَمَهُ شَدِیدُ  
الْقُوٰی اے دُورِ مَرَّةً قَاسَتْوَاے وَهُوَ کَا  
الْاَقْنُ الْاَعْلٰی ط ثُمَّ دَنَا فَتَدَلٰی فَكَانَ  
قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰی اِلٰی  
عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا یُسَیِّرُ  
اَفْتَمَّ اَرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یُرٰی اے وَلَقَدْ  
سَلَا نَزْلَهٗ الْاَخْرٰی عِندَ سِدْرَتِ  
الْمُنْتَهٰی ط

(انجیل پارہ ۲۴ ص ۱۱۱)

ہنہیں اُتارنا اُن کو یہ سزاوار ہے اور نہ وہ ایسا  
کر سکتے ہیں۔ وہ خدا کا حکم سننے سے معزول ہیں  
..... میں تم کو بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے  
ہیں وہ اتر کر نبیوں اور گنہگاروں پر اترتے  
ہیں وہ خدا کے سچے حکموں کی طاعت نہ کرتے ہیں  
مگر اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔

نہیں ہے رسول کا فرمان مگر وحی جو خدا کی طرف سے  
ہی بھی گئی رسول کو یہ باتیں سکھائیں سخت عقائد والے  
اور مضبوط علم والے فرشتے کے پس و پیش اور حکم و بند  
کنارہ پر تھا۔ پھر رسول خدا کو قریب ہوا اور اس کی طرف  
جھکے پس دو کمانوں کے برابر ہو گیا یا اس سے نہی یا  
قریب پس خدا نے اپنی بندہ کو وحی کرنی تھی کی۔  
انکوں نے جو کیا اسمیں دے نہیں کیا تم اس بارہ میں  
جوانے دیکھا شک کرتے ہو اور پھر یہی فرشتہ کو  
دوبارہ سداۃ المنتہی کے پاس دیکھا ۛ

ۛ اس آیت کا ترجمہ جو کاک کی روایت کے مطابق کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو تفہیم القرآن) اور جو وحی الہام کے واسطے آیت میں بیان  
کئے گئے ہیں اگر یہ سمجھنے والوں نے انکو مختلف طرزوں سے سمجھا ہے مگر جیسا کہ تفسیر اسمیں البیان اور تفسیر ابن عربی سے  
مستفاد ہوتا ہے اس مقام پر نبی کے دو نورانیات کا ذکر ہے یعنی ایک درجہ وہ ہے جبکہ نبی فرشتہ کی وساطت سے نورانی  
افتداریا ہے اور عیالت اکثر ہستی ہے اور دوسرا درجہ وہ ہے جبکہ وہ بعض منتخب قات میں فرشتہ سے زیادہ لطیف پاکیزہ  
ہو جاتا ہے اور اس وقت جہان تک ترقی کر سکتا ہے فرشتہ وہ ان تک پہنچنے سے قاصر ہوتا ہے مگر چونکہ یہی اعلیٰ لکھا  
انسانی قاتالین ہرگز ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی اس لیے جب نبی اس حالت سے واپس آتا ہے تو یہ لطافت کے اس درجہ سے  
اتر کر جو فرشتہ کا انتہائی مقام ہے فرشتہ کی وساطت سے وحی کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے چنانچہ اس آیت میں  
یہی بیان کیا گیا ہے کہ رسول نے فرشتہ کی وساطت سے علوم ربانی حاصل کئے جس کے بعد ایک اعلیٰ کنارہ پر

معراجِ شریف

جلوہ معرفت، ادھی، روت، طایکہ، معراج غرض روحانی ترقی کے تمام مدارج کا پورے طور پر سمجھنا ان لوگوں کیلئے جو اس لذت سوا آتشِ ناہین اول تو اسی لیے نامکن ہو کہ یہ باتیں ان کے نقطہ خیال سے بڑھیں۔ ایک جاہل محض کو ان لطفوں سے آشنا کرنا محال ہے جو ایک شخص ان کو کوئی قانون قدرت دریافت کرنے اور مفید ایسا تک پہنچنے میں یا ایک ریاضی کے طالب علم کو کوئی شکل سوال حل کرنے میں حاصل ہوتے ہیں اور دوسرے جب خیال کیا جاتا ہے کہ خدا سے تعلق پیدا کرنے کے تمام مدارج تجزیہ پر منحصر ہیں اور زیران میں فاعلانہ اثر اس بالاتر ہستی کی جانب سے ہوتا ہے اور انسان کی طرقت جو کوشش ہو سکتی ہے وہ محض اُمیدِ قلب کو متحرک الوسع صاف کر کے انفعالی قابلیت پیدا کر سکتی ہے تو اس وقت ماورائے کیلئے اسکی حقیقت تک پہنچنا اور کوچہ معرفت سے بیگانہ ہونے کی صورت میں محض قدرتِ عقل سے اسکی گنہ کو مانا اور بھی محال ہو جاتا ہے جب تو سم کی گیس یعنی الکسیجن اور ہائیڈروجن کی ترکیب سے پانی کا پیدا ہونا یا پانی کے تحلیل سے دو نوگسین کا پیدا ہونا ہم کسی طرح نہیں سمجھا سکتے نیز اس کے کہ ہکا تجزیہ کر کے دکھا دیا جائے تو ہکا کو دیکھنے یا خدا سے ہمکلام ہونے کا تجربہ محض حرج و مرج سے کیونکر منکشف ہو سکتا ہے پس اسکی حقیقت کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہو اور دوسرے لوگ جو کچھ کہہ سکتے ہیں اسی قدر ہے کہ کسی طرح کی تمثیل و تشبیہ سے اسکا مبہم سا خاکہ پیش نظر کر لیں۔ وہ مبتدی طالب علم جرات اور دل کے تغیر سے نتیجہ نکالنے کے نا قابل ہے اور جس کو فوکلٹ پینڈل ولہ سے زمین کی حرکت کو سمجھنا شروع ہوا ابتدائی مدرسہ میں اس کو یہ فہم دینے

بچ کر فرشتہ کی رسالت ختم ہو گئی اور وہ زمین ٹھہر گیا مگر رسول خدا سے قریب ہوتا گیا اور اسکی طرف بھٹک گیا جسے کہ جس طرح دکھانوں کو ملانے سے دائرہ پیدا ہوا جلتا ہے اور دائرہ میں تو سی خطوں کی ابتدا اور انتہا میں بظاہر تمیز نہیں رہتی اسی طرح رسول کو بھی اس وقت خدا سے کامل وصال تھا بلکہ اس تشبیہ سے بھی کچھ زیادہ اور اس وقت جو راز منکشف ہونے سے پہلے ہونے اور دل نے جو لطف اٹھانا تھا اٹھایا مگر پھر رسول نے اس حالت کے بعد مقامِ سدرۃ المنتہی یعنی فرشتہ کے انتہائی درجہ ترقی پر اسکو دوبارہ سوجھو پایا۔



کی کوشش کیجاتی ہے اور اس وقت اسے صرف مثال ہی سمجھا یا جاتا ہے کہ گیند کو چراغ کو  
گرد حرکت دینے سے جس طرح روشنی اور تاریکی بدلتی رہتی ہے اسی طرح آفتاب کے گرد زمین  
کی حرکت کر دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ یہی حالت ہلوگون کی نکات معرفت کے متعلق ہے  
اور یہاں بھی گیند اور چراغ جیسی تشبیہوں سے ہی کام لیا جاسکتا ہے چنانچہ معرفت کے تمام  
مدارج کی نسبت حتی الوسع اسی استدلال تمثیلی سے کام لیا گیا ہے۔ البتہ معراج کیا تھا  
علاوہ اس تجلی ہیواسطہ کے جو اور واقعات اہل تجربہ نے بیان کئے ہیں اور جسکی نسبت اکثر غلطی  
واقع ہوتی ہے انکی نسبت کیقدر تشریح کی ضرورت ہے اور چونکہ ان واقعات کے بارہ میں غلط فہمی  
اکثر اوقات سخت اعتراضوں کی شکل میں بڑے شد و مد سے ظاہر کی جاتی ہے اس لہٰذا میں بھی  
اگر کلام کو طول دون ترمیموں کی غلطی کے سبب قابل درگزر ہوگا۔ مگر میں پر اعلان کرتا ہوں  
کہ کچھ کہا جائیگا اس سے یہ مدعا ہرگز نہیں کہ معراج بعینہ اسی طرح واقع ہوتا ہے کیونکہ سننے والوں  
کی نا تجربہ کاری کے سبب سے خود دیکھنے والے اسے تفصیل بیان نہیں کر سکتے تھے جانیکیا ایک سنگانہ  
اسکی حقیقت کو سمجھنے یا سمجھانے کا دعویٰ کرے بلکہ غرض صرف اس قدر ہے کہ تشبیہ سے قریب  
القصہ کیا جائے۔

دل بدل رہا

مثلاً ان روحانی طاقتوں کے جو دریافت ہوئی ہیں بعض اہل فن کی جانب سے  
غیب بینی کے ثبوت کا یہی دعوئے کیا جاتا ہے اور اکثر ایسے واقعات بھی پیش کئے جاتے ہیں  
جن میں کسی شخص کو پیش از وقت کسی حادثہ کا علم ہو گیا یا کسی شخص نے ہینا ٹائڈ یعنی حاضر  
میں بیخود ہونے پر کوئی نامعلوم امر ظاہر کیا اور تحقیق پر صحیح ثابت ہوا۔ مگر یہ مسئلہ پورے طور پر  
پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا بلکہ بعض واقعات سے اس کے خلاف بھی استدلال کیا گیا ہے البتہ

۴۔ تمام مضمون شریعت مسن کی کتاب دہی کا آٹ ساٹھ کٹ قینا متار کے مختلف مقامات سے لیا گیا ہے  
اور عموماً وہی یا تین درج کی ہیں جن کو شریعت میں اور شریعت میں عیسائی عقائد اور ان کی تعلیم کی بابت ملاحظہ  
ہو کتاب ہیرو مین پر سنائی اور یہ سٹڈنٹز ان سائیکیکل ریسرچ۔

دل ابدل ہو سکتا ہے پھر انہیں یہ مقولہ بڑی حد تک صحیح ثابت ہوا ہے چنانچہ ابتداء میں عالمات کے نزدیک معمول کو دوسروں کے دلی خیالات معلوم کرنے اور اپنے خیالات دوسروں پر ظاہر کرنے کی مشق بطور ایک لازمی سبق کے کروایا کرتے تھے اور اس قسم کے تجربوں پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور لٹرن کی سوانح فارسیائیکہ کیل ریسرچ یعنی اہل علم کی اس انجمن کے جس کا مقصد ظاہر و حافی کی تحقیقات تھی بہت سے تجربوں کے بعد جرن کی پروسیڈیٹلٹک کی سولہ جلدوں میں اور وقت انیسویں سالہ میں اور فیئڈن آف ڈی لونگ نام ایک کتاب میں شائع کئے گئے ہیں یہ فیصلہ کیا ہے کہ انسان میں بغیر جسمانی وسائل کے اپنے دلی خیالات دوسروں پر ظاہر کرنے کی طاقت موجود ہے۔

اس طاقت کا ادنیٰ ظہور جو عام طور پر دیکھا جاتا ہے وہ واقعات میں جن میں کسی شخص پر کوئی حادثہ گزرنے پر اسکے والدین یا کسی نہایت عزیز کے دل کو غائبانہ صدمہ اور رنج محسوس ہوتا ہے اور اکثر بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ صدمہ واقع میں اس حادثہ کا اثر تھا اور اس سبب سے کہ اس طاقت کی مشق جو عام طور پر کیا جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ چند آدمی ایک حلقہ باندھ کر اور ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر بیٹھ جائیں اور ان میں سے ایک شخص جو نسبتاً زیادہ اثر پذیر طبیعت رکھتا ہو اس کی آنکھیں باندھ دی جائیں اور تاش کا ایک پتہ نکال کر سامنے رکھ لیں اور سب حاضرین اس پتہ کو دیکھنا اور اپنا خیال جانا شروع کریں اور اس عرصہ میں کسی اور پتہ کو ہرگز نہ دیکھیں۔ تھوڑے عرصہ میں اس شخص کے ذہن میں جسکی آنکھیں بند ہیں اس پتہ کی شکل پیدا ہوگی جو ابتداء میں دھندلی سی نظر آئیگی اور جلد ہی کہ شروع میں معلوم نہ ہو کہ رفتہ رفتہ واضح ہوتی جائیگی اور وہ شخص بغیر دیکھنے کے محض دوسروں کے

۴۴ یہ انجمن ۱۸۸۲ء کے شروع میں قائم ہوئی اور تیرہ سال تک تحقیقات جاری رہی۔ ان لوگوں کا مدعا محض سائنٹفک اور عالمانہ تحقیقات کرنا تھا جن میں تعصب کیے وجہ الٹا کرنے کو یا خوش اعتقادوں کی قریب سے ثابت کرنے کو دخل نہ تھا اور اس کے پریڈیٹ اپنی وقت کے نہایت مقتدر اور ممتاز اہل علم ہوتے رہے ہیں مثلاً پروفیسر بالفورسٹ ٹامپٹن ایف آر ایس، ٹامپٹن آئی ویل اے جے بالفور ایچ پی، پروفیسر ولیم جیمس، سر لیمون کووکس، پروفیسر ایچ بیجواک وغیرہ۔

دل کا مطالعہ کر نیسے پتہ کارنگ اور عدد بتانے کے قابل ہو جائیگا۔ مسٹر ٹرسن لکھتے ہیں کہ میں نے یہ تجربہ کئی دفعہ کیا اور ان شرطوں کے موافق جن کا انہوں نے مفصل فر کر کیا ہے اس تجربہ میں کبھی ناکامی نہیں ہوئی۔

اس طاقت کا اس سے زیادہ ظہور خاص خاص حالات میں ہوتا ہے جسکی چند مثالیں مسٹر ٹرسن لندن سوسائٹی کے کتاب کو نقل کرتے ہیں چنانچہ مسٹر موسز کا واقعہ ہے وہ لکھتے ہیں۔

”ایک شام کو میں نے پتو تین اپنے ایک دوست ڈیل نامی کے سامنے ظاہر کر دیا اور وہ کیا چونچہ میل کے ہاتھ پر رہتا تھا چنانچہ یہ خیال قائم کر کے میں آدھی رات کو کچھ پیشتر سو گیا اور اس وقت بھر اپنے دوست کے خاص کمرہ اور اس کے گرد فواح کا علم تھا صبح کو اٹھا اور کچھ کچھ معلوم نہ تھا کئی دن کے بعد ڈیل کو ملنا ہوا تو پوچھا کہ شب کی شب کو تھے کچھ دیکھا اور انہوں نے کہا کہ ان بہت کچھ دیکھا ہے میں اس وقت اپنے دوست ایچر کے ساتھ انگلیٹی کے پاس بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ سارے بارہ کے قریب وہ دوست اٹھ کر گیا میں نے دور دراز تک اسکی مشابہت کی اور وہ اس آئینہ میں دیکھ کر اپنا پائپ ختم کر دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اسکی کرسی پر تم بیٹھے ہو۔ میں نے مذکورہ کیا اور پھر اخبار اٹھایا تاکہ یقین ہو کہ میں بیدار ہوں۔ اخبار رکھ کر پھر دیکھا تو ابھی تم موجود تھے اور یہ دیکھتے ہی دیکھتے بغیر بات چیت کے تم گم ہو گئے“

۴۔ اس قسم کے دو اور مسٹر ٹرسن نے یقینی شہادتیں لکھیں (کتاب ہیومین پر سنسٹیوٹ صمیمہ باب ششم ص ۳۱۶) اور ایسے ہی دو اور ایک اپنے دوست کا ڈفٹری کے مسٹر ٹرسن نے اپنی کتاب سنسٹیوٹ انسان سائنسیکل ہسٹریچ میں (باب ششم ص ۳۱۶) نقل کئے ہیں اور ایسے واقعات بتانے والی میڈیکل مسٹر پاٹلر کا واقعہ خاص طور پر لکھا ہے جس نے قریباً سترہ سال تک نہایت احتیاط اور پیش بینی کے موقعوں پر اجنبی اشخاص کے حالات بتائے اور اس کے امتحان کر تہو الوں میں پر وقیر لاج، مسٹر مائٹس، ڈاکٹر والٹر لیف، پروفیسر ولیم جیمس جیسے ممتاز فاضل شامل ہیں جنہوں نے بعد از امتحان یقین کیا ہے کہ اس کے کرتب بالکل ہوس کے سوا کچھ تھے اور ایسے اشخاص کا حال بیان کرتی رہی ہے جن کا ہولی سائل سے اسکو مطلق علم حاصل نہیں ہو سکا اور مسٹر ٹرسن سائنٹی مذکور کے ممتاز ممبر سوسائٹی کے دیگر ممبروں سے کہیں قدر زیادہ قیاط ہیں چنانچہ سائنٹی کی تحقیقات کا جو نتیجہ خود ان کے نزدیک نکلا ہے اسی کے متعلق انہوں نے کتاب مذکور لکھی ہے اسکی ابتدا میں لکھتے ہیں کہ میرے بعض رفیقوں کے نزدیک اس تحقیقات کو ثابت ہوتا ہے کہ خیال ظاہری جو اس کے بغیر اور ایتھریک لہروں کی رسالت کے بغیر دوسرے

اس قسم کے کئی واقعات کے علاوہ مسٹر ٹرسن اپنا ایک چندیدہ واقعہ لکھتے ہیں کہ  
شہر نیویارک میں پیٹنٹ آفس کے ایک آگزامینر کو ایک معمول کے سائنسے جو عورت تھی پیش کیا گیا  
وہ معمول ان سے بالکل نا آشنا تھی اور بڑے امتحان کی غرض سے آگزامینر کے حالات اور نیز اس کا نام  
بھی آگاہ نہ کیا اور اس سے حالات بتانے کی درخواست کی۔ تھوڑی دیر میں جب معمول پر حالت وجد  
طاری ہوئی تو اس نے آگزامینر کو کہا کہ میں ایک عالیشان عمارت کو دکھاتی ہوں جس میں بہت سے

کے خیال پر اثر کر سکتا ہے اور انسان کی روح جسم میں قید ہونے کی حالت میں زمانہ فضا اور دیگر جہاتی قوانین  
قدرت کی مدد سے آزاد ہو سکتی ہے اور جسم کی مریت کے بعد دوسروں کو اپنی ہمتی سے واقف کر سکتی ہے  
مگر میرے نزدیک شہادت ایسی ناکافی اور متنبہ ہے کہ اس سے ایسا طریقہ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ میں مانتا ہوں  
کہ رابطہ قلبی ثابت کر نیکے لیے جہیں جہانی حواس کو دخل نہ ہو کہانی دلائل موجود ہیں۔ لیکن اس طاقت کو  
فوق العادت درجہ دینے کیلئے یہی سائنس ہیا نہیں (باب اول صفحہ ۱۷) غرض مسٹر ہارٹ اگرچہ تمام نتائج  
میں دوسرے رفیقوں سے اتفاق نہیں کرتے مگر تاہم بہت سی روحانی طاقتوں کو ماننے میں اور بالخصوص دلی  
حیالات و شعروں پر ظاہر ہونیکا اور تاش کے علاوہ اور کئی طرح سے اس قسم کے تجربوں کا تفصیل ذکر کرتے ہیں اور  
رابطہ قلبی کو طبعی حد تک تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ جو اسباب اور تصویریں مرئیوں کے دھنوں کی لوگوں کو نظر آتی ہیں انکے  
بہت سے واقعات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ مرقہ روحوں کا انان شہادتوں کو ثابت نہیں ہوتا البتہ ان واقعات  
سے ثابت ہوتا ہے کہ رابطہ قلبی کے سبب سوئے ہوئے کا خیال جسم کو نظر آتا ہے (باب نہم صفحہ ۲۹) اور اسی باب کے  
آخر میں لکھتے ہیں کہ مسٹر گرین اور مسٹر کنگ کے واقعات کو جو اس کی طاقت کے بغیر ایک دل کی دوسرے دل کیلئے  
نامہ و پیام کرنیکی طاقت کا قوی ثبوت مانا جاسکتا ہے۔ آگے چلکر جہاں بعض انسانوں کے پویشیں پہل جاتے اور کچھ  
اور کچھ لینے کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں وہاں لکھتے ہیں کہ حالت وجد ہسٹینیا (ایک اعصابی تفسیر کی تفسیر سے طلب ہے  
نہیں ہوگی) اور بعض اور حالات میں جبکہ شعور ثانوی پیدا ہوتا ہے تو بہت سی خصوصیتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ ارادی  
اور غیر ارادی حرکت دینے والے اعصاب پر اور رگوں پر اور اعضا و تنفس پر اور عموماً خواہش اعضا پر اور اسلئے ہوتا ہے۔  
مختلف احساساتی قابلیتیں وسیع ہوجاتی ہیں خیالات جسم کو نظر آنے لگتی ہیں اور دوسروں کی خیالی سوسائٹی سرخوشی کی  
قابلیت پیدا ہوجاتی ہے (باب دوازدہم صفحہ ۴۹) غیب مبین کی شہادت لکھ کر کہتے ہیں کہ اس نے بہت سے تجربے کیے ہیں جن  
کا وہ علم حاصل کر سکی خلاف معمول قابلیت ثابت ہوتی ہے اور اس شعور کی قابل ذکر شہادت مسٹر پائیک کے حاضری واقعات

(دراصل یہ سب باتیں سائنس کے دائرہ میں نہیں آتی ہیں)

کہہ ہیں۔ ان میں سے ایک میں تم کو دیکھتی ہوں۔ تمہاری سانسے ایک بڑی میز ہے اور اس پر بہت سو کاغذ ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کہ بہت سے مشینوں کے نقشے تمہارے آگے پھیلے ہوئے ہیں اور مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ تم کو ایجا وغیرہ کی جسٹری کرنے سے تعلق ہے۔ یہاں تک بالکل افسانہ واقعی تھا جسکو تسلیم کیا گیا۔ کیونکہ تسلیم کر نیسے معمول کی روحانی قوت کو ترقی دیتی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ مگر تمہارا سفر بھی پریشانی نہیں میں تمکو گھر پر ایک کتب خانہ میں دیکھتی ہوں اور تمہاری کتابیں اور قلمی مسودے رکھے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ تم کوئی کتاب لکھتے ہو۔ پھر اس نے کتابوں کی الماریوں اور کمرہ کے سامان کو بھیج طور پر شمار کر کے بتایا۔ پھر کہا کہ مجھے وہ رستہ بھی معلوم ہوتا ہے جس سے تم اپنی کتاب کے سرچوڑہ منتخب کتاب پہنچے ہو اس میں بہت سا کورڈ کرکٹ ہو جسکو تم نے صاف کر دیا ہے اور تمہارے پر ایک روشنی ہے اور تم پورے اعتماد سے اپنی مطلب کی طرف جارہے ہو۔ اگر امی نے سوال کیا کہ کیا وہ رستہ واقعی سیدھا ہے جس پر میں جا رہا ہوں اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتی کیونکہ میں اس ضمنوں سے نا آشنا ہوں جس پر تم کتاب لکھ رہے ہو۔

البتہ تمہاری سرپر کی روشنی سے گمان ہوتا ہے کہ غالباً صحیح رستہ ہو گا۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت معمول اپنے تئیں ان مکانوں میں حاضر سمجھتا ہے جن کے واقعات وہ بیان کرتا ہے اور ٹریڈ مونس نے بھی چند واقعات لکھے ہیں جن میں معمول پر چھنے والوں کے گھروں پر جو بہت فاصلے پر واقع تھے گیا اور وہ ان کے تمام حالات بتاتی کہ گھروں کے سامان کی تفصیل اور ان کا موقع اور باشندگان کی کیفیت بیان کی جسکا حاضر کو علم نہ تھا اور جو بعد میں درست ثابت ہوئی اور ٹریڈ مونس اگرچہ ان واقعات سے انکار نہیں کر سکتے مگر وہ تیار نہیں ہیں کہ بواسطہ علم حاصل کرنے کو تسلیم کریں اور اگرچہ تمام واقعات میں کوئی ذریعہ علم ثابت کرنے کو مشکل مانتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ رابطہ قلبی ہی ایک ذریعہ ہے جس سے ظاہری حواس کے بغیر علم ہو سکتا ہے اور چونکہ فراموشی محض اس کا خاصہ ہے اور روح کا علم کبھی محو نہیں ہوتا اس لیے ممکن ہے کہ حاضرین میں سے دست ان واقعات کو نہ جانتے ہوں

تبدیلی رابطہ قلبی کا علم حاصل ہونے پر چند پتہ نہیں ان میں موجود سمجھتی ہے۔

۱۰۔ باب سیزدہم صفحہ ۴۲۷ سے ۴۳۲ تک کتاب سسٹم

۱۱۔ باب سیزدہم صفحہ ۴۵۰ سے ۴۵۴ تک کتاب مذکور

لیکن پہلے کہی وہ علم حاصل ہو چکا ہو اور قبول نے ان کی قلبی تحریر کو پڑھ لیا ہو۔ اور سٹر ہڈ سن لے  
واقعات کو جن کوئی ظاہری واسطہ علم موجود نہ ہو ایک مثال سے حل کرتے ہیں کہ +

وہ کوئی شخص پر دس مہینے ڈوب کر وہاں سے توڑا بیڑی کی وجہ سے ضرور ہے کہ اس کی ماں کی روح کو مدد ملے گا  
اب اگر ان کی روح میں صفائی نہیں تو یہ روحانی علم شعور کے درجہ پر نہ آسکا اور سٹر ایک پریشانی کے  
اس کو اس واقعہ کی کوئی اطلاع نہ ہوگی۔ پہر اگر کسی اور عزیز کو مر گیا ہو اسے کی ماں سے انی بات ہو تو اس تعلق کے  
سب سے اس کے قلب پر ہی اثر ہوگا مگر عام طور پر اس کو بھی اطلاع نہ ہوگی کہ روح نے کیا تماشا دکھا اور ممکن ہے کہ  
اسی رابطہ مجتہد کے سلسلہ سے اور چنانچہ اس ہی اس واقعہ سے متاثر ہوں اور پھر کسی مہتر پران میں سے کوئی  
کسی ایسے شخص سے ملے جس کو ہیت امن فرمیں حالت دیدہ کی مشق ہے اور وہ اس حالت میں اس شخص کے  
دلی نقش کو پڑھ کر بیان کرنے لگے کہ مجھے ایک اس حلیہ کا انسان دیا میں ڈوبنا نظر آتا ہے اور بعد میں  
یہ واقعہ صحیح ثابت ہو جائے تو دیکھنے والے اس کو عیب بینی کی طاقت کہیں گے کیونکہ حاضرین میں سے  
کسی کو اس واقعہ کا محسوس علم نہ تھا مگر حقیقت میں یہ علم ایک ذریعہ اور واسطہ ہو چکا ہے جو اگرچہ اس  
سے بالاتر ہے لیکن قانون قدرت کے خلاف نہیں ہے

روح کی فاصلہ کوئی  
چیز نہیں۔

اور روحانی طور سے کسی مقام پر جا کر کوئی واقعہ دیکھنے کی نسبت سٹر ہڈ سن روحانی علاج کا  
ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ +

”مذکورہ بالا وجہ القاصد کے اندر ایک خاص علت از واقعہ یہ ہے کہ مریض کا جب علاج کیا گیا ہے تو وہ  
معالج سے ایک ہزار میل کے فاصلہ پر تھا اور یہی چنانچہ مریض کا علاج کا سیلابی کے ساتھ کیا گیا ہے جن میں  
مریض و معالج کا ایک مبینہ سبب تک کا فاصلہ تھا۔ پس جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے حقیقت یہ ہے کہ  
روح کیلئے فاصلہ کوئی چیز نہیں۔ دلی حالات معلوم کرنے کے تجربے اس کو پورے طور پر ثابت کرتے ہیں  
اور انتقال خیالی کے ایسے واقعات بیان ہوئے ہیں جن میں معلوم کرنا والا قطعیہ کے فاصلہ پر تھا۔ یہ کہ  
فاصلہ پر دلی خیالات معلوم کرنے میں جوڑ کا واسطہ بنتی ہے وہ محض ہماری عادت کی وجہ سے ہے

یعنی ہم جو گھر رہ رہے ہیں کہ فاصلہ کو ایک رکاوٹ سمجھیں۔ پس خیال کا میاں بے لطف یہ کہنے کو ضروری  
رہا کہ دنیا ہے۔ ہیکو یہ تصور یا نہ صفا بہت ہی مشکل معلوم ہوتا ہے کہ فاصلہ کھنکھسائی والا انتقال ہے اور  
روحانی طور پر خیالات کے انتقال میں یہ کسی طرح مانع نہیں ہے۔

اور سترھاٹس لکھتے ہیں +

فضا کے بارہ میں جو شہادت پیش کی جائیگی وہ ہیکو جس قدر کہ ایسے معاملات میں امید ہو سکتی ہے  
اس سے زیادہ صفائی کے ساتھ بیان کرنے کے قابل بنا دیگی۔ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ روحانی زندگی  
جسمانی زندگی کی طرح فضا کے تصور میں مقید نہیں ہے۔ لیکن یہ آواز کی کیونکر حاصل ہوتی ہے؟  
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ارواح کو اس حالت میں کسی قسم کا پھیلاؤ حاصل ہو جاتا ہے۔ ہم زمین پر کچھ  
مادی دنیا کے وقتوں کے پابند ہیں۔ ایک تجربہ اسی جگہ کام کرتا ہے جہاں وہ موجود ہو دوسرے  
ایک وقت میں ایک حصہ فضا کے اندر ایک ہی جسم رہ سکتا ہے اور عام حالات کو دیکھتے ہوئے یہ دونو  
قاعدہ کو یہی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے لیے اس کو نذر مارتے ہوئے چلے جاؤ  
اور تھوڑی دیر کے لیے زندگی اور اس کے حرکت میں لاؤ معلوم ہوگا کہ اس حد بندی کا قائم رہنا مشکل  
ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ لکچرار اور شاعر میں کام کر سکتا ہے جہاں وہ موجود ہے لیکن وہ موجود کہاں ہے۔  
اس نے کاغذ کے پرزے کی کاپی بل کر اس کو ایک روحانی طاقت بنا دیا ہے۔ ہمیں بلکہ اسکی  
یاد ہی دوسروں کے دل پر قوت کے ایک حشر شہ کی مانند کام کرتی ہے۔ پہر ہم کہتے ہیں کہ جہاں  
لکھنے کی سیر ہے وہاں اس وقت کوئی اور جسم نہیں آسکتا۔ مگر نتیجہ کا کیا حال؟ غرض جہاں تک اندر  
روحانی عمل کو دیکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونو باتیں ممکن ہیں۔ رابطہ قلبی غیر جسمانی روح کی  
چیز ناشر حاضر کی کو مجید وسعت و تناس ہے۔ روحانیات کا حیاتیات میں سے عیور کا جانا ثابت کرتا ہے  
کہ یہ وزن دار کرہ روحانی اثر کو روکنے اور اس میں نخل ہونیکے ناقابل ہے۔ ہماری شہادت کیسی  
ہی عجیب اور نئی ہو فضا کے بارہ میں درست اس سے زیادہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ قہا کی حدود  
بڑاں ہو۔ نہ پر روحانی تصور سے انتہا وسیع ہو جاتا ہے۔

غرض نہ کورہ بالا بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک روح اپنی معلومات دوسری روح پر خواہ  
کتنے ہی فاصلہ پر ہر ظاہر کر سکتی ہے اور اس وقت معلوم کر نیوالی روح کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ان  
واقعات کو خود دیکھ رہی ہے اور نیز جیسا کہ سطر صائیں میں بیان کرتے ہیں (اقتباس بحث ملائکہ)  
اور اوج مجرہ ہی ممکن ہے کہ ایسا نظر ظاہر کرے کہ ایسا اثر اسی وقت ظاہر ہوتا دیکھا گیا ہے جبکہ خواہ  
بہوشی اوجہ وغیرہ کے سبب ہر عامل معمول یک گونہ بخود کی حیثیت میں ہوں اور ہر جسم کو ایک  
طرح کا انقطاع حاصل ہو گیا ہو پس روح محسوسہ اگر موجود ہیں تو جسمانیات سے بالکل پاک ہونے کی  
وجہ سے وہ بطریق اولیٰ اور نہایت قوت سے کیسا فہم ایسا اثر پیدا کر سکتی ہیں۔

معراج کی ایک تہجیہ

اب ہم معراج کی کیفیت کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صاحب معراج رسلات اللہ علیہ السلام  
دنیا اور علاقہ دنیا سے الگ گوشہ عزلت میں بسر کرتے رہے ہیں اور ہمیشہ کئی کئی دن تک پہاڑ کی  
غاروں میں رہ کر قدرت کی نیرنگیوں کو دیکھتے رہے ہیں اور اس طرح روح میں صفائی اور سختگی پیدا  
ہونے پر وہ جلوہ معرفت نظر آیا ہے جس کو وحی کہتے ہیں اور معلوم ہوا ہے کہ دن بخیر میں جس حسینہ کو  
تلاش کر رہا تھا وہ یہی نور ہے۔ اب وہ اس نور کے نظارے میں ہنسا ہنسا بات کرتے ہیں تو اسی کے متعلق  
اور غور کرتے ہیں تو اسی کی نسبت۔ اور اب موافق اور مخالف آوازوں کا پیدا ہونا ایک ظاہری سبب  
ہو گیا ہے جو توجہ اور اہتمام کو اور بھی بڑھا رہا ہے۔ اور اس طرح ایک خیال میں رہتے ہوئے ایک وقت وہ  
محمیت اور بخود ہی پیدا ہو جاتی ہے جس کو اہل علم روحانی انکشاف کی شرط ٹھہراتے ہیں اور اس وقت  
نہ صرف مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس بلکہ زمین و آسمان کا ہر ایک گوشہ ان کے سامنے ایک آئینہ  
ہو جاتا ہے مگر چونکہ یہ خواب نہیں ہے بلکہ ایک پاکیزہ خیال میں محور جو حساب انبیاء کا اثر ہے اس لیے بجا  
طور پر کہا جاتا ہے کہ جو کچھ دیکھا یا سنی میں دیکھا اور چونکہ اس حال میں جسمانی تعلقات سے کمال  
یکسوئی حاصل ہو گئی ہے اس حال کو ظاہر کرنے کیلئے لفظ رویا سے موزوں تر اور کوئی لفظ نہیں۔

جو رویا ہے تم کو دکھایا ہے وہ لوگوں کیلئے  
ایک آزمائش ہے

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا  
فِتْنَةً لِلنَّاسِ ط (اسراء پارہ ۱۵ ع ۷۱)



غرض وہ پاکیزہ روح عالم بالا کی سیر کرتی ہے اور ملائکہ نوریہ اور ارواح انبیاء سے ملاتی ہوتی ہوئی وہ اسرار و عجائبات ملاحظہ کرتی ہے جو جسمانی آنکھ اور جسمانی تعقل سے بالاتر ہیں پس اگر روحانی انکشاف کی حقیقت محض ہی قادر ہے جو اس وقت تک اہل علم کے تجربے میں آنچکی ہے یعنی یہ کہ انسان روحانی قوت سے محض ہی معلومات حاصل کر سکتا ہے جو کسی دوسری روح کو پہلے معلوم ہوں اور ان دو نور و حور کے مابین کوئی تعلق ہو تو اس خیال کو یقینی قانون مانکر بھی حیرت و حجاب کا انکشاف قابل تعجب نہیں کیونکہ جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے ایک شاکل جسم میں تبدیل ہونے والی روح اور محسوس و قدوس و مظہرات خداوندی مابین لطافت و کثافت کا تفاوت ہونے کی سبب تعلق پیدا ہونے کے لئے ملائکہ کی مساطت ضروری ہے اور اس طرح سلسلہ وحی کے شروع ہونے پر صاحب معراج کا روح الامین سے قلبی تعلق پیدا ہونا ظاہر ہے اور معراج کی کیفیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام مکشافات میں جبریل امین کا رسول خدا کیساتھ رہنا بیان ہوا ہے اور انکی مفارقت آنی وقت بیان کی گئی ہے جو جبکہ تصورات باری کی جوہریت و غایت کو پہنچ کر وہ نور کے کیف سے واسطہ ملوہ گرا ہوا ہے پس عالم بالا اور ارواح انبیاء کا نظارہ جو رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بے مساطت حواس ظاہری حاصل ہوا ہے اگر اس کے لئے کسی اور جاننے والی روح کا تعلق ضروری ہو تو اس وقت وہ حشر ثانی روح الامین کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

مگر انسان کیا اور انسانی تجربہ کیا؟ جسکی بنا پر معرفت کے انکشاف کو کسی قانون میں محدود کیا جائے وہ یقیناً جسمانی تعقل سے یا ہر اور انسانی تجربہ سے بالاتر ہے اور اس کے حقیقی قوانین اگر معلوم ہو سکتے ہیں تو انہی قلوب مصفا کو جو اس میدان کے مشہور ہیں۔ مگر تاہم جسمانی تعقل سے دیکھتے ہوئے کبھی ایسی صراغ اور اس کے چلتا ہے۔

جو اس کے بغیر حالات دریافت کر لینے ایک روحانی فعل ہے مگر روح کا جسم اور حیاتیات پر اثر کرنے کا بھی کئی طرح سے ثابت ہوا ہے اور اس کے متعلق قاعدہ یہ دریافت ہوا ہے کہ اپنے خیال کا یا بغیر کے خیال کا اثر روح پر ہوتا ہے اور روح کا اثر جسم تک پہنچتا ہے اور یہ اثر تین طرح سے ظاہر ہوتا

معراج متعلق ہی ہے  
وہ بھی پتہ چلتا ہے

روح کا اثر  
جسم پر

روحانی اثر جو جسم میں  
تغیر پیدا کرتا ہے۔

معلوم ہوا ہے۔ (۱) روحانی اثر جسے جسم میں کچھ تغیر پیدا ہوتا ہے (۲) روحانی اثر سے دوسرے  
 شخص کے جسم کو ارادی حرکت دی جاتی ہے اور (۳) روحانی اثر سے اجسام بے ارادہ متحرک ہوتے ہیں  
 روحانی اثر جسے جسم میں تغیر پیدا کر نیکیے لہذا روحانی طاقت جو حمل میں حالت و پیدا کی  
 جاتی ہے اور اس حالت میں امراض کا علاج کیا جاتا ہے اور کئی طرح کے عارضی و درمیانی پیدا کرتے ہیں  
 ہیں اور اس وقت عامل کا اثر معمول پر اس قدر ہوتا ہے کہ اگر کسی کو کچھ کو تپ ہو تو فوراً جسم  
 گرم ہو جاتا ہے بغض تیز ہو جاتی ہے اور تھرمامیٹر دکھایا جائے تو تپ کا پتہ دیتا ہے اور پھر کہا جاسکے  
 کہ بخار نہیں ہے تو معمول فوراً اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے۔ اور امریکا میں جرمائنڈل کیو سکا یعنی  
 علاج قلبی کے نام سے ایک نیا طریقہ معالجہ دریافت ہوا ہے پر فیسر ولیم جیمس اسکے متعلق بہت تفصیل  
 سے ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ بہت سی امراض جو جسمانی علاج سے دور نہیں ہو سکتی اس علاج کو  
 رفع ہو گئے ہیں۔ اس علاج کے حامی یقین کہتے ہیں کہ تمام جسمانی عوامل انسان کے قلبی تغیر سے پیدا  
 ہوتے ہیں اور خواہ یہ خیال غلط ہو مگر اس یقین کی بدولت علاج کرنے والا اپنے دل میں خیال جاتا ہے  
 کہ مرض موجود نہیں ہے اور بعض اوقات خود مریض کو ایسا یقین کر دیا جاتا ہے اور اس طرح معالج اور  
 مریض کے روحانی اثر سے مرض ناکل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ بزرگوں کے تبرکات و علاج  
 اعتقادی کے نام سے جسم و جسمانیات کو معدوم فرض کر کے کہ سمجھیں یا نفس کے نام سے۔ اور راج مجرہ  
 کا اثر بالکریسٹرم کے نام سے اور توجہ کے وقت ایک خاص ماوسے کا معالج کے جسم کو کلنا و فرض کے  
 سمرزم کے نام سے جس قدر علاج کے طریق ایجاد ہو سکے ہیں ۱۰ اور کام میں لائے جاسکے ہیں ان  
 سب میں امر مشترک وہی روحانی اثر ہے جو کسی شخص پر عقیدہ پر مشتمل ہو کہ جسم پاک ہو چکا یا جاتا ہے۔ بلکہ خود  
 جسمانی علاج میں ہی دیکھا جاتا ہے کہ جس کو ایسا جبرطیبیب پر مریض کو اعتماد ہوتا ہے اس کے متحمل معالج  
 سے نسبت اور دواؤں یا طبیبوں کے جلدی صحت ہوتی ہے اور ایسے وقت میں خاک کی چٹکی بھی

+ لا آت دیانچیں ایکسپلویٹیں باب ہلنکی مائنڈ نہیں

+ لا آت سائیکلک فینامتا باب یازدہم صفحہ ۱

اکسیر کا حکم رکھتی ہے چنانچہ مسٹر ہڈسن ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص کی زبان پر نالی گرا  
وہ ڈاکٹر کے پاس گیا جس نے اس مرض کی دیکھ کر ایک اپنا نوایا ڈاکٹر استعمال کر دیا اور وہ کیا گروس آلہ کو  
استعمال کر کے پھر مرض کی حرارت دریافت کر کے لٹریٹس کے منہ میں پھر دیا مگر کچھ نہیں سمجھا کہ  
نوایا ڈاکٹر ہی ہے چنانچہ چند منٹ میں وہ چلا اٹھا کہ میری زبان بالکل درست ہو گئی۔ بلکہ دیکھا گیا ہے کہ  
نیز اور یقینی دوا نہیں مثلاً مسہلات ہی مخالف یقین پیدا ہونے پر بالکل اثر نہیں کرتیں یا کم کرتی ہیں غرض  
جسمانی علاج میں بھی روحانی اثر کا بہت کچھ داخل ہے علیٰ انہذا اسی اثر سے عارض پیدا کرنے کی مثالیں  
ہی کثرت سی پائی گئی ہیں مثلاً مسٹر ہڈسن لکھتے ہیں کہ ایم ایم بادو نے ایک نوجوان علاج کو  
بے غور کیا اور اس حال میں اس کو خیال دلوایا کہ آج شام کو چار بجے تم میرے دفتر میں آؤ گے مگر یہی  
پریشان ہو گئے اور اپنے بازو چھاتی پر صلیبی شکل میں رکھ لو گے اور اس وقت تمہاری نگہیں بھڑکے گی چنانچہ  
میں وقت پر یہی واقعہ ہوا اور اس کے بائیں ہاتھ سے کوئی قطرے خون کے نکلے اور ایک اور  
موقع پر ہی ڈاکٹر نے ایک مرض کے دو نوایا ڈاکٹر کی آلہ کے گندہ سر سے اس کا نام لکھا اور پھر غور  
کر کے کہا کہ آج شام کو چار بجے تم سر جیٹو گے اور جو خط میں تمہاری بازو دوں پر لکھے ہیں ان سے خون نکلے گا  
اور تمہارا نام خونی حروف میں لکھا جائیگا۔ چار بج کر دیکھا گیا تو وہ بے غور سو رہا تھا اور اس کے ایک بازو  
پر چھیلے سرخ حروف تھے اور اکثر جگہ خون کے قطرے نمایاں تھے اور یہ حروف بعد میں تین مہینے تک  
قائم رہے گورفتہ رفتہ ماند پڑتے گئے۔ مگر ڈاکٹر نے ہنس کر یہ قول بالکل بجا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے  
واقعات گاہ گاہ پیش آتے ہیں اور خاص روحانی طاقت اور خیالی قوت سے جو ایسا اثر کر سکتی ہے  
اور مرض ایک طرف خیال کے اثر سے جو روح پر ہوتا ہے اور روح کے عمل سے جو وہ جسم پر کرتی  
ہے انسان کو ایسا بے حس کیا جاسکتا ہے کہ وہ مردہ معلوم ہوتا ہے اور اگر اس اثر کو زائل نہ کیا جاتا  
تو آخر جاتا ہے مسٹر ہڈسن اس ضمن میں پر ایک باب کا عنوان قائم کر کے اور کاملیت بشر کی

روحانی اثر سے مردہ  
جسے ایسا کیا جاتا  
سکتا ہے۔

۴۔ لائف سائنسز کا فینا منا باب یازدہم صفحہ ۱۲۷ تا ۱۲۹

۵۔ کتاب قرآن یاب یازدہم صفحہ ۱۵۰

بہت سی مثالیں دیکھتے ہیں ۴

کیسے ٹکسپی اپنی اختفا و زسیت کی چار صورتیں ہیں جن میں مختلف اسباب اس نظر کی شرط یعنی خیالی اثر کو پیدا کرتے ہیں (۱) بچہ کو کہے کہ میرا خیال دلو ان سے (۲) متعدی اختفا و زسیت (۳) خود پیدا کردہ (۴) وہ اختفا و زسیت جو عرض یا اعصابی تکان سے پیدا ہوتی ہے اور ان میں سے پہلی تین صورتوں میں تخیل ہی اختفا و زسیت پیدا کرتا تو ہی سبب ہو اور تخیل پہلی صورت میں اس عامل کی طرف سے آتا ہے جو تجربہ کرنے کیلئے غریب حالت پیدا کرتا ہے اور دوسری صورت میں دیگر کالیت اشخاص کو دیکھ کر انسان کا اپنا تخیل پیدا ہو کر تپا ہے اور ایسی حالتوں میں ممکن ہے کہ اختفا و زسیت تمام اس پاس کے لوگوں پر طاری ہو جائے جس طرح متعدی جنون اور حال کیلئے کی حالت یا دیگر اعصابی تکلیفیں ایک سے دوسرے کو دیکھ کر پیدا ہو جاتی ہیں کہ کیا تا ہے کہ چونکہ یہ حالت پیدا ہو کر تپا سبب محض نقل کرنا یا نقل کا ارادہ کر لے کر یہ فاش قطعی ہے اور حقیقت ان میں ہی اسکا سبب وہی تخیل کی قوت ہے جو یعنی ہڈی سے پیدا ہوا یہ حالت انکی دہر جاوے پس یہ خوف کا خیال قوی ہو کر ان کو جیس کر دیتا ہے اور تیسری صورت میں اپنا خیال جانے سے یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ ہندوستانی فقیروں کے تجربوں میں بیان ہو چکا ہے۔ ان اوقات میں شرط وہی ہے کہ ان کے خیال میں حالت بخود ہی جو محض بارہ طرز عمل سے خود بخود پیدا ہو جاتی ہے اور ان لوگوں کو ابھی طرح معلوم ہے جنہوں نے اہل شرق کے مشق کردہ حالت کا غور سے مطالعہ کیا ہے

روح کے جسم پر اثر کر نیکی دوسری صورت یہ کہ انسان خود اپنا ارادہ و حرکت کرنا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں اسکی حرکت کر نیوالے کی قوت و ہوتی ہے مسٹر ایف ڈبلیو ایچ مائٹس اپنی تجربوں میں جو انہوں نے ڈاکٹر اسے ٹی مائٹس کی رفاقت میں کئے ہیں لکھتے ہیں ۵

ہے ۲۲ اپریل ۱۸۸۷ء کی شام کو ڈاکٹر گبروٹ کے ساتھ کہا نا کہا یا اور اس شام کو ڈاکٹر موصوف نے

۴ کتاب آلات سائیکک فیضنا باب ۲۱ صفحہ ۳۱۵

۵ کتاب ہیومین پرنسپل فیضنا باب ۲۱ صفحہ ۳۸۲

روحانی اثر سے جسم  
ارادی حرکت پیدا ہوتا ہے

ایک سا دھند اور کوشش کی کہ میڈیم بی کو لٹکے اپنے گھر پر ڈاکٹر کے گھر سے فاصلہ پر تھا۔ بخود کریں اور اپنے  
 روحانی جذبہ سے انکو بلائیں چنانچہ آٹھ بجے کے چھین منٹ پر ڈاکٹر موصوف اپنی مطالعہ کے کمرہ میں چلے گئے  
 اور شش چٹ اور اسے ٹی مائٹس وغیرہ تمام پین لیں کو گئے (جہاں میڈیم بی رہتی تھیں) اور مکان  
 سے کچھ فاصلہ پر ٹھیکر کا انتظار کرنا شروع کیا۔ نو بج کے بائیس منٹ پر ڈاکٹر مائٹس نے میڈیم بی  
 کو دیکھا کہ وہ باغ کے پہاڑ سے نکلیں اور پیرواں چلی گئیں جن لوگوں نے ان کو پاس سے دیکھا وہ کہتے  
 ہیں کہ وہ بالکل بخودی کے عالم میں تھیں اور شکایتی ہوئی چلتی تھیں اور کچھ بڑبڑاتی جاتی تھیں۔ نو بجکر  
 پچیس منٹ پر وہ پہر نکلیں اور اس وقت دور سے انکی آنکھیں بند معلوم ہوتی تھیں چنانچہ وہ چلیں  
 اور جلدی سے پیرواں چٹ اور مائٹس کے پاس کو گئے گئیں اور ان کو چاہا تاہنیں اور ڈاکٹر آٹ  
 کے گھر کا راستہ لیا۔ مگر وہ رستہ لیا جو معمولی اور سب سے قریب تھا (یہ بعد کو معلوم ہوا کہ انکی خواہش تھی  
 انکو دیکھا تھا کہ وہ آٹھ بجے تک بیتا لیں منٹ پر اپنے کمرہ میں گئیں اور وہاں سے نو بج کے پندرہ منٹ  
 پر بخودی کے عالم میں باہر نکلیں اور اس عرصہ کے بائیں انکو خاموشی تھی وہ دیکھا۔ یہ انکا معمول تھا  
 کہ دن کا کام ختم کر کے شام کو اپنے کمرہ میں چلی جایا کرتی تھیں) وہ لائٹیں کے کیموں سے اور کادریوں وغیرہ  
 سے بچا لگتی تھیں مگر ٹیک کو (دعوت میں) بار بار غور کرتی تھیں۔ اس حالت میں کوئی شخص انکو سامنے  
 نہیں ہوا اور وہ ان سے بات کی۔ آٹھ یا اسی منٹ کے بعد انکی قضا میں زیادہ متذنب پیدا ہوا اور  
 ٹھیکر گئیں۔ مگر یا گئے لگی ہیں۔ ڈاکٹر مائٹس نے دیکھا تو اس وقت نو پینتیس منٹ تھے اور نو بجکر  
 چالیس منٹ پر وہ پہر پہل گئیں اور نو بج کے بیتا لیں منٹ پر اس مشکل پر گئیں جو ڈاکٹر گھر ٹ  
 کے گھر کے سامنے ہے یہاں وہ ڈاکٹر گئیں مگر چاہا تاہنیں اور گھر کے اندر چلی گئیں۔ یہاں پہنچکر  
 جلدی جلدی حصہ تیریں کے کمروں میں پہرنا شروع کیا۔ جب ڈاکٹر نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا تو چاہا  
 اور قرار پکڑا۔

ڈاکٹر گروٹ نے بیان کیا کہ آٹھ بجے منٹ سے نو پینتیس تک انہوں نے میڈیم کا پر خیال کرنا  
 میں پچیس منٹ تک کم توہی اور پچیس منٹ پر خیال بالکل جوڑ دیا اور ٹھیکر دیکھ لیا شروع کر دیا

لیکن چند منٹ میں پیرانگی طرف متوجہ ہو گئے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ بلیر ٹرک کیلئے کا وقت اور ٹیڈم کے  
بھٹکنے کا وقت ایک ہی تھا۔ مگر شاید وقت کا اتحاد اتفاقی ہو گیا۔

آگے سٹر ماسٹس لکھتے ہیں کہ ”اس قسم کے پچیس پتھر بون میں سے انیس میں کامیابی ہوئی اور اس  
قسم کے تجربے دن کے مختلف اوقات میں اور مختلف زمانوں میں کئے گئے ہیں تاہم نہ گمان ہو کہ ایک  
دہر میں لگے ہوئے ہو اسلئے ایسا نظر آیا۔“

اس واقعے میں روحانی طاقت ہر انسان کو حرکت دینے سے پہلے بتا دیا گیا ہے مگر ایک دفعہ  
سٹر ہڈسن نے کہا ہے جو ٹروٹن کے ساتھ گذرا اور جیس میں مہمراں کو پہنچا دیا نہیں کیا گیا وہ کچھ عجیب  
ایک دفعہ ہٹنے ایک نوجوان جرنیل کا ایک میڈیم پینے حاضرت کرنیوالی کے سامنے بھاڑا کیسیٹ کی تحریک کا  
تجزیہ کیا اور قرار دیا کہ جرنیل میڈیم سے چپکا کر چھ خطا اپنے غائب دوستوں کے نام لکھے اور ان کا غور  
کو لپیٹ کر میز پر اپنے سامنے رکھ لے پھر دو سیٹوں کو دہر کر ایک دوسری کے اوپر رکھ لیا جائے اور  
پچ میں ایک پنسل رکھ دیں اور اس پنڈل کو اس پر رکھ کر جرنیل اور ٹیڈم اپنا ہاتھ اسپر رکھیں اور  
کاغذ دن کو اور سیٹ کو دیکھتے رہیں۔ تاکہ سیٹ پر میڈیم کہ خود دیکھنے اور دھوکے سے لکھنے کا موقع نہ ملے  
چنانچہ دن کی روشنی میں یہ عمل کیا گیا۔ اور جرنیل اور سٹر ہڈسن نے سیٹوں کے اندر پنسل طے کی آواز  
سنی اور آٹھ منٹ میں خط پہنچنے کی آواز پیغام ختم ہونے کی علامت تھی۔ چنانچہ جرنیل خود سیٹوں کو کوہلو کر  
دیکھتا رہا اور ہر دفعہ اپنے دوستوں کی طرف سے جواب موجود پائے۔“

ان واقعات کی تفصیل دیکھ سٹر ہڈسن اس امر کا ثبوت ہی نکالے تھے کہ اس وقت پیغام دینے والی  
اور لکھنے والی کوئی خارجی اور بے جسم موج نہ تھی بلکہ خود میڈیم انکشاف قلبی سے جواب دیتی تھی اور روحانی  
طاقت سے پنسل کو حرکت دیتی تھی۔ مگر اس واقعہ میں جو امر موجودہ مضمون کے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ  
جب خط لکھ کر میز پر رکھ دیں تو سٹر ہڈسن کمرہ کے باہر تھے۔ میڈیم نے ان کو بلایا اور کہا کہ  
ایک چٹی ایسی روح کے نام سے جو تمہاری ہی دوست ہو اور وہ چاہتی ہے کہ اس کے جواب دینے کے وقت تم  
کمرہ میں موجود ہو۔ کیا تم جی نامی کسی شخص کو جانتے ہو؟ سٹر ہڈسن لکھتے ہیں کہ ”مجھے تو

اس نام کا کوئی دوست یاد نہ تھا اس لیے کہ یہ اس شخص کا عیسوی نام تھا اور میں اس کے صرف خانوانی نام سے واقف تھا۔ حالانکہ وہ حقیقت میں میرا دوست اور جیل کا بھائی تھا۔ میڈیم نے ایک نیل می اور کہا اس سے ان چھ کاغذوں میں سے جس کو چاہوں کر دوا دیر کر دوں کہ وہ خط جی کے نام ہو گا۔ چنانچہ دیکھا تو میں بہت متحیر ہو لگا ابھی تک گمان تھا کہ میرا خاص جی کے خط کو اس کرنا شاید اتفاقی ہو۔ میڈیم نے کہا کہ خطوں کو پھر ملا دو اور پھر انکل سے ایک چٹی کو اس کر دو۔ ایم کے نام ہو گی۔ چنانچہ تین دوا ایسا اتفاق ہوا اور ہر دفعہ میرا تہہ جو نظام میں میرے ارادہ سے حرکت کرتا تھا۔ میڈیم کے روحانی اثر سے خاص اسی خط کی طرف جاتا تھا جس کا نشان بتایا جاتا تھا۔ اور میں اس وقت پورے ہوش و بوجھ میں تھا اور کوئی دماغی یا جسمانی تغیر مجھے محسوس ہوتا تھا۔

جسم پر اثر کرنے کی تیسری صورت یہ کہ خود بخود حرکت کرے اور ارادہ کو دخل نہ ہو چنانچہ ایک ادنی مثال مشہور ٹرسن کا مذکورہ بالا واقعہ ہے جس میں انہوں نے پنسلون کو اپنے سامنے حرکت کرتے ہوئے سنا اور جواب لکھتے ہوئے دیکھے اور ایک دلچسپ واقعہ مشہور ٹرسن نے خود دیکھنے والی صورت کو قلم سے نقل کیا ہے اور اس کے متعلق اس گہر والون کی تحریر میں شہادت ثبت کی ہے چنانچہ وہ فرانسس لیدل نام ایک عورت کا واقعہ لکھتے ہیں۔ وہ بیان کرتی ہو کہ :

لیڈی والڈنگ کی ایک خادمہ ہیلین الگنڈ نامی مائی فائڈلر بخار میں مبتلا تھی اور میں اسکی تیمارداری تھی۔ ایک دن رات کے چار بجے (۴ اکتوبر ۱۸۸۷ء میں) اسکے پاس میز پر اسکی دوائی بناری تھی کہ میں نے اسکی گھٹی سمجھی تھی۔ جو اسی ہفتہ میں دو دفعہ پہلے ہی رات کو گھٹی میں چکی تھی۔ اور پھر پہلے دیکھا کہ وہ کا دروازہ کھلا اور ایک عورت اندر داخل ہوئی۔ جسکی نسبت مجھ پر خود بخود خیال ہوا کہ یہ مرلیفہ کی والدہ ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک پتیل کا شمع دیاں تھا۔ ایک شال کتہ۔ جسے پر پڑی تھی اور ایک فلائین کا چھڑا کوٹ پہنے ہوئے تھی جس میں سامنے ایک سوراخ تھا۔ بیٹھے اسے خوشی کی نظر سے دیکھا کہ اچھا ہوا تم آگئیں اسنے ایسے انداز سے دیکھا گویا کہ تھی ہے کہ مجھے پہلے کیوں نہ خبر کی۔ بیٹھے مرلیفہ کو دوا پلائی اور پھر دیکھا کہ کوئی نہ تھا۔ نظر آنے والی ایک پستہ قد سیاقا ہم اور مضبوط عورت تھی۔ صبح چھ بجے ہیلین الگنڈ نامی گئی

مائی اثر سے  
کا بے ارادہ  
رکت ہوتا۔

دورن بعد اسکے والدین اور ہمشیرہ (جو کسی بستی میں رہتے ہوئے آئے) اور میں نہایت متعجب ہوئی جب میں نے دیکھا کہ انکی والدہ کی عینہ وہی شکل ہے جو میری ماہرہ نے دورن پہلے دیکھی تھی۔ میں نے انکی ہمشیرہ کو رات کا واقعہ اور آئینہ والی کا سامان بتایا۔ اس نے تصدیق کی کہ واقعہ میں والدہ کا رات کا لباس بھی ہوتا ہے اور یہ کہ ہمارے گھر میں ایک ایسی قسم کا شہدائی بھی ہے۔ منجیالی لڑکی اور اسکی والدہ کی شکل میں کوئی مشابہت نہ تھی۔“

مالک نے کان مفصل شہادت دیتی ہے کہ دیکھنے والی نے والدہ کے آئینے پہلے یہ واقعہ بیان کیا تھا اور لکھتی ہے کہ ”جو حلیہ اس نے بیان کیا تھا اس سے میں نے بھی دیکھتے ہی اُس عورت کو پہچان لیا اور یہ کہ سر لیڈل منتر ہم مزاج کی عورت نہیں اور اسکو اس کے سوا کوئی عجیب واقعہ پیش نہیں آیا۔“

سٹر ہاٹس اسکو یوں حل کرتے ہیں کہ ”والدہ نے جو بیٹی کی نسبت متفکر تھی خواب میں اسکو دیکھا ہے مگر خواب یا نہیں رہا۔ اس کے خیال نے جسمانی صورت اختیار کی اور اتفاق سے ایک ایسا شخص بھی بیٹی کے کمرہ میں موجود تھا جس پر خیال اثر کر کے چنانچہ اس نے اُسے دیکھا اور ممکن ہے کہ مرضی نے بھی خواب میں یا بیداری میں اسکو دیکھا ہو۔ مگر اس کے جلدی مرنے کے سبب سے معلوم نہ ہو سکا۔“

اس واقعہ میں موجودہ مضمون کے متعلق دروازہ کھلے کا تجربہ ہے جو خیالی طاقت سے پیدا ہوا اور اسکو علاوہ میں نے کوہانا۔ باجی بجانا۔ دور کی چیزیں لانا اور خود انسان کے جسم کو حرکت دینا اور بلند کرنا اس قسم کے واقعات کثرت سے مروی ہیں۔ سٹر لیڈل بیٹ لکھتے ہیں: ”میرے پاس کئی رنجت خطا سرطان و جدی کی ورمیانی سسر میں سے لڑ گئے اور باغ میں لگائے گئے اور دیکھتے ہیں ایک پروا توئل میں بیٹی اور پانی ڈال کر لگا گیا جو رفتہ رفتہ بڑا اور پھول لایا اور میں مہینہ بعد آب و ہوا کے اختلاف سے مرنے لگا۔“

اس طاقت کا انکار  
اور اسکی وجہ

گران مناظر کا ثبوت نامکمل ہر گاہ اگر ان سے انکار کر دیا تو ان کی رہا اور ان کے کات لال کی قوت کو نہ دیکھا جائے۔ اور اگر اس کے پیٹ میں رکھ کر زمین آسمان کے وجود سے انکار کر دیا جائے تو بہت ملین گے مگر جس اتفاق سے سٹر لیڈل جو اس ایک ایسے شخص کی تحریر دیکھتے ہیں انی جو مناظر جانی



کو تلاش کرنیوالی سوسائٹی کے سرگرم ممبر ہیں اور بہت مدت تک تحقیقات کو نیکیے بعد وہ اکثر نتائج میں اپنے رفیقوں سے اختلاف کرتے ہیں اور یہاں تک محتاط مزاج رکھتے ہیں کہ دوسرے کے کسی وجہ نہیں پاسنے مگر دوسرے کے یقین کر لیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ ۴۱

”مجموعہ میں کہہ دین نہ کہ میں معمول سے بالاتر طاقت کا اعتراف کریں۔ مگر یہ کہنا آسان ہے کہ حضرات کو نیا میں دھوکا دینے کی معمول سے زیادہ طاقت ہے بہ نسبت اس کے کہ معمول سے زیادہ روحانی طاقت کا اعتراف کریں“

پس ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اس قدر احتیاط کے وہ کہاں تک تسلیم کرتے ہیں اور کس جگہ کس بنا پر انکار کرتے ہیں اور اس ضمن میں تیسری قسم کے حرکت کے واقعات ہی انہی کے قلم سے بیان ہوتے ہیں پہلی قسم کا اثر یعنی روحانی طور پر جسم میں عوارض پیدا کرنے کی طاقت کو اور نیز دوسری قسم کے اثر یعنی دوسرے شخص کی حیوانی حرکت کو جو بظاہر اپنے ارادہ سے ہوا اور اصل میں کسی عامل کی قوت کا اثر ہو رہا ہو پڑی حد تک تسلیم کرتے ہیں مثلاً ہڈی ٹوٹنے یعنی حاضراتی اثر کی نسبت لکھتے ہیں کہ ۴۲

”حاضراتی پیروی کے اندر معمول اپنی اعصابی تنقیدی اور وریدی نظام پر اور بالعموم تمام حیوانی قوتوں پر ایسا تصرف حاصل کر لیتا ہے جو حالت بیداری میں نہیں ہوتا۔ اور جسم کے کسی خاص حصہ کی یا تمام جسم کی ہر قسم کی اس بارے کے احساس کو یا کھل ممد و کمزور کر دینا ہڈی ٹوٹنے کا عام خاصہ ہے اور اسی طرح خیال کے اثر سے خوفناک امراض کو روکا جاسکتا ہے اور صحت پیدا کی جاسکتی ہے اور بہت ہی قریبی مستقبل کی شہادت سے معلوم ہوا ہے کہ اعلیٰ درجہ کے حاضراتی اثر میں اور نیز ہسٹیلیر یا ایک اعصابی تغیر جس کے اسباب معلوم نہیں ہو سکے) کے مریضوں میں قوت تخیل مصنوعی درو مصنوعی بلغم اور دیگر قسم کی گہری امراض کی کیفیتیں پیدا کر سکتی ہے“

آگے چل کر حرکت کرنے کی نسبت لکھتے ہیں کہ ۴۳

۴۴ کتاب سسٹم فرانزکسکیک سسٹم چارم باب چہارم صفحہ ۱۰۹

۴۵ کتاب نرا باب ۱۵ صفحہ ۲۸۵

۴۶ کتاب نرا باب ۱۵ صفحہ ۲۹۶

عام طور پر ایک متعاد حاضرات کو اگر بخود کی کجیالت میں کہا جائے کہ حالت بیداری میں فلان کام کیجیو تو وہ کام نہ وہ کیا ہی نہیں کیا نیز اور حقیر ہو وہ نہایت حیرانت سے کہو کیا لا ینگا۔ بنجار تحقیق اگر فلان کے مسئلہ کو گہنی سند نہایت احتیاط سے وہ شرطین دریافت کی ہیں جن سے اس پر افعال بجا لانے جاتے ہیں اور انہوں نے ثابت کیا ہے کہ جو وقت معمول حاضرات اپنی معمولی حالت بیداری میں ہو وہ حکم کو بجا لاگا اگر وہ نہیں جانتا کہ یہ کام کرنے کی وجہ کیا ہے اور بعد میں ممکن ہے کہ اس کو اس کام کا ارتکاب یاد رہے۔ اور یہ بھی اکثر واقع ہوا ہے کہ اس کام کو بجا لانے کے وقت معمول ایک طرح کی بخود میں ہوتا ہے جو اگر ہپنٹنوم کی حالت نہیں ہر تو اس سے مشابہ ضرور ہو۔ اور یہ بھی ثابت کیا جاسکتا ہے کہ اس فاصلے کے اندر جو حکم دینے اور بعد از بیداری حکم بجا لانے کے درمیان ہے (اور یہ فاصلہ منٹوں سے لیکر دہائیوں تک کا ہو سکتا ہے) اسی وقت حافظ میں اس کام کی یادداشت بالکل نہیں ہوتی۔ البتہ نہیں اس قسم کا انتقال ایسا ہوتا ہے جو مقرر کردہ نشان یا معین کردہ تاریخ اور وقت کا انتظار کرتا رہا ہے مثلاً کسی معمول کو کھرا یا جانے کے مسئلہ کو گہنی کے چھ دفعہ کہانے کے بعد وہ فلان شمع کو جلائے تو بیدار ہو چیکے بعد اس کو وہ حکم بالکل یاد نہ ہو گا اور بظاہر وہ پورے طور پر اپنی معمولی حالت میں ہو گا مگر چھٹی دفعہ کہانے کے بعد وہ فوراً اٹھ بیگا اور بتی کو جلا دینگا اور اگر چار دفعہ کہانے کے بعد اس سے اس حکم کے متعلق کوئی سوال کیا جائے تو وہ یہ بھی نہ بتا سکیگا کہ وہ کتنی دفعہ کہانے میں۔ لیکن اگر بخود کر کے یا پکلیں چٹ (ایک قسم کی تپائی جو حاضراتی جواب دینے کیلئے استعمال کی جاتی ہے) کے ذریعہ پوچھا جائے تو وہ اس حکم کے متعلق سب کچھ بتا دینگا۔ اس طرح اگر کہا جائے کہ ایک ستون میں گڈرنے کے بعد فلان کام کر لگا تو اگر بیدار ہی ایسا نہ ہو گا۔ اس کے متعلق کچھ ہی معلوم نہ ہو گا لیکن دیکھائی ہو گی۔ بخود کر کے پوچھا جائے تو جیسے دن گذرے جیسے دن انکی قرب اور تباہ لیا۔

نوعی رومانائی قوت سے اس قدر اثر کا پیدا ہونا اور ہم کا حرکت کرنا مشرب و کدو کا اب جو واقعات کے ارادہ حرکت کر چیکے مروی ہیں ان میں سے جو مشرب و کدو کے نزدیک قابل اور التفات ہو چکی عزت کہتے ہیں انکو اور مشرب و کدو کی تختہ چینی کو دیکھا جاتا ہے پناخوہ کہتے ہیں \*

نیز کی حرکتیں

کونٹ ایم دی گاسپرین اور ان کے دوست پروفیسر تھمر نے ۱۸۵۳ء کی موزم خان میں روحانی طاقت می نیز اور دیگر بیماری چیزوں کی حرکت میں ہونے کے تجربے کئے۔ ان میں ایک صورت تو یہ تھی کہ چن آؤں جن میں بدو تو بھی شامل تھے نیز کے گرد بیٹھ جاتے تھے اور نیز پر ہاتھ رکھ کر روحانی توجہ سے اسکو حرکت دیتے تھے۔ ان میں سے ایک دفعہ چر حرکت واقع ہوئی جو چار صبح کا عشاء بری ستائیس کیلوگرام کی طاقت ثابت کرتی تھی۔ اسکو حاضرین تقسیم کر کے ہر ایک شخص کی طرف سے تقریباً ڈیڑھ پونڈ طاقت خرچ ہوئی۔ مگر چونکہ ہاتھ کا انفصال تھا اس لئے نتیجہ بے مافیہ تھا کی بجائے مافیہ انفصال کے حرکت دینی چاہی اور ہمیں بھی کامیابی ہوئی۔ چنانچہ ایک میز پر آٹھ چکر کرنا کسی کا انتہہ لگے تو معلوم ہو سکے سب لوگ اس کے گرد بیٹھ گئے اور دیکھا کہ روحانی طاقت می نیز چکر کھانے لگی اور وہ میز سے قدر و زنی تھی کہ انگلی ہاتھ یا چھاتی کے سہارے سے گول حرکت نہیں کر سکتی تھی اور پروفیسر تھمری دیکھتے رہے میں کہ کوئی شخص پاؤں سے بھی اسکو حرکت نہ دے۔

اس واقعہ میں سٹریٹ مورسب احتیاطوں کو مانکر نقص بتاتے ہیں کہ پوری احتیاط نہیں ہوئی اور ممکن ہے کہ کسی نے گھٹنہ سر اسکو حرکت دی ہو۔ مگر معلوم نہیں یہ احتمال کیونکر تسکین دے سکتا ہے۔ گھٹنہ سے حرکت پیدا کیجائے وہ ظاہر ہے کہ ہاتھ اور پاؤں کی حرکت سے زیادہ بقیہ عدہ ہوگی۔ پس اگر کسی شخص نے گھٹنہ سے حرکت دی ہو تو سچاے چکر کھانے کے ایک آدھ گھنٹہ محسوس ہوتا البتہ اگر چن آدمی اتفاق کر کے اپنی اپنے گھٹنوں سے ایک ہی دفعہ خاص حرکت پیدا کریں تو ممکن ہے کہ کچھ چکر پیا اور جابو مگر اس طرح سب کا ایک دفعہ کوئی خاص اشارہ و حرکت پیدا کرنا ممکن نہیں کہ دیکھنے والوں کو اور پہلوان کو جو غور سے ان حرکات کا خیال رکھتے ہیں معلوم نہ ہو سکے پس ایسا احتمال یہاں لڑا جائے کہ گناہ و تہ از گناہ معلوم ہوتا ہے اور اس منظر کو حل نہیں کر سکتا۔

اور اسی قسم کے چند تجربے ڈاکٹر ڈارلٹ ہڈیٹر پرنسپل آف کیمسٹری نے چن عالموں کے ہاتھ کے میں جن سے ایک میں ایک پانی کا جھارہ اسپاہلہ بورڈ پر اس طرح رکھ دیا گیا تھا کہ اگر وہ اس جھارے کا لگاؤ ہو تو پانی اچھل پڑے۔ اس پر بھی سٹریٹ مورس و گھٹنہ یا پاؤں کی حرکت کا احتمال پیدا

کرتے ہیں حالانکہ پانی کیوجہ سے یہ اور بھی شکل ہے اور ایک عذر یہ بھی ہے کہ اگر تسمہ میں کہ چونکہ ڈاکٹر  
 موصوف ان تجربوں سے نہ مسمی ثبوت دینا چاہتے ہیں اس لئے ان کے تجربے قابل اعتماد نہیں ہیں  
 آگے لٹن کی ڈائیکٹیکل سوسائٹی کی کسب سٹی کانسٹیبل کا تجربہ ہے۔ یہ سوسائٹی علوم  
 عقلیہ کی ترقی کیلئے قائم تھی اور اس نے جیسا کہ انکی طرف سے بیان ہوا ہے چند معزز ہیئت دار تھا  
 کی کمیٹی روحانی مظاہر کی تحقیق کیلئے مقرر کی تھی اور یہ ایسے لوگ تھے جن کو دھوکا دیکر کوئی فائدہ حاصل  
 کرنا مقصود نہ تھا چنانچہ اس کمیٹی نے رپورٹ کی کہ انہوں نے اکثر بغیر کسی اتصال کے میزوں کو  
 حرکت کرتے دیکھا۔ ایک دفعہ اس کمیٹی کے گیا۔ ہمبر ایک بہاری کہاں نے کی میز کے گرد بیٹھے تھے  
 اور انہوں نے چالیس منٹ تک میز کو مختلف حرکتیں اور آوازیں پیدا کرتے دیکھا انہوں نے  
 امتحان کیلئے کرسیوں کی پشت میں کیٹوف کر لی اور خود میز کی طرف منہ کر کے کرسیوں پر گھٹنوں کے بل  
 بیٹھے گئے تاہوں کے اتصال کا گمان باقی نہ رہے اور ہر ایک کے ہاتھ میز کے اوپر قریباً چارپانچ  
 سطح سے بلند تھے اس صورت میں جبکہ کوئی اتصال پیدا نہ تھا میز نے ایک منٹ میں چار دفعہ حرکت کی  
 ایک دفعہ پانچ اینچ ایک طرف کو ہوئی پھر بارہ اینچ پیچھے کہیں کی اور وہی طرح چارپانچ اور چھ پانچ اور ہر  
 اور حرکت کی۔ پھر سب نے اپنی ہاتھ کرسیوں کے تکیہ پر رکھ لیئے اور میز سے ایک فٹ کے قریب رہ کر  
 ہو گئے اور میز نے پانچ دفعہ مختلف حرکتیں چارپانچ ہتھ کیوں۔ پھر کرسیوں کو میز سے بارہ اینچ  
 دور رکھ کر اوپن ہتھوں کو کر کے پیچھے پکڑ کر پہلے کی طرح گھٹنوں کے بل بیٹھے گئے اور اس حال  
 میں میز نے مختلف جہات میں چار حرکتیں کیں۔ پھر میز کو الٹ پٹ کر اور اس کے اجزاء الگ الگ کے  
 دیکھا گیا لیکن کوئی ثبوت اس منظر کا نہ پایا گیا۔ اور یہ تجربہ کسب سٹی کی پوری روشنی میں ہوا۔

اس پر سٹریٹ مور نام سوسائٹی پر الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھنے والوں کے  
 نام نہیں بتائے گئے اور بیشک یہ اعتراض روزندار ہے مگر اگر کمیٹی وہ ہے جس کے سامنے

۴۔ سٹڈینٹ ان سائیکیکل ریسرچ صفحہ ۴۹

نہ کتاب مذکور باب چہارم صفحہ ۱۱۵ سے ۱۸۹

ماسٹر آف لند سے (ارل آف کرفورڈ آف آریس) اور لارڈ آڈیٹر جیسے معززین نے  
اپنی شہادتیں قلم بند کروائی ہیں۔ چنانچہ ماسٹر آف لند سے نے شہورِ عامل مسٹر ڈی ڈی ہوم  
کے چند یہ واقعات کی شہادت دی ہے کہ انہوں نے اکثر ہوم کے قذ ایک موقع پر گیارہ اینچ  
اور ایک موقع پر سترہ اینچ لمبا ہوتے دیکھا اور سپاہیوں کی گیارہ تا کہ ہوم کو دیوار کے برابر کھڑا کر کے  
دیوار پر نشان کروایا گیا تھا جس کو بعد میں ناپ لیا۔ اور ان میں سے ایک موقع پر لارڈ آڈیٹر نے  
انہی پاؤں ہوم کے پاؤں پر اور ایک ہاتھ انکی کمر پر رکھا ہوا تھا اور یہ منظر پوری روشنی میں دیکھا  
گیا۔ اور اسی طرح لارڈ لند سے نے ہوم کو جلتے انگارے ہاتھ میں اٹھاتے اور کرتے میں کھتری  
ہوئے دیکھا اور خود بھی آٹھ ونچے ان کے انڈر سے کوئلہ ہاتھ پر رکھا اور تکلیف نہ پہنچائی حالانکہ وہ ہوم  
کے پاس لیجیا نے سو موہنہ مجلس جاتا تھا۔ ایک اور موقع پر نو آدمی تہہ جن میں کوسات نے گرم  
کوئلے اٹھا لئے اور دو ان کے پاس تک رہ سکے۔ ایک موقع پر شہید میں جبکہ ان کے ایک  
جن سم کیپٹن ڈائن اور لارڈ آڈیٹر بھی موجود تھے اور ان دونوں نے جگہ انہیں اپنا ہاتھ لگایا۔  
کروائے ہیں اور ان کے بیان کو تصدیق کیا ہے۔ لارڈ لند سے نے دیکھا کہ مسٹر ہوم پر وہ  
طاری ہوا اور وہ اس حال میں بند ہوئے اور جو کمرہ ان کے کمرہ کے متصل تھا اسکی کھڑکی میں سے  
نکل گئے اور پہر باہر سے کمرہ کی کھڑکی میں سے ہوا میں تیرتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور ان کی  
کافاضلہ باہر قریباً سات فٹ چھلپتے تھے اور ان کے مابین کوئی پاؤں دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ وہ  
کہتے ہیں کہ ہم نے ہوم کو اپنی کھڑکی کے باہر ہوا میں تیرتے ہوئے دیکھا جس حال میں وہ چند سینٹ  
بکے اور جب ہماری کھڑکی میں داخل تھے تو پاؤں آگے تھے اور سر پیچھے اور جب آکر بیٹھ  
گئے تو لارڈ آڈیٹر دوسرے کمرہ میں گئے اور دیکھا کہ وہ کھڑکی صرف اٹھارہ اینچ طول رکھتی ہے  
لارڈ آڈیٹر نے تعجب ظاہر کیا کہ اتنے سے بلوغ میں کیونکر جاسکے۔ مسٹر ہوم نے جو بھی وجہ  
تھے کہا کہ میں بھر دیکھا تھا ہوں چنانچہ وہ پیچھے کو جھکے اور گولی کی طرح کھڑکی سے باہر نکل گئے اور  
اس وقت پہلے سر باہر نکالا اور پہر ہی راہ سے واپس آکر بیٹھ گئے۔ اسی کھڑکی (راہ کی) زمین سے قریباً

انسان کی حرکت  
ایک کاحجرت

مسٹر ڈی ڈی ہوم کا یہ سووم صوفیہ



کو بلوں کو اٹھایا اور کچھ اتر نہ ہوا حالانکہ ایک دفعہ ماسٹر آف لیڈ سے تھے یہ خیال کر کے کہ دیکھوں  
واقع میں یہ کوسٹلے دیکھتے ہیں اپنے داسٹے ہاتھ کی بیچ کی انگلی کو بلوں کو لکھائی تو کسکس کس کے  
برا بچھا لا پڑ گیا اور ایک دفعہ ان کے علاوہ اور چھ شخصوں نے کو بلوں کو اٹھایا اور اتر نہ ہوا عرض  
ان واقعات کی توجیہ ماسٹر پور کر دے تھے ہیں نہ صرف پلاز میں بلکہ بالکل قابل تسکین ہو۔

اور نیز یہ واقعات صرف اسی روایت کمروں میں نہیں ہیں بلکہ ماسٹر ولیم کروکس ایک مشہور  
سائنس دان ماسٹر ہوم کے بہت سی واقعات کی عینی شہادت دیتے ہیں اور ماسٹر پور ہوم کو اعتراف ہے کہ

ماسٹر کروکس کا علم کیمسٹری اور فزکس کا ماہر ہونا انکو خاص طور پر اس قسم کی تحقیقات کے قابل  
بناتا ہے اور یہ تحقیقات انہوں نے ماسٹر ہوم کے متعلق کی ہے وہ ثابت ہوتا ہے کہ پوری پیش بینی  
کے ساتھ اور ایسے حالات میں کی گئی ہے جو وہ ہوم کے کورسکنے یا اسکو ظاہر کر دینے کیلئے خاص طور پر  
موزوں ہیں۔ تجربہ ماسٹر کروکس کے اپنے مکان پر کئے گئے ہیں یا بعض دوستوں کے  
مکان میں اور تمام حاضرین سے وہ ذاتی طور سے واقف ہیں اور انہیں سے اکثر بالاتر اہم خاص  
ہونیو دستہ ہیں اور کچھ اکثر موزوں پر اپورار وشن رکھا گیا ہے تاہم عامل کی تمام حرکات ہر وقت  
زیر نظر رہیں۔ انہوں نے ہوم پر اس کے خود ماسٹر ہوم ہی برخلاف اور عاملوں کے تحقیقات کے لحاظ سے  
کامیاب دیکھنے کو تیار تھے۔

عرض ان حالات میں ماسٹر کروکس نے بہت سی کوششیں دیکھیں۔ وزنی چیزوں کو ایک خاص  
تراز پر رکھ کر ان کا وزن ہکا کیا گیا جن میں ایک دفعہ دھیمی روشنی میں نو پونڈ کی طاقت معلوم  
ہوئی مگر روشنی تیز کر دیتے پر ثابت ہوا کہ صرف دو پونڈ تھی۔ اکارڈین (ایک باجا) بغیر کسی اتصال  
کے بجایا گیا اور کئی موزوں پر بستہ بستہ ہوا میں معلق ہو گیا۔ ایک دفعہ دو فٹ لمبا اور ڈیڑھ انچ چوڑا  
لکڑی کا ٹیبل سیڑھی دس انچ اوپر ہوا میں تیرتا رہا اور ماسٹر ہوم میں سے تین فٹ کے فاصلے پر بیٹھ کر  
تھے۔ ان کے ہاتھ اور وزن نے پکڑے ہوئے تھے اور پاؤں نظر آتے تھے کہ ساکن ہیں اور سب کو  
۱۸۷۱ء کو جبکہ کورن الکل میں دھوئے رکھا گیا تھا۔

دیکھ کر کروکس  
کے بچے۔

ہوئے اور کارڈین بھی اُن کے ہاتھ سے چھوٹ کر ہوا میں معلق بھٹا رہا۔ اور نیز ۲۱۔ اپریل ۱۸۵۷ء کو سٹر ہوم ہوا میں معلق بیٹھنے سے پہلے اور ہوا میں لیٹے رہے۔ مگر اس واقعہ کے متعلق ایک امر قابل غور ہے کہ اس وقت روشنی کم کر دی گئی تھی جس کی نسبت آگے ذکر ہوگا۔

ڈاکٹر پیر کے تجربہ  
مستر ہوم کے متعلق

اسی طرح کے بہت سے تجربوں کا ذکر کریں گے دوسرے درجہ دستہ عامل سٹر ایس ہوم کے واقعہ ڈاکٹر سسپینڈ کی شہادت سے لکھے گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہی اور نیز ان کی بیوی نے سٹر ہوم کے اثر سے آوازوں کا آنا۔ باجوں کا بھنا۔ آگ اور روشنی کا دیکھنا۔ بند کمرے میں باہر کی چیزوں کا آنا۔ اور خود سٹر ہوم کا بلند ہونا غرض ایسے واقعات کثرت سے بیان کئے ہیں انہیں سٹر ہوم کا بلند ہونا کیا واقعہ ڈاکٹر پیر نے مختصر لکھا ہے کہ

”پہلے تو ایک بڑی گول میز کسی بڑی تخت کی دفتری۔ اور پھر سٹر ہوم سے دو دفعہ ہوا میں اُڑنے اور ایک کرسی میز کے اوپر کھینچی اور میں خود جو ایک بڑی بہاری کرسی پر بیٹھا ہوا تھا نمایاں طور پر ہلایا گیا۔“

مگر معلق ہونے کے متعلق خود ہوم کا ایک مفصل نوٹ ہے جو سٹر ہوم نقل کرتے ہیں کہ۔

ایک دن ۳۰ اگست ۱۸۵۷ء کو چوڑا یا چارے سے نیچے کمرہ کے ایک کونے میں پہنچ گیا اور میری کرسی میز کے پاس ہو گیا کہ قریب ایک گوشہ میں چلی گئی اور اس کا رخ میری طرف ہو گیا اور اس کی طرف ہو گیا۔ اس حالت میں کرسی اور کراؤن تھنی معلوم ہوئی اور یہ خیال ہے کہ بارہ انچ کے قریب بلند ہوئی کیونکہ میرے پاؤں سکریٹنگ بورڈ (تختہ جو دیوار کے ساتھ بطور حاشیہ لگا یا جاتا ہے) سے مس ہوئے جو بارہ انچ بلند ہوگا۔ کرسی وہاں چند لمحہ کیلئے ٹھہری اور پھر میں خود آہستہ آہستہ اور آسانی سے بلند ہونا معلوم ہوا۔ نیچے کوئی سیڑھی اور اٹارنی نہیں ہوا اور میری پورے پیش میں تھا اور حاضرین کو اپنے واقعات بتا رہا تھا۔ حرکت بالآخر ہم ہی اور بہت دیر میں ختم ہوئی۔ میں بالکل ریوار کے قریب تھا جتنے کیسے نپل نکالی اور اپنی چاقی کے مقابل دیوار پر نشان کر دیا اور میں جب وہ نشان پایا گیا تو فرش سے قریب چھوٹ بلند ہوا اور اس کے محل وقوع سے ظاہر ہے



کہ اس وقت میرا سر کمرہ کے گوشہ میں چپٹا ہوا متصل ہوا گاہ میں نہیں سمجھتا کہ میں اس وقت کس طرح  
وجہ میں تھا۔ میں بالکل ہوشیار اور اس منظر سے پوری طور پر واقف تھا۔ میرے جسم پر کوئی دباؤ معلوم  
نہیں ہوتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ میں لفظ (چھپت پر لیجائے کی مشین) پر بیٹھا ہوں اور چیزیں میرے  
سامنے نیچے بچھ کر چلی جاتی ہیں تنفس میں تہوڑی سی دقت معلوم ہوتی تھی اور مینہ کسی قدر بہا ہوا  
اور یہ کہ میں فضا سے کسی قدر ہلکا ہو گیا ہوں۔ پھر میں اسے اتنے نیچے کو لایا گیا اور کرسی پر بٹھایا گیا۔  
مگر کرسی اس وقت اپنی پہلی جگہ پر (یعنی مینہ کے پاس) تھی۔

ان میں سے مسٹر موئزر کا بیان چونکہ زیادہ تر ان کے اپنے قلم کا ہے اور ڈاکٹر سپیروان کو دیکھنے  
والے میں ان کے بہت حقائق ہیں اسلئے مسٹر ٹیمور کو انکی نسبت مشابہ ہوتا چاہئے مگر تاہم انکو دھوکے  
کے اصول پر فیصلہ دینا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ ملو  
مغنی طاقت۔ عموماً آدمی کا دینا۔ یا نیم بخود ہی میں اسلئے اختیاری سے دھوکا دینے والے افعال کا سرزد  
ہوتا۔ ان تینوں احتمالوں میں سے میں دوسرے اور تیسرے احتمال میں مذہب ہوں اور زیادہ تر  
تیسرے احتمال کی طرف میلان رکھتا ہوں۔

مسٹر ٹیمور ایک دشواری کو دور کرنے کیلئے ہمیشہ ایک اور دشواری کو اختیار کر لیا کرتے ہیں چنانچہ  
یہاں بھی نیم بخود کی کجیالت میں دھوکا دینے والے افعال کا سرزد ہوتا۔ معلوم نہیں ڈاکٹر سپیرو  
کے بیان پر اور مسٹر موئزر کے بیان پر کیوں چپان ہو سکتا ہے۔ مگر تاہم یہ شہادت ہم اور شہادت  
میں گواہی دینے والے کے اعتبار پر بھر دہ ہوتا ہے اور مسٹر ٹیمور کو ہر دہ سے نہیں اس لئے  
اس بارہ میں ان پر گرفت نہیں ہو سکتی لیکن مسٹر ٹیمور کے دوسرے رفیق جو علم فضل میں اور مظاہر  
روحانی کی تلاش میں ان سے زیادہ مشہور ہیں اور جو مسٹر موئزر سے زیادہ تعارف بھی رکھتے ہیں اور  
جنہوں نے مسٹر موئزر کے قلمی مسودوں کو غائر نظر سے دیکھا اور ان کو ترتیب دیکر شائع کیا ہے یعنی  
مسٹر ویلیو ایچ ہائرس انکی نسبت اور انکی رائے سے یہاں اور انکا مظاہر کہتے ہیں (ملاحظہ ہو اقتباس  
ذکر ملائکہ) اور ایک اور موقع پر کہتے ہیں کہ چاہے

”جب مینے مسٹر موسز کے انتقال کے بعد اُن کے قلمی مسودہ کو دیکھا اور پرتال کی تو میرا اعتقاد اُن کی نسبت اور بھی قوی ہو گیا“

پھر لکھتے ہیں کہ اُن کے مسودہ کو بہت مدت تک مطالعہ کرنے پر کوئی چیز بھی نامعلوم نہیں معلوم ہوتی۔ مینے خود بھی اُن کو نہایت غور سے پرتال کیا ہے اور اپنے بہت سی دستوں کو بھی دکھایا ہے۔ کوئی بے لٹی - کوئی تناقض اور کوئی شک کی وجہ نہ معلوم نہیں ہوتی اور تمام واقعات کی تفصیل اور تاریخیں ایسی دینی سے درج ہیں کہ ان میں سے ہر واقعات اور تاریخیں دیگر وسائل سے معلوم ہیں ان میں اور مسٹر موسز کے اظہار میں کوئی تفاوت نہ تھا“

مسٹر موسز اور اُن کو دیکھنے والے سر ولیم کروکس کی نسبت مسٹر ٹیڈ موسز جب ذیل لکھتے ہیں +  
”نہ تو اس مختصر میں مسٹر کروکس کے سب تجربوں پر مفصل بحث کرنی ممکن ہو اور نہ مجھے ایسا کرنا مناسب ہے مسٹر کروکس جنہوں نے ریڈی او میٹر اور سپیکٹراسکوپ کی تحقیقات میں بھی ایسی ہی شہرت حاصل کی ہے جیسی منظرہ روحانی کی تلاش میں اور جن کو دو قسم کے واقعات پر پورا یقین ہے ان کی نسبت پیشال کرنا ناہوش ہے کہ انہوں نے منظرہ روحانی کی تحقیق میں نکتہ بازی کی عادت تجلیل کی طاقت اور کامل تحقیق کا علم غرض اپنے تمام عمر کے رویہ کو ترک کر دیا ہو۔ اور مسٹر کروکس کی ہر بات سے مجھ کو ان کی بات خود مسائل پر گفتگو کرنا موقع بھی ملا ہے اور جن اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس معاملے کو کسی زبان اور آسان طریق پر نہیں کر سکتا۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسٹر موسز کے جلدوں میں اکثر موقعوں پر کسی بڑے عجیب منظرہ پہلے کہ وہ ریڈی کو کم کر دیا گیا ہو مثلاً بلند ہونے اور رگڑوں کو ہاتھ میں لینے کے وقت۔ اور نیز کہ وہ کے سامان وغیرہ کی تحریک انہی نظروں سے مشابہ ہیں جو دوسرے حامل دھوکے سے یا کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ اور نیز ہونا کہ مسٹر کروکس اور دیگر حاضرین کو مسٹر موسز کی دیانت پر پورا اعتماد ہے اس لیے ممکن ہے کہ کسی وقت احتیاط میں کسی کو دیکھی ہو

۱۔ سٹڈیلان سائیکیکل ڈسپلینریاب چارم ایچیم صفحہ پانچویں رہا۔

۲۔ ریڈی او میٹر کروکس کی ایجاد جس سے حرکت دینے والی شاعین ثابت ہوتی ہیں اور سپیکٹراسکوپ غالباً مسٹر کروکس کی ایجاد نہیں مگر اس کے ذریعے سے انہوں نے تھیلیم سٹڈ نام ایک دیانت دریافت کی ہے (ملاحظہ ہو حالات ریڈی او میٹر سپیکٹراسکوپ - کتاب فزکس صفحہ گینت)

اور اس سستی نے حقیقت کو تباہ کر دیا لیکن یہ مل جو بین کرتا ہوں اس میں دماغی تسلی پانچا دعویٰ نہیں کر سکتا۔  
 معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر لیڈ بیٹلر نے پہلے سے عہد کر لیا ہے کہ کیا ہی واقعہ ہو اس سوال کا کر سکیے اور جس طرح  
 ممکن ہو انکار کی کوئی نہ کوئی وجہ پیدا کر سکیے مگر معقول پسندی بھی اپنا شیوہ ہے اس لیے عادت کے انقضی  
 وجہ انکار پیدا کرتے ہیں اور تو عقل کے سبب اس کے ضعف سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے یہ  
 اعتراض ہی اسی قسم کے ہیں اور ان سے ایسے شخص کے خلاف جس کو وہ خود بڑا محقق اور پیدا زعفر  
 مستحق ہیں کوئی تسکین نہیں ہوتی۔ مسٹر کرکس احتیاط کا ذکر قریباً ہر واقعہ کے ساتھ کرتے ہیں اور ہوم کی  
 دیانت پر بھی یہی اعتماد ثابت ہوتا ہے کہ ان کو پرے بٹھایا جاتا ہے۔ ہاتھ پٹ لیے جاتے ہیں۔ پاؤں کو  
 دیکھتے رہتے ہیں اور ایسے وقت پر دیکھتے ہیں تو اثر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ مہنداس منظر کی ظاہر شے کا ہونے کا  
 دینے والوں کے طریقے سے مشابہ ہوتا ہے تو کم معلوم ہوتا ہے۔ دھوکا کتنے ہی اس کو بین کی ظاہر شے کا  
 بالکل واقفیت کے مشابہ ہو۔ حالانکہ ان میں جعلی کا غذا و جھوٹی شہادتیں ایسی ہی درستی پر پیش کی جاتی  
 ہیں جیسے اصل تسک اور سچی شہادتیں مگر اس بنا پر شہادت اور تسک کو حکم عدالت سے موقوف نہیں  
 کیا۔ جاتا۔ البتہ روشنی کم دینے کا اعتراض قوی معلوم ہوتا ہے اور بے شک اس سے دھوکے کا گمان

روحانی عمل کیلئے تاریکی مناسب ہے | ہوتا ہے مگر ایک تو اس مسئلہ کو جس طرز سے مسٹر لیڈ بیٹلر حل کرتے ہیں کہ روحانی طاقت کا ایک عام  
 خاصہ ہو کہ تاریکی میں اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے، یہ نوعیہ قزین قیاس ہے کہ چونکہ عالموں کا روشنی کو کم کر دینا تو غیر انکی بددیانتی  
 سمجھا جاسکتا ہے مگر مسٹر لیڈ بیٹلر کی تائید ان عام مناسبت سے بھی ہوتی ہے جبکہ لوگوں کو خیالی یا تو شے کے بلحاظ  
 فیزیعی بنیاد و تجربی علوم ہوتی ہیں جو بعد میں مست ثابت ہوتی ہیں اور پیشتر پریس میں مہینوں کی شکایت موت کے وقت یا بعد میں اس کے  
 دوستوں کو نظر آتی ہیں اور ان کے حدود و شے کو مسٹر لیڈ بیٹلر نے تمام مناسبت اور روحانی کی تلاش کر رہے ہوتے تھے  
 ہیں۔ مغرض یہ کہ مختلف قسم کے منظر عموماً رات کو دکھائی دیتے ہیں اور کبھی بہت ہی قوی روحانی تاثیر ہوتی ہے  
 کو یا پوری روشنی میں نظر آتا ہو بلکہ روحانی طور پر اطلاع پانچنے کے اکثر اثبات خواص پر پیش آتے ہیں اور روحانی علاج  
 بھی اسی صورت میں زیادہ قوی ہوتا ہے کہ سوسے تو پانچنے والے قسم کے کچھ کر لیا گیا اور معالج اور دوا کرنے کا وقت  
 ایک سو اور اسی لئے مسٹر لیڈ بیٹلر کہتے ہیں کہ وہ ملٹیٹوں کے اندر روشنی کے کچھ پانچنے والے قسم کے کچھ جانتے ہیں وہ

عموماً غلط نہیں کرتے اس لیے کہ سلیڈوں کے اندر ہر وقت تاریکی رہتی ہے اور اس لیے روحانی اثر بے وقت ہو سکتا ہے۔ اور دوسرے مسٹر کرکس اور اسٹارٹن لنڈ سے کے اکثر تجربہ کار بین روشنی تیز بھی لکھی گئی ہے اور اثر ظاہر ہوا ہے چنانچہ بین ہونے اور کوٹلون کو پکڑنے کے دو موقعوں میں سے ایک میں روشنی پوری رکھی گئی ہے۔

روحانی اثر سے جسم کی حرکت ناقابل انکار ہے | غرض روحانی اثر کی تیسری قسم لینے جسم کا بے ارادہ حرکت کرنا بھی اکثر واقعہ ہے ایسی قوت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے انکار کی گنجائش نہیں اور ہم لوگوں میں سے جن کو مدویاے کرام کے حلقوں میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہے وہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ایک یا چند اکی قلبی توجہ سے حاضرین کے دل کیسے بیتاب ہو جاتے ہیں کہ وہ حلقہ توجہ میں نیم سبل کی طرح تربتے نظر آتے ہیں۔ اور نیز لطائف کی مشق سے کس طرح خاص خاص اعضا اور لطیفہ قلب میں تمام جسم بے ارادہ حرکت کرنے لگتا ہے اور نیز پاس انفاس یا یوگا بھاس کرنے سے کیونکہ انسان کی روح کسی خاص مقام پر مقید ہو کر تمام جسمانی اعضا اور حرکت کرنے والی شریان اور اعضا تنفس سرور ہے جس طرح حرکت اور مڑوہ ہو جاتے ہیں۔

روحانی اثر سے حرکت پیدا ہوتی | مگر روحانی طاقت جسم پر کیوں کر اثر کرتی ہے؟ اس کا قانون دریافت نہیں کی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی | ہو سکا مسٹر ہیڈ سن لکھتے ہیں کہ

”انسانی روح جسمانی جو اس اور فزکی پر کیونکہ حرکت کرتی ہے؟ فانی انسان کبھی نہیں جان سکتا اور یقین ہے کہ اس سوال کو فزکی االجی اور سہیل اناٹومی لینے علم تو اسے حیوانی اور مطلق شریعہ و فزکی نہیں کہتا یہ ایک سٹیفک یعنی علمی واقعہ ہے جس کو اس سبب تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ قابل اثبات ہے۔ نہ اس لیے کہ انتہائی اسباب بیان ہو سکتے ہیں“

ارادہ سے حرکت پیدا ہونے | اور روح کا جسم کو حرکت دینا ایک طرف ارادہ جسم کو حرکت دیتا ہے اسکی وجہ بھی معلوم نہیں کی وجہ بھی نامعلوم ہے | ہے مسٹر مائیس لکھتے ہیں

”مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میرا ارادہ میرے بازو کو کیونکہ حرکت دیتا ہے لیکن میں تجربہ سے جانتا ہوں کہ عموماً میرا ارادہ

میرے اضافہ سے متحرک ہو جاتا ہے اور پھر ان چیزوں کو حرکت ہوتی ہے جو بازو سے متصل ہوں۔ لیکن ان چیزوں کو جو میرے اس حصہ جسم سے متصل ہوں جس پر پیری نظام جسمانی کی زندگی منحصر ہے اور کبھی میں ان چیزوں کو بھی حرکت دے سکتا ہوں جن کو میرے جسم سے حقیقی اتصال نہیں ہوتا مثلاً حرارت کے ساتھ یا برقی طاقت کے ساتھ جو میری انگلیوں سے نکلتی ہے بعض اوقات کو کچھ لاکر یا ہلا کر حرکت دے سکتا ہوں۔ غرض ان طاقت کیلئے میری کئی معین حد نہیں پاتا اور طاقت کی ان تمام شکلوں کو نہیں جانتا جو مناسب حد سے بڑھ کر میری انگلیوں سے پیدا ہو سکتی ہے۔

جسم کا جسم کو حرکت دینا اور یہ تو محض طاقتیں ہیں جن سے حرکت پیدا ہوتی ہے اور اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر سپر یا ہوتی ہے مگر اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ اجسام کا اجسام کو حرکت دینا بھی کسی اصول سے حل نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر سپنسر لکھتے ہیں :-

”ہم سمجھتے ہیں کہ متحرک ساکن کو متحرک کر دیتا ہے اس لیے تعجب نہیں کرتے کہ وہ سمجھ میں نہیں آتا کہ متحرک کے دھکا دینے سے ساکن میں کیا بات پیدا ہوئی کہ پہلے تو ایک حالت میں تھا یا اب کچھ بڑھ چکا ہو رہا ہے کہ وہ حرکت دے دوسری چیز سے اس میں داخل ہو گئی۔ کیونکر؟ وہ کیا چیز ہیں اب آگئی جو پہلے موجود تھی۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ حرکت سے سکون کیونکر پیدا ہوا۔ فارون تو انہیں کہتا ہے کہ کوئی رفتار کبھی سے کسی درجہ تک کم نہیں ہوتی جب تک درمیانی درجہ کو عبور نہ کرے پس جو متحرک ساکن ہوا وہ ساکن ہونے سے پہلے متحرک تھا اور اس میں رفتار تھی اور وہ رفتار چاہے کیسی ہی سست ہو سکون سے ہر حال میں بڑھ جاوے گا۔ پس اس کو بغیر درجہ کو ختم کرنے کے دفعہ سکون کیوں کر پیدا ہو گیا۔ غرض ان تغیرات کے ہم یقیناً جانتے ہیں کہ واقع ہوتے ہیں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتے۔“

روحانی اثر اس زمانے میں یہ ضرور ہے کہ جیسا کہ مٹریڈیو روحانی حرکات کی نسبت لکھتے ہیں جسمانی حرکات کثیر نظر آتے ہیں۔ ہوں یا دیگر تعلیمی انکشافات تمام مظاہر روحانی اس زمانے میں پہلے زمانوں کی نسبت کثیر واقع ہوتے ہیں اور اس کیفیت کو دوسری نظر سے دیکھ کر بیشک ان طاقتوں کی نسبت کسی تشبیہ پیدا ہوتا ہے۔

۱۔ کتاب فرسٹ پرنسپلز اب سریم صفحہ ۶۷ مشتمل ہے

مکمل مطالعہ کرنے سے جو قاعدے روحانی عمل کے لیے دریافت ہو چکے ہیں ان واقعات اور ان قاعدوں کو دیکھتے ہوئے یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ روحانی طاقت کے ظہور کی ایک شرط اپنی توجہ کو جسم جسمانی سے ہٹانا ہے اور اسی لیے جب اپنا ارادہ سے کوئی عمل کرنا مقصود ہو تو پہلے کسی یکسی طریق سے حالت وجود پیدا کی جاتی ہے۔ اور ایک دوسرا قاعدہ یہ دریافت ہوا ہے کہ روح پر انسانی خیال نہایت شدت سے اثر کرتا ہے حتیٰ کہ اگر مسمریزم کے معمول کو خیال دلوایا جائے کہ وہ مردہ ہے تو وہ قاعدہ تمام علامات سمیت منقطع ہو جاتی ہیں اور اگر اس کو بند ریاضت ہو سنے کا یقین دلوایا جائے تو انہی کی سی حرکتیں کرنے لگتا ہے اور اسی قاعدہ کا اثر ہے کہ اگر معمول کے سامنے کوئی منکر اپنے خیالات اس کی روحانی طاقت کے خلاف ظاہر کرے تو جیسے وہ خیال کے اثر سے جسمانی قوتوں کو کمزور دیتا ہے اسی طرح سے روحانی قوتیں بھی ایسے خیال سے معدوم ہو جاتی ہیں۔ اور اگر منکر مضبوط خیال کا آدمی ہو تو زبان سے انکار کرنا بھی ضرور نہیں بلکہ معمول اپنی روحانی طاقت سے اس کے دل خیال کو چھٹا ہے اور اس خیال کے اثر سے اپنے تئیں کھو بیٹھتا ہے پس اس وقت بھی روحانی اثر ہے جو ایک مخالف توجہ پیدا کر کے دیگر روحانی اثروں کو زایل کر رہا ہے۔ غرض یہ دونوں قاعدے کلیہ اور یقینی طور پر ثابت شدہ ہیں اور جیسے خاص خاص اشخاص پر صادق آتے ہیں خاص خاص اقوام اور زمانوں پر بھی سپان ہیں۔ اس لیے جس زمانے میں اور جس قوم میں جسمانی علوم کا رواج اور ان یقینیں اس وجہ تک ہو کہ جسم کے سو کچیز کہتے کہ انسانی روح کا یقین بھی زایل ہو چکا ہو اس وقت پہلی شرط یعنی جسم جسمانیات سے بے توجہی اور روحانی غور و فکر کی عادت نائل ہو جاتی ہے اور ان طاقتوں کی مشق نہ کرنے سے یا تو وہ بالکل معدوم ہو جاتی ہیں یا کم اثر کرتی ہیں اور اسی طرح جس وقت انکار کا غلبہ دل و زبان سے نکل کر تمام فضائل پھیلنا ہو تو اس مخالف خیال کے اثر سے جس قدر طاقتیں متقی بھی ہیں عمل نہیں کرتیں اور اس لیے ظاہر ہے کہ ایسے زمانے میں جیسا کہ اب بھی ان طاقتوں کا ظاہر نہ ہونا تعجب نہیں بلکہ اگر کوہین ان کا اثر پایا جائے تو وہ محل حیرت ہے۔

۴۔ مشہور یونانی نے ان دونوں قوتوں پر دو باب لکھے ہیں اور قرآن اور واقعات سے ان کو ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو باب دوم و مفہم کتاب لاف سائیکل خیمنا۔

**معجزہ** اور اس کے برخلاف گذشتہ زمانے میں جبکہ لوگوں کے دلوں پر مذہبی گرفت ابکی نسبت زیادہ تھی اسی گرفت کے مطابق ان کو خدا کی طرف اور روحانیات کی جانب توجہ تھی اور اس قسم کے غور و تأمل اور مراقبہ و مجاہدہ سے بے لارہ اور عاجز و سبوتاہ بنائے ہوئے تھے۔ تعلق پیدا ہو جاتی تھی جو روحانی اثر کی ضروری شرط ہے اور نیز منکرانہ خیالات کا مخالف اثر بھی اس وقت کمین تو ایسی طاقتوں کے خلاف بالکل موجود نہ ہوا تھا اور کسی جگہ ہرگز بھی نقصان تو محض غلامانہ و سراسر سے ہوتا تھا۔ مگر حیوانی علوم کی بدولت سے اور اصولی طور پر روح وغیرہ کے انکار سے مخالفت نے جو اعتقاد اور مذہب کا درجہ اسب حاصل کیا ہے اس کا ان دنوں میں نشان نہ تھا۔ اور اس طرح پر روحانی اثر کی دونوں شرطوں کے پاسے چلنے سے وہ عمل سرزد ہوتے تھے جو دنیا کے لیے باعث حیرت و تحفیر تھے اور اےجاؤ کر امت کا لقب پاتے تھے اور پھر خلق اللہ کو جو توجہ ان عجائبات کی وجہ سے ان بزرگواروں کی طرف ہوتی تھی اس سے کام لیکر وہ ان کو اپنی تعلیم و ہدایت کی طرف بلاتے تھے اور اس طرح پیغمبر اناس کے لیے جو عقل سے تعلیم و ہدایت کی غمناک سمجھ سکتے ہوں یہ روحانی کرشمے معجزہ کے نام سے دعویٰ کے لیے دلیل کا کام دیتے تھے

مگر گذشتہ زمانے میں بھی جب کبھی انکار کا اثر بہت قوی ہوا ہے تو وہ ان روحانی اثر ظاہر کرنے سے انکار کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا ہے کہ منکر دلوں کو کوئی نشان نہ دکھایا جائیگا۔ اور نیز جس قدر انکار کی عادت بڑھتی گئی روحانی آثار یا بالفاظ دیگر معجزوں کا اظہار کم ہوتا گیا اور غالباً اسی اصول کی طرف اشارہ ہو جہاں ارشاد ہوا ہے۔

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ الْكَاثِرَةِ | ہر نشان بھیجنے سے اس امر نے روک دیا ہے کہ پہلو لوگوں  
لَا تَذِیْبُهَا الْآيَاتُ الْكَاثِرَةُ | دیکھو اس میں پانچ (۶)

یہاں معجزہ کے ترک جانے کو خدا کی طرف منسوب کرنا قرآن کا عام محاورہ ہے چنانچہ وہ تمام مظاہر قدرت کو جو معجزہ اسباب سے سرزد ہوتے ہیں خدا کی طرف جو علت العلل ہے منسوب کیا کرتا ہے مثلاً فرمایا ہے کہ ہم نے ہوائوں کو پیدا کیا۔ چھنے بارش برساتی اور چھنے زمین سے نباتات نکالتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے وہ قوانین قدرت مقرر کیے ہیں جس سے یہ منظر پیدا ہونے لگی ہے اس طرح بیان بھی یہی مطلب ہے کہ ہم نے ایسا قاعدہ مقرر

کیا کہ مکذیب و انکار کی اشاعت سے قوای روحانی کا اثر بظاہر مٹ جائے۔

غرض موجودہ زمانے میں روحانی طاقت کا کم یا زیادہ ہونا اس تحقیقات کو غلط نہیں کر سکتا جو مختلف طریقوں سے ان امور کی نسبت کی گئی ہے۔ البتہ اسی تحقیقات سے بہت سی واقعات ایسے بھی دریافت ہوئے ہیں جن میں دھوکا دیا گیا ہے اور کوئی شعبہ چھپانی رسائل سے دکھا کر روحانی طاقت کی طرف توجہ دینا چاہتا ہے اور جو لوگ محض علمائے طور پر دلائل سے اس کا یقین حاصل کرنا چاہتے تھے اور جو کسی قسم کا ذاتی تجربہ نہیں رکھتے تھے ان واقعات کو متوشش ہو کر مطلق انکار کی جانب مائل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ مسٹر ہڈ مور بھی انھی لوگوں میں سے ہیں۔ مگر دھوکا آمیز واقعات کو مد نظر رکھ کر اور نیز سادہ منطقی طریق استدلال کو رہنما بنا کر جو نتیجہ منصفانہ طور پر نکالا جاسکتا ہے وہ مسٹر ہڈ مورس کا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :

”جو کچھ کسی علوم الناس کو ان مظاہر سے ہوا جس نے جیسا کہ مغربی علوم ہے فریب کو بہت ترقی دی ہے جسکو ثابت کرنا اور جس کے لیے پیش بندی کرنا سوسائٹی فار سائنسیکال ریسرچ کا بہت بڑا مقصد ہے۔ اور بیشک روحانی طور پر جو کچھ حرکت و اثر کی جو نقل (دھوکا دینے والے) عام طور پر کرنے لگے ہیں اس نے ان واقعات کی صداقت میں بھی شک پیدا کر دیا ہے جن میں نہایت احتیاط سے دھوکے کی پیشین بندی کی گئی ہے یا دھوکا غلط سمجھا گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں اگرچہ پورے طور پر یقین رکھنا ہوں کہ روحانی طاقت سے روحانی حرکات پیدا ہو سکتی ہیں مگر اتنا ہوں کہ ان کی نسبت ناظرین کا یقین پیدا کرنا یا انکو اپنی عام اور کل تجربہ کا ایک مکمل حصہ بنانا قبل از وقت ہے کیونکہ دھوکے کے اصول کے خلاف ان کو پورے طور پر ثابت کرنا ایک قواعد حسن سازی اور دیگر فنون کی کامل اہمیت پر منحصر ہے جس کا میں دعویٰ نہیں کر سکتا اور دوسرے ان کو پورے طور پر سمجھنا تا وہ اور اخیر کے تعلقات پر موقوف ہے جن کی دھبی سی جھلک نہایت تاریک علمی انکشافات میں نظر آتی ہے مثلاً وہ انکشافات جو



ابھی حال دین شاعرون کی نسبت ہم نے دین اور دین کا پہلے گمان بھی نہ تھا۔

یقین کے لیے کسی اندہ کا ثبوت | بیشک یہاں سٹرمارس جس یقین کو فضل ان وقت کہتے ہیں وہ یقین ہی جو کسی پیر کی

نہر ہے نہ کہ سبب دریافت ہونا | علت دریافت کیلئے یہی ہوا کرتا ہے اور شاید جیسا کہ ان کو امید ہے بھی وقت

آتا ہے اور اسی وقت اور مادہ سے بڑھ کر روح اور مادہ کا تعلق دریافت ہو جائے مگر ابھی تک روحانی حرکات

کی علت دریافت نہیں ہو سکی ہیں تا حال ایسا امر کی نسبت یقین کا ایک وہی طریق ہے جس سے خود سٹر

مارس کو یقین ہوا ہے پھر یہ اور تجربہ کے متعلق طویل اور مضاعفہ غور و فکر۔ اور دیکھا جائے تو جو یقین کسی واقعہ

کا سبب دریافت کرنے سے ہوتا ہے وہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے کیونکہ علت و معلول کا سلسلہ نہایت پیچیدہ و متغیر

قدرت یہ انتہا اور عقل انسانی ہمیشہ ترقی پذیر ہے۔ آج کسی چیز کا ایک سبب قرار دیا جاتا ہے اور اس کو طبیعت کو

تسکین دی جاتی ہے کل وہی واقعہ پیش آتا ہے مگر وہ سبب چنان نہیں ہوتا۔ انسان کچھ دیر کے لیے

متحیر ہو جاتا ہے پھر کسی اور سبب کا پتہ لگتا ہے اور اس یقین کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہمیشہ ایک ہی واقعہ کی کئی ہی علتیں

اور شے شے سبب دریافت ہوتے رہتی ہیں اس حالت میں جوابات کی اویقین ہے وہ اس امر واقعہ کا ظہور پذیر

ہوتا ہے ورنہ اسباب جس طرح پہلے برتنے رہی ہیں آج بھی یقین نہیں ہو سکتا کہ کوئی اور سبب دریافت

نہ ہو گا۔ انسان دور سے جنگل میں ایک روشنی دیکھتا ہے چوڑکے جانتا ہے کہ انسان آگ جلا کر رکھنی

پیدا کیا کرتے ہیں اس لیے یقین کرتا ہے کہ یہ روشنی بھی کسی انسان کا فعل ہو گا مگر پھر معلوم ہوتا ہے کہ وہ

انسانی فعل نہ تھا بلکہ بجلی کی چمک تھی اس یقین کرتا ہے۔ پھر کبھی ات کو فاسفرس جل اٹھنے کو دیکھی ہی

چمک نظر آتی ہے کبھی ان کو آئینہ یا کسی اور ریشم چیز پر آفتاب کی شعاع پڑنے سے اسی طرح کا شعاع دکھائی

دیتا ہے اس سے اشارہ ان شاعرون کی جانب ہے جن کو اس ریزنگتے میں اور جیو جیاتی جسم اور اکثر چیزیں کو دکھائی دیتی

ہے اور انہیں بہت سی طبیعت یقین دریافت ہوئی ہیں۔ یا آفتاب کی وہ شاعریں جو الٹرا وایولیٹ ریزنگتے میں اور

جس میں ویکم کو دیکھ کر ایک سڑکی یا امیٹر نام سے کہا کہ حرکت پیدا کرنے کی طاقت ثابت کی ہو۔ ان تجربوں کی نسبت

کوئی حقیق علیہ وجہ کہ یہ حرکت کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے دریافت نہیں ہوئی اگرچہ تھوڑے دنوں کے امتحانات بہت ہیں مگر ابھی تک

شک کے صفحہ گیند حالات رہی ہیں اور انٹر ایڈی (س)۔

دیتا ہے۔ علت و معلول کا سلسلہ بدلتا رہتا ہے حتیٰ کہ آئندہ کسی اور روشنی کو دور سے دیکھنے پر کسی خاص سبب کا یقین نہیں ہوتا۔ مگر جو بات ہر طرح یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے وہ روشنی کا وجود ہے۔ اسی طرح روحانی اثرات کے لیے جبکہ کسی عامل نے نظر ہمارے کسی کو بہوش کر دیا ہے خیال ہوا کہ انسان کی آنکھوں سے کوئی مقناطیسی قوت نکلتی ہے۔ پھر کسی سحر کرنے والے انسان کے چہرہ اور چھاتی کے سامنے آنکھوں کو اوپر سے نیچے کو لا کر اسے بہوش کیا تو گھٹے کہ انگلیوں سے ایک دقیق مادہ نکلا کہ یہ حالت پیدا کرتا ہے۔ پھر اسی صورت میں پیش آئین جہاں دیکھنے اور ہاتھ سے پاس کرنے کے بغیر کوئی اثر پیدا ہوا اور اس کے سبب کی تلاش ہوئی کبھی الٹرا وائیٹ لیٹ سریز (کیمیائی اثر پیدا کرنے والی شعاع) یا آکسائیڈ (جسم انسانی سے نفوذ کرنے والی برقی شعاع) کی طرف خیال کیا کبھی اتھیر اور مادہ کا تعلق سمجھنے کی کوشش ہوئی۔ غرض اہل علم اپنی علمی طاقت سے اس طرح کے سبب دریافت کرتے رہے اور کرتے ہیں گے مگر یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہو گا اور یہ دعویٰ نہ ہو سکے گا کہ جس قدر اسباب قدرت نے ہم تک کیے تھے وہ معلوم ہو چکے۔ اور جو بات ہر جگہ ثابت اور یقینی ہے وہ یہی ہے کہ انسان میں کچھ غفی طاقتیں ہیں جن کا اثر کبھی کبھی نظر آ جاتا ہے۔ خواہ اسباب عمل کچھ ہی ہوں۔

روحانی طاقتیں مہاتا | قدیم زمانے میں جب کہ انسان کی دماغی طاقتیں اس عروج پر نہ تھیں اور  
بڑھنے کی زبان سے | بیشتر روحانی طاقتوں پر مدار تھا اُس وقت میں بھی بعض فلسفیانہ خیال کے بزرگوار  
ان مطالبہ کو دیکھ کر اپنی سمجھ کے موافق اُن کے اسباب معین کرتے تھے چنانچہ مہاتا بُدھ ان طاقتوں کا  
یوں ذکر کرتے ہیں :-

” انسان ایک جسم رکھتا ہے جو چار عناصر سے مرکب ہو اور جو اس کے الدین کے اجتماع کا ثمرہ ہے۔

چاول یا آش سے پرورش پاتا ہے اور کاٹا جاسکتا ہے اور پال کیا جاسکتا ہے۔ اس چند روزہ جسم میں

اسکی ذہانت غیر محدود ہے۔ مادہ ہر اپنے تئیں اس طرح مقید پا کر اس سے کیقہ رازنا دلہاس پیدا کرنا

چاہتا ہے۔ وہ اپنے خیال میں ایک اور جسم کا نقشہ جاتا ہے جو اس مادی جسم سے پیدا ہوا ہو اور جو اسی طرح

کتاب پاپولر کالٹ آف بُدھائینی مبدھ کی سوانح عمری معنیہ سٹر آس تھیرالی باب پنجم صفحہ ۱۸۸۲ء

اقتباس ایک نگہالی کتاب جس کا نام سمانا فلاسٹا ہے۔

کشی شکل اور اعضا انویط جسم جانی رکھتا ہو۔ اس جسم کا مادی جسم سے وہی تعلق ہے جو تلواری کو میان سے یا  
سانپ کو اس ٹوکے سے جس میں وہ بند ہے۔ سادھو اس طرح صاف اور کامل ہو کر اپنی فوق العادہ طاقتوں  
کا استعمال شروع کرتا ہے۔ وہ اپنے تئیں مادی روکا وٹوں۔ دیواروں اور حائلوں میں سے نفوذ کر سکتا ہے  
قابل پاتا ہے اور اپنے سایہ ناجسم کو ایک ہی وقت میں بہت سی جگہوں میں ظاہر کر سکتا ہے قابل ہوتا ہے  
وہ پانی کی سطح چل سکتا ہے اور ڈوبتا نہیں۔ وہ بڑے پرون والے عقاب کی طرح ہوا میں اڑ سکتا ہے  
اور وہ اس دنیا کو چھوڑ سکتا ہے اور پرہیزگار یعنی خدا کے آسمانوں میں جا سکتا ہے۔ اس وقت جس طرح پر  
ہاتھی انت کا کام کرنے والا اپنی خیال کے مطابق ہاتھی کی سوئیر بنا لیتا ہے اسی طرح سادھو اپنے  
خیال کے زور سے ایک اور خاصہ حاصل کرتا ہے۔ وہ مادیہ جہان کی آوازیں سننے کی طاقت  
حاصل کرتا ہے۔ بعینہ جس طرح کہ وہ اس خیالی دنیا کی آوازیں سنتا ہے۔ بلکہ حقیقت میں اس سے بھی  
زیادہ وضاحت کے ساتھ۔ اور نیز وہ اپنے من کی طاقت سے دوسروں کے بہت ہی پوشیدہ رازوں  
کو معلوم کرنے اور ان کی خصائل و عادات بتانے کے قابل ہوتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں شخص کا  
قلب آزاد ہے۔ فلاں اچھی نیت کا آدمی ہے۔ فلاں کوئی آرزوی نہیں رکھتا جس طرح بچا اپنی کان  
کی بالیوں کا عکس پانی میں دیکھ کر کہتا ہے کہ وہ بالیان میری ہیں اسی طرح ایک صاف باطن سادھو  
صدقات کو پہچان لیتا ہے۔ اس وقت اس کو دیکھنا خدا کی قابلیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ کچھ لیتا ہے جو  
کچھ انسان زمین پر کرتا ہے اور جو مرنے کے بعد یاد دہا رہے ہیں پھر دیکھتا ہے کہ دنیا کے مازوں کو معلوم  
کر لے اور یہ کہ لوگ مصیبت زدہ کیوں ہیں اور کیوں کر وہ اس حال سے رہائی پاسکتے ہیں۔

عرض مہاتما بدھ اپنی طرز اداسے واقعات بعینہ وہی لکھتے ہیں جو ایک ریگستان کے اُچی پہنچے کو دلتی اُتد  
علیہ السلام) شب معراج میں پیش آئے۔ پس خواہ وہ روح ہو جو یہی حیرت انگیز طاقتیں رکھتی ہے اور خواہ جسم کے  
اند کوئی اولیٰ طیف جسم ہوا خواہ انسان محض اسی گوشت پوست کا نام ہوا اور اس کے اندر مقناطیس یا کیمیائی  
جیسی طاقت مضمر ہو۔ اس کی تحقیق تحقیق کر نیوالوں کو مبارک ہو۔ جو امر واقعہ ہے وہ اسی قدر ہے کہ اس  
ساتھ تین ہاتھ کی مخلوق کو بڑی قدرت دی گئی ہے جس کے اس کے کرشمے عمر و مآط ہر ہر تہ میں اوجہ

وہ اس نور مطلق کی طرف دھیان لگاتا ہے اور وہ جہانیت سے بے توجہی جس کو یہ دنیا واسطے بھی روحانی اثر کے لیے شرط ٹھہرتے ہیں اپنی سب سے بڑی اور کامل صورت میں پیدا ہوتی ہے تو اس کی اندرونی طاقتیں پوری قوت سے جلیں دکھاتی ہیں اور انسان اپنی متعدد کے موافق کبھی کبھی راز کو معلوم کرتا ہے اور کبھی کوئی جسمانی اثر بطور پذیر کرتا ہے۔ اور جب صفائی اور نور باطن اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ دولت و دیار بے واسطہ میسر ہو تو وہ ویسے موقع پر وہ طاقت مکمل ہو کر کئی طرح سے اپنا ظہور دکھاتی ہے وہ لامحدود فضا میں سیر کرتا ہے اور وح مجرورہ اور گذشتہ انسانوں سے ملاتی ہوتا ہے۔ دوزخ اور بہشت کے حالات جو پس از مرگ پیش آنے والے ہیں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے کمال کے انتہائی نقطہ پر پہنچ کر جس کو معراج کہتے ہیں اُن رازوں سے واقف ہوتا ہے جن پر عمل کرنے سے نور معرفت حاصل ہوا اور انسان وصال ربانی کے لطف اٹھائے۔

معراجِ ربانی | غرض جو روحانی آثار و قضا و قضا بعض اوقات ہر آدمی کے ارادہ و صواب سے بے خبر ہوتے ہیں یا جو خاص قاعدہ دن پر عمل کرنے سے انسان اپنے ارادہ سے ظاہر کرتا ہے اُن کے مطالعہ و ثبات ہونا ہر کسبانی معراج میں جب کہ اکثر اہل اسلام مانتے ہیں کوئی اصولی غلطی نہیں اور فرق صرف اسی قدر ہے کہ کبھی رازوں کو دریافت کرنے اور جسم و حیاتیات پر عمل کرنے کی طاقت جو اپنے پیمانہ پر عام انسانوں میں پائی جاتی ہے وہ اعلیٰ درجہ تک پہنچ کر کسی خاص سے خاص بندہ کے لیے تسلیم کی گئی ہے۔

روحانی عمل کے لیے قاعدوں | بھاپ کو نگہی کے سر پوش کی حرکت یا درخت سے چلنے کا میلان ایک اونے کرشمہ تھا اس طاقت کا جو گردن و ذی اجسام کو کھینچتی ہوئی بعد میں قائم ہوئی مگر جن اندر کے بندوں کو نور عقل دیا گیا تھا انھوں نے چشم بصیرت کو گواہی وقت اس کے تمام کرشمے دیکھ لیے تھے اور اسی لیے وہ ایسے یقین سے اسکی تحقیق میں لگ گئے کہ اگرچہ دنیا ان پرستی تھی مگر وہ جس چیز کو نگہی اور بصیرت دیکھ چکے تھے ثابت کر کے رہ کر صرف نگہی اور بصیرت میں نہیں بلکہ نہایت بڑے پیمانہ پر تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور خیر یہ تو ایسے لوگ تھے جو جن کا داغ اور نیز جن کا زماہ علم و فضل کی لذت سے آشنا تھا اور اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ انکی تعلیم نے اور زمانہ کی ترقی نے ان کو اس تلاش کی طرف متوجہ کیا۔ کہ تو بتائی انسان بھی نبیوں اور اہل کاہن پر معلوم ہوتا ہے جس نے کسی چتر کو دوسرے چتر پر پگھلے ہوئے ایک ذریعہ

چمک پیدا ہوتی دیکھی ہوگی اور اس ذرا سی چیز کو دیکھ کر اس تجربہ کے پیچھے پرگیا ہوگا جو کج طرح ہزاروں برس سے انسان کو ناگ جلانے کے فائدہ دن سے متمتع کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ شخص نہ کوئی فلاسفر ہوگا اور نہ کبھی سم کی تعلیم اور تہذیب کا فخر کر سکتا ہوگا مگر کسی فوجی شخص کی فطری میلان سے پیدا ہوتی ہوگی جو انسان میں موجود ہے کہ ہر چیز جو چھوٹے پیمانہ پر ظہور پذیر ہو رہی ہے اس کا بڑے پیمانہ پر موجود ہونا بھی ممکن ہے۔ پس اسی طرح جن لوگوں کو ان کے جائزہ فطرت نے مذہبی غور و خوض اور روحانی مراقبہ و مشاہدہ کی طرف متوجہ کر دیا وہ اگرچہ آجکل کی سمرزم اور اسکے قاعدوں سے باضابطہ واقف نہ تھے مگر جو کچھ اُن کی روح نے اُنہیں پیمانہ پر دکھائے وہ اپنے فطری میلان سے اسکی مشق میں مصروف ہوئے اور روحانی صفائی سے جس قدر انکشاف و بصیرت آگیا اسی قدر انکی فطری طاقت کا ظہور ہوتا گیا۔ پس باوری فائدہ مہل کا قول صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ <sup>۱</sup> ”معجزے سمرزم اور دیگر روحانی طاقتوں کے اصل چل نہیں ہو سکتے اس لیے کہ یہ علوم اُس وقت مرتب اور مدون نہ تھے“ کیونکہ جس طرح ایک کسان درخت کے قاعدوں اور جہانی طاقت بنانے کے طریقوں سے آشنا نہیں ہوتا مگر جس کام میں وہ لگا رہتا ہے اُس سے جو فہم آتا اور جو تجربہ جہانی طاقت میں ترقی ہوتی رہتی ہے جس سے وہ ایسے کام کر سکتا ہے جو کسی پہلوان سے بھی نہ ہو سکیں۔ اسی طرح جو لوگ مذہبی کشش سے روحانی غور و خوض میں مصروف رہتے ہیں انکی روحانی طاقت خود بخود ترقی کرتی رہتی ہے اور وہ ایسے اثر پیدا کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں جو سمرزم وغیرہ کی مصنوعی تعلیم سے بالاتر ہوتے ہیں۔ بلکہ ایسا اوقات کسی اثر کے ظاہر ہونے پر وہ خود متحیر ہو جاتے ہیں اور چونکہ اُنکے ارادہ اولیٰ کا سہمیں دخل نہیں ہوتا ان کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ اس طاقت کا تخم خود اُن کے اندر رکھا گیا ہے چنانچہ مشرعوں نے جب بلند ہوئے ہیں تو وہ نہیں سمجھے کہ یہ اُن کا اپنا فعل ہے بلکہ اس اثر کو اور نیز اپنے تمام تجربوں کو تمام عمر مردہ ارواح کا افسانہ ہے۔ اسی طرح جب دادی امین کے ساتھ کر (علیہ السلام) اکی استعداد کامل تھے پہلے وہانی نظر آتا اور پھر کسی طرح لہر لگی وحی اور اسکا تجربہ ہوتا تو وہ خوف و حیرت سے بھاگنے لگے۔

کَلَّمَا رَاَهَا تَهَيَّأَتْ لَهَا لِحَاجَاتُهَا وَكُنِيَ مَلِكًا  
پس جب دیکھا اسے ہوتا ہوا گویا وہ سانپ ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔

(غزلیہ ص ۲۴۔ قصص پانچواں ص ۲۴)

## پانچم

### معراج اور معجزہ کے متعلق مزید توضیح اور معجزہ کا فائدہ

معجزہ سلسلہ علت و معلول کے تحت ہے۔ اسلام اور قانون قدرت۔ معجزہ خدا کی طرف کیوں نہ ہو تو ایسے مذہب کی طرف سے اسباب عقل کی تفصیل ہونے پر ہدایت کی غرض قوت ہو جاتی ہے تمام واقعات کے اسباب معلوم نہیں ہو سکتے۔ سبب معلوم نہ ہونے پر عقل کیا عمل کرتی ہے۔ مذہب کیا عمل کرتا ہے۔ معراج کے متعلق کیا یقین ہونا چاہئے۔ بالعموم معجزہ کے متعلق ہی یقین کافی ہے۔ معجزہ کو دعویٰ نبوت سے کیا تعلق ہے۔ معجزہ خاص حالات میں مفید ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کی کمزوری اور اسکی وجہ۔ دائمی مذہب کے لیے معجزہ کے سوا کوئی اور ثبوت ہونا چاہئے عقل ثبوت پر اعتراض اور اس کا جواب عقل مختلف مذاہب کی نزاع میں فیصلہ دے سکتی ہے۔ عقل ترقی سے مذہب کو استحکام ہوتا ہے۔

معجزہ سلسلہ علت و معلول

کے تحت ہے۔

ابھی تک معراج اور اس کے ضمن میں معجزہ کے متعلق وہی مسلک اختیار کیا گیا

ہے جس کے پتہ اور نشان عقل کے منہا نہ تھے۔ لیکن اکثر اشخاص جمہور

کو مانتے ہیں وہ اسکو کسی خاص علت و معلول کا نتیجہ نہیں گردانتے بلکہ براہ راست قدرت خداوندی کا اثر مانتے ہیں جو اس کے تمام معینہ قوانین کے خلاف ظہور پذیر ہوتا ہے چنانچہ فادر ای اسکل لکھتے ہیں

”معجزہ کو ماننے والے خدا کو ایک کارکن مانتے ہیں جس کا عمل ہر وقت جاری ہے اور اس کا ایک دم کے لیے غافل ہونا تمام دنیا کی تباہی کا باعث ہے پس اس کا دائمی عمل قانون قدرت ہے اور اس کا گاہ کاہل معجزہ مثلاً آکسیجن اور میٹھن جو جن کے لئے سو اگر خدا کا ارادہ ہو تو پانی بن جاتا ہے اور یہ قانون قدرت ہے اور اگر خدا کا ارادہ شمال و جنوب پانی نہیں بننے کا اور یہ معجزہ ہے۔“

اور بیشک خدا کو ماننے کے تین طریقوں میں سے جو دنیا میں رائج ہیں یعنی وحدت و جبر و جبرین و طلاق

۱۔ رسالہ الیسیٹ اینڈ ویسیٹ۔ ماہ جنوری ۱۹۰۹ء خلاصہ۔

ہستی کو خدا اور اس کے مختلف مظاہر کو مخلوق مانا جاتا ہے۔ اور ایمان بالصلوات جن میں مانا جاتا ہے کہ خدا نے ایک مشین بنا دی ہے جو چل رہی ہے اور بنائے کے بعد صانع کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ اور ایمان بالخالق جس میں مانا جاتا ہے کہ مخلوق کسی وقت اپنے خالق سے بے نیاز نہیں رہے۔ ان تینوں شکلوں میں سے اگر تیسری شکل صحیح ہے اور نیز اگر خدا اپنی ذات اور قدرت میں غیر محدود ہے تو جس طرح ہم اوپر سے آنے والے ایک ذرہ کو اپنے ہاتھ میں لیکر اس کو زمین پر گرنے سے روک سکتے ہیں اس لیے کہ کشش ثقل کا جتنا حصہ اس ذرہ کو نیچے کھینچ لارہا تھا۔ ہمارے ہاتھ کی طاقت اس کو زیادہ ہے اور اس لیے اس وقت کشش ثقل کا عمل نہ کرنا اس کے قانون کا ٹوٹنا نہیں ہے بلکہ ایک اس سے بڑی طاقت کا اثر ہم پر رہا ہے۔ اسی طرح خدا چونکہ سب سے بڑی طاقت ہے اس لیے اس کا دنیا کی تمام طاقتوں کا اثر ہم پر رہا اور اپنے ارادہ سے ان کے قوانین کو کسی خاص وقت کے لیے معطل کرنا خلاف قانون قدرت نہیں ہو سکتا۔ اور نیز بیشک مذہبی حیثیت سے خدا کو مدبر عالم جاننا اور ہر کام کو اسی کی قدرت اور ارادہ کا اثر سمجھنا فرض ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو خدا عدسے اس نے مقرر کر دیے ہیں اگرچہ اپنی بالاتر طاقت کو دخل دیکر کسی وقت کے لیے ان کو معطل کر دینا خلاف قانون قدرت نہ ہو مگر چونکہ وہ حکیم و خیر ہے اس لیے خاص اس کی اپنی طاقت کو دخل دینے کا کوئی فائدہ ایسا ہونا چاہیے جو اس عمل کے سوا صورت پذیر نہ ہو سکے۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ وہ فائدہ بند گان خدا کو ہدایت کرنا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کی ذات سے انکار کرنے والے اور بالخصوص اس خاص صورت سے انکار کرنے والے جس صورت پر خدا کو ماننے کے لیے معجزہ لانے والے انبیاء کیسے کرتے ہیں اور نیز اس کے ساتھ شرک کرنے والے ہر زمانہ میں کثرت سے موجود ہیں۔ پس اگر ان کو ہدایت دینے کا فائدہ محض معجزات سے حاصل ہو سکتا ہے تو لازم ہے کہ معجزات کا ظہور ہر وقت ہوتا رہے حالانکہ اگرچہ معجزات ہرگز اور ہر قوم میں کثرت سے مروج ہیں مگر عینہ ظاہر نہیں ہوتے اور زمانے کا بہت بڑا حصہ ان سے خالی گذرتا اور گذر رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی قدرت کاملہ کی حرکت میں آنے کی وجہ محض ہدایت کے سوا کچھ اور ہوگی۔ اور نیز جس طرح پر خدا کی قدرت کاملہ سے بغیر کسی ظاہری سبب کے معجزہ کا ظہور ہو سکتا ہے اسی طرح خدا کی قدرت کاملہ سے بغیر کسی ظاہری سبب کے خلق اللہ کو ہدایت ہو سکتی ہے پس خلق اللہ کو ہدایت کرنے

کونے کے لٹو انبیا کو سب ٹھیکرانا اور انبیا کی تصدیق کے لیے معجزہ کو علت گردانا خود اس دعویٰ کو تسلیم کرنا ہے کہ اگرچہ ہر سب کچھ خدا کی قدرت سے ہے مگر اس عالم اسباب میں اس کے ظہور کے لیے خاص قوا و علت و معلول کا ایک سلسلہ مقرر ہے مثلاً آکسیجن اور ہائیڈروجن کے ملنے سے پانی کا بننا خدا کے حکم اور ارادہ پر موقوف ہے مگر اس کے پانی بننے کا حکم بھی خدا پر ہوتا ہے کہ دو نو اپنی معینہ مقدار پر اور مقررہ شرطوں کے ساتھ جمع ہوں۔ اور ان کے جمع ہونے پر اس کا پانی نہ بننے کا حکم اسی وقت ہوتا ہے جب انکی معینہ مقدار میں تفاوت ہو یا شرطین جو پانی بنانے کیلئے اس نے مقرر کی ہیں وہ موجود نہ ہوں۔ اسی طرح جسم کو آگ میں ڈالنے پر اس کا نہ جلنا یا جسم کا بغیر جہانی اسباب کے بلند ہونا اگرچہ ہے خدا کی قدرت سے مگر ایک وقت میں ایسا اثر ظاہر ہونے کے لیے اور دوسرے وقت میں ایسا نہ ہونے کے لیے بھی ضرور کوئی وجہ ہے اور وہ یہی ہے کہ ظاہر ہونے کے وقت کوئی خدا کا بندہ ایسا صاف باطن موجود ہوتا ہے جسکی ان روحانی طاقتوں میں سے جن کے اوئی کرشمے ہم دیکھ رہے ہیں کوئی طاقت ایسی قوی ہو جاتی ہے کہ وہ جسم پر حکومت کر سکتا ہے اور اس وقت وہ صفائی جو اسکی روح میں پیدا ہوئی ہے آئینہ بن کر اور وہ نور جو خدا کی قدرت کا ملکہ کی شکل میں ہر وقت تابان ہے آفتاب بن کر دونوں باہم متصل ہو جاتے ہیں اور اس وصل سے اجسام پر اثر کرنے کی ویسی ہی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جو بلا تشبیہ (ریڈی امیٹ) کے اوپر روشنی ڈالنے سے جو ٹپے پائے پر اس کے اندر کا پنکھا ہلنے میں ظاہر ہوتی ہے۔ غرض اس اثر کو خدا کی قدرت کا اثر کہو یا انسان کی روحانی طاقت کا کرشمہ مطلب وہی ہے کہ ہر سب کچھ خدا کی قدرت سے ہے مگر اس کے ہونیکے واسطے انسان کی روحانی طاقت ایک سنت اور قانون ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

اسلام اور قانون قدرت معلوم نہیں دنیا کے اور مذاہب اور ان کی آسمانی کتابیں اس بارہ میں کیا فیصلہ دیتی ہیں مگر اسلام اور اس کی آخری کتاب یعنی قرآن کو دیکھا جائے تو اس میں بار بار اور بصرہً مذکور ہے کہ خدا قادر مطلق ہے مگر دنیا میں اس کے تمام افعال خاص سنت اور خاص طریق پر جاری ہیں اور بغیر معین روش اور خدا کے اسکی قدرت کا ظہور نہیں ہوتا۔ مثلاً ارشاد ہے۔



وَأَنَّ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا  
نُنَزِّلُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ (حجراتہ ع)  
سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ سُلَاطِنَا  
وَلَا نَحْدِلْ سُنَّتَنا تَحْوِيلًا (نبی اسرائیل پاره ع)  
فَظَرَعَ اللَّهُ النَّاقَتِ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَتُؤْتِيَ بِكَ  
لِخَافِ اللَّهِ مِثْلَ ذَٰلِكَ دِينَ الْقَتْمِ ط (اروم پاره ع)  
سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ  
أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا (احزاب پاره ع)  
قُلْ يَنْظُرُونَ إِلَاسُنَّةَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ  
تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَكِنْ لَتَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ  
تَحْوِيلًا (فاطر پاره ع)  
سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَكِنْ  
تَحْدِلْ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ر (نوح پاره ع)  
مَا يَسْبِيْلُ الْقَوْلُ لَدَيْ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ  
لِّلْعَبِيدِ (ق پاره ع)  
أَنَا كُلُّ شَيْءٍ مَّخْلُوقٌ لِّقَدَمِ (قمر پاره ع)  
فَقَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْدًا (طلاق پاره ع)

اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں  
مگر ہم انکو نہیں اوتارتے مگر ایک عین مقدار پر۔  
یہی طریق ہے ان انبیا کی نسبت جن کو ہم نے تم سے پہلے بھیجا تو  
اور تم خدا کی سنت میں تبدیل نہ پاؤ گے۔  
یہ خدا کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ خدا کی  
پیدائش میں تبدیل نہیں۔ یہی مضبوط رستہ ہے۔  
یہی خدا کا دستور ہے ان لوگوں کی نسبت جو پہلے گذر چکے  
خدا کا حکم مقررانہ اور ہر ہے۔  
پس وہ نہیں دیکھتے مگر گذشتہ لوگوں کے طریق کو پس تم  
خدا کے دستور میں تبدیل نہ پاؤ گے۔ اور خدا کے دستور  
میں انقلاب نہ پاؤ گے  
یہ خدا کا دستور ہے جو پہلے سے جاری ہے اور تم خدا کے  
دستور میں تبدیل نہ پاؤ گے  
میری بات بدلی نہیں جاتی اور میں بندوں پر ظلم کرتا ہوں  
نہیں ہوں۔  
ہم نے ہر چیز کو اندازہ سے پیدا کیا ہے۔  
خدا نے ہر چیز کے لیے اندازہ مقرر کیا ہے۔

معجزات کی روایتوں کو نہ یہی نظر سے دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ اکثر حکم مجموعہ  
نفس ہوتا ہے۔ -  
کو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ خدا نے دریا کو پھاڑ دیا یا  
خدا نے آگ کو جلانے سے روک دیا اور اس کو سمجھتے ہیں کہ یہ واقعہ بغیر کسی عین کے محض قدرت خدا ہے  
ظہور پذیر ہوا ہے۔ مگر یہ وہی عام طریق ہدایت پر غور نہ کرنے سے ہوتا ہے ورنہ مذہب کی غرض محض خدا کی عین

بلانا اور اس نمک پہونچنے کے وسائل بتانا ہے اور غافلوں کو اس مدد کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ظاہر قدرت کو ان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور چونکہ جبریت کا مبداء اور خالق وہی ذات باری ہے اس لیے ان کو یاد دلایا جاتا ہے کہ جو ذات ان مظاہر اور شئی کی خالق ہے وہی سب کی انتہائی مقصود و ہدف ہے چنانچہ ہوائوں کے چلنے کے لیے۔ بارش کے برسوں کے لیے۔ زمین سے نباتات اگنے کے لیے۔ آفتاب و مہتاب کی حرکت کے لیے انسان اور پیران کی شکل صورت اور زبان مختلف ہونے کے لیے خاص اسباب و علل کا ایک طویل سلسلہ معین ہے مگر کہا جاتا ہے کہ خدا ہواؤں کو چلاتا ہے۔ بارش برساتا ہے۔ زمین سے نباتات اگاتا ہے۔ اور تمام مظاہر قدرت کو پیدا کرتا ہے۔

خدا وہ ذات جس نے آفتاب کو روشنی اور مہتاب کو نور بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تمام لوگوں کی تعداد اور ان کے حساب سے اگاد ہو۔ خدا نے جو یہ پیدا کیا ہے تو حق کیا ہو۔ بیکار نہیں کیا۔ اور وہ جاننے والوں کے لیے اپنے نشانات کی تفصیل کرتا ہے۔

اور اس کے نشان ہیں آسمان و زمین کی پیدائش اور تمھاری زبان اور تمھاری رنگوں کا اختلاف۔ بیشک اس میں اہل علم کے لیے بڑے نشان ہیں۔

اور اس کے نشان ہیں جو وہ ہوائیں بھیجتے تاکہ جو بیجا دینے لگے تم اُن کی حرکت کا لطف اٹھاؤ اور تاکہ اُس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فعل بخیر و شایع تلاش کرو اور تاکہ تم شکوہ کرو۔۔۔۔۔ خدا کی حرکت کے نشانوں کو دیکھو وہ زمین کو ترہہ ہو کر بعد کی زندگی کو زندہ کرتا ہے جس کی ہر درجہ زندہ کرنے والا ہے۔ اور جو بات کو چاہے اس پر قادر ہو

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا  
وَقَدَرًا مَنَازِلَ لِّعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ إِنَّ السَّيِّئِينَ  
وَالْحَسَابِطَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذُلِكَ إِلَّا لِيُحْشَى  
يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ

ریمس پڑہ ۱۷

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَاخْتَلَا  
السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ  
لِّلْعَالَمِينَ ط (روم پارہ ۳۷)

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيحَ مُبَشِّرَاتٍ وَ  
لِيُنْفِثَ فِيكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِيُنْفِثَ فِي الْفُلُكِ  
بِأَمْرِهِ وَلِيَتَّبِعُوا مِنْ فَضْلِهِ وَتَعْلَمُونَ كَذَلِكَ  
..... فَأَنظُرْ إِلَى آثَارِ رَحْمَةِ اللَّهِ  
كَيْفَ يَخْرُجُ الْآرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ  
الْعَزِيزِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (روم پارہ ۳۷)

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ قَشْقَطِهِ  
وَيُنْشِئُ سَحَابَهُ وَهُوَ الْوَاقِعُ الْحَكِيمُ

اور وہی ہے جو بارش اُتارتا ہے اس حال میں جبکہ لوگ  
ناامید ہو چکے ہیں اور اپنی رحمت پھیلانا ہے اور وہ  
دوستی کے قابل اور تعریف کے قابل ہے۔

رشدیہ پارہ ۳ ع ۱۳

پس اسی محاورہ کے موافق جس طرح پر بیان بارش اور ہوا وغیرہ کے تمام درمیانی اسباب اور علل کو ذکر نہیں  
کیا جاتا معجزات کے بارے میں بھی ان کے اسباب اور طریقہ طور سے اعراض کیا جاتا ہے اس لیے کہ غرض  
ان کے ذکر سے بھی ان مظاہر کی علت اولیٰ کو یاد کرنا ہے اور جس طرح فلسفیانہ دماغ کے لوگ ہوا اور  
بارش کے مضمون کو یوں ادا کر سکتے ہیں کہ ایسا قانون بنانے والا جس سے بارش اور ہوا باعث رحمت ہوتے  
ہیں بہت بڑا قابلِ عظمت ہے۔ اسی طرح معجزات کے ذکر سے تسکین حاصل کی جاتی ہے کہ ایسی طاقتوں کو  
پیدا کرنے والا جس سے ایسے عجیب افعال صادر ہوتے ہیں بہت بڑا صاحبِ قدرت ہے۔

مذہب کی طرف سے اسبابِ علل کی  
تفصیل یعنی پرہیز کی غرض نیت  
بھی اپنا فرض گردانتا قزاقان پیچیدہ مسائل کے ذکر سے اسامی  
کتا بہن بچا سے روحانی داری کے فزی آجی اور سائی کا لوجی وغیرہ کی  
ہو جاتی ہے۔

کتابین بنجاقین اور اصلی غرض یعنی توجہ الی اللہ فوت ہو جاتی۔ اور دوسرے جس زمانے میں ان کی  
عقول کسی واقعہ کا اصلی سبب سمجھنے کی طاقت و ہندو نہیں کھتیں اس وقت کے لوگوں کے لیے ان اسباب  
کا ذکر فضول ہوتا بلکہ عجیب اور کم علم لوگوں کے لیے تنگی لگتا اور ہر زمانے میں علماء اور فلسفیوں سے زیادہ ہوتی  
ہے تعلیم اور الجھن پیدا کرتی۔ آفتاب و ماہتاب کی گردش اور کسوف و خسوف کے اسباب کا ذکر وحشی  
قوموں کے واسطے ایک طرف متقدم ممالک کی عام لوگوں کیلئے بھی محض بے سود ہوتا۔ روحانی طاقتوں  
کے قاعدہ سچ سے سو برس پیشتر تمام دنیا کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ غرض نظامِ عالم کو دیکھتے ہوئے اور مظاہر  
قدرت اور معجزات کے ذکر سے جو غرض ہے اس کو لحاظ رکھتے ہوئے یہ یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک تو اسباب کا ذکر  
مذہب کے لیے غیر ضروری اور اس کی غرض کو فوت کرنے والا ہے اور دوسرے یہ کہ دنیا عالم اسباب ہے اور یہاں  
کا کوئی فعل بغیر کسی علت کے اور بغیر خاص طریقہ طور کے جس کو قانون قدرت یا مشیت اللہ کہتے ہیں

پیابہنیں ہوتا۔

تمام واقعات کے اسباب معلوم نہیں ہو سکتے۔

فادہ رکھل یہ درست فرماتے ہیں کہ تمام عجوبات ہمزیم وغیرہ کے اصول پر نہیں ہو سکتے۔ اور بیشک دنیا کے تمام مذاہب میں خواہ کسی کی بنیاد فلسفیانہ اصول پر ہو یا الہامی تسلیم پر معجزات اس کثرت سے اور اس اختلاف انواع سے مروی ہیں کہ سب کے لیے خاص اصول اور قوانین کی تلاش انسان کے لیے کم از کم اس وقت تک ناممکن ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ اکثر بلکہ تمام مذاہب میں ماننے والوں کی خوش اعتقادی یا طرزِ ادا کی وجہ سے بہت سے غلط واقعات بھی معجزات میں شامل ہو گئے ہوں گے۔ یا ایسے واقعات جو محرمی تو حجابی کے مطابق ظورِ بزرگ ہوئے ہوں معجزہ کی شکل میں بیان کر دیے گئے ہوں گے۔ مگر عقل یہ دعویٰ کہی نہیں کر سکتی کہ تمام قوانین قدرت معلوم ہو چکے ہیں تاکہ جو واقعہ معلومہ قوانین کے مطابق حل ہو سکے اسکو غلط کہیں یا براہِ راست قدرت خداوندی کا ظورِ باریک۔ اور دوسری جانب مذاہب یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ تمام طب و دوا بس اس صحیح و غلط روایات کو کیساں سہ کرکھون پر رکھ لیا جائے۔ بلکہ ایسے موقع پر جو کام عقل کیا کرتی ہے مذاہب اس سے زیادہ احتیاط کے ساتھ چلنے کو کہتا ہے۔

سبب معلوم ہونے پر عقل کیا عمل کرتی ہے۔

عقل مظاہرِ حجابی کو دیکھتی ہے ان کے اسباب تلاش کرتی ہے آج ایک سبب پر یقین ہوتا ہے کل تو ہی واقعہ اور شکل میں پیش ہوتا ہے اور دوسرے سبب تلاش کرنا پڑتا ہے اور اس طرح غلطی پر غلطی کرتی ہوئی کبھی واقعی سبب تک پہنچ جاتی ہے اور کبھی عجز کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اور جہاں واقعی سبب دریافت کر لیا جاتا ہے۔ وہاں بھی اکثر احتمال باقی رہتا ہے۔ زمین تک حرارت اور روشنی پہنچنے کا سبب آفتاب کو گردانا گیا ہے مگر روشنی اور حرارت کی فضا اور اسکے زمین تک پہنچنے کی وجہ دریافت نہیں ہو سکی اور کہا جاتا ہے کہ اتھیر کو فضا میں پھیلا ہوا مائیکر بھی مسئلہ آج نو آئیل یعنی ناقابلِ فہم ہے۔ سونا۔ چاندی اور بعض دیگر معدنیات تحلیل نہیں ہو سکتیں اس کا سبب یہ کہ عنصر ہیں مگر بھی ہمال باقی ہے کہ شاید تحلیل ہو نہ سکا سبب آلات کا نقص ہو اور واقعہ میں چسپیزین عنصر نہ ہوں۔ یہاں تک کوشش کر چکے کہ بعد جو واقعات یقینی معلوم ہوتے ہیں ان کے

واقع ہونے پر یقین کیا جاتا ہے اور سبب کو کبھی یا اس اور کبھی طول ایل کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اور دوسری جانب مذہب مظاہر حسیاتی کے ساتھ مظاہر روحانی اور ان کشفی کیفیتوں کا بھی ذکر کرتا ہے جو عارفان الہی کو ان کی استعداد کے موافق وقتاً فوقتاً پیش آتے ہیں اور جن کو سمجھنا انسانی عقل کے لیے ناممکن ہے۔ مگر وہ غلطیوں کا لمبا سلسلہ جو حسیات کی تلاش میں عقل کے لیے ضروری اور اس کو ترقی دینے والا ہے مذہب کے نزدیک غیر ضروری اور اسکی غرض کے منافی ہے۔

مذہب کا عمل کیسا ہے؟ مذہب نے اپنی تعلیم کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ امور ہیں جن کو سبب لانے کا یا ان سے پرہیز کرنے کا حکم ہے اور ان کو اصطلاح مذہب میں حکمت کہتے ہیں۔

اور دوسرے وہ امور جن سے محض قدرت خداوندی کا اظہار اور انسان کو توجہ الی اللہ کی ترغیب دینا مقصود ہے اور ان کو تشاہدات کہا جاتا ہے کیونکہ ایسے امور خواہ باش اور ہو اسکی طرح معنوی اسباب سے پیدا ہوتے ہیں یا مخفی اور نامعلوم علتوں سے۔ اختلاف زمانہ سے ان کے اسباب کے متعلق بہت توجہ میں ایک دوسرے کے متضاد پیدا ہو سکتی ہیں اور روحانی اور کشفی امور کی نسبت بے شبہ ہر وقت اہم اور اشتباہ رہتا ہے اور کبھی یقینی سبب دریافت نہیں ہو سکتا۔ پس مذہب محکمت کو تفصیل ذکر کرتا ہے اور تشاہدات کی نسبت کوئی توجہ تقسیم کر کے اس پر اصرار کرنے سے روکتا ہے۔ کیونکہ اگر توجہ تلاش کی جائے اور وہ غلط ہو۔ اور کشفی امور میں عقلی توجہیات کا نظر اکثر حالات غلط ہونا غلبے سے تو اس پر عہد اصرار کرنا فتنہ و ناسو پیدا کرتا ہے اور نادرستہ یقین کرنا غلط تصور کرنا ہے جو تاویل حیا اور روح کے لٹو تارکی کا باعث ہے پس مذہب کے نزدیک سچے عالم کی یہ شان ہرگز نہیں کہ وہ کسی تاویل پر جو اسکے اپنے ذہن سے پیدا ہوئی ہے۔ اصرار کرے بلکہ اس کا فرض ہے کہ جن واقعات کو وہ اپنی عینی یا نہ ہی شہادت سے درست سمجھتا ہے انکو بالا جمال مانکر ان کی یاد اور ذکر سے دل پر خدا کی عظمت اور قدرت کا نقش چلائے اور یہ کہ اس واقعہ کی علت کیوں پڑتا ہے اس کے لیے کہ خدا پر چھوڑ دے۔

خداوند ذات ہر چیز نے تم پر کتب اناری۔ پس میں سے بعض آیات حکمت ہیں جن پر ہدایت کا مارچ اور ان میں تشاہدات

ہم لا الذی انتک علیک التواضع فیہ الیہ  
فحکمتک ہون انم الکتاب و اکثر منک اکثر

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرِجٌ فَيَفْتِنُوْنَ مَا  
تَشَاءُ مِنْهُ اَتَيْنَا الْفِتْنَةَ وَاَتَيْنَا  
تَاْوِيْلَهُ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهُ اِلَّا اللّٰهُ  
وَكَذٰلِكَ يُفْتِنُ الَّذِيْنَ اٰمَنَّا  
بِهٖ كُلِّ مَكْرٍ عِنْدَ بَنِي اٰدَمَ وَآدَمُ  
اَوَّلُ الْاَنْبِيَآءِ (آل عمران پارہ ۱)

ہیں پس جن لوگوں کے دل میں شک ہے وہ متشابہات کے  
پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ فتنہ پیدا کرنے کے لیے یا تاویل معلوم کرنے  
کیلئے۔ حالانکہ اسکی تاویل (توضیح) خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا  
اور جو بوجہ علم رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔  
یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے۔ اور نصیحت وہی حاصل  
کر سکتے ہیں جو عقل مند ہوں۔

معراج کے متعلق کیسا یقین  
ہونا چاہیئے۔

عرض ایک وقت میں تصور متعدد اس کے سبب، کسی غلط سبب پر یقین کرنا  
عقل کے لیے اس وقت کیلئے نازیبا نہیں ہو بلکہ ہدایت دہنی ہو تا ہے لیکن ہر سبب  
اپنے دائرہ میں اتنی غلطی کو بھی جائز نہیں سمجھتا اور وہ اس قدر یقین کر داتا ہے جس میں شبہ کی گنجائش نہ ہو  
مثلاً معراج کی نسبت خواب کا واقعہ روحانی کشفی سیاحت۔ روح کا جسمانی اثر یا اس کے سوا کچھ اور عرض کسی  
ایک توجہ پر قائم ہونا اور اصل کرنا زیبا ہو گا۔ اور سلیم تر عقیدہ یہی ہو سکتا ہے کہ غایت کمال انسانی اور  
توجہ الی اللہ کے نہایت استغراق سے کسی قسم کا انکشاف ہو اسے جس کی حقیقت خدا کے سوا اور کسی کو  
معلوم نہیں۔

بالعموم معجزہ کے متعلق ہی  
یقین کافی ہے۔

اور یہی مسلک ہر مذہب کے لیو ان معجزات کے متعلق ہو سکتا ہے جو اس مذہب کے  
معتبر اور قابل ثبوت روایتوں سے ثابت ہوں کہ محض واقعہ کو انکے عظمت خداوندی

اور ہم دیکھتے ہیں کہ جو روایات معراج کے متعلق قطعی طور پر مروی ہیں ان میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو کسی خاص صورت پر یقین  
کرنا کیونکہ ہر مذہب ان میں ذکر نہیں کہ معراج کا فطری عنصر ہی سے ہوا محض خدا نے بندہ کو سیر کرائی، یا ”میں گیا اور میری دیکھا“، یا ”میں  
کے الفاظ ہیں۔ اور ان الفاظوں سے روح معجزہ ہی مراد ہو سکتی ہے اور صرف روح کا ذکر بھی انہی الفاظ سے کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہم لوگ  
اپنے خواب بیان کرتے ہیں۔ تب بھی اس مشاہدہ کو جو جسمانی نہیں ہوتا یا توئی ادا کرتے ہیں کہ میں نے یہ خواب دیکھا اور میں نے مان گیا  
اور اسی طرح یہ لفظ کہ ”ہم نے جو ہم کو خواب دیکھا یا ہے وہ ایک آزمائش ہے“ اس سے بھی ثبات کرنا بددستی سے کہ تو  
خاص خواب ہی کا واقعہ تھا کیونکہ کوئی عجیب اور دلچسپ نظارہ جو تھوڑی دیر کے لیے نظر آئے اس کی نسبت یوں کہنا عام  
معاورہ ہے کہ ”ایک خواب تھا جو دیکھ لیا“

کا خیال تسلیم کیا جاوے اور واقعہ کی کیفیت کہ وہ روحانی اثر سے ہوا یا معمولی جسمانی فعل سے یا کسی اور طرح پر اس تفتیش کو اپنے عقیدہ میں دخل نہ دیا جائے۔ اس لیے کہ قدرت خداوندی کا یقین ایک درجہ سے لیکر کسی بڑے آسمانی کمرہ تک کے ہر ایک معمولی اور غیر معمولی واقعہ سے ہو سکتا ہے مثلاً دشمن سے بھاگنے والے قافلہ کو دریا سامنے آجانے پر اپنی گرفتاری اور موت کا یقین ہو گیا ہے اور ساتھ ہی کسی طرح دریا سے گزرنے کا راستہ پایا ہے اور پار جانے پر جب دشمن اسی رستہ سے عبور کرنے لگا ہے تو دریا کے پڑھائو نے اسے غرق کر دیا ہے۔ اس واقعہ میں دریا کا رستہ دینا خواہ روحانی طاقت کا اثر جس سے اشارہ کرتے ہی پانی کی حرکت ترک گئی اور جا سجا رستے پایا ہو گئے۔ یا معمولی اتفاق ہو کہ دریا میں لکڑی ٹپکتے ہی جزیرے کے اثر سے کئی جگہ پانی پایاب ہو گیا ہو اور بعض بعض گروہوں میں ابھی پہاڑ جیسی لہرین پڑ رہی ہوں اور دشمن کے عبور کرنے کے وقت پہرندہ یا ہو کر سطح ہوا رہو گئی ہو۔ ہر طرح پر ایسے نازک وقت میں مغلوب کار ہائی پانا اور غالب کا تباہ ہونا قدرت خداوندی کا بڑا کرشمہ ہے اور انسان کے لیے یہ واقعہ ہر طرح خدا کی طرف توجہ کرنے کا محرک ہے۔ پس ان دونوں توجہوں یا اور ایسی چند تشریحوں میں سے کیوں کسی ایک یقین کیا جائے جبکہ ہر طرح حاصل ہو سکتا ہے اور کیوں نہ کہا جائے کہ **وَمَا كُنْزُكُمْ تَارُوتُ لَكُمْ إِلَّا اللَّهُ**۔ اَمَّا لَكُمْ كُلِّ حِينٍ عَذَابٌ كَثِيرٌ

معجزہ کو دعویٰ نبوت سے | معراج کو دعویٰ نبوت کی شہادت میں پیش نہیں کیا گیا۔ بلکہ اسکی تفصیل کیا تعلق ہے۔ بطور ایک واقعہ کے اپنے دوستوں میں بیان کی گئی ہے اور کلام ربانی میں

اس کا محل اشارہ اظہار قدرت کے طور پر ہوا ہے اور اس لیے اس کو مشہور اصطلاحی معنوں میں معجزہ نہیں کہہ سکتے۔ مگر یہ عجیب واقعات جو اسی قسم کے مخفی اسباب سے ظہور پذیر ہوتے رہی ہیں ان کو بیشک اکثر جگہ بطور شہادت کے پیش کیا گیا ہے اور اس لیے عام طور پر معجزہ انہی فوق العادت افعال کو کہتے ہیں جو نبوت نبوت کیلئے پیش ہوں پس اگر معجزات کو روحانی طاقت اور دیگر معینہ تو انہی قدرت کا اثر مانا جاوے تو سوال یہ تھا کہ اس سے دعویٰ نبوت کیونکر ثابت ہوگا؟ کیونکہ اگر کوئی شخص جسمانی طاقت کی اپنی مشق بہم پہنچا سکے کہ اپنے زمانہ کے تمام پہلوانوں سے بڑھ جائے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ

شخص صادق القول باریات اور اپنی تعلیم میں قابل تسلیم بھی ہے۔ اسی طرح جو شخص روحانی مشق میں ایسا فائق ہو گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو اس جیسے اعمال سرزد نہیں ہو سکتے تو کیونکہ لازم آتا ہے کہ نہ ہر کسے متعلق بھی ایسی باتیں راست اور قابل پذیرائی ہیں۔

اس شش پونج میں پڑ کر مخالفین کی طرف سے ایک طرف تو یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس شخص کی صداقت کے لیے جو اپنے تئیں فرستادہ خدا اور اپنی تعلیم کو حکم خدا بتاتا ہے ضرور ہو کہ اس کو ایسے نشان دہیے عاثرین جو تمام قوانین معینہ سے پرے اور محض قدرت خداوندی کا اثر ہوں۔ تاکہ ثابت ہو کہ جب خدا نے اسے بھیجا ہے تو اپنی خاص قدرت کو گواہ بنا کر اس کے ساتھ کر دیا ہے۔ اور دوسری طرف جب قدرت خداوندی کا بے واسطہ ظاہر ہونا ثابت نہیں ہوتا تو نبوت کے وجود سے انکار کیا جاتا ہے چنانچہ ڈاکٹر جان ایس مل اپنے تیسرے مضمون میں اسی پتا پر وحی کی تردید کرتے ہیں مگر ان دونوں مقدمات میں سے دوسرا مقدمہ بیشک صحیح ہے اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے نظام عالم سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت المدین اور مقرر ہے اور اس کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن پہلا دعویٰ کہ ثبوت نبوت کے لیے فوق العادت نشان ہونا چاہیے اور معینہ قوانین قدرت کے مظاہر یہ خدمت ادا نہیں کر سکتے کسی قدر غلط ہے۔

معجزہ خاص حالات میں  
مفید ہوتا ہے۔  
وہ کیا کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوام انسانی کی حالت اپنے آثار و خبام میں افراد انسانی سے بہت کچھ مشابہ ہے جس طرح ہر ایک بچہ ہوتا ہے شعوری کی حالت سے ترقی کرتا ہوا کامل عقل مشعور تک پہنچتا ہے اسی طرح سے تو میں بھی ابتدا ہی و نشیانہ حالت سے تدریج تہذیب تک پہنچتی ہیں اور جس طرح بچہ ابتدا میں عجیب باتوں کا مشتاق ہوتا ہے اور ہر کام میں ان لوگوں کی تقلید کرتا ہے جو طاقت میں اس سے بڑے ہوں۔ اور پھر جس قدر عقل و تہذیب میں بڑھتا جاتا ہے عجائب پرستی اور تقلید کو چھوڑ کر عقل کی رہنمائی کو قبول کرتا جاتا ہے۔ اسی طرح اقوام انسانی بھی ابتدا سے تہذیب میں عقل و شعور سے عاری ہوتی ہیں اور گروہ پیش کے مناظر قدرت کو دیکھ کر ان سے عاقلانہ علمی منت اسچہ پیرا کر سکتی ہیں اور نہ عارفانہ روحانی تسکین پاسکتی ہیں۔ انکا



منہائے نظر صرف یہی ہوتا ہے کہ جس چیز کو عام اشیاء سے ممتاز اور عجیب پاتے ہیں بچوں کی طرح  
 اسی کی طرف جھک جاتے ہیں۔ کسی درخت کو عام نباتات میں کسی صفت میں ممتاز پایا اسی کی طرف جھک گئے  
 کہ جی ہاں بزرگ کوئی عجیب خاصیت دیکھی اسی کی پیروی کرنے لگے۔ یا کسی انسان میں اپنی سے زیادہ قدرت دیکھی  
 اسی کا دھن بکڑ لیا۔ غرض اس طرح ابتدائی حالت کو ترقی کرتے کرتے بتدریج عقل و شعور اور وجدان منتظر  
 تک پہنچتی ہیں۔ اور نیز زمانے کی ترقی سے ہلکا کی تعداد اگرچہ اب بھی ہے مگر کم ہوتی جاتی ہے اور کثرت  
 زمانے میں ایسی تو ہیں اور ایسے افراد بکثرت موجود تھے چنانچہ اس زمانے کی عجائب پرستی اور تقلید کی وجہ  
 سے معمولی جاہ و گردن اور فسون سادوں کی وہ پریش ہوتی تھی جس کی آج خدا کے واسطے بھی توقع نہیں  
 کی جاتی۔ پس ایسے وقت اور ایسی قوم میں جو شخص وحی و الہام کی دولت لیکر آتا تھا اور لوگوں کو راہ رست  
 دکھانا چاہتا مگر لوگ نہ اس کی عرفانی قدر و منزلت کو سمجھ سکتے تھے اور نہ عقل و شعور سے اس کی تعلیم کو پرکھ سکتے تھے  
 تو انہیں حالات ایسی قوم کو راہ رہست پر لانے کا صرف وہی طریق ہو سکتا تھا جو بچوں کو عقل و شعور سکھانے کے  
 لیے برتا جاتا ہے اور عموماً قسمتی سے آج ہم کو اس مثال کی وضاحت کے لیے جو سامان پیش ہے وہ پہلے حال  
 نہ تھا۔ ہمیشہ سے بچوں کو بچپن کے زمانے میں عقل و شعور کی باتیں فلسفیانہ گفتہ سنی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش  
 ہوتی رہی ہے مگر چونکہ ان کے دماغ اس تعلیم کے لیے تیار نہیں ہوتے اس لیے مارپیٹ اور جبر و تشدد و بچپن  
 کی تعلیم کا جزو اعظم رہا ہے اور پھر بھی نتیجہ بہت دیر میں اور بہت ناقص پیدا ہوا کرتا تھا لیکن آج ہم دیکھتے ہیں  
 کہ کینڈس گارٹن کے نام سے بچوں کو انہی عجائبات سے تعلیم دینے کا طریق رائج ہوتا جاتا ہے جن کی طرف وہ  
 بالطبع رغب ہوتے ہیں۔ چنانچہ رنگین اور خوشنما کھلونوں سے انکو عقل و شعور کی باتیں سکھائی جاتی ہیں اور باوجود  
 کہ ابھی اس طریق کی ابتدا ہے مگر بہت کچھ کامیابی ہوئی ہے۔ رنگ و رنگ کی گولیوں سے حساب کے ابتدائی  
 قاعدے۔ لکڑی کے مختلف ٹکڑوں سے ہریت کی ابتدائی شکلیں۔ تصویروں اور ان کے ناموں سے حروف و اہجد کی  
 مشق چھوٹی عمر میں ایسی خوبی سے ہو جاتی ہے کہ پرانی طرز تعلیم سے بہت مدت میں ذہن نشین ہوتی تھی  
 پس یہ طریقہ جو دنیا داروں نے آج زمانہ کی بہت مٹ لٹ پھیر کے بعد دیکھا ہے۔ خدا کے بھیجے ہوئے اُستاد  
 نہایت تاریک زمانے میں اس کو کام لیتے رہے ہیں۔ اور چونکہ اس زمانے واسطے اپنی گروہ پیش کی چیزوں میں جن کو

روزمرہ دیکھتے تھے خدا کی قدرت کا نتیجہ نہیں نکال سکتے تھے اس لیچودہ اوستاد اپنی روحانی طاقتوں کے کیشمے دکھا کر ان کو خدا کی ظرف متوجہ کرتے تھے اور چونکہ توجہ الی اسد کی برکت اور جہانیا ت سروسش ہونے کے سبب ان کی روحانی طاقت ان جادو گروں اور فسون سازوں سے زیادہ ہوتی تھی جو مصنوعی طور پر اس طاقت کی مشق کرتے تھے اس لیے ان لوگوں کی قدرت ان کے تمام مہمہ قدرت والوں پر غالب آجاتی تھی۔ اور وہ سچوں جیسی نا سمجھ قوم اپنی عجائب پرستی اور بڑی قدرت والوں کا دامن پکڑنے کی عادت کے سبب ان کی ہایت سونا نہ اٹھاتے تھے پیش صرف قرین قیاس بلکہ امر واقع ہو کہ محض طاقتوں کے کسی نادر نظارے سواسیے لوگ قدرت خداوندی کے معترف ہوئے ہیں اور یہ کہ قوم اور جہاں ملک میں عجائب پرستی کی عادت زیادہ ہوتی ہے اسی قوم اور ملک میں ان لوگوں کی طرف سے جہاں کی تعلیم اپنے زمانہ کے موافق توجہ الی اسد اور مذہبی اصول سے معمور ہے معجزات بھی کثرت سے ظاہر ہوتے ہیں۔

پس ان حالات کو دیکھتے ہوئے کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ روحانی طاقتوں کا ظہور ہر جگہ ثابت ہوتے کے لیے کافی ہے جبکہ دیکھا جاتا ہے کہ نہ صرف معجزات کا انکھوں سے دیکھنا بلکہ ان کا قابل ثنوق اور تہننا کی زبان سے سننا بھی اکثر انسانوں کو تسکین دینے کا باعث ہوتا ہے چنانچہ آج تک کچھ حکام و ماموں اپنی اپنی ہایتوں پر اس لیے قائم ہیں کہ وہ اپنے پیشواؤں سے معجزات کا ظہور سننے آئے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ایسے لوگ جہاں ایسی طاقتوں کا ظہور دیکھ کر ہایت کی طرف آجاتے ہیں وہاں کسی گمراہ اور دھوکے بازی کی طرف سے کوئی کرشمہ دیکھ کر نہایت جلدی اس طرف بھی جھک جاتے ہیں چنانچہ سامری کے شعبدے نے خود مسیحی علیہ السلام کے زمانے میں بہت لوگوں کو بہکا دیا۔

بنی اسرائیل کی کمزوری اور اسکی ہجرت اور اس کے علاوہ بھی بنی اسرائیل اکثر اپنے پیشواؤں اور پیغمبروں سے گشتہ ہوتے رہے ہیں اور اکثر انبیاء ان کے ہاتھ سے قتل بھی ہوئے۔ ڈاکٹر مل مذہب کی برکتوں سے انکار کرتے ہوئے بنی اسرائیل کی اس عادت کو نظیر میں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں +

” اگر مذہب میں نیک اخلاق اور عادات پیدا کرنے کا رصف ہوتا تو نبی ہر اہل حجبی نسبت سے زیادہ براہ راست خدائی حکومت کے زیر اثر ہر دنیا کا دعویٰ کیا جاتا ہے مذہبی احکام سے ایسی گرفت نہ ہر کے کون کی نسبت ان کے پیغمبر اور موع ہدیشہ شکایت کرتے رہے ہیں کہ انھوں نے مذہبی ہدایتوں کی طرف سوا اپنے کان ہر سے کر لیے ہیں۔“

ڈاکٹر مل چاہتے ہیں کہ مذہب کی برکت کو جب مانیں کہ مذہب کا اقرار کرتے ہی انسان فرشتہ بن جائے اور کفر کو چھوڑتے ہی ایسی کا یا پلٹے کہ ایک دم میں تمام جسمانی خواہشیں انسانی فطرت سے نابود ہو جائیں حالانکہ مذہب ہی ہے اور بے سبب کسی چیز کے وجود میں آنے کا دعویٰ کرتا ہے اور نہ عقل ہی کئی حقہ کا بے سبب پیدا ہونا تسلیم کر سکتی ہے البتہ مذہبی عبارت اور نیز عالم انسانی حصارہ ایسا واقع ہوا ہے کہ اکثر افعال سبب اول کی طرف منسوب کر دیے جاتے ہیں اور درمیانی معنوں کو ذکر نہیں کیا جاتا مثلاً کہتے ہیں کہ بادشاہ نے فلان ملک فتح کیا حال آنکہ بادشاہ محض سبب اول یعنی حکم دینے والا ہے اور فتح کرنے کے لیے اس کی فوج سبب قریب چوں کہ ذکر نہیں کیا گیا اگر سنے والے سمجھ لیتا ہے۔ اسی طرح ہم بیشک دعویٰ کرتے ہیں کہ مذہب انسان کو برائیوں سے روکتا ہے مگر اسی صفت کو کہ وہ انسان کو نیک و بجا افعال سے آگاہ کرتا ہے اور جن امور سے روح روشن اور مجلی ہوتی ہوئی کی مشق کرنے کا حکم دیتا ہے ماریکے بخشنے والے اعمال سے روکتا ہے اور جن لوگوں کی طرف مذہب بھیجا جاتا ہے ہر ان کو فطری ہدایت طلبی کے سبب اور اگر وہ کسی قوم میں روحانی امر میں سرخمرہ ہو چکی ہو تو عقل والوں کو نظام کائنات سے اور جمہل کو غیر معمولی مظاہر قدرت دکھا کر مذہب کا یقین دلویا جاتا ہے پھر تعلیم مذہبی کے موافق مشق کرنے سے روح میں جس قدر نور پیدا ہوتا جاتا ہے اسی قدر انسان کو برائیوں سے نفرت اور نیکی کی رغبت ہوتی رہتی ہے حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ انسان خیر مجتہم ہو جاتا ہے اور برائی سے بچتی ہی نفرت کرنے لگتا ہے جیسی پہلے نفرت کرتا تھا اور اس وقت اور اس انسان کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ مذہب کی برکت تکمل ہوئی۔ اور اس سے پہلے جس قدر روح کی صفائی میں کمی ہو اسی قدر برائیوں سے بچنے کی خاصیت بھی نامکمل ہے۔ اور اسی طرح علی حالت پیدا ہونے سے پیشتر جن قدر یقین حاصل کرنے کے فرائض میں اختلاف ہو اسی قدر نور حاصل کرنے کی ہمت اور مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر لوگ

فطر سلیم کی رہنمائی سے مذہب کو قبول کرتے ہیں ان میں نور حاصل کرنے اور بدی سے بچنے کی استعداد و نہایت قوی ہوتی ہے۔ اس سے دوسرے درجہ پر وہ لوگ ہیں جو عقل سلیم کو کام میں لا کر اور نظام کائنات سے کار پر دانا کی قدر نہ کر کے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان سے کم تر وہ لوگ ہیں جو صرف گاہ بگاہ پیدا ہونے والے غیر معمولی واقعات کو فعل خداوندی سمجھ کر ایمان لاتے ہیں۔ کیونکہ نظام کائنات کو عقل سلیم سے دیکھنے والے کو ایسے راسخ العقیدت نہ ہوں جیسے وہ لوگ جن کے دل خود بخود مذہب کی طرف رنجش ہیں مگر پھر بھی چونکہ وہ قدرت کے تمام مظاہر کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں اور خدا کے کاموں سے خدا کے احکام کی مطابقت اور مقابلہ کر کے مذہبی فرامین کی صحت و سقم کو پرکھ سکتے ہیں اس لیے ان کا اعتقاد بھی میلان قلب سے پیدا ہوتا ہے اور وہ محبت کے اصول پر ایمان لاتے ہیں۔ برخلاف عجائب پرستوں کے کہ وہ ایک بڑی طاقت کو دیکھ کر اس سے مجبور ہو جاتے ہیں اور ان کا اعتقاد خوف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور اسی لیے ان کے اعمال میں وہ محبت اور شوق نہیں ہوتا جو روحانی حیلہ کے لیے ضروری اور اس کو جلدی پیدا کرنے والا ہے اور اسی لیے ایسے لوگوں کو مذہب کی برکت کم میسر آتی ہے اور وہی اسرائیل اسی قسم کے لوگ تھے کہ ایک غرضہ دروازہ کی جرالت۔ فرامند مہر اور شایان نینوا کے سامنے غلامانہ حالت میں رہنا اور ساتھ ہی خاندان نبوت میں بچو کا بیجا فخر اور مقرب خدا اور عذاب الہی سے آزاد ہونے کا خلط اعتقاد غرض یہ یا ایسے ہی چند اور اسباب ان میں نہ وہ فطری شوق اور میلان ہی باقی رہا تھا جو مذہبی برکات کے لیے ضروری ہے اور نہ عقل سلیم رکھتے تھے جس سے صحیح نتیجہ تک پہنچ کر اپنے اعتقاد کو درست کریں اسلئے انکی ہدایت کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ یعنی مخفی طاقتوں کا رعب و دواب رکھنا تھا جو ان کے پیشواؤں نے استعمال کیا۔ اور جیسا کہ اس ذریعہ کا خاصہ ہے ان میں وہ ہنگامی نہ پیدا ہوئی جو فطر سلیم یا عقل توہم سے پیدا ہوتی ہے اور اسی لیے ان سے اکثر اپنے رہنماؤں کے خلاف شورش اور فساد سرزد ہوتا رہا۔

مگر اس علت و معلول کے سلسلہ میں جگہ کی ہوئی مونیہ کے اندر اس وقت اور اس قوم کے لیے کوئی اور ذریعہ ہدایت کا نہ تھا اور گو تمام قوم نے اور قوم کی نسب لون نے راہ راست نہ پایا یا اس پر قائم رہا مگر پھر بھی ان میں سے اکثر افراد اور اکثر نسلیں راہ رست پر گشتیں اور مذہبی برکتوں سے فیضیاب ہوئیں

اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ مخفی طاقتوں کا ظہور بھی بعض قوتوں میں اور بعض قوموں کے لیے ہدایت اور  
ثبوت نبوت کا ایک ذریعہ ہے گو دوسرے وقت میں اور دوسری قوم کیلئے اس سے بہتر کوئی اور ذریعہ  
بھی ہو۔ اور چونکہ یہ ذریعہ کم درجہ کا ہے اور اس کا قوی اثر رہتا بھی اسی وقت تک کہ معجزہ دکھانے والا  
اور دیکھنے والے زندہ زمین اس لیے ایسے مذاہب جنکی بنیا محض معجزہ پر مبنی نہ رہیں ہو سکتے اور نیز ایسے  
وقت میں انبیا بھی پہلے در کثرت آتے رہتے ہیں کہ اپنی معجزات سے قوم کو متنبہ کرتے رہیں

داعی مذہب کے لیے معجزہ کے  
سوا کوئی اور ثبوت نہ چاہیے

لیکن جو مذہب ہمیشہ کیلئے اور تمام دنیا کے واسطے ہدایت کا داعی ہو اس کے  
بیشک معجزہ پر انحصار نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ دنیا میں عالم و جاہل ہر قسم کے  
لوگ ہوتے ہیں ان میں سے عقلا کے لیے گھاس کا ایک پتہ اور خاک کا ایک ذرہ بھی قدرت خدا کا ویسا  
ہی عجیب کرشمہ ہے جیسا مسیح کا مردہ کو زندہ کرنا اور کرشن کا ایک وقت میں تین سو ساٹھ مکانات میں  
موجود ہونا۔ اور جیسا کہ دل پر معجزہ کا اثر کامل طور پر اسی وقت تک رہ سکتا ہے کہ وہ اس کو نبات خود جملہ  
کرب اور نذری روایتوں میں معجزہ کا ذکر بیشک کسی قدر مفید ہے مگر انہی لوگوں کے مزید اطمینان کیلئے  
جو پہلے اس مذہب اور اس کے بیان کرنے والوں پر ایمان رکھتے ہوں وہ ان لوگوں کے لیے  
میں کو کفر سے ایمان کی طرف لانا ہوا ان روایتوں کا اثر اور خصوصاً اسی حالت میں کہ ہر مذہب ان روایتوں  
سے معجزہ ہے کوئی اثر پیدا نہیں کرتا پس داعی مذہب کے واسطے معجزہ کے سوا کوئی اور ثبوت نہ چاہیے  
یا یوں کہتے کہ ایسا معجزہ ہونا چاہیے جو ہمیشہ ثبوت مدعا کے لیے کافی ہو۔ اور یہ ثبوت تعلیم کی خوبی  
اور نظام کائنات سے اس کی تطبیق کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ شہادت خود مذہب کے  
اند پر وجود ہونی چاہیے اور عقل سلیم اس کو پہچاننے والی ہو۔ چنانچہ اسلام میں بار بار ظاہر و باطن پر ایمان  
کا انداز رکھا گیا ہے مثلاً ارشاد ہے

اَوَلَمْ يَرِ الْاٰدِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَا  
الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنٰا  
مِّنْ اٰلٰهِنَا كُفْرًا ۚ فَكَيْفَ يُمْنُوْنَ ۝

(انبیاء پطرس ۳)

کیا مذہب والا نہ کرنا زمین و آسمان و زمین باہم  
تانبہ نہ تھے تھے ان کو جدا جدا کر دیا اور ہم ہرگز کی زندگی  
پانی پونہ کھی پس کیا وہ ایمان نہیں لاتے۔

اور معجزہ کہ وہ ثابت نبوت کی عقل دلیل جو پیش کیا گیا ہے وہ اپنی تعلیم کا بے نظیر اور سب سے فائق ہونا ہو  
 وَإِنْ كُنْتُمْ فِي سَرِيبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْكُتُبَ فَلَا تُؤْمِنُوا بِهِ وَلَا تَكُونُوا مِنْ كَذِبِينَ ۝  
 (نور پڑھ ۳)

اور اگر تم کو شک ہو اس کلام کے بارہ میں جو ہم نے اپنی  
 بندہ پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک ہی سورہ لاؤ اور خدا  
 کے سوا جو تمہارے مددگار ہیں ان کو بھی بلاؤ اگر تم میں  
 شک میں رہتی ہو۔

کہہ دو کہ اگر تمام جن اور انسان اتفاق کریں کہ اس  
 قرآن کی نظیر پیدا کریں تو وہ اس جیسا نہ لے سکیں گے  
 خواہ بعض بعض کی مدد کریں۔

قُلْ لَئِنْ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ عَلَى أَنْ  
 يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُوا بِمِثْلِهِ  
 وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (اسرا پڑھ ۸)

اور اگر بہت سے عقلی طاقتوں کے طور پر بھی مغیر اسلام کی ذات بابرکات سے ارادہ یا بے ارادہ صادر ہوئے  
 ہیں مگر وہ شہادت کے طور پر پیش نہیں ہوئے۔ بلکہ جب مخالفین نے معجزات طلب کئے ہیں تو جو پ  
 میں کہا گیا ہے کہ بیشک گذشتہ زمانے میں انبیاء نے معجزات کو دعویٰ نبوت کے ثبوت میں پیش کیا  
 اور جو کچھ تم کہتے ہو ظاہر ہوا مگر نتیجہ یہی ہوا کہ معجزہ لایا والوں کو ساحر کہا گیا اور انہیں قتل ہوئے غرض  
 کہ وہ شہادت پورے طور پر مفید نہ ہوئی۔

بیشک جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے ہم کو وحی کیا ہے کہ  
 ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ایسی قربانی  
 نہ دکھائے جسکو آسانی آگ اگر کھا جائے انکو کہہ دو کہ میرے  
 رسول تمہاری پاس معجزات لیکر اور جو تم کہتے ہو وہ نشان  
 ایک آئے ہیں اگر تم سچو تو تمہیں کیوں قتل کیا۔

پس جب انکے پاس پہلے طرف سے رہتی (قرآن) آئی تو انہوں  
 نے کہا کہ انکو ہی معجزے کیوں نہیں لے گئے جو نبی کو دے گئے  
 تھے مگر کیا اس سے پہلے نبی کے معجزات سے لوگوں کے کفر نہیں کیا

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَمْدَ الْيَتَامَىٰ  
 لَكَوْنُ مِنَ الرُّسُولِ حَتَّىٰ يَأْتِيَ الْبَيِّنَاتُ  
 تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ  
 بِالْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ  
 إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ (ال عمران پڑھ ۷۸)  
 فَلَمَّا جَاءَهُمْ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا  
 أَوْفَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ إِذْ أَوْفَىٰ بِكَفَرُوا  
 مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ

تَطَاهَرُوا وَقَالُوا إِنَّا بِكُمْ لَخَافِرُونَ ۝

(نقص پارہ ۷ ع ۵)

اور کیا یہ نہیں کہا کہ یہ دو نوجاوا ایک دوسرے کے دشمن  
اور ہم کسی کو بھی نہیں مانتے۔

اور اسی طرح معجزہ طلب کرنے پر ہمیشہ انکار کیا گیا ہے اور کہیں کہا گیا ہے کہ یہ کتاب دیکھیں میں تمام  
انبیاء سابقین کی شریعت کا خلاصہ ہے۔

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَبِيًّا لَّآتَيْنَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۖ وَلَوْ كُنَّا

نَاثِقِينَ بَكَيْتُهُ مِمَّا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ

(طہ - پارہ ۸ ع ۶)

اور وہ کہتے ہیں کہ شیخ ہمارے پاس اپنی خدا کی طرف سے  
کوئی نشان کیون نہیں لانا لیکن کیا ان کے پاس ایسی کتاب  
نہیں لایا جو گذشتہ کتابوں کی تشریح کرنے والی ہو۔

اور کہیں فرمایا گیا ہے کہ ہر ایک نبی اپنے اپنے وقت کے مناسب ذریعہ ہدایت لیکر آیا کرتا ہے چنانچہ یہ  
نبی بھی اپنے زمانہ کے موافق (عام منافع و قدرت ہو) لوگوں کو سمجھانے اور ڈرانے آیا ہے۔

يَعْمَلُونَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَكَ لَا نُزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ

مِّن سَيِّئِهِ ۚ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ

هَادٍ ۝

(رعد پارہ ۸ ع ۷)

کفار کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان کیوں  
نہیں آتا (وگرتا یہ کچھ تم بھی ایک پیغمبر ہو اور ہر قوم کے  
لیے مہدیا جلد ہادی ہوتے ہیں۔

فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ مَّا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ۖ مَا

أَمْسَتْ مِنْهُمْ مِّنْ قَوْمٍ قَدْ أَهْلَكْنَاهَا أَفْهَمُ

يَوْمَ مَآوُونَ ۖ لَقَدْ أَتَوْنَا بِالْبَيِّنَاتِ ۖ كِتَابًا

فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

(انبیاء پارہ ۸ ع ۸)

وہ کہتے ہیں کہ شیخ ہمارے پاس نشان لائے جس طرح پہلے  
انبیاء لاتے رہے ہیں مگر ہم نے جن قوموں کو ہلاک کیا ہے ان میں  
سے کوئی ایمان نہیں لایا پس کیا یہ آئیے... ہم تمہاری

طرف کتاب اتاری ہے جس میں تمہاری لیے نصیحت ہو  
پس کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

غرض اسلام نے اپنی صداقت کا مدار اپنی تعلیم کی خوبی پر رکھا ہے مگر  
ٹوکسٹریل اسپر غرض کو تے ہیں۔

عقل ثبوت پر غرض اور

اس کا جواب

”اندرونی شہادت بیشک بہت متم بالشان ہے لیکن یہی عظمت اصولی طور پر نفی پہلو رکھتی ہے نیز  
اندرونی شہادت کسی نہ کسی کو چھوڑنے کیلئے تو بیشک قوی و چھوڑتی ہے لیکن کسی تعلیم کو نہ کی طرف سے

ماننے کے واسطے کافی نہیں۔ اگر کسی الہامی مذہب کی اخلاقی تعلیم جبر ہی اور رہتی ہے تو خواہ کسی کی طرف سے ہو ہم پر اس کو ترک کرنا فرض ہے۔ کیونکہ ایسی تعلیم کسی حکیم و خیر برستی کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔ لیکن اخلاق کی عہدگی ہم کو مستحق نہیں گردانی کہ خواہ مخواہ اسے کسی فوق العادت حشر پیم کی طرف منسوب کریں۔ کیونکہ اس امر کی کوئی دلیل تو یہ موجود نہیں کہ جس خوبی کو پرکھنے کی قابلیت انسان میں موجود ہے اس خوبی کو دریافت کرنے کی قابلیت اس میں موجود نہ ہو۔

مستمر مل کی یہ دلیل جس قدر قوی ہے اُسی قدر بڑا دھوکا بھی آسکتا ہے کہ انھوں نے آجکل کے مذاق کے موافق مذہب کو عین اخلاق سمجھا ہوا ہے اور محض اخلاقی خوبیاں سے مذہب کو پرکھنا چاہتے ہیں اور چونکہ فلسفہ اخلاق انسان کے باہر گر بناؤ سے پیدا ہوتا ہے اور جس جس رویہ کے نقص معلوم ہوتے جلتے ہیں ان کو چھوڑ چھوڑتے اخلاق کی ایک مکمل شکل پیدا ہو سکتی ہے اس لیے اُن کو گمان ہوا ہے کہ عمدہ اخلاقی تعلیم خود انسان کے دلغ سے پیدا ہو سکتی ہے اور اس لیے اسکو خدا کی طرف سے ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور یہ دھوکا اس تعلیم سے پیدا ہوا ہے جو مذہب کی شکل میں مستمر مل کے گرد پیش پھیلی ہوئی ہے کیونکہ مذہب عیسوی پر نہ معلوم کیا افتاد پڑی ہے کہ اب اس میں جو کچھ خوبی موجود ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ اخلاق کے کچھ عمدہ اصول ماننے جاتے ہیں اور اسی کو اپنے مذہب کی ترجیح میں پیش کرتے ہیں ورنہ مذہب کا اہل عنصر یعنی ذات و صفت خداوندی کا اعتقاد ان میں نہایت بھڑی شکل میں دکھایا ہے اور ایک عاجز انسان کو اس میں شریک گردان کرادیا ہے۔ یہ نجات کا مدار رکھ کے مذہبی خوبی کو بالکل فریٹ و نابود کر دیا ہے۔ اس لیے مستمر مل کو جب غور کرنے کا موقع ملا تو ان کو جو چیز اچھی معلوم ہو سکتی تھی وہ اخلاق ہی تھے چنانچہ انھوں نے ہی کو مذہب سمجھا اور اسی اصول پر جو توبہ کر سکتے تھے کی۔ حالانکہ یہ اصول ہی غلط ہے اور عیا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اخلاق مذہب کا پروردہ اور اس کا خادم ہے عین مذہب نہیں۔ بلکہ مذہب کی حقیقت ایک ناپید ہستی کو ماننا ہے اور ذکر ہو چکا ہے کہ اُس چیز کی تلاش انسان کی فطرت میں داخل ہے اور سوائے خاص موقعوں کے جہاں کہ یہ جذبہ خارجی اسباب سے مژدہ یا پھر مردہ ہو گیا ہو ہر جگہ تمام ہی نوع اس



تلاش میں سرگرم ہیں۔ اور پھر یہ بھی ذکر ہوا ہے کہ اس تلاش و تجسس میں جو کچھ دریافت ہوا ہے حقیقت میں اس کا ماحض ان تجربوں پر ہے جو وقتاً فوقتاً انسان کے دل کو جلوہ ہائے معرفت کی صورت میں ہوتے رہی ہیں اور پھر تجربہ کا عام قانون یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ ہمیشہ بالآخر ہی کی فاعلیت اور مکن کے انفعال سے ہوا کرتا ہے پس خدا کا تجربہ ہی اس کی حرکت علی اور انسان کی ہمتداد انفعالی سے حاصل ہوتا ہے اس لیے ہر ایک حضوری اور ہر ایک وحی خواہ وہ کیسی بدنام سے بدنام شکل میں ہو ممکن نہیں کہ انسان کی محض اپنی کوشش سے اور بغیرات باری کی فاعلانہ مداخلت کو جو اور اگر انسانی استعداد انفعالی میں باہم تفاوت نہ ہوتا اور اگر سب کے دل نفسانی کدورتوں سے پاک ہوتے تو جو ذرات باری کی طرف سے وحی کی شکل میں جلوہ گر ہوتا ہے وہ یکساں رہتا اور مذہب کی مختلف شکلیں پیدا نہ ہوتیں مگر چونکہ استعداد و مختلف ہیں اور ہر زمانے میں ترقی کرتی رہی ہیں اس لیے وحی کی شکلیں یکے بعد دیگرے مختلف اور باندہر متنازع ہوتی آئی ہیں۔ اب اگر انسان کے اپنے نفسانی جذبات احکام وحی کے ساتھ ملکر اس کی شکل بدل نہ دیا کرتے اور انسان میں خود رانی اور اصرار کی عادت نہ ہوتی تو ہر ایک ترقی جو تجربہ معرفت میں ہوتی بالعموم تسلیم کی جاتی اور ایک ہی مذہب ترقی کرتا ہوا چلا آتا اور ہر شخص کی طرف سے اپنے مذہب کو دوسرے پر ترجیح دینے کا دعویٰ پیش نہ ہوتا۔ مگر جبکہ بدستی سے اختلافات کی شکل موجود ہوتی تو اس وقت جو کام تعلیم کی اندرونی خوبی اور معیار عقلی سے لیا جاسکتا ہو وہ تجربہ ہائے معرفت یعنی وحی والہام کے گرد و پیش کے حشو و زوائد کو دور کرنا اور مذہب کی اصلی شکل پر سے پردہ اٹھانا ہے۔ غرض یہ کہ مختلف الہاموں کی تعلیم کو عقل سے پرکھ کر یہ ثابت ہی نہیں کیا جاتا کہ فلاں خدا کی طرف سے ہے اور فلاں اس کی طرف سے نہیں بلکہ صرف یہی دیکھا جاتا ہے کہ ان میں سے حقیقی خوبی کس میں ہے اور خدا کی ذات و صفات کے متعلق قابل تسلیم عقیدہ کون پیش کرتا ہے جب کوئی مذہب ایسا ثابت ہو جائے تو پھر ضرور نہیں کہ اس کا خدا کی طرف سے جو ناجہی ثابت کیا جاوے کیونکہ ایسا الہام اور دوسرے تمام غلط الہام تھے خدا کے فاعلانہ توجہ سے اور غلطی جو کچھ موجود تھی وہ کچھ قصور استعداد کے سبب تھی اور کچھ بعد میں دیگر نفسانی خیالات کی آمیزش سے۔

عقل مختلف مذہب کی نزاع  
میں فیصلہ دے سکتی ہے۔

پروفیسر ولیم جیمس ایک طولانی کچھ مین ثابت کرتے ہیں کہ مذہب ایک  
وجدانی امر ہے اور اس کی پیدائش عارفانہ انسانوں سے ہوتی ہے یا اس فطری خواہش

سے جو انسان میں رودیعت ہے۔ اور یہ کہ خشک عقلی لایل مذہب کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ مذہب کے پیدا ہونے کے  
بعد اس کی تائید میں پیدا کیے جاتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ اس طرح پر

”عقل کا یہ کام رہا ہے کہ مذہب کو ناگوار پرستیدگی سے نجات دے اور کافرناس کے لیے قابل تسلیم بنائے“

اور آگے نپل جان لیٹرڈ کی کتاب فلاسفی آف ریلیجیئن کا اقتباس لکھتے ہیں کہ

”مذہب حقیقت میں ایک دل کی چیز ہے لیکن اس کو باطنیت اور پردہ نشینی کی نقاب سے نکالنے کے لئے

اور نیز حق باطل مذہب میں تمیز کر کے دیکھنے کی ضرورت ہے اور کسی ظاہری معیار کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے اور جو چیز

دل پر قابض ہے یعنی مذہب۔ تو اسے دہنیہ سے دیکھنا پڑتا ہے کہ کیا وہ حق ہو اور کیا اس کو ایسا محتقاق حاصل

ہے؟ کہ ہمارے وجدان پر قابض ہوا اور کیا اس کو ایسا معیار گردانا جائے؟ جس سے وجدان کو پرکھ سکیں

پس کسی شخص یا قوم یا فرسے کے مذہبی خیالات کا اندازہ لگانے میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس کی میلان

کس طرف ہے بلکہ یہ کہ اس نے کیا سوچ بچ کر ایسا طریق اختیار کیا ہے۔ اور نہیں دیکھا جاتا کہ اس کے

مذہبی عقاید کیسے راسخ ہیں اور ان میں کس قدر جوش اور دانتگی ہے بلکہ یہ کہ خدا یا اپنے معبود کی

نسبت سے کیا خیالات ہیں جن سے ایسا سوچ اور جوش پیدا ہوا ہے۔ دلی میلان بیشک مذہب کا

ضروری عنصر ہے لیکن کسی مذہب کی خوبی اور قدر و قیمت جاننے کے لیے صرف میلان قلب کی

قوت و ضعف کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس کی عقلی بنیاد کو دیکھا جاتا ہے۔“

پھر ایک کچھ کے آخر میں یہ ثابت کر نیکیے بعد کہ اگر تجربہ ہمارے معرفت نہ ہوتے تو محض عقل سے مذہب کو پیدا کرنا

یا ثابت کرنا ناممکن تھا۔ لکھتے ہیں کہ۔

”مگر فلسفہ کی نسبت معرفت میں نئی نتیجہ نکال کر خاموش رہا جانے والے نزدیک فلسفہ فطریہ کم از کم اس لئے

بھی بیان کرنے کی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ مذہب کی کیا خدمت کر سکتا ہے۔ پس میں کہتا ہوں

سچے کتاب و راہنما: آتش دہلیجیٹس کتب پزیرانیں کچھ

کہ اگر فلسفہ اپنے قیاس استغراق سے اہمیت میں داخل نہ رہے اور حقیقت ذات دریافت کرنے کے بجائے خدا کے عراض و صفات میں غور کرے یعنی خود کو بچائے فلسفہ مذہب کہلانے کے علم مذہبی کا لقب دے تو بہت کچھ مفید ہو سکتا ہے۔

”انسان کا ذہن جبکہ اپنے گرد پیش کی ترغیہوں سے آزاد کیا جائے تو وہ اپنی معبود کی ایسی ہی تعریف کرے گا جیسی اس کے سابقہ مسلمات عقلی کے مناسب ہو۔ پس فلسفیان تعریفوں سے واقعی اور فضول اور کو تمیز کر سکتا ہے اور عقاید و عملیات دونوں کے غیر ضروری حصہ کو الگ کر سکتا ہے اور مذہبی عقاید کو عقائد عقلیہ کے ساتھ مقابلہ کر کے ان اصول کو جدا کر سکتا ہے جو عالمانہ نظریں میں ہر دور اور اہل ہر دور اس طرح پروردگار کا خیالات کو نکال کر تصورات کا ایک ایسا حصہ باقی چھوڑے گا جو کم از کم ممکن ہو۔ پھر ان تصورات میں سے ہر ایک کو ایک جدا گانہ قیاس فرض کر کے ان کا امتحان کرے گا جس طرح مختلف قیاسوں کا امتحان کیا جاتا ہے اور جس قیاس کو زیادہ قابل اعتراض یا بیگانہ اس کو نکال کر تدارک کرنا جائیگا اور پھر شاید کسی ایک کا حامی بن جائیگا جس کے بالکل ثابت یا قابل اثبات پائیکا۔ پھر اس قیاس یا راہی کی تعریف میں اصلاح کرے گا اور اس میں جو اجزاء محض تمثیل کے واسطے ہوں گے یا نفس عقیدہ سے غیر متعلق سمجھے جائیں گے ان کو تعریف کے اصل اور ضروری اجزاء سے جدا کرے گا۔ نتیجہ یہ کہ وہ مختلف عقاید یا اہل عقائد میں نصف کا کام دیگا اور مذہب میں اتفاق اور یک جہتی پیدا کرنے میں مدد ہوگا۔ اور اسکو جو حق رکامیابی اپنی اس کوشش میں ہوگی اسی قدر وضاحت کے ساتھ مذہب کے ذاتی عناصر و مرام اور ضروری اجزاء متمازن ہوتے جائیں گے۔“

”میں نہیں جانتا کہ ایک ایسا علم جس کا موضوع مذہب کی نکتہ چینی اور اس باغ کی سرپرستی ہو وہ کیوں مذہبی ہی نہیں ہو سکا۔ حال کہ لیگا جو عالم ظاہری کو محال ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس صورت میں وہ لوگ بھی جو مذہبی طبیعت نہیں رکھتے ایسے فلسفہ کے نتائج سے انکار نہ کر سکیں گے۔ جیسے نیا نیا آدمی علم فطر کے مسائل سے انکار نہیں کر سکتا لیکن جیسا کہ علم مناظر و مایا دنیا لوگوں کے تجربوں سے پیدا ہوا ہے اور انہی کے تجربوں سے اس کے مسائل ثابت ہوتے ہیں اسی طرح مذہب کی ابتدائی

عصر بھی لوگوں کے ذاتی تجربے (وحی و الہام) ہوں گے۔ اور یہی آئندہ نکتہ مہینی اور روضہ قدس  
میں تحقیق و تدقیق کا سنگ بنیاد ٹھہرے گی۔ غرض یہ علم علی حالت سوا بہرہ جائیگا اور محض خالی فضا میں اڑائیگا  
اور ہنسیہ اس کو وہی اعتراف کرنا پڑیگا جو دوسرے علوم کرتے ہیں کہ مظاہر قدرت کی حقیقت ہماری دسترس سے  
باہر ہے البتہ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے قرب بصورت ہے فلسفہ صرف الفاظ میں رہتا ہے اور صداقت حقیقت  
ہمارے دل میں ایسے طور سے درآتی ہے کہ لفظی امتدادوں سے پرہیز ہوتی ہے۔

غرض یہ کہ جو لوگ مذہبی تجربوں یا جلوہ ہائے معرفت کی لذت سے آشنا نہیں ہیں وہ اگر محض اپنی رائے  
سے دوسرے لوگوں کے تجربوں کا لحاظ کرنے کے بغیر کوئی مذہب قائم کریں تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی  
اندھا بتاتا لوگوں سے پوچھنے کے بغیر بتائی کے قواعد مرتب کرے۔ پس اس حالت میں ایسے لوگوں کی عقل  
مذہب کے بار میں کچھ مفید نہیں ہو سکتی۔ البتہ اگر روایات معرفت کو پیش نظر رکھ کر جو عقائد یا مسائل ان میں  
کی بنا پر پیدا کئے گئے ہیں یعنی شریعتیں اہل الہام نے پیش کی ہیں انکو عقلی معیار سے پرکھا جائے اور جو نقص  
اہل الہام کے تصور سے متصادم یا معتقدین کی نفسانی خواہشوں سے وحی کے ساتھ مل گئے ہیں ان کو الگ  
کیا جائے تو اس صورت میں عقل مذہب کی شناخت اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے میں بہت کچھ  
مفید ہو سکتی ہے۔ بلکہ جن لوگوں کو معرفت کا کوئی جلوہ نظر آیا ہے وہ بھی اسی طرح اپنے دیکھ ہوئے جلوہ  
کی نسبت فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان کے اپنے ذاتی میلان اور نفسانی خواہش کی کس قدر آمیزش ہے  
اور خالص جلوہ ربانی اور حکم الہی کس قدر ہے۔

مثلاً جلوہ ہائے معرفت کی جو مثالیں اوپر پر فیصلہ ولیم جیمس کی کتاب و نقل کی گئی ہیں ان  
میں ایک شخص خدا کا جلوہ ایسی صورت میں دیکھتا ہے کہ اسکو کوئی جبر نہ لگا کر رہتا ہے۔ دوسرا خیال کرتا  
ہے کہ میں خدا ہی میں رہتا ہوں اور ایک اور شخص اسکی حضوری ایسی طور پر محسوس کرتا ہے کہ اس کے لیے  
سست ہو اور نہ کوئی رنگ اور مزہ۔ ان میں سے پہلا شخص چونکہ زیادہ تر جسمانی خیالات میں مبتلا ہے اس لیے  
اس کو خدا کی نسبت بھی جسمانی صفات کا خیال ہوا ہے پس اگر اس کے خیالات میں ترقی نہ ہو اور نیز  
اگر اس طرح کا جلوہ بھی اس کو سپہم نظر آتا رہے اور وہ اس بنا پر ایک مذہب قائم کرنا چاہے تو یہ مذہب میں غلط

خدا کو جسم اور گرفت میں لینے کے قابل مانا جائیگا اور غالباً انہی قسم کی غلطیوں سے بعض قدیم مذہب میں خدا کو جسم مانا گیا ہے۔ اور اس طرح دوسرے شخص چونکہ خدا کے مطلق انجسب و دور ہونے کو دنیا کے عام اور وسیع خیالات سے مشابہ سمجھتا ہے اس لیے کہ اس کو فضا کی طرح اپنے رشتہ اور چلتے پھرتے کا ظرف تصور کرتا ہے اور میرے شخص چونکہ اعلیٰ خیالات میں ان سے متشابه تھا اس لیے اسے لوگوں کے ہاتھ میں بتلانا نہیں ہوا پس عقل اس قسم کے مختلف خیالات میں نصف بن گئی ہے اور علم یقینیہ کی تطبیق سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ ان میں سے کونسا خیال قابل تسلیم ہے۔

مگر یہ کچھ ہی صورت میں ہو سکتا ہے کہ نظام کائنات، اور عام مناظر قدرت میں غور و فکر کرنے سے انسان میں ذہن سلیم اور فکر صائب پیدا ہو جائے اور سنت اللہ یعنی قوانین قدرت کا مطالعہ کرتے کرتے حق ہواطل میں پھنس کر نہ کسی صلاحیت حاصل ہو چکی ہو اور یہ قیاس بلتین ظاہر ہے کہ ابتدائی تفریش سے موجود نہ تھیں بلکہ قانون ترقی کے موافق رفتہ رفتہ اور نہایت طویل زمانے میں پیدا ہوئی ہیں پس ہی قدر زمانہ گزرنے کے بعد انسان کو کائنات کے مطالعہ سے نہمب کو تحقیق کرنے کی استعداد میسر آئی ہے۔ ورنہ گذشتہ زمانے میں جبکہ انسان وحشی حالت میں تھا اس وقت کے رہنماؤں کو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ کسی بڑے عمت اور نظارہ قدرت یعنی معجزہ سے لوگوں کو خدا کی طرف بلائیں اس لیے اس وقت کے لیے وہی عجیب بانیین آیتہ العباد اور برہان توہم نہیں اور ان کے برخلاف عقل و شعور کے زمانے میں ذرہ سے لیکر آفتاب تک ہر چیز اس کی طرف بلانے کے لیے زبان گو یا کا حکم رکھتی ہے۔

عقل ترقی سے نہمب کو | بلکہ انسانی علوم ہر قدر ترقی کرتے جائیں گے اور قوانین قدرت کی  
استقامت ہوتا ہے | پیچیدہ گیان نہیں بد رکھتی جائیگی ہی قادر خدا کی قدرت کو اسنے کا سامان  
زیادہ مہیا ہوتا جائیگا بیشک خدا کی بڑی قدرت ہو کہ اس نے حرکت کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں اور  
ولی خیالات ظاہر کرنے کیلئے زبان اور قلم کو مہیا کیا۔ مگر سلیم سے حرکت کا سامان اور بجلی سے نایم پیام  
کی ہولت دیکھ کر اس سے بھی زیادہ قدرت ثابت ہوتی ہو اور اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جس فہم کے سے

غیاورین لاکھوں میں جو چھ لیجانے کی اور غیر محسوس برقی رد میں ہزاروں کوس طے کر کے ایک طاقت رکھتی ہے اور اس کیلئے خاص قلعہ سے اور قانون مقرر کیے ہیں اور جس نے انسان کو عقل دی ہے کہ وہ قانونِ خدا کو دریافت کرے اور ان طاقتوں سے کام لے۔ وہ حکیم و خیر خدا پر ہی قدرت اور عظمت کا مالک ہے اور بیشک قدرت کے خوف سے ڈرنے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اس کی سیلے توانا قدرت کا پتہ لگاتے ہیں۔

بیشک یندگان خدا میں وہاں کے خوف و ڈر سے بڑھ کر کبھی نہیں

اور ان قوتوں کو پہچانتے ہیں جو پہاڑوں کو ہلا سکتی ہے زمین کو چکریں رکھتی ہیں اور آسمان پر تھپ تھپ کر ایک خاص نظام میں جگڑے ہوئے ہیں اور پھر بھی مانتے ہیں کہ ابھی اس کی قدرتوں کی کوئی حد نہیں اور بقول نبیون اعتراض کرتے ہیں کہ حقیقت کے اس پیداکنا رہنما کے صرف ساحل پر کھڑے ہیں۔

اور زور ڈالوں کی وہ تھیوڑی جس کو مذہب کی بیخ و بن سیاوا کھانے والی کہا جاتا ہے کہ یہ کہہ کر اس کے مڑے انسان و حیوان اور ان کی آنکھ ناک وغیرہ اعضا کسی خاص مہتی نے بنائے ہیں یا نہیں کہ ہر تمام جاندار ایک ہی نسل سے ہیں جس کے ناقص اور بیکار اعضا کیے بعد گئے معلوم ہوتے ہوتے انسان جیسی بصورت مہتی وجود ہو گئی ہے۔ اس تھیوڑی سے بھی مذہب کے نابود ہو جانے کا خوف ایک تو قہم جیسا ہے۔ پہلے ہمارے اسی صنعت کو دیکھ کر عیش کیا کرتے تھے کہ ایک پتھر قطرہ کو کیسے عجیب طور پر پرورش کیا جاتا ہے کہ وہ جمادی حالت سے ترقی کرتے کرتے ایک سرور قامت گلزار اور عقل و فہم انسان بن جاتا ہے۔ اب اگر ہزاروں صاحب کا خیال درست ہو تو اس کی قدرت کا کرشمہ اور بھی عجیب ہو جاتا ہے کہ پانی کے ایک کیڑے کو ایسی استعداد دیکر بھیجے کہ وہ نہ صرف اپنی موجودہ ساری حرکت زندگی کو قائم رکھنے کے قابل ہے بلکہ ترقی کی ایسی قابلیت رکھتا ہے کہ بڑھتا ہے۔ اپنی ناقص اور بیکار اعضا کو بدلنا ہے۔ کچھ سے کچھ اور کچھ سے کچھ ہوتا ہوا ہر شے کے واسطے کیڑے کی طرح نور اور قوت میں بڑھتا ہے اس سے آگے بڑھتا ہے تھیوڑی کی حالت سے ہزاروں جیسے ہزاروں سال پیش کی باتیں جانتے والے انسان کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ پس کیڑے کو ایسی استعداد دے دیجئے والا کیا کچھ قدرت نہ رکھتا ہوگا۔

اور ابھی تک صرف حیوانات کو ایک خاندان فرض کیا گیا ہے اور نباتات کو غالباً ایک جداگانہ  
سلسلہ مانا جاتا ہے لیکن اگر کہیں یہ پردہ بھی کھل جائے اور معلوم ہو کہ نبات بھی ترقی کرتے کرتے حیوان  
اور حیوان سے انسان بن جاتی ہے تب بھی خدا کی قدرت پر کوئی حریف نہ آئیگا۔ بلکہ مٹی کے ایک فہرہ  
میں نبات حیوان اور انسان سینے کی قابلیت پیدا کرنے والا اہل نل کے لیے اب سے زیادہ حد و ثبات کے  
لائق ہوگا۔ غرض ان حقائق عالم کے فرائض اور اسباب خواہ کتنے ہی معلوم ہوتے جائیں اور انسان ان کے  
قاعدے دریافت کر کے سب چیزوں سے حسب منشا کام لینے کے قابل ہو جائے تو جزوات تمام عالم  
کا حیرت ہے اسکی قدرت زیادہ سے زیادہ ثابت ہوتی جائیگی علم و حکمت کے متوالے طبعات میں کی تحقیق  
کرتے ہوں یا اجرام سماوی کی حرکات دیکھتے ہوں قانون متناطیس سے پیش از وقت نے لولہ کی اطلاع  
پائیں یا افتاب کے واغون سے سہمی گفتیر کو پہچانیں ہر حال میں اگر دماغ کے ساتھ دل بھی رکھتے ہیں  
تو ہر ذرہ خدا کا نام شیکے اور ہر اقد سے اسکی شراوت پائے شیکے اور ہر اقد سے اسکی شراوت پائے شیکے اور ہر اقد سے اسکی شراوت پائے  
کونے لے تو نے ایسا عجیب نظام محض انجان نہیں بنایا اور ہر کوسئی کا کیلئے پیدا کیا ہے۔

بیشک انسان زمین کی پیدائش میں اور ولادت و ان کے تغیرات  
میں عقلمندوں کے واسطے نشان ہیں۔ مگر کون عقلمند  
جو خدا کو بیٹھ اٹھے اور لیٹے یا کرتے ہیں اور اسات  
وزمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں  
کہ اسے پروردگار تو نے اس نظام کو انجان نہیں بنایا  
تو پاک اور برتر ہے۔ ہر کون کے مذہب سے محفوظ رکھ۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالتَّخْلُفِ  
الَّذِي فِيهَا لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ط  
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ هَهُمَا وَقَعُوهُ وَأُولِي  
حُجُوتِهِمْ وَيَذْكُرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَ  
الْأَرْضِ ط رَبِّكَ مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا  
وَسُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ط

(الحق ان پادشاہ)

# بایستم

## ختم نبوت

جلوہ ہائے معرفت کی دو قسمیں ہیں۔ نظامِ ہر قسم نبوت۔ ممکن نہیں، فیضانِ وحی بالوہدہ اور بیجا  
اگر ترقی کرے والے اپنی حد اسرار تک پہنچ گئے ہیں تو انہیں قسانون ارتقا کا بندہ ہو جانا ممکن ہے۔  
انسانی علم و فطرت کے تعلق تک ہوتا ہے۔ تاہم یہ بھی محض خالق و مخلوق کے تعلقات بتانے کا ٹکڑی ہے۔  
یہی ترقی کا ثبات سے لطافت کی جانب ہے۔ ختم نبوت اور سید المرسلین ختم نبوت اور پاسر کر اعلیٰ  
اخلاق کیا ہو سکتے ہیں؟

ذکر یہ تھا کہ جس طرح پر خاص انسانوں کو معلوم ہوا کہ بعض اوقات میں خاص کئے تھے ہیں اور  
اس طریق سے انسانی عقل ترقی کرتی ہے اسی طرح خاص بندوں کو خاص اوقات میں نکات معرفت معلوم  
ہوتے تھے۔ میں اور یوں نہ سمجھتا ہوں کہ اس فرق صرف اس قدر ہے کہ مذہب بالائزہ ہستی کا تجربہ ہے اس لئے  
اُن میں انسان کی طرف سے افعال اور خدا کی طرف سے فاعلانہ قدرت کا ظہور ہوتا ہے اور اسی کو وحی کہتے  
ہیں۔ ان میں میں معراج اور معجزہ کا ذکر ایک جملہ معترضہ تھا جس کی اہمیت اور نیز اس کے خلاف غلط اعتراضوں  
کی کثرت کے سبب مضمون کو معمول سے زیادہ طول دینا پڑا۔ اسے نفسِ صفہ وں کی طرف جمع کرنا ہوں۔

جلوہ ہائے معرفت کی دو قسمیں ہیں | جلوہ ہائے معرفت جو خدا کے نیک بندوں کو نظر آتے ہیں انکی مختلف  
شکلوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجربے دو قسم کے ہیں۔ ایک کسی خاص وقت میں یا بعض خاص وقتوں  
کو اکثر کوئی حضوری ہوتی ہے جو ان کے ذاتی افکار میں یا سلوک معرفت کی وقتوں میں سہولت و اطمینان  
کا باعث ہوتی ہے لیکن اس کو کسی شکلِ مکملہ کا حل یا جدید عقیدہ کا انکشاف نہیں ہوتا اور اسکو بہ اصطلاح میں  
کشف کہتے ہیں اور جن شخص کو یہ حاصل ہو اگر وہ پہلے سے بالکل درست اعتقاد رکھتا ہو اور اس کے کشف میں  
کوئی نفسانی آمیزش نہ ہو تو وہی کہلاتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو صاحبِ تسلیم نام ہوتا ہے اور دوسری قسم



کے وہ تجسس ہیں جن سے کسی سابقہ نقص اور غلط فہمی کی اصلاح ہوتی ہے اور عقائد اور ذرائع اصلاح ربانی یعنی عبادات و معاملات کے متعلق خدا کی احکام دریافت ہوتے ہیں اور خاص اسی قسم کے تجربے ہیں جن کو اصطلاح مذہب میں وحی کہتے ہیں اور یہی تجسس ہیں جن سے مختلف مذاہب پیدا ہوئے ہیں اور جن کے لائو الون کو پیغمبر کہتے ہیں۔

بظاہر غم نہایت ممکن نہیں اس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح پہلے ہی ہوتا آیا ہے یا ہی طور پر کائنات بھی کشف اور وحی کا سلسلہ جاری رہیگا یا کسی وقت اس کا بند ہو جائیگا ضرور ہے۔ اور چونکہ عقلی ترقی محدود نہیں ہے اور کوئی وقت ایسا خیال میں نہیں آسکتا کہ انسان آئندہ قوانین قدرت کو دریافت نہ کر سکے اس لیے اس پر قیاس کہتے ہیں کہ کشف وحی کے بارہ میں انسان جواب دہی ہو سکتا ہے کہ یہ سلسلہ بھی کبھی منقطع نہ ہوگا مگر اس جواب کو صحیح سمجھنے سے پہلے کسی قدر اور بھی غور کر لینا چاہیے۔

فیضانِ نبوی بالواسطہ اور بیواسطہ کشف میں چونکہ نئی تعلیم نہیں ہوتی اور محض اس کے سفر کو انسان کو مقصود ہوتا ہے اس لیے اس کا فائدہ دوسروں تک نہیں پہنچتا بلکہ اکثر اہل تصوف حالات کشف کو محض دکھنا ضروری جانتے ہیں تاکہ کسی طرح تکبر اور عنوت نہ پیدا ہو اس کے برخلاف وحی سے نہ صرف صاحبِ وحی کو بلکہ عام خلق کو فائدہ پہنچتا ہے اور غلطیوں کی اصلاح ہوتی ہے اور اس لیے انبیاء پر فرض ہوتا ہے کہ اپنی تعلیم کو شائع کریں پس یہ پیغام جو خلق اس میں شائع کرنے کے لیے القا ہوتے ہیں۔ ان کی انسان تک پہنچنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جب کوئی صاحبِ استعداد موجود ہوتا ہے تو خدا کی طرف سے اس کو وحی کی حاجت ہے۔ اور دوسری صورت یہ کہ جب تک کوئی شخص منصب نبوت کے لائق نہ ہو یا ہودہ نکات اور احکام جو کسی نبی پر اتار چکے ہیں ایک انسان سے دوسرا انسان تک پہنچتے رہتے ہیں۔ پہلی صورت کو کلاف ایروولوشن یا قانون ارتقا کہنا چاہیے۔ اور دوسری صورت کو کلاف ملٹی پلی کیشن یا قانون توارث کہنا چاہیے کہ دنیا کے دیگر معاملات میں قانون ارتقا اور قانون توارث کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے یا کبھی کسی جہ سے اس کا انقطاع بھی ہو سکتا ہے اور اسی طرح پیغمبر کرنے سے جو قواعد ان کے عبادی رہنمائی بن رہے ہوں گے وہ سطور دریافت ہو گا اسی طرح وہ جسے وحی کی نسبت بھی فیصلہ ہو گیا۔

اگر ترقی کرنے والے ابوحد  
 زمین اور اسکی پیدائش یعنی مولید ثلاثہ کی نسبت اس قدر متوہقین  
 اسکان تک پہنچ گئے ہیں تو اور یہی بات ہے کہ آبادی کے قابل ہونے پر پہلے ہمیں نباتات کا  
 آئندہ قانون ارتقا کا بند بوجھ ضروری  
 ظہور ہوا ہوگا یا بعض ایسے حشرات الارض کا جن کو نباتی غذا کی ضرورت  
 نہیں۔ نباتات میں اگرچہ بعض ایسی بھی دریافت ہوئی ہیں جو جانوروں کو غذا بناتی ہیں مگر ان کو جانور  
 کے بعد کی مخلوق مان کر بھی نباتات کا بڑا حصہ حیوانی غذا سے زیادہ حیوانوں سے پہلے موجود مانا  
 پڑتا ہے۔ ان کے بعد ایسے حیوانات پیدا ہوئے ہرنگے جو نباتات سے غذا لیتے ہیں اور ان کے بعد وہ  
 حیوان جو گوشت کھاتے ہیں اور انسان کے لیے چونکہ تمام قسم کی نباتات اور ہر قسم کے حیوانات کی  
 ضرورت ہو اس لیے یہ سب کے بعد دنیا میں آیا ہوگا۔ اس سلسلہ کو یقینی ماننے کے برابر احتمالات  
 کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جنہیں سنہ قدیم خیال یہ ہے کہ ہر ایک نبات اور ہر ایک جاندار مجبوراً  
 پیدا ہوا ہے۔ اور ایک خیال عیٰ دنیائے میں اب حکومت کر رہا ہے کہ سوا سبابتدائی آبی کیڑے  
 کے اور کوئی جاندار ابتداء معروضہ جو زمین نہیں آیا بلکہ اسی کیڑے کی نسل سے بدلتے بدلتے ہر قسم کے  
 حیوانات بن گئے ہیں جسے کہ وہی نسل بڑھتی بڑھتی بنارہے۔ بن مانس اور انسان ہو گئی ہے۔  
 ان دونوں احتمالات کو آپس میں کشمی لڑتے ہوئے اور نئے کو پرانے کا شانہ زمین پر لگاتے ہوئے  
 چھوڑ کر جو اہم مشترک دونوں میں پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تمام نباتات خور اور گوشت خور حیوانات ایک  
 ہی وقت میں پیدا نہیں ہوئے بلکہ پہلے بیشک کسی طرح کے کیڑے مکوڑے پیدا ہوئے ہوں گے کیونکہ ایسے  
 جاندار اب بھی دیکھے جاتے ہیں کہ کستی تحفن جگہ یا گندہ مہوہ میں نہایت جلدی پیدا ہو جاتے ہیں پھر انکی  
 نسل بڑھتی شروع ہوئی ہوگی حتیٰ کہ جب وہ وقت آیا ہوگا کہ ان سے بڑا کوئی اور جانور بھی نہ رہ سکے تو  
 وہ موجود ہو گیا ہوگا۔ خواہ کیڑے میں ہی یہ تعداد آگئی ہو کہ وہ میٹیک مچھلی کی شکل حاصل کرے یا سطح  
 زمین پر قابلیت ہو گئی ہو کہ اس میں سے بڑے جانور کا ظہور ہو سکے۔ پھر حسب معمول کچھ مدت اس جانور  
 کی نسل چلی ہوگی اور ایک وقت پر اس جانور کی سطح زمین کی تہہ راد کال جھنے پر کوئی تیسری  
 شکل ظاہر ہوئی ہوگی اور پھر یہی سلسلہ جاری رہا ہوگا کہ کچھ عرصہ ایک ہی جانور نسل در نسل چلا آتا ہوگا اور

اگر کسی وقت میں کوئی نئی صوت پیدا ہوتی رہی ہوگی جتنے کہ ایک وقت پر ان سب کے برابر آراستہ ہوتے  
لے بعد حضرت انسان کا جلوہ شاہی نمودار ہوا ہوگا۔

اور اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک انسان کی ایک نوع میں یا سطح زمین میں دوسری شکل  
پیدا کر نیکی استفادہ نہ موجود ہو یا ناقص ہو تو قانون توارث عمل کرتا ہے اور ہر نسل کا بچہ ہرن اور بکری  
کا بچہ بکری پیدا ہوتا ہے یعنی قدرت کا اثر باپ کی وساطت سے بیٹے تک پہنچتا ہے اور جب یہ  
استفادہ کامل ہو جاتی ہے تو قانون ارتقاء قانون توارث کی جگہ لیتا ہے اور ایک اور حیوان کی شکل نکلتی  
ہے۔ آتی ہے یعنی قدرت براہ راست عمل کرتی ہے اور بیٹے میں وہ بات پیدا ہوتی ہے جو باپ  
میں نہ تھی۔

لیکن انسان کو جو پتہ پڑی ہوئے پر اگر مادہ میں ہیں تک ترقی کرنے کی استعداد اور ودیعت تھی  
یا اگر خدا کا ارادہ دنیا میں اسی نوع تک پیدا کرنے کا تھا تو کہنا چاہیے کہ آئندہ اس سلسلہ میں قانون  
ارتقاء کا خاتمہ ہو گیا اور اب قانون توارث ہر انسان کا بچہ انسان ہی پیدا ہوتا ہو گا۔ اگرچہ ایک اور  
سلسلہ میں یعنی انسان کی عقلی قابلیت میں قانون ارتقاء بھی عمل کر رہا ہے مگر اس وقت ہم حیوانی  
شکل و صورت کے سلسلہ کو دیکھ رہے تھے جس کے بدلنے سے نئے حیوانی کا نام بدل کر قبی کے بعد شیر  
اور بندر کے بعد بن مانس کہنے لگے۔ ہمیں اور عقلی ترقی سے ایسا تغیر پیدا نہیں ہوتا بلکہ افریقہ کا وحشی اور  
یورپ کا فلاسفر دونوں کا نام انسان ہی رہتا ہے۔

اچھا تو شکل و صورت یا انواع حیوانی کے سلسلہ میں قانون ارتقاء کی نسبت سوال ہونے پر یہ عام  
جواب کہ قانون ارتقاء کہی بنا نہ ہوگا، بالکل غلط ہے بلکہ سچا جواب یہی مشروط جواب ہوگا کہ اگر  
مادہ اپنی واقعی شکل تک پہنچ گیا ہے تو قانون ارتقاء ختم ہو گیا اور یہ ہم کو معلوم ہے کہ مادہ کی انتہائی  
شکل انسان ہے اس لیے یوں بھی جواب ہو سکتا ہے کہ اگر انسان مادہ کی واقعی شکل ہے۔ تو  
قانون ارتقاء ختم ہو گیا۔

ابھی کے بارہ میں قانون ارتقاء کے بنیاد یا جاری رہنے کا سوال بہتوں کی نسبت بھی عام

فیصلہ غلط ہو گا اور سچا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ انسان کے لیے جہاں تک خدا کو پہچانا ممکن ہو اگر وہی کے تشبیہ اس حد تک پہنچ چکے ہیں تو اس سلسلہ میں بھی تادون ارتقا کی گنجائش نہیں۔ اور ثابت کا یہ مسئلہ جو ایک نوع قانون ارتقا کے رو سے قدرت کے براہ راست عمل کرنے کو کسی انسان پر آشکارا ہے اس کے بعد قانون توارث کے رو سے ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہنچتا رہے گا جس طرح چرپاوش کا سلسلہ کے خاص حیوان تک پہنچنے کے بعد قانون ارتقا سے انسان پیدا ہوا ہے اور آئندہ صرف قانون توارث کے رو سے انسان سے انسان پیدا ہوتا رہتا ہے اور اب کسی حیوان سے یا زمین سے انسان پیدا نہیں ہوتا۔

مگر اگر یہ وقت پیش آتی ہے کہ سلسلہ حیوانی میں مادہ کی انتہائی صورت یقیناً معلوم تھی کہ وہ انسان ہے اور مذہبی سلسلہ میں خواہ تاریخی طور پر وحی کی انتہائی صورت معلوم ہو سکتی ہو مگر دنیا میں وحی کا جھوٹا دعویٰ کہ نہ دل بھی ہوتے آئے ہیں اس لئے ثبوت دین سے پہلے کسی شکل کی انتہائی مسئلہ ہو گا پس حیا جواب حیوانی سلسلہ میں دیا جاسکتا ہے کہ اگر انسان مادہ کی واقعی شکل ہے تو قانون ارتقا ختم ہو گیا۔ اس قسم کا جواب مذہب کے بارہ میں نہیں ہو سکتا بلکہ اسکی جگہ یوں کہنا چاہیے گا کہ اگر مسئلہ وحدت وجود کا واقعی جلوہ ہے جس تک انسان پہنچ سکتا ہے تو جس شخص نے سب سے پہلے اس مسئلہ کی تعلیم دی ہے وہ خاتم الانبیاء ہو گا اور پیچھے آنے والے سب اسی کے خوشہ چین ہوں گے اور اگر خدا کا انسان کی شکل میں حلول کرنے کا یا بیٹے کی شکل میں آنے کا مسئلہ خدا کا واقعی جلوہ نہ تو ایسی تعلیم لاسے والا ہے آخری نبی ہے۔ یا اگر خدا کی نسبت واقعی علم یہ ہے کہ وہ بغیر مادہ اور روح کے دنیا کو پیدا نہیں کر سکتا تو اس مسئلہ کو ظاہر کرنے والا آخر المرسلین ہے اور اسی طرح دنیا کے ہر ایک کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس کو واقعی کشف ہو گیا ہے تو پھر خدا کی طرف سے کسی اور نبی پر وحی القا کرنے کی ضرورت نہیں اور آئندہ محض اسی انسان کی وساطت سے واقعی تعلیم رائج ہو سکتی ہے۔ اب اس کے عقل کی وساطت سے و با جس طرح بھی ممکن ہو یہ تلاش کرنا انسان کا فرض ہے کہ ان حدوتوں میں سے کونسی صورت ہے جس کو خدا کا واقعی جلوہ کہا جائے۔

انسانی علم صرف تعلقات  
تک تھا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ چونکہ خدا غیر محدود و ہر اسلئے اسکی حقیقت تک پہنچنا محض  
انسان کے لیے ناممکن ہے مگر یہی صورت مادی علوم میں پیش آتی ہے  
لہذا انسان مادہ کی حقیقت کو دریافت نہیں کر سکتا اور اس کا مبلغ علم صرف اس قدر ہے کہ اس کے بعض  
اوصاف اور تعلقات سے واقف ہو اور اس کے علم کی صحت یہ کہ ان تعلقات اور اوصاف تک  
پہنچ جائے جو قیاسی مادہ کے اندر موجود ہیں اور غلطی یہ ہے کہ ایسے تعلقات اور اوصاف کا تفسیر کچھ ہے  
جو ہمیں نہیں ہیں مثلاً ہم سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کو کیسا ہی تحلیل و تخیل کرنے کے قابل  
ہو جائیں اسکی حقیقت ہونا اتنا نہیں گے اور صرف اُس کے بعض اوصاف معلوم کر سکیں مثلاً یہ کہ وہ سبب  
ہے بلکہ اس کے اندر اس قدر اتنا نہیں پس اگر ہم نے سمجھیا کہ یہی اوصاف دریافت کئے  
ہیں جو قیاسی ہیں اُس کے اندر ہیں مثلاً یہ کہ اُسکو ایک خاص وزن تک کھانے سے انسان مر جاتا ہو  
تو ہمارا علم صحیح ہے اور اگر اس کے خلاف کوئی اور یقین پیدا ہو گیا ہے مثلاً یہ کہ اُسکو بواجب کی طرح کھانے سے  
خدا کا کام لے سکتی ہیں تو ہمارا علم غلط ہے۔ ڈاکٹر سٹینسٹر کہتے ہیں۔

” سائنس کی ترقی جہاں تک بھی ہو اس سے صرف اندرونی اور بیرونی تعلقات کی تکمیل ہوتی ہے  
(اسکی مثال یون دیتے ہیں) ایک تیزی کی نبات کی خاصیت شبنم سے اُسکو کھانے لگتی ہے تو اس  
اُس کے اندر خوشبو کا تصور ایک حرکت پیدا کرتا ہے یعنی خوشبو جو بیرونی چیز ہے اس کو تیزی کے  
دل میں ایک تصور پیدا ہوتا ہے اور جیسا خوشبو کو درخت سے متعلق ہے ویسا ہی اس تصور کو کھانے سے  
تعلق ہے۔ اور اسی طرح تیزی کے قدر و قیامت رنگ ٹھنک اور قرب و بعد کی نسبت کو دیکھ کر چڑیا  
کے دل پر ایک اثر ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اُسکو کھانے کو دوڑتی ہے اور اسی طرح عقاب  
چڑیا کو دیکھ کر چڑیا کے اندرونی حرکات سے زیادہ پیچیدہ اعصابی اور جانی حرکات کے ساتھ چڑیا پر  
جھپٹتا ہے۔ اور ان سب کے اور شکاری ہے جو عقاب کی شکل اور اس کے قرب و بعد وغیرہ کے علاوہ نبات  
کے اثر اور مختلف کام کر رہے ہیں تو ان قدرت کے اوضاع و اطوار سے متاثر ہو کر بند و باند ہوتا ہے

اور بارود بھر کر اور اسکے اثر کا قانون دریافت کیے عقاب کو مازا چاہتا ہے پس چونکہ زندگی اپنے تمام مظاہر میں شمول توت عقلیتہ مادہ جہ غایت اندرونی اور بیرونی تعلقات کے ایک مسلسل مطابقت اور درستی کا نام ہے اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے علم کو محض تعلقات سے تعلق ہے اسکی نہایت سادہ شکل یہ ہے کہ اندرونی حالات اور بیرونی مسائل کا کس قدر علم ہم جیسے فیتر کی خوشنود اور کھانے کے تعلق کا علم ہے اور اس سے اس کے شناخت ذرا اوپر پیچیدہ اندرونی اور بیرونی تعلقات کو معین کر لینا ہے جیسے انسان نے عقاب۔ لوہا اور بارود کو دیکھ کر جانور کو مارنے کا طریقہ معلوم کر لیا۔ پس عقل و ذہانت کی یہ کارروائی کیسی ہی اعلیٰ ہو صرف تعلقات دریافت کرنے تک محدود ہو اور اس سے آگے نہ اندرونی حالات کو جان سکتی ہے اور نہ بیرونی وسائل کو۔ صرف اتنا جانتی ہے کہ کوئی چیز کس کے ساتھ ہوتی ہے (مثلاً خوشبو کے ساتھ نبات) یا کس کے پیچھے کونسی چیز آتی ہے۔ (مثلاً بندوق چلانے کے بن۔ جانور کا مرنا) پس ہر وقت صرف یہی ہے کہ ہم تعلق کو ٹھیک دریافت کر لیں اور غلطی یہ ہے کہ تعلق کو ٹھیک دریافت نہ کریں۔ غرض تفکر چونکہ تعلق دریافت کرنا نام ہے اس لیے کوئی توت متفکر تعلق سے آگے نہ بڑھ سکیگی۔

نہیں بھی محض خالق مخلوق کے تعلقات بتانے کا دعویٰ ہے۔

غرض جب ہماری کل کائنات تعلق ہی کو دریافت کرنا ہو تو خدا کے لامحدود ہونے کو اور دریافت حقیقت ممکن نہ ہونے کو بہانہ بنا کر تلاش معرفت سے پہلو ہٹ کر انسان جیسی عقل ہستی کی شان نہیں اور جب ہم حقیقت کسی چیز کی بھی دریافت نہیں کر سکتے تو جس طرح مادی علم میں صرف مادہ کے تعلقات پر قناعت کرتے ہیں اسی طرح بیان بھی خدا اور مخلوق کے تعلقات کو دریافت کرنا ہی انتہائی نظر ہو گا اور نہ یہی تعلقات کو دریافت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے ایک کتنا ہے کہ مخلوق اور خالق کا تعلق یہ ہے کہ ایک ہی ہستی مختلف مظہر و مین جلوہ کر رہی ہے۔ دوسرے کتنا ہے کہ ایک سے دوسری کو نیت و ہمت کیا ہے اور تیسرے دعویٰ کرتا ہے کہ ایک نے دوسری موجود چیز کو مختلف شکلیں عطا کی ہیں۔ اسی طرح ایک کتنا ہے کہ جب تک وہ کسی خاص مین شکل میں جلوہ نہ کرے انسان اس تک نہیں پہنچ سکتا اور دوسرے کتنا ہے کہ اس تک پہنچنا ہوتا ہے تمام

خاص چیزوں سے پروردگار کو اور تمام تعلقات میں حقیقت دریافت کرنا دعویٰ ان میں کسی میں بھی نہیں اور انہی تعلقات میں غور کرنا اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا ہمارا فرض ہے۔ اس تحقیق میں اگر ہم اس نتیجے تک پہنچ جائیں کہ فلاں تعلق واقعی تعلق ہے تو ہی کی تعلیم دینے والے کو خاتم المذہب کہیں گے اور اگر بالفرض کسی تعلق کو بھی واقعی نہ کہیں تو اس صورت میں بیشک مذہب کی آئندہ ترقی کا احتمال باقی رہے گا۔ مگر اس صورت میں بھی مذہب کے اہل اعراض کرنا یا بالکل بے سوچے سمجھے کسی ایک پر کاربند ہونا غلط ہوگا بلکہ یہ دیکھنا ہوگا کہ ان میں سے واقعی غلط کون ہے اور تریب بصداقت کون۔ اور جو تریب بصداقت ہوں ان میں سے سب ترقی یافتہ اور بالاتر کون ہے اور پھر سب کو چھوڑ کر سب سے بالاتر پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ کیونکہ جب تک عقل کو معلومہ تو نہیں قدرت ہی بالاتر تو ان میں دریافت کرنے کی استعداد نہیں ہوتی عقل کا فرض ہوتا ہے کہ موجودہ معلومات میں جو سب سے برتر ہوں ان پر کاربند ہو اور اس سے پہلے کے معلومات کو جو غلط ثابت ہو چکے ہیں ترک کرے مثلاً جب تک انسان پانی اور مٹی وغیرہ کو تحلیل نہیں کر سکا اور بعض عناصر لپٹن کرنا نہ رہا اور جب ان چیزوں کے اجزاء دریافت ہو گئے تو ان کے اجزاء کے تحلیل کا احتمال بھی باقی ہے مگر جب تک وہ وقت نہ آئے انسان کا فرض ہے کہ آگ اور پانی وغیرہ کو عنصر کہنے پر اصرار نہ کرے اور جو اجزاء دریافت ہو گئے ہیں ان کو عنصر مانکر اپنی علمائے نتائج اور مختلف فنون اور صنعتوں کی بنیاد اسی اصول پر رکھے۔ اسی طرح کسی مذہب کو سب سے ترقی یافتہ تسلیم کر لینے کے بعد ہمارا فرض ہوگا کہ اس سے کمتر مذہب پر اصرار نہ کریں اور اس بالاتر مذہب کو مانکر اپنی عارفانہ رفتار میں اسکی ہدایتوں پر کاربند ہوں +

غرض ہم ختم نبوت کے نتیجے پر پہنچیں یا بحالت موجودہ سب سے کمتر مذہب کو معلوم کریں تو ان حالتوں میں عملی نتیجہ ایک ہی ہوگا۔ اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے یا کرس و ناکس کے دروازہ سے بھیک مانگنے کی بجائے کوشش کرنا اور ایک دروازہ تک پہنچنا ضرور ہوگا۔ مگر اس کوشش میں عیب ہی جلوہ معرفت ہونا چاہیئے۔ کیونکہ نہ ہی جذبہ خدا کی طرف بلاتا ہے۔ اس لیے خدا کی شناخت ہی اس کے نتائج کا معیار ہو سکتی ہے +

مذہبی کی کثافت سے

لطافت کی جانب سے

اب خدا کی شناخت کو ختم نبوت یا ترجیح مذہب کا معیار گردانا کر دینی حیلہ  
 معرفت تلاش کر نیکی لیے اُن ستم لالوں کے علاج جو بیرونی شہادت پر پیش  
 کئے جائیں خود مذہب کے اندرونی تغیر و تبدل اور ترقی کی روش سے بھی استدلال ہو سکتا ہے کیونکہ  
 سب سے ابتدائی مذہب جو دنیا میں پائے جاتے ہیں اُن میں کسی بالکل محسوس اور معین چیز کو اور اکثر  
 اوقات ایسی کئی کئی چیزوں کو معبود گردانا گیا ہے اور اس طرح خدا کو محسوس محدود و متعین ناقص خانی  
 اور غیر سمجھا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ سب سے ابتدائی شکل ہے اسلئے اس کے علاوہ اور جن قدر تکلیف مذہب میں پڑ  
 ہو اُن سب کو اس شکل سے ترقی یافتہ اور صداقت سے قریب تر سمجھنا چاہیئے اور پھر جب ان شکلوں  
 کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں خدا کی محروریت اور نقصان وغیرہ میں زیادتی نہیں  
 کی گئی بلکہ درجہ بدرجہ اس کو غیر محدود و مطلق۔ کامل۔ دائم اور نامتغیر مانا گیا ہے مثلاً درخت پتھر سونہ ترقی  
 کی ہے تو اگر چہ خیال دنیوی چسپندوں کی طرف ہی گیا ہے مگر درخت پتھر سے لطیف تر یعنی پانی  
 اور ہوا وغیرہ کو خدا مانا ہے۔ اس سے آگے اس سے لطیف تر یعنی پانی اور آگ کے مولک اور ذرات فرض کئے  
 ہیں اور اس کے بعد بتدریج بڑھتے بڑھتے اور دنیوی چسپندوں کا لطیف سے لطیف درجہ فرض کرتے  
 کرتے تمام دنیا کا مجموعہ اور پھر اس سے آگے تمام دنیا کا امر و نکرہ اسی لینے و رتبہ اطلاق خدا مانا گیا ہے  
 اور پھر دنیا سے پرے اور تمام اشیاء سے برتر اور اعلیٰ مہتی تک پہنچے ہیں اور مانا ہے کہ خدا تمام شہادت  
 بالائے تمام کائناتوں سے پاک۔ تمام لطافتوں سے متصف اور عقل و قیاس سے برتر ہے۔ مگر نہایت کثیف  
 درجہ یعنی محسوسیت سے آفاذ کر کے ایسے لطیف درجہ تک آنا اور اس کو پورے طور پر دل میں جبکہ دینی آسان  
 لے یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مذہب کی شکل خدا کی طرف گمبہ ہو سکتی ہے بلکہ اس کی طرف سے پہلے جذبہ مذہبی پیدا کیا گیا ہے اور  
 اس جذبہ کے اثر سے جیسا انسان نے تلاش شروع کی تو سب سے پہلے وہ محسوسات ہی کی طرف جھکا پس یہ ایک کمزور چیز ہے  
 جو انسان کے تفصیل سے ہی سوا اہام ربانی کے ساتھ ہو گئی اور اعلیٰ ہذا القیاس اس کے چھ کسی نبی نے تعلیم دی کہ خدا پتھر پتھر سے  
 بلکہ پتھر وغیرہ کا خالق ہے تو جن طاقتوں سے انہوں نے جوارات اور نباتات میں تغیر ہوتا دیکھا ان کی طرف جھکا گئے۔ اور اس طرح آخر  
 ایک صادق وحی سے مذہبی ترقی اور ایک غلط قیاس سے غلط آمیزش ہو گئی تھی۔



انسان کام نہ تھا چنانچہ جب پہلے پہل اس درجہ تک پہنچے ہیں تو اس عقیدے نے اپنی شکل میں زبان سے نکل کر آنے اور اعلیٰ حالت پر اثر کرنے میں بہت وقت صرف کیا اور خدا کو واقعی سب سے بڑا کہنے کے بعد کسی نے نیتی نیتی یعنی خدا نہ یہ ہے نہ وہ ہے کہتے کہتے نقائص سے پاک ماننے کے علاوہ ہر ایک تمام صفات کا ملکہ کو بھی اڑا دیا۔ اور اگر فلسفیانہ چھان بین کے وقت ہم کسی چیز کی ذات کا خیال اور اس کی صفات کا خیال جدا جدا ہیں میں لاسکتے ہیں اور اس طرح ذات کے مرتبہ کو تمام صفات سے معزل تصور کر سکتے ہیں۔ یہ غرض نہ یہی عمل ہو گا ورنہ خارج میں کوئی چیز ایسی موجود نہیں ہو سکتی جو کوئی صفت رکھتی ہو کیونکہ اس کو موجود مانکر کم از کم وجود کی صفت ضرور لاحق کرنی پڑتی ہے پس خدا کو نیتی نیتی کہہ کر تمام صفات سے معزل کرنے کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ موجود بھی نہیں اور صرف ذہن نے دیگر موجودات کو دیکھ کر اس کا تصور قائم کر لیا ہے پس گویا اس نے ہر سب سے موجودات عالم کو تحلیل کر کے کرتے اس کے آخری درجہ یعنی حالت طلاق تک پہنچ کر اس کو خدا مان لیا ہے اور نہ ہی جذبہ جو خدا کو موجود اور ہر حال میں جبریت کا حامی و ناصر ماننے کا تقاضا کرتا ہے اور نہ جلد وہ اسے معرفت جنین بالعموم خدا کا دیدار بطور ایک موجود فی الخسار کے ہوتا ہے ان دونوں کو اس مذہب سے تعلق نہیں ہو اور قبول ایم جمہیں گویا یہ علم منظر کا ایسا حلقہ ہے جو بصارت والوں کے تجربہ پر مبنی نہیں ہے۔ اور اسی طرح اور مذاہب نے اگرچہ ان سے خدا کو برتر از قیاس کہا مگر عملاً اس اعتقاد کی تردید کی اور جب اس کے برتر از قیاس ہونے کو دل میں نہ جاسکے تو کبھی کسی بت کو اس کا خاص جلوہ گاہ فرض کیا اس کے بعد کبھی کسی انسان میں اس کا جلوہ مانا اور اس طرح پر خدا کو اس کے درجہ سے نیچے لاکر عبادت ایسی چیز کی شروع کی جو محدود و متعین اور ہر طرح سے ناقص ہے نہ وہ برتر از خیال و قیاس ہستی۔ اور پھر کبھی اس کی ذات کو برتر مانا مگر اس کی صفات کو برتر ماننے کی بجائے تیار نہ ہونے اور اس کی قدرت کا انسانوں کی قدرت بر قیاس کر کے خالقیت وغیرہ میں اس کو ماوہ کا محتاج ماننے لگے۔ ان سب کو شنون کے بعد معرفت کا وہ درجہ ہے جس میں خدا کو برتر از احساس (کا مڈرک) کا قیاس (انہم پارہ ع) برتر از قیاس (کا یجھیطون یہ علم ط پارہ ع) تمام مش بالوں سے بالا (لیس لکٹ لہ شعی ع و شور سے پارہ ع) تمام صفات کمال سے تصف

(وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی اَعْرَافٌ بِآرِثِهَا) سب سے بے نیاز (اللّٰهُ الصَّمَدُ) پارہ (اخلاص) ذات  
 وصفات میں کیما (رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِکَ لَکَ الْغَافِیْہُ ع) اور تمہا لائق عبادت (وَلَا یَلٰہُ  
 اِلَّا ہُوَ الْغَافِیْہُ ع) (انعام پارہ ۱۳) اور ہر چیز کا خالق (خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ الْغَافِیْہُ ع) (انعام پارہ ۱۳) مانا گیا اور اس  
 وہ ترقی جو معرفت کے بارہ میں کثافت و لطافت کی طرف شروع ہوئی تھی ختم ہوئی کیونکہ دائرہ کے  
 ایک نقطہ سے عین مقابل نقطہ تک اور بالکل کثیف و کمال لطیف تک پہنچ گئی ہے اور یہی انتہا  
 ترقی اور کمال معرفت ہے۔ اس کے بعد کم دنیا آسان ہے کہ آئندہ معرفت کی وحی ہوتی ہوگی مگر صرف  
 گمان پیدا کر لینا اور ہے اور کوئی معقول وجہ پیدا کر کے آئندہ کی امید باندھنی اور ہے بیشک خدا  
 غیر محدود ہے اور انسان اس کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر انسان کے واسطے کمال معرفت بھی یہی تھا کہ  
 اس کو تلاش کرتا ہوا اس یقین تک پہنچ جائے کہ وہ سب سے بالا ہے اور اپنی صفات کمال میں کسی چیز  
 کا محتاج نہیں اور ہم اس کی ذاتی اور صفاتی کثرت تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ صرف زبان پر عجز کا اقرار کرو  
 بلکہ علامہ بھی کسی اور ناقص پسینہ کو خدا کا مظہر یا اس کا شریک ٹانے اور عبادت کرنے کے وقت محدود و شہا  
 پر و صیاں نہ جھانٹے بلکہ عبادت بھی اس بزرگتر ہستی کی اُسی بزرگتر حیثیت سے کہے اور جب اعتقاد  
 اور عمل کے اس درجہ تک سائی ہو جائے تو آئندہ انسان کیلئے کوئی درجہ باقی نہیں اور نہ مذہب اور  
 وحی اور نبوت ختم ہو گئی۔ البتہ دوسرے قسم کے جلوہ ہائے معرفت جو انسان کو سلوک معرفت میں طبعی  
 بخشنے والے اور در و صبا کی خوشخبری دینے والے ہیں ہمیشہ انسان کی اپنی حیثیت کے موافق  
 ممتد ہیں گے کیونکہ ان کے بغیر مالک کو منازل طے کرنے میں کامیابی کا یقین نہیں ہو سکتا +  
 الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانَ یَتَّقُوْنَ اَللّٰہَ الْبَیِّنَہُ  
 فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ (یونس پارہ ۴)  
 عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَہْلِ مِصْرَ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا الدَّرَکَ  
 عَنْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ اَللّٰہُ الْبَیِّنَہُ فِی الْحَیٰوۃِ  
 الدُّنْیَا فَقَالَ مَا سَأَلْتَنِیْ اَحَدًا غَیْرَکَ اِلَّا اَجَلَ

جو لوگ ایمان لائیں اور متقی ہوں۔ ان کے لئے  
 بے شر ہے ہر دنیوی نسبت میں اور آخرت میں۔  
 قیصر مصر میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ابو در و صبا  
 سے سوائے تیرائی کے بارہ میں سب کو پوچھا کہ اللہ بے  
 ابو در و صبا نے کہا کہ جب میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَاَحَدٌ مِنْهُمْ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ  
مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ غَيْرُكَ مُنْذُ نَزَلَتْ  
هِيَ الزُّرِّيَّا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ  
أَوْ تَرَاهُ لَهُ -

(ترمذی - ابواب الرؤیا)

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَمْ يَتَّقِ مِنَ الشُّبُهَةِ  
إِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ قَالُوا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ  
الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ (بخاری باب المبعثات)

سے اس آیت کا مطلب پوچھا ہے مجھ سے تجھ سے پہلے  
ایک شخص کے سوا اور کسی نے نہیں پوچھا اور جب میں جناب  
رسالتؐ کی طرف سے پوچھا ہے تو آپؐ نے ہی فرمایا تھا کہ جب یہ  
آیت اتری ہے مجھ کو تیرے سوا کسی نے اس کا مطلب نہیں  
پوچھا۔ بشر کے سوا دیکھنا جناب ہی جو مسلمان دیکھتا ہے  
یا اس کے بارہ میں کسی اور مسلمان کو نظر آتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ نبوت میں کسی مبعثرت کے  
سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ مبعثرت  
کیا چیز ہے آپؐ نے فرمایا کہ نیک خواب۔

نہم نبوت اور سب سے پہلے ہر ایک فلسفیانہ فطر سے موجودہ درجہ معرفت سے آگے ایک اور درجہ  
کو دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ایک وقت پر خدا کو ایسا مطلق سے مطلق اور بڑے بڑے سمجھا جائیگا  
کہ اس کی طرف کوئی صفت منسوب نہ ہوگی اور انسان ہر ایک حیثیت سے اس کو ناقابل فہم تسلیم کرے گا۔  
ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر طرح کا کمال اور جن جو آج انسان خدا کی طرف منسوب کرنا چاہتا ہے اور وہ ہر طرح  
کی اہلاد اور اعانت جو اس کی طرف سے پہنچنے کا یقین کرتا ہے یہ سب خیالات دور ہو جائیں گے اور صرف  
خدا کا اقرار ہوگا اور کچھ نہ ہوگا اور ان کے نزدیک ترقی اس وقت ختم ہوگی۔

انصاف کی نظر سے سب سے پہلے اس ترقی کو دیکھ کر ویدانت الون کی فلسفیانہ باریک بینی کا اعتراف  
کرتی ہے کہ انہوں نے نہایت عرصہ پہلے سے خدا کی نسبت اسی قسم کے خیالات قائم کئے ہوئے ہیں  
فرق اگر ہے تو اس قدر کہ عموماً وحدت وجود کو ماننے والے اور غالباً ویدانت فلاسفی کے پیروں کے فرق  
مراتب کو مانتے ہیں اور ان کے نزدیک یہ ترتیب ذات بحت (خالص) سے پہلے اول ہے اور اس مرتبہ

سے کتاب فہرٹ پرنسپلز آف ریاضیات

میں فرائض کے ساتھ کسی صفت کا انقباض نہیں ہوتا اور پھر مرتبہ احدیت اور واحدیت وغیرہ کے بعد مرتبہ صفات مانا جاتا ہے اور اس درجہ میں ہر طرح کے صفات کمال اسکی طرف منسوب ہو سکتی ہیں مگر مرتبوں کا یہ تمام تہیاز اور تفریق صرف ذہن میں ہو سکتی ہے اور خارج میں جو ذات موجود ہے اس میں تمام مراتب متبیہ ہوتے ہیں اور سطر سپنسر خدا کے وجود خارجی کو تمام مراتب سے معز اور محض ذات بحت کا درجہ مانتے ہیں۔

مگر حقیقت میں جیسا کہ میں ذکر آیا ہوں وہیانت کی فیتیختی اور سپنسر کا آن فوائیل دونوں عقیدے فلسفہ کی پیشکش ہیں۔ جذبہ مذہبی کی ترقی کا نتیجہ نہیں ہیں۔ کیونکہ جذبہ مذہبی نے جس تہیاز پر ترقی کی ہے اس میں خدا کو بیشک کثیف و لطیف ماننا چلا گیا ہے مگر ساتھ ہی اس کو حسن و کمال میں بیشتر از بیشتر ماننا آیا ہے پس اس سلسلہ کی ترقی کا ختم تمام اسی درجہ پر ہوتا ہے جہاں اس کو ہر طرح کی لطافت اور ہر طرح کے حسن و کمال میں ایسا اونچا مانا ہے کہ عقل اس تک پہنچ نہیں سکتی۔ اس کے آگے اگر اسکی طرف صفات کو منسوب کرنے کی کوشش کیا جائے گی اور انکا ذہن صفات سے بھی منفی ہو جائے گا تو یہ ترقی نہ ہوگی بلکہ دائرہ کی ایک تہ سے آگے بڑھ کر نیچے کی طرف اترنا ہوگا۔ اور بیشک اگر گناہیت کی ترقی مذہب کی طرف سے بے پروائی اور جذبہ مذہبی کو دبانے کی کوشش ہو جائے تو یہی سہی طرح جاری رہے تو مذہب اور خدا سے انکار کرنے کا پہلا ذریعہ ہی ہوگا کہ اگر خدا ہے تو جو حسن و خوبی کا خدا نہیں ہے بلکہ مختل درجہ اطلاق اور تہیاز مذہب ہے اور اس کے بعد اس رستہ پر ترقی کرنے کا ختم تمام یوں ہوگا کہ نہ صرف صفات بلکہ خود ذات بھی کوئی چیز نہیں ہے اور اس وقت دائرہ مذہب کی عروج اور زوالی وہ نوعی سین ختم کر کے انسان اسی نقطہ پر پہنچ جائیگا جہاں سے ابتداء سے وحشت میں چلا تھا۔ اور ہم مانتے ہیں کہ اس نقطہ پر پہنچنے والا شخص اگر اسکو نبی کہا جائے تو مذہب کو نابود کرنے والے انبیاء میں خاتم المرسلین ہوگا مگر مذہب کو ترقی دینے والے نبیوں میں خاتم الانبیاء وہی ہے جس نے مذہب کو موجودہ ترقی تک پہنچایا۔

مستر سپنسر اپنی ایجاد کردہ معرفت میں اتنا نقص تسلیم کرتے ہیں کہ بحالت موجودہ انسان

اس کو ماننے کے لٹو تیار ہے اور نہ اس کو ماننا اس وقت انسان کی اخلاقی حالت کو درست کر نیکی قابل ہو گا بلکہ اس کے برخلاف نہایت ناگوار نتائج مرتب ہوں گے کیونکہ آج تک کی تہذیب میں انسان اور است پر اسی خیال سے قائم رہ سکتا ہے کہ کوئی خدا ہے جو اس کو نیکی بدی کا پھل دیتا ہے اور اپنے تعلقات و دوست سے اس پر ہر وقت تصرف رکھتا ہے اور اگر خدا کو تمام صفات سے معرانا جائے تو جزو اس خدا اور تعلقات و دوست بھی چونکہ صفات میں اس کی طرف منسوب ہونے لگے اور انسان بالکل آزاد ہو جائیگا۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ جس وقت انسان تمدنی حالت کے کمال تک پہنچ جائیگا اور سمجھ لیگا کہ نیک و بد اعمال کے نتائج بے انتہا پھیلے ہوئے چل رہے ہیں اور خود بخود ظاہر ہو گئے ہیں تو اس وقت خدا کی نسبت ایسا بلند عقیدہ مناسب ہو گا۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ انسان ایسا مذہب ہو جائے تو اس وقت بھی ایسے خدا کا اقرار کیا فائدہ دے گا کیونکہ جب نیک و بد اعمال کا اثر خود بخود پہنچنا تسلیم ہو جائیگا اور صفات خداوندی کی نفی سے انسان کے ساتھ اس کا کس طرح تعلق ہی ناممکن ہو گا تو اس وقت ایسے خدا کو ماننے کی کیا ضرورت ہو گی۔ پس جیسا کہ میں کہتا ہوں یہ اعتقاد خدا کو نہ ماننے کا پہلا ذریعہ ہو گا اور یہ درجہ مذہبی تنزل کی ابتداء ہو گی نہ اس کی ترقی کی انتہا۔ البتہ ڈاکٹر سپنسر کی تقریر سے جس کا خلاصہ میں نقل کیا ہے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اگر انسان ترقی کرے تو ہوائیک و بد نتائج کے سلسلہ کو چشم عقل سے دیکھنے کے قابل ہو جائے تو اس وقت خدا کو ماننے کے بغیر بھی اخلاق قائم رہ سکتے ہیں۔ مگر اول تو یہ صورت جب خیال میں آسکتی ہے کہ ہر فرد بشر عقل و غور میں پسند ہو جائے جو ایک امید ہو ہم سے زیادہ نہیں اور دوسرے ہیچ بحث کا اخلاق خدا کے بغیر بھی قائم رہ سکتے ہیں ہمارے اس موضوع سے باہر ہے کیونکہ یہاں جذبہ مذہبی اور اس کی ترقی کا ذکر ہے و جذبہ اخلاقی اور اس کے وجود و عدم کا اور جذبہ مذہبی کی نسبت ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خدا کو ماننا ہے اور اپنے خدا کو ماننا ہے اور سپنسر کا خدا غار تو شائد ہو مگر اپنا خدا نہیں۔ اس لیے یہ جذبہ مذہبی کا تنزل ہو گا نہ ترقی۔

ختم نبوت اور پارکر | مسٹر پارکر اگرچہ ختم نبوت کے لفظ سے گھبراتے ہیں مگر ایسی ویڈیو دیکھتے

مکمل مذہب کی تلاش ان کو بھی ہے چنانچہ اس کے لیے ایک معیار قائم کرتے ہیں اور پھر اس معیار کے مطابق تعلیم دینے والے مذہب تک پہنچتے ہیں اور اپنے نزدیک اس مذہب کو سب سے مکمل اور اس کے اصول کو دائمی ثابت کرتے ہیں چنانچہ یہ معیار قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”مذہب یا غیر مذہبیت کی قسم ہمیشہ ایک ہی رہی ہے گو یہ دونوں ان دونوں کے لحاظ سے جو ان کے ساتھ رہتے ہیں اور نیز اس کے بعد لحاظ سے جو ان کا مقصود رہا ہے بہت مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں مثلاً محبت کا دلولہ کہی مکرور ہو تا ہے کہی زیر دست کہی جاہلانہ کہی عاقلانہ کہی خود غرضی کے ساتھ کہی اخلاق کے ساتھ یہ تو محبت کے نزدیک کے اوصاف ہیں اور پھر ایسا ہی اختلاف اس چیز کے متعلق نظر آتا ہے جس کی محبت کی جائے یعنی محبت اولاد کی ہوتی ہے یا بیوی کی یا دوست کی یا کسی کے سوا اور۔ اسی طرح مذہب کے مختلف عنصر ہیں یعنی مذہب کہی عقیدت کے ساتھ ہوتا ہے کہی خوف کے ساتھ کہی دانائی کے ساتھ کہی بہائیت کے ساتھ کہی محبت سوا کہی نفرت سے۔ اور اسی طرح مذہب کا مطلوب کہی ایک چیز ہوتی ہے کہی بہت چیزیں اور کہی تمام چیزیں۔ اور ایسا ہی کہی اسکو بالکل ناپا جاتا ہے اور کہی محدود کتب عالم کہی نکلون اور کہی ناقابل لغت“

اور پھر آگے چل کر مکمل مذہب کی تعریف کرتے ہیں کہ

”مکمل مذہب خدا کے قانون کی کامل اطاعت کرنا۔ جسم کے ہر ایک عضو اور روح کی ہر ایک طاقت کے مناسب استعمال یا تکمیل اور تربیت سے خدا کی خدمت بجالانا اور خدا اور انسان کے ساتھ کامل محبت رکھنا جس سے زندگی میں انسان کی تمام طاقتیں جہان تک کر سکیں ہم امنگی اور مناسب کام کریں“

یہ معیار قائم کر نیکی کے بعد وہ سچیت کو سب سے مکمل مانتے ہیں کیونکہ اس کے اصول میں داخل ہے کہ

”تمام انسانوں سے ایسی محبت کرو جیسی اپنے آپ سے اور خدا کے ساتھ سب سے اوپر“

مسٹر چارلس کی اپنی تقریر سے جس میں انہوں نے مذہب کی مختلف شکلیں بیان کی تھیں گمان ہوتا تھا کہ وہ واقعی نتیجہ تک پہنچ چکے کیونکہ اس میں مذہب ماننے والے کے مختلف دلولے اور مدعاے مذہب

یعنی خدا کی معرفت کے مختلف درجہ دو نون باتوں کو پیش نظر رکھتے ہیں جس کا اثر یہ ہونا چاہیے تھا کہ عیاد و عید و دونوں کی مکمل حالت کو مکمل مذہب کی تعریف میں مد نظر رکھا جاتا۔ مگر حیرت ہے کہ وہ تعریف کرتے کے وقت مذہب مانتے والے کی سب سے اعلیٰ خواہش کا تو خیال رکھتے ہیں اور اس مذہب کو مکمل مانتے ہیں جس کی بنیاد کامل محبت پر ہو۔ لیکن مذہب مانتے مذہب یعنی معرفت خدا کی سب سے اعلیٰ شکل کا ذکر تک نہیں کرتے اور اس وجہ سے جو تعریف مکمل مذہب کی ان کی قلم سے نکلی ہے وہ اس صورت پر بھی صادق آ سکتی ہے جب کوئی شخص بہت سی محسوسات یا شکیا کو خدا مانتا ہو اور تمام انسانوں سے مجھتے ہو کاش اگر مسٹر بار کو تعریف کرتے وقت یہ سمجھ نہ ہو جاتا اور وہ مکمل معرفت کا بھی خیال رکھتو تو مسیحیت کے کمال کا نتیجہ نہ نکال سکتے۔ کیونکہ جس مذہب میں خدا کی تقدیس و تسمیہ کی طرف بالکل توجہ نہیں کی گئی سننے کہ انکی ذات کا شرک۔ ولدیت۔ حیوانیت اور حلول وغیرہ ناموزون صفات سے پاک ہونا بھی صاف لفظوں میں بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کو باپ کے لفظ سے لپکا کر ایسا شہناہ ڈالا گیا جسکی بنا پر تسلیم پانے والوں نے خود اسی کو خدا کا بیٹا مان لیا جو خدا کی بادشاہت کی نشانی دینے آیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایک کاتین ہونا اور مجبور و کاجیم میں حلول کرنا۔ ایسی قباحتوں کی بنیاد پر ہی وہ مذہب کبھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے کامل معرفت کی تلقین کی ہے۔

یہ ہمارا ایمان ہے کہ نبی کی زبان سے بصرحت یہ عقائد بھی نہ نکلے ہوں گے جو ان کے شاگردوں نے انکی نسبت قائم کیئے مگر آتنا ضرور ہوگا کہ اس وقت کی استعداد کے موافق یا کسی اور صہ سے وحی کو ایسے گول الفاظ میں بیان کیا گیا جس سے کامل معرفت پیدا نہ ہوگی۔ اور اگر اس کے بعد خدا کی حکمت جو شہین نہ آتی اور واقعی جلوہ معرفت ہو خدا کی تسمیہ و تقدیس پر صاف الفاظ میں نہ زور نہ دیا جاتا جو زور دینے کا حق ہے اور مسیحی اناہ ان یکنوی کہ وہ لکھتا (نسا پلاٹہ ع ۲۳) کا غلط فہم سے عالم میں نہ پھیل جاتا تو مسیحیت میں یہ یوقا ٹیڈیٹ (موجود) وغیرہ فرقے اور یہ مسٹر بار کر جیسے مجدد و پیغمبر نہیں نہ آتے۔ بلکہ وہی حضرت یسوع کی خدائی حکومت اور انسانوں بلکہ تصویروں کی پندش جاری رہتی اور دنیا کا خدا کی تقدیس سے آشنا نہ ہوتی۔ بلکہ کیا جاسکتا ہے

کہ لیسے مذہبیوں میں بھی جو ہزاروں خدا مانتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے غلقہ سے بہت ہی  
موجہ فرستے پیدا ہو گئے ہیں گو وہ اُس شرشہ کا اعتراف نہ کریں جس سے نامعلوم طور پر ان کے  
لب تر ہوئے ہیں +

اعلیٰ اخلاق کیا ہو سکتی ہیں غرض مسیحیت میں جو کچھ کمال ہے وہ ان چند اخلاقی اصول کا ہے جن کو  
مسطر پارک مذہبی کمال سمجھتے ہیں اور ان کو اس سہولکی وجہ بھی یہی ہوئی ہے کہ خدا کی تقدیس کے متعلق  
ان کو اس تعلیم میں کوئی ذریعہ اصول نظر نہ آیا ورنہ ضرور مدعا سے مذہب یعنی معرفت کے کمال کو وہ  
تقریب میں داخل کرتے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو گو تمام انسانوں سے اپنی جیسی محبت کرنا  
نہایت اعلیٰ اخلاق ہے لیکن اسکی تشبیح میں جو فروگزاشت ہوئی ہے اور اس کا مطلب جس طرح سمجھا گیا  
ہے اُس نے اس کو وقعت سے بہت دور کر دیا ہے کیونکہ جیسا مسطر پارک بیان کرتے ہیں کہ اگر دشمن شتر پار  
دشمنی کو سے تب بھی اسکو معاف کر دینا چاہئے اور جیسا کہ انجیل کا ترجمہ کر فیو الوں کی عبارت سے سمجھا جاتا  
ہے کہ کیونکہ اصل انجیل غالباً نوٹیا کے پر وہ پر ہو جو نہیں ہے یہ اصول خاص خاص حالات میں اور خاص خاص  
مردان خدا کے لیے بیشک انکی رفعت درجات کا باعث ہے لیکن اسکو شرعی حکم قرار دینا اور معتقدین کے  
لیئے فرض ٹھیرانا اگر کوئی ایک گال پر چھڑ مارے تو دوسرا بھی اُسکے کر دو۔ ایک ایسی فروگزاشت ہے  
کہ اگر یہ حکم صرف کاغذ پر رہتا اور عیسائی قوم عملاً اس پر کار بند ہوتی تو دنیا کے تختہ پر ان کا نام باقی رہتا  
مشکل ہو جاتا۔ کیونکہ جب لوگوں کو یقین ہو جائے کہ نہ حق نام ہرگز نہ لیا جائیگا تو جن لوگوں کی طبیعتیں  
بدی کی طرف متغیب ہیں اور جن کو ایسے نفوس قدسیہ کی جان اور مال اور آبرو لینے میں کچھ فائدہ ہوگا  
وہ کہی ایذا دہی سے باز نہ رہیں گے۔

غرض یہ اصول جنرل رول لینے عام قاعدہ فہمو کی ہرگز قابلیت نہیں رکھتا اور یہی وجہ ہے  
کہ کہی اس پر عمل نہیں ہوا اور غالباً مسطر پارک نے اس نقص کو دیکھ لیا ہے اور اسی لیے وہ پیش بندی  
کرتے ہیں کہ۔

” اصول کی خوبی کو دیکھا جاسکتا ہے خواہ اصول کو پیش کرنے والا بھی اس پر کار بند نہ ہو“



مگر یہ ان کی غلطی ہے۔ اکثر اخلاقی اصول کی شناخت ہی یوں ہو سکتی ہے کہ وہ قابل عمل ہے یا نہیں۔  
 کرن نہیں جانتا کہ تعلقات زناشوی کی خواہش یا مال کی خواہش ہی وہ جذبات ہیں جن سے دنیا میں  
 ہزاروں طرح کے فتنہ و فساد پیدا ہوتے ہیں لیکن باوجود ان فتنوں کے عورت اور مال کی خواہش کو  
 بالکل دبانے اور مجروح اور مفلس رہنے کا حکم اسی لیے نازیبا ہے کہ وہ قابل عمل نہیں۔ یہی حالت اس  
 اصول کی ہے کہ وہ زبان اور قلم سے نکلتا ہوا بہت خوبصورت اور دلکش معلوم ہوتا ہے مگر عمل کرنے  
 کے وقت ثابت ہوتا ہے کہ کس قدر ناموزون ہے۔

اور اگر مذہب کی خوبی یہی ہے کہ بظاہر خشن اصول پیش کئے جائیں تو حیسانیت سے زیادہ کمال  
 ان مذہبوں میں ہے کہ جو جیسا نڈار کو بھی ستانا جائز نہیں سمجھتے خواہ وہ کیسا سڑی ہو بلکہ سانپوں کو  
 دودھ پلاتے ہیں، مینہ پڑی یا اندھتے ہیں۔ جوتی نہیں پہنتے نہ صاف پانی نہیں پیتے اور دوسروں کے  
 برتنوں کا دھوؤں بہت مال کرتے ہیں تاغیر محسوس جائدار جو ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں ان کے ہاتھ سے ضائع ہونے  
 اور قتل و خونریزی سے اس قدر نفور ہیں کہ اس مذہب کے پابند کو بادشاہ بننا بھی جائز نہیں کیونکہ حکومت  
 کے لیے جنگ و جہل لازمی ہے مسیحیت صرف انسانوں سے محبت رکھنے پر کمال کا دعوے کرتی ہے  
 مگر جو تمام مخلوق سے ایسا برتاؤ کرتے ہیں جو اپنے آپ کو بھی نہیں کر سکتے۔ وہ مسیحیت سے زیادہ مکمل کیونکہ ان  
 لیکن غنیمت ہے کہ اس اصول کے پورے پابند صرف چند تارک الدنیا گوشت نشین ہوتے ہیں ورنہ اور  
 تو اور دنیا میں سانپ ہی اس کثرت سے ہوتے کہ زمین سکونت کے قابل نہ رہتی۔

اور اگر اخلاق کی خوبی یہ مہرنی چاہئے کہ اس سے بدی کا استیصال ہو اور اس میں درہت اشاعت  
 پائے تو چاہئے کہ ورستی اور نرمی اپنے اپنے موقعوں پر جائز ہوں تا بد کو بدی کرنے اور نیکی جتنوں  
 کو ستانے کا موقع نہ ملے اور خلق اس دین کو دنیا کے کام ٹھیس نہ مان سجالائے۔ اور حقیقت میں  
 تمام انسان سے محبت کرینیکا اثر بھی یہ بھی ظاہر ہو سکتا ہے کہ صبر کرنے کا حکم ہو اور اسکو انتقام سے بہتر  
 قرار دیا جائے مگر انتقام بھی جائز ہو اور اس کے ساتھ شرط ہو کہ سزا جرم کی حد سے نہ بڑھے۔  
 كَسْبُكَوْنَفِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَنْتُمْ مِّنْهَا  
 تم ضرور اپنے مال اور جان کے متعلق تسائے جاؤ گے

مِنَ الَّذِينَ أُرْسِلُوا إِلَيْكَ مِنَ الْقُرْآنِ الَّذِينَ كُنُوا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ نَّبَاكَ وَكَانُوا فِي ذَٰلِكَ مِنْ غَرَمٍ لَّكَ مُوْطِ

(آل عمران پاره ۱۹)

كَانَ عَاقِبَتُهُمْ فَتَعَالَىٰ إِبْرَاهِيمَ مَا عَرَبْتُمْ بِهِ وَلَا تَصْبِرْتُمْ لَهُمْ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ

(رخل پاره ۱۲)

اور اہل کتاب سے اور مشرکین سے بہت ہی ایذا کی باتیں سنہ گئے اور اگر تم صبر کرو اور پیریز گاری کو شہار سناؤ تو یہ اسے علیٰ حق کا کام ہے۔

پس اگر تم سناؤ تو وہی قدر سزاؤ جس قدر تم کو تکلیف پہنچی ہو اور اگر اس سے ہی صبر کرو تو صبر کرنے والوں کیلئے بہتر ہے۔

بنگ و بدل میں پیش قدمی ممنوع ہے۔ مگر جب کوئی شخص اور محض اس وجہ سے مارنے کے لئے آمادہ ہو کہ ہم ایک خاص طرز زندگی کے پابند ہیں تو جواب دینا بھی فرض قرار پائے مگر اس وقت بھی حد سے بڑھنا جائز نہ ہو۔

اور خدا کے رستہ میں اپنا اپنے نفسانی اغراض کے بغیر ان لوگوں سے طرہ جو تم سے لڑیں مگر دیا دتی نہ کرنا خدا دیا دتی کرنا والوں کو پسند نہیں کرتا

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُوكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ط

(بقرہ پاره ۱۹۰)

اور ہر حال میں عدل احسان کا حکم اور صبر و مغفرت کی ترغیب ہو اور ظلم و ستم کی ممانعت۔

حکم خدا و تیا ہے عدل کا احسان کا قربت و ابرو کے سلوک کرنے کا اور روکتا ہے بے شرمی برائی اور بغاوت کے کاموں سے اور وہ تم کو نصیحت کرتا ہے تا تم باز آؤ۔

إِنَّ اللَّهَ يُأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ط يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ط

(رخل پاره ۱۷۱)

اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے پس جو شخص عاف کرے اور صلہ کرے تو اس کا اجر خدا پر ہے بیشک عطا ان کو پسند نہیں کرتا اور جو شخص مظلوم ہونے کے بعد بدلہ

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَىٰ وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ط وَلَٰكِنْ أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ط فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ

مِنْ سَبِيلٍ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظُنُّونَ  
أَنَّهُمْ يَعْلَمُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ  
أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَلَكِنْ صَبَرُوا  
وَعَفَوْا إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ

(شورہ پاره ۲۵ ع ۳)

اس پر کوئی مواخذہ نہیں بیشک مواخذہ اُن لوگوں پر ہے  
جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین پر ناحق فساد پچاتے ہیں  
ان کے لئے سخت عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے اور عفو  
کرے تو یہ کام اعلیٰ ہے۔

غرض سچے وہ اخلاق جس سے صبر اور عفو کی وجہ سے جبکہ ایسا کرنے کی ہمت اور نیز اقتضا کرتے  
ہو درجات کی بلند ہی میسر ہوتی ہو اور انتقام جائز ہونے سے بلکہ کسی کے بیوجہ قاتلانہ حملہ کرنے کے  
وقت اگر تاب مقابلہ ہو تو انتقام فرض ہونے سے بد معاشرت کو بدی کرنے اور یہ سختوں کو ستانے کا موقع  
نہیں ملتا اور اس کے برخلاف اگر بدولن کو مزاحمت سے روکا جاوے تو نہ نیک نیت پالینے اور بدی  
کو چھوڑ دینے اور یہ دونوں کے حق میں یعنی تمام انسانوں کے حق میں دشمنی ہوگی نہ تمام انسانوں کو اپنے  
جیسی محبت۔ اسی لیے انتقام کی تحریک میں کہا گیا ہے۔

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (تقرہ پاره ۲۴ ع ۱)

اور فتنہ قتل سے زیادہ بُرا ہے۔

وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَكَ فِي الْأَرْضِ يَفْسَدُوا

اگر تم پیادہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بے وفائی

کے پیکار افعال پاره ۲۴ ع ۱)

پر پھوٹے گا۔

پس معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق کے لحاظ سے ہی طریقہ کار کو مکمل تہذیب تلاش کرنے میں کامیاب نہیں  
ہو سکے اور اسی قسم کی تکمیل بھی انہی لوگوں کا حصہ ہے جو دنیا میں تلوار کھینچنے کے لیے بدنام ہیں +

# مذہب

## مختلف مذاہب نظر

دنیا کی موجودہ صورت۔ کیا یہ صورت ہمیشہ سے ہے؟ مادہ کی ابتداء کی شکل۔ وہ خیال جو مائیکرو اسکوپ کی طرف منسوب ہے۔ ہلیسن اور سپنسر کی بحث۔ مادہ کا خود بخود عمل کرنا۔ وحدت وجود مادی۔ ایک سے زیادہ چیزوں کا قدیم ہونا۔ وحدت وجود روحانی۔ عالم کا ہر ایک تغیر کسی مصلحت پر مبنی ہے۔ پاک ناپاک کہیں ہوا مطلق علیت کے سلسلہ میں نہیں علم بغیر نظیر کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ وحدت وجود کے لئے کیا تشبیہیں ہو سکتی ہیں۔

اگرچہ کل مذہب یا خاتمہ مذاہب تلاش کرنے کیلئے جو اصول قرار دیا گیا ہے اس سے ہمیں ملتا ہے بہت کچھ روشنی پڑ سکتی ہے لیکن کسی خاص مذہب کو اس درجہ پر ماننے کے بغیر کم از کم اس قدر تو ہمیں شخص تسلیم کر سکتا ہے کہ جن مذہب میں خدا کا انکشاف اس حد تک پہنچ گیا ہے جہاں تک انسانی دل و دماغ کی رسائی ہو سکتی ہے وہ مذہب سب سے اعلیٰ ہو گا۔ اور اگر کوئی شخص صاف لفظوں میں اس کا اعتراف نہ کرے تب بھی معلوم ہوتا ہے کہ عملاً سب مذاہب اس اصول کو مانتے ہیں اور اسی لیے ہر ایک مذہب کی طرف سے اپنی تعلیم کو خدا کا واقعی انکشاف ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پس اس موقع پر اس امر کی نسبت غور کرنا بھی ضرور ہے کہ کونسا مذہب ہے جسکی تعلیم اصول عقلمندی کے مطابق دیگر مذاہب سے زیادہ قریب قیاس ہے۔ مگر درست صرف اسی حیثیت سے غور کیا جائیگا کہ معرفت ربانی اور تعلق خالق و مخلوق کی نسبت کون سے عقائد مذہبی کے مستحق ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ جو اتنا تک میں سمجھتا ہوں مذہب کا اصول اور پرکے مہتمم بالشان مسئلہ معرفت اور بندہ و خدا کا تعلق ہے اور اس کے علاوہ اخلاقی تعلیم اور اصول عبادت وغیرہ دوسرے درجہ پر اور اس اصول اولیٰ کو تقویت دینے والے ہیں۔

اور اگرچہ آجکل عقلا زمانہ کا حجب ان اس جانب ہے کہ موجودات عالم سے خدا کو ثابت نہیں کیا جاسکتا اور قبولِ فیوضِ ولیم جیسے آجکل افسوس کی تحریروں کی نسبت کتبِ قانون کو خاک سی بھر دینا بہتر سمجھا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ عقل کے خزانہ میں دولت ہی اس قدر ہے اور انسان کو کچھ کھول کر دیکھنا کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اسی لیے ہماری اہلِ عقل کو عقلی طور پر پرکھنے کے لیے بھی موجودات عالم ہی کو معیار گردانا ہو گا۔ اور جہاں تک بنِ طرسے یہاں کے قاعدے قانون کو دیکھنا ہو گا کہ اس سے پرے کے حالات ہم کہاں تک سمجھ سکتے ہیں۔ اور جب قدرت نے ہماری عقل کو ہر ماہی ہی یہ دیا ہے تو کیا بعید ہے کہ اسی دریائی غوطہ زنی سے کسی وقت کو ہر مقصود بھی ہاتھ لگ جائے۔ اس لیے

کیا فرض ہو کہ سب کے لیے ایک جواب آؤ تو ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

اور وہ سب کا مفصل طور پر ذکر ہو چکا ہے کہ عقل اگرچہ مذہب کو پیدا نہیں کر سکتی۔ مگر وحیِ الہام سے خدا اور مذہب کی نسبت یقین پیدا ہونے کے بعد جو اختلاف معرفت خدا اور پیدائشِ عالم متعلق اقوام عالم میں پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف سے نجات پانے اور کسی ایک تعلیم پر یقین کرنے کے لیے دلائل عقلی بہت کچھ غیبی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ہم بھی اس مضمون کے لیے اصولِ عقلیہ سے کام لینے کی جرأت کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کونسی تعلیم ان کے رو سے قابلِ تسلیم ثابت ہوتی ہے۔

دنیا کی موجودہ صورت | انسان جن چیزوں کو اپنے گرد پیش دیکھتا ہے انہیں سے بعض اس کو اپنی چوٹی

سی عمر میں کئی طرح کی حالت بدلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ کبھی پیدا ہوتا ہے۔ دن بدن بڑھتا جاتا ہے کمال کو پہنچتا ہے۔ پھر زوال شروع ہوتا ہے اور ہر تے ہوتے ایک دن مر جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ حیاتِ حوالہ والی ہے روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ بڑھ کر اپنے وقت پر چل لاتی ہے اور فنا ہو جاتی ہے وہ مکان بنا تا ہے پہلے غیب میں رہتا ہے۔ پھر ایٹم مٹی کے طبعی طور سے ہیں۔ عمارت انسانی شروع ہوتی ہے۔ سرنگوں تک پہنچتا ہے۔ پھر مدت میں جو سیدہ ہونے لگتا ہے اور ایک وقت تک زندہ رہتا ہے۔ مگر ان کے علاوہ اکثر چیزیں اسے ایسی نظر آتی ہیں جن کو اس کی جانی تاکہ تمام عمر کی جان دیکھتی رہتی ہے۔ وہ زمین کو دیکھتا ہے کہ ہزاروں طرح کی مخلوق اس میں سے پیدا ہوتی ہے اور اسی میں سما جاتی ہے

مگر وہ جیسی بچپن میں دیکھی تھی ایسی ہی مرنیکے وقت تک نظر آتی ہے۔ وہ پہاڑوں کو دیکھتا ہے کہ جس طرح سے وہ کالے دیوبچپن میں دوڑنے کے وقت اس کے سدا رہہ ہوتے تھے اسی طرح بڑھاپے کے وقت رفتار کو روکتے ہیں۔ وہ چاند سورج اور ستاروں کو دیکھتا ہے کہ جس قاعدے سے وہ ٹھنی دیا کرتے تھے اسی قاعدے پر پہلے جا رہے ہیں بلکہ ان کے علاوہ وہ بعض بڑے دھڑول کو بھی تمام عمر دیکھتا رہتا ہے کہ ایک ہی قاعدے کے کبھی پھل لاتے ہیں اور کبھی پتے گراتے ہیں۔

کیا بصورت ہمیشہ سوتی ہے؟ | اب سوال ہوتا ہے کہ کیا یہ قرین قیاس ہے کہ کوئی کو اسی طرز پر مانا جائے کہ اسکی بعض چیزیں بدلتی رہتی ہیں اور بعض ازل سے ایک ہی حالت پر ہیں اور یہ دستہ خوان ہمیشہ سوتی رہتی چتا ہوا ہے؟ عقل جواب دیتی ہے کہ نہیں یہ عقیدہ دلغ میں جگہ پانے کے قابل نہیں کیونکہ اگرچہ پانی آنکھ پڑے دھڑول کو اور زمین اور دیگر کواکب کو ایک حالت پر دیکھتی ہے لیکن عقل کی آنکھ ان کے تغیرات کو دیکھ رہی ہے اور وہ جانتی ہے کہ نہ صرف دھڑول بلکہ پہاڑ اور زمین اور چاند سورج سب اپنے اپنے وقت پر پیدا ہوئے ہیں اور نباتات و حیوانات کی طرح اپنے طفولیت شباب اور پیری کا زمانہ گذارتے ہوئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ جہاں تک زمین کے پہاڑوں اور دیگر سخت طبقات کا تعلق ہے عقل کو یقیناً معلوم ہے کہ یہ ہمیشہ سے اس شکل پر نہیں تھے اور وہ جانتی ہے کہ کیونکر ابتدائی حالت سے رفتہ رفتہ اس موجودہ شکل تک پہنچے ہیں۔ مگر اس سے پرے اگرچہ اسکی نظر بھی پورے طور پر کام نہیں کرتی لیکن پھر بھی یقین ہے کہ سخت ہونے سے پیشتر جو حالت ہوگی وہ بھی ہمیشہ سے نہیں ہے اور اپنے موجودہ تجربوں سے عالمانہ اصول کے مطابق اسکی پہلی حالت کا خاکہ بھی کھینچا جا رہا ہے اور فیصلہ کر چکی ہے کہ زمین کی جدا گانہ ہستی بھی ایک محدود عرصہ سے معرض وجود میں آئی ہے اور نہ صرف زمین بلکہ تمام سیارے اور غوا آفتاب بھی اسی تدریجی رفتار سے اس درجہ تک پہنچ رہے ہیں ورنہ پہلے ایک وقت پر جدا گانہ وجود کسی کا بھی نہ تھا۔ چنانچہ طبقات الارض کے مشہور عالم ڈاکٹر سیر آرچیبالڈ گیمکی لکھتے ہیں کہ

لہ کتاب کلاسک آف آئیٹ جی او جی باب شانزہم۔

لکڑیوں کی تاریخ کا پتہ محض اس شہادت سے لگایا جاسکے جو وہ زمین کے اندر بہتیا ہے تو ہم ان قدیم ترین جزائر  
زمین سے آگے نہیں بڑھ سکتے جو ہماری دسترس کے اندر ہیں۔ تاہم ہمیں کوئی شک نہیں کہ اس کرہ کے موجودہ  
منجمدانہ کے ظاہر ہونے سے پہلے بھی اس پر تاریخ کا ایک لمبا زمانہ گزر چکا ہے اور خیالی تاریخ ارجح اور  
کمیل کے ان نشانات سے یقین تک پہنچ جاتا ہے جو عالمانہ ہدایت نے اجرام سماوی میں دیکھے ہیں اور  
چونکہ زمین بھی ان سیاروں میں سے ایک ہے جو آفتاب کے گرد گردش کرتے ہیں، اسکی جداگانہ ہستی  
کے ابتدائی مراح بالکل وہی ہوں گے جو تمام نظام شمسی میں پائے جاتے ہیں۔ اس لیے زمین کی  
ابتدائی تاریخ تلاش کرنے کے لیے عالم طبقات الارض کو عالمانہ ہدایت کی تحقیقات کی طرف  
متوجہ ہونا پڑتا ہے۔“

” زمانہ حال میں تحقیقات کے صحیح طریقوں سے اور خصوصاً احب ام سماوی کی تحقیق میں دور میں انتقال سے وہ خیال صحیح ثابت ہوتا ہے جس کو نیب دیو کا عقیدہ کہتے ہیں۔ اس عقیدہ کے موافق اجرام سماوی کا یہ سلسلہ جس کو نظام شمسی کہتے ہیں ایک زمانہ میں جو کہ بہت ہی پرانا ہے نیب دیو یعنی تمام باتوں کا ایک بادل کا سا مجموعہ تھا۔ جیسے کئی مجموعے آجکل بھی فضا میں لاکھ نشان کی شکل کے مشاہدہ کئے جاتے ہیں اور یہ بادل اس وقت میں کم از کم اتنا ہی پھیل چکا تھا جتنی دور تک آجکل آنا کے گرد سیاروں کا ہجوم ہے اور اس بادل میں تو بالکل کپا تپا اور بخار ہو گا یا نیز حرکت کرتے ہوئے پتھروں کے بادل ہونگے جس طرح کے پتھر اب بھی گاہ کا شہساون کے ساتھ ہماری فضا میں آتے اور زمین پر گرتے ہیں اور یہ پتھر تیز حرکت کرتے ہوئے رگڑ کھاکر بخار بن گئے ہونگے جیسا کہ غالباً مونا رسیاروں کی دم بخار بن کر اڑ جاتی ہے۔ غرض کچھ بھی پھر اس بادل کا مادہ کثیف ہونا شروع ہوا ہو گا اور اس حالت میں کچھ کچھ حلقے جدا ہونے لگے ہونگے جس طرح کہ حلقہ اب بھی زحل کے گرد موجود ہے اور اس بادل کی دوری حرکت کے سبب یہ حلقے بھی اس کے گرد حرکت کرنے لگے ہوں گے اور جس قدر وہ بادل سکڑنا لگیا ہو گا یہ حلقے نکلتے آئے ہوں گے۔ لیکن ان کے ٹکڑے

۱۰ نَشْرُ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ (رحم سجدہ پانچواں) کیا عجیب سو کہ یہی کی طرف اشارہ ہو۔

اس زور سے یا ہم نہ ٹکراتے ہوں گے کہ حرارت پیدا ہو کر پھر بخار بن جائیں اور آخر کار یہ صلح تو بھی ٹکڑے ٹکڑے کیڑے بن گئے ہونگے اور ان میں ہر بعض کے کثیف ہونے سے پھر حلقہ بن گیا ہونگے جو کسی میں اب تک موجود ہیں اور کسی میں وہ بھی کثیف ہو کر ان کے مددگار یا بے پا چاند بن گئے اور جس قدر بھاری مادہ بادل کے وسط میں رگیا وہ میں کثیف ہوتا گیا اور اسکی حرارت عورتانہ تک قائم رہنے کے قابل ہو گئی۔ پس آفتاب وہی بادل کا دھبائی حصہ جس کی حرارت اس نظام کی بعیدی مقامات تک پہنچتی ہے۔

مادہ کی ابتدائی شکل | غرض عالمانہ نظر کسی یقین اور سنجیدہ استدلالی عمل سے زمین و آسمان کو حادث مانتی ہوئی اس بادل تک پہنچی ہے جس میں سے تمام اجرام سماوی پیدا ہوئے ہیں اور اگرچہ سائنس کی تحقیق ابھی تک اس سوا کچھ نہیں بڑھ سکی لیکن کیا آئندہ کے لیے کوئی سوال بھی پیدا نہیں ہوتا اور کیا ہماری سمجھ کو اس تسلیں ہو سکتی ہے کہ جہان کی ابتدا محض ہی بادل ہے ؟ ششما کی ہمہ ہی کے بڑے مہربان مشنری ڈیلا ایسا سوال کرنے سے روکتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ” ضرورت ہی کیا ہے کہ دنیا کی اصلیت کو خیال میں لانے کی کوشش کی جائے “

۱۔ دینا کا بادل سے شروع ہونا ایک تھوڑی سی بات جو ممکن ہے کہ صحیح ہو اور ممکن ہے کہ اس کے سوا کوئی اور صورت ہو اور حال میں جو سڑیلیم ایک جدید دھات دریافت ہوئی ہے اس نے یہ خیال پیدا بھی کر دیا ہے کہ شاید آئینا میں اسی دھات کی بڑی مقدار موجود ہے اور اس لئے وہ بغیر ٹکڑے کرنے کے حرارت اور روشنی پہنچا رہا ہو اور اس بنا پر اسکا بادل کی شکل سے سکڑ کر موجود شکل میں آنا غلط ہو غرض خواہ کوئی صورت ہو سکڑنے کے علاوہ اور بھی کئی طرح کے تغیرات عقل کو اور نیز دوزمین کو نظر آتے ہیں جو آفتاب اور دیگر سیاروں میں ہو رہے ہیں اور اس لیے یقین ہو کہ یہ موجودات شاید ہیں اور ضرور ہے کہ دنیا کی اس سے پہلو کوئی اور صورت ہوگی اور یہی طرح ممکن نہیں کہ جو شکل اس وقت موجود ہے ہمیشہ شکل ہی طرح رہی آتی ہو اور موجودہ صورت کیلئے ہی قدر ثابت ہونا کافی ہے۔



لیکن کیا واقعہ میں انسان کا دلغ اس سوال کو پیدا نہیں کرتا ؟ اور کوئی عام انسان تو خیر دلوایہ بھی ہو سکتا ہے اور اس کے سوال کو دیوانہ پن کہہ سکتے ہیں۔ مگر کیا عالمانہ دلغ ضرور اس سوال سے خالی رہتا ہے ؟ ڈاکٹر سیمنٹ نیو کوم ایل ایل ڈی جن کی نسبت سر ابراہٹ بال ایل ایل ڈی لکھتے ہیں کہ :-

”وہ نہ صرف امریکا میں تمام دنیا کے علما میں بہت اور دیگر علوم کے لحاظ سے مقدم نشین ہیں“  
غرض ایسا عالم تو یہ سوال پیدا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ

”نیدرلینڈ کے عقیدے کو مان کر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیدرلینڈ کا بیغہ بنجار کا بادل کیونکر پیدا ہوا اور اس کا آغاز کیونکر ہوا لیکن اب ہم ایسی حد پہنچ گئے ہیں جہاں سائنس سوال تو پیدا کر سکتی ہے مگر اس کا جواب نہیں دے سکتی۔“

غرض معلوم ہوا کہ تحقیق کی حد پہنچ کر عقل پوری تسکین نہیں پاتی اور نہ عام عقل بلکہ سائنس کی عقل بھی سوال پیدا کرتی ہے۔ البتہ ڈاکٹر نیو کوم ہیکو سائینس کی طرف سے کئی اب کی امید نہیں دلتے اور واقع میں ہونا ہی یہی تھا کیونکہ خواہ کسی زمانے میں سائنس اس بادل کو چیر کر دیکھے اور انجلی ستا کا پتہ لگا سکے لیکن جس شکل کو اس سے پہلے فرض کیا جائیگا اسکی نسبت پھر ہی سوال ہوگا اور آخر سائنس کو پھر ہی سوال ہوگا اور آخر کار سائنس کو اعتراف کرنا پڑیگا کہ اب اسے کچھ معلوم نہیں۔ پس یہی وہ حد ہے جہاں سے مذہب کی حکمرانی شروع ہوتی ہے اور مذہب کی ضرورت کی یہی ایک بڑی دلیل ہے کہ آخر میں سائنس ایسا سوال پیش کرتی ہے جس کا جواب نہیں دے سکتی۔ گویا اس وقت تک وہ عقل کی رہنمائی اور اب ایک جگہ ٹھہر کر دور سے مذہب کی طرف انگلی کا اشارہ کرتی ہے اور عقل کو اس کے پیچھے دوڑا کر الگ ہو جاتی ہے ڈاکٹر سپنسر کہتے ہیں :-

۱۔ دیباچہ کتاب اسٹافومی فار ایور ہاڈی۔

۲۔ کتاب مذکور حصہ سوم آخر باب دوم۔

۳۔ فرسٹ پرنسپلز باب اول۔ خلاصہ۔

حقیقی علم تمام ممکن خیالات کا حاوی نہیں ہو سکتا اور انکشاف کتنی ہی دور تک جاوے سواں باقی رہتا ہے کہ اس سے پہلے کیا ہے۔ سائنس میں جس قدر زیادتی ہوتی ہے وہ اس کے معلوم حالات سے اور زیادہ قریب کرتی جاتی ہے۔ پس علم تمام وحقیقت کا اجارہ دار نہیں بن سکتا اور حجب و مانع کے لئے ہمیشہ ممکن ہو گیا کہ موجود علم سے بالاتر معلومات کے ساتھ تعلق پیدا کرے تو کہیں ایسا نہ ہو گا کہ مذہب جیسی چیز کے لیے کوئی موقع ہی نہ رہے اور چونکہ مذہب اپنی تمام اشکال میں اور اشیا سے علیحدہ اور بہت زیادہ ہے اس کا مضمون ہی تجزیہ کی حدود سے بالاتر ہو گا۔

وہ خیال جو ہر نامادہ کے لیے غریب ہے | غرض یہ کہ اگر یہ سائنس اس وقت تک بخار کے بادل تک پہنچی ہو لیکن اس سے آگے بھی جہاں تک تجزیہ کی ترقی کا احتمال ہے وہ ملک سائنس کی موجودہ فکر و مین نہیں تو اس کے زیر اقتدار ضرور ہے اور ان حدود تک مذہب کی حکومت مسلم نہیں اور واقع میں مذہبی خیالات اسی جگہ سے شروع ہوتے ہیں جہاں مادہ کی ابتدائی حالت مانی جائے پس وہ ابتدائی شکل خواہ یہی بخار کا بادل ہو یا کچھ اور اسکی نسبت سوال ہوتا ہے کہ آیا وہ خود بخود موجود ہے اور خود بخود عمل کرتا ہے یا اس پر کوئی اور مخفی طاقت حکومت کر رہی ہے اور یہی سوال ہے جس کا جواب مذہب کی طرف سے دیا گیا ہے اور بدستی سے اس جواب کا مطلب سمجھنے میں بہت کچھ اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور چونکہ سوال مادہ کی ابتدائی شکل کے متعلق ہے اس لیے پہلا اختلاف خود مادہ کے وجود کی نسبت ہے۔ چنانچہ ایک احتمال یہ پیدا کیا گیا ہے کہ روح اور خدا ایک طرف خود مادہ بھی موجود نہیں ہے۔ در دنیا میں یہی تغیرات اور اوصاف موجود ہیں جو نظر آتے ہیں اور لہروں کی طرح بدلتے رہتے ہیں۔ اور ان لہروں کا بن بن ہو جانا یہی نجات ہے چنانچہ اس احتمال کو پیدا کرنے والے کہتے ہیں کہ جو تغیرات ہم دیکھتے ہیں ان کے لیے اوصاف کا وجود کافی ہے پس اوصاف کے

۱۔ کتاب گیان یوگ مصنفہ سوامی ویکانند باب ہفتم صفحہ ۳۳۰ طبع دوم۔

۲۔ جن لوگوں کی طرف یہ خیال منسوب کیا جاتا ہے یعنی پیران بدھ افسوس ہے کہ مجھے کوئی انکی اپنی تصنیف دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور ہر نامادہ کے متعلق جو کچھ دیکھتے ہیں آیا ہے وہ لغبار کی بخیرین ہیں جو اس مذہب کو نہیں مانتے اور خود وہ لوگ کسی ہی صفائی سے ان خیالات کو لکھتے ہوں مگر میرے دل کو ان پر ایسا یقین نہیں جیسا خود صاحب مذہب کی

ساتھ ذات کو بھی موجود ماننا ایک سبب کے لیے دو سببوں کا یقین کرنا ہے جو غیر منطقیانہ طریق اور فضول اعتقاد ہے۔ اس خیال کو خواہ کیسے ہی شاندار الفاظ میں ظاہر کیا جائے مگر بالعموم عقل پر قبضہ کرنے کے لیے کئی نہیں اور اگرچہ ہماری نظر صرف تغیرات یا ان سے آگے اوصاف تک محدود ہے مگر یہ جہانی نظر ہے جو ایسی ضعیف توقع ہوئی ہے ورنہ عقل کی آنکھ دیکھتی ہے کہ تغیرات اور اوصاف عارضی چیزیں ہیں اور تب ایم نہیں رکھتیں جب تک کوئی ذات ان کے پیچھے ہمارا دیکھنے والی نہ ہو۔ اور چیزوں کے لیے تو یہ فیصلہ صرف عقل ہی کرتی ہے مگر انسان کے اپنے وجود میں اس کا تاثر تجربہ شہادت دیتا ہے کہ اس کے جہانی اور روحانی ہزاروں قسم کے تغیرات میں جو اس کے رنگ روپ، قد و قامت اور دیگر اوصاف کو ایک سر سے دوسرے سرے تک بدل دیتے ہیں مگر یہ خود ایک چیز ہے جو تمام مختلف حالات میں قائم رہتا ہے اور ایک بچہ بڑھا ہوا ہو کر اور ایک تنہا بیمار و نزار ہو کر یقین رکھتا ہے کہ میں وہی ہوں جو پہلی حالت میں موجود تھا۔ پس اگر محض تغیرات اور اوصاف ہی موجود ہوتے تو ان کے بدل جانے پر ایک انسان فنا ہو جاتا اور دوسرا پیدا ہوتا اور اس طرح پرحین سے بڑھا پنے تک کا زمانہ ہزاروں انسانوں کا ایک سلسلہ ہوتا نہ وہی ایک انسان۔

ہیردین اور سپنسر کی بحث | سوامی و لیکانڈ نے اسی مضمون کو ملٹی پلٹی ایک بحث مٹر ہیردین اور سپنسر کی لکھی ہے۔ مٹر سپنسر ملتے ہیں کہ تغیرات کے اندر ایسی چیز موجود ہے جو غیر تغیر ہے مٹر

تحریر سے پیدا ہو سکتا ہے اور بالخصوص جبکہ میں ذاتی تجربہ دیکھتا ہوں کہ اسلام کے متعلق جو تحریریں اعلیٰ درجہ کی طرف سوشل ہوئی ہیں۔۔۔۔۔ ان میں خواہ کیسی ہی صداقت اور نیک نیتی سے لکھنے کا دعویٰ کیا جائے۔ اسلام کے چہرہ کو بدنام کرنے میں شاذ و نادر ہی کوتاہی ہوئی ہے اور اصلیت پر بالعموم پردہ ڈالا گیا ہے۔ پس جس پیالہ سے اسلام کو پلایا جاتا ہے کیوں ممکن نہیں کہ اسی پیالہ سے اور دن کی تو افغ ہو۔ اور دوسرے طبقہ مذہب کی نسبت ان تحریروں کے مفہوم میں بھی اختلاف ہو چنانچہ بعض جگہ سے خدا کو ماننے کا خیال بھی سمجھ میں آتا ہو۔ مگر چونکہ اس وقت ان احتمالات سے بحث ہو جو مذہب کے متعلق پیدا ہو سکتے ہیں اس لیے خیال خود مہاتما بڈھ کا ہوا کسی اور کا نہیں انکی توثیق و ضعف کو دیکھنا چاہیے۔

ہیڈرلین کہتے ہیں کہ ہم صرف تغیرات کو دیکھتے ہیں اور انہی کو معلوم کر سکتے ہیں۔ غیر تغیر کا ہم کو علم نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ سٹرپنس فلسفہ کی طرف سے یہی انسان کی فطرت پرش کی گئی ہے کہ میں کھانا ہوں۔ چھٹا ہوں۔ ستوا ہوں۔ پیس کام دے رہے ہوں لیکن میں موجود رہتا ہوں۔ پس وہ ”میں“ تغیرات کو برداشت کرنے والا مادہ ہے۔ اور دوسرے یہ کہ تغیرات پیش آنے ہیں اور میں اُن کو یاد رکھتا ہوں۔ پس وہ یاد رکھنے والی روح ہے +

سوامی جی اعتراض کرتے ہیں کہ ”میں“ اور کھانے والا کہنے میں جدا ہو سکتے ہیں مگر جس وقت کھانے والا موجود ہے اس وقت ”میں“ اور کھانے والا ایک چیز ہے اور اسی طرح جب چلنے والا موجود ہے اس وقت ”میں“ اور چلنے والا ایک چیز ہے“ گویا کھانے کے وقت بھی ایک ہی چیز موجود ہے اور چلنے کے وقت بھی ایک ہی چیز موجود ہے۔ اور جس اورہ ترابی میں ان دونوں چیزوں کو ان کے موجود ہونے کے وقت ”میں“ کہا جاتا ہے جس سے لازم نہیں آتا کہ دونوں وقتوں میں چیز بھی ایک ہی موجود ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ چیزوں کے لیے ایک مشترک لفظ یعنی ”میں“ استعمال کیا جاتا ہے اور دوسرے کسی انسان کو بعض باتیں یاد نہیں رہتیں یا بعض امراض میں کچھ بھی یاد نہیں رہتا بلکہ انسان اپنی باتیں بھولتا ہے یا سمجھ لیتا ہے پس کیا اس وقت وہ غیر تغیر ”میں“ فنا ہو گیا ہے؟

مگر سوامی جی کے دونوں اعتراض میرے خیال میں سٹرپنس فلسفہ کی دلیل کو کمزور نہیں کر سکے کیونکہ اگرچہ کھانے والا ظاہر میں ”میں“ ہے مگر شخص صرف تغیر کو جانتا ہے آیا وہ کھانے والے کے چلنے یا سونے کے وقت یقین کرتا ہے؟ کہ کھانے والا نہیں رہا اور اب اوپر چلنے والی پیدا ہو گئی ہے۔ اور نیز جو شخص کہتا ہے کہ میں کھانا کھاتا تھا اور اب میں سیر کر رہا ہوں اور میں مکان پر جا کر سو رہا ہوں۔ وہ لفظ ”میں“ کو اس طرح استعمال نہیں کرتا جیسے کوئی مشترک نام دو شخصوں پر استعمال کیا جاتا ہے یعنی وہ اس وقت نہیں سمجھتا کہ ایک ”میں“ کھاتا تھا اور کوئی اور ”میں“ سیر کر رہا ہے اور کھانے والا میں فنا ہو گیا۔ بلکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ ایک ہی ”میں“ ہے جسکی تینوں حالتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور جو لوگ صرف تغیر کو مانتے ہیں وہ بھی اپنے تمام معاملات میں اس طرح ”میں“ کا استعمال کرنے والے کو سمجھا جاتے ہیں اور جس شخص نے

نہیں کیا ہے اس کو اس واقعہ کے بعد کھانا کھانے کی حالت میں پکا کر سنا دینا جائیجئے میں پس جس حالت سے اس وقت یہ لوگ کھانا لیکر چلنے والا اور قاتل کو گھر میں چھپنے والا کہہ رہے ہیں وہی حالت قائم رہنے والے مادہ کو محسوس کرتا ہے۔

اور اسی طرح سوامی جی کے دوسرے اعتراض سے بھی کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جو بعض باتیں بھول جاتی ہوں یا انسانوں کو سب کچھ بھول جاتا ہو لیکن پھر بھی بہت سی باتیں یاد رہتی ہیں اور بہت سے انسانوں کو یاد رہتی ہیں پس جیسے بعض ذہن انسان بالکل مدہوش ہو جاتا ہے یا بعض انسان بالکل عقل سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ لیکن عام طور پر عقل کے موجود ہونے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان میں عقل کا جوہر ودیعت ہے۔ اسی طرح اکثر باتوں کے یاد رہنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ تغیرات سے پرے کوئی یاد رکھنے والی ہستی موجود ہے۔ اور جب طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر جو عقل انسان میں ودیعت نہ ہوتا تو کوئی انسان بھی عقل کا حصہ نہ پاتا اسی طرح کہہ سکتے ہیں کہ اگر صرف تغیرات موجود ہوتے اور ان کے چھپے غیر تغیراتی موجود نہ ہوتی تو ضرور تھا کہ ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں کچھ بھی اور کچھ بھی یاد نہ رہتا۔ بلکہ یہاں نہایت سی باتیں یاد رہتی ہیں حالانکہ صرف کسی ایک بات کا یاد رہنا بھی غیب متغیر مادہ کو ثابت کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس لیے اب بعض اشخاص کو یاد نہ رہنے کی وجہ یہ مانتی چاہئے کہ اس وقت ذات کی صفت حافظہ دور ہو جاتی ہے نہ یہ کہ خود ذات معدوم ہو جاتی ہے

مادہ کا خود بخود ہل کرنا | غرض صرف تغیرات کے موجود ہونے کا احتمال جو ذہنی ارشاد سمجھا جاتا ہے اور ایک معلول کو مانتا ہے اور اس کی فاعلی اور مادی کسی علت کو نہیں مانتا اور معلول کا بغیر علت کے پیدا ہونا ایسا دعویٰ ہے جس کو سمجھنے کے لیے عقل انسان کی طرح تیار نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کو چھوڑ کر اور تغیرات کے اندر کسی مادہ کو موجود مانکر دوسرا احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ مادہ کے اجزاء ایک وقت پر خود بخود حرکت کرنے لگے ہیں اور حرکت سے نکالنا شروع ہو گیا ہے۔ یا اگر ان کی حرکت دائمی ہوگی تو کسی وقت خود بخود جمع ہونے لگے ہیں اور اس اجتماع سے آفتاب اور ستارے پیدا ہونے لگے اور ہوتے ہوئے دنیا کی یہ صورت بن گئی +

اس احتمال کو اگر ہم ایک فرقے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور ان کا نام اسے تھی اسٹ یا دھڑ رکھا جاتا ہے مگر یقین نہیں آتا کہ کوئی عقلمند اس عقیدے کا قائل ہو یا نہ ہو کیونکہ دنیا کو مادہ کی ابتداء شکل سے موجودہ صورت میں آنے تک خواہ کیسا ہی بڑا اور طویل زمانہ صرف ہوا ہو مگر تاہم وہ زمانہ محدود ہو گا۔ اور خواہ ہم اس زمانے کے سال اور صدیاں بتانے کے لیے تاثر تو ہم ہندو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ضرب دے سکتے ہیں دے لیں مگر پھر بھی اس زمانے سے پہلے مادہ کا اپنی سادہ حالت میں موجود رہنے کا زمانہ غیر متناہی باقی رہے گا۔ پس اس قدر عرصہ تک مادہ کا جسے حرکت اور فزیتا کے موجود رہنا اور آخر میں ایک وقت پر تکوین عالم کا سلسلہ شروع کر دینا ایسا فعل ہے جس کی کوئی علت مانی نہیں جاتی اور سبب کا بغیر سبب کے موجود ہونا سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی علت کے دلغ نے کیونکر تسلیم کیا ہو گا۔

وحدت وجودی | مادہ کو موجود مانکر اور کسی وقت اتفاق سے خود بخود پیدائش کا عمل شروع ہو جانے کو ناممکن سمجھ کر وہ احتمال پیدا ہوتا ہے جس کو وحدت وجودی یا کاسمو تھی ازہر یعنی الوہیت عالم کہتے ہیں۔ اور اس کے رو سے محض مادہ کو قدیم مانا جاتا ہے اور سلسلہ تکوین کو نہ اتفاق بلکہ مادہ کے مقررہ قوانین کا اثر تسلیم کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مادہ دائما حرکت کرتا رہتا ہے اور اپنے غیر متبادل قاعدوں سے اپنی حالت کو بدلتا رہتا ہے اور اسی طرح گویا موجودات عالم سے پہلے اسکی ہزاروں شکلیں بن کر بگڑ چکی ہیں اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہیگا۔

اس احتمال میں تسلیم کیا گیا ہے کہ مادہ ایک شکل اختیار کرتا ہے مثلاً آفتاب ماہتاب سیارہ بجائے ہیں اور پھر خود بخود اس شکل کو توڑنے لگتا ہے اور وہیں لوٹتا ہوا اپنی اصل حالت پر جا کر پھر دوسری شکل میں نمودار ہونے لگتا ہے اور یہی کہی جاتا ہے کہ مادہ بگڑتا چلا جاتا ہے۔ مگر ہم جبراً ہی عالم کو دیکھ سکتے ہیں مادہ کی انہی طاقتوں کا یقین کر سکتے ہیں جو اس عالم میں مشاہدہ ہوں

لے خیال ستر جلیو اور دیہقا طیس وغیرہ جیسے یونان کی طرف منسوب ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب اے ڈسکورس آف میٹوز پریٹنٹک ڈریلیجیٹن باب پنجم۔



پرمادہ کی گاردانی ختم ہو جائیگی اور اجزا میں سکون پیدا ہونے سے آئندہ خلق و تکوین کا سلسلہ جاری نہ رہے گا۔

مگر ایسا انفس و ناک انجام مانکر جب آغاز کو دیکھا جاتا ہے تو محض مادہ کا وجود اور وقت پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ بخار کی حالت جو ابتدائیں تسلیم کی گئی ہے اس سے موجودہ صورت پیدا ہونے کی کیفیت یوں ثابت ہوتی کہ:-

”ہر چیز موجودہ عالم کے ایک محدود عرصہ کو ثابت کرتی ہے کیونکہ اسکی جو شکل اب ہر وہ ایک وقت میں رہتی اور اسکی حالت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے اس لئے اسکا آغاز کہیں نہ کہیں سے فرض کرنا پڑتا ہے اور اس لیے ہم مجبور ہیں کہ اصول موضوعہ کے طور پر اس دنیا کے آغاز میں بخار جیسی غیر منور حالت کو فرض کریں جس کے ذرات مع اپنی قوتیں جاؤیہ و باربیہ کے ایکے سر سے الگ ہوں گے اور کیساں طور پر تقسیم نہ ہوں گے۔ کیونکہ اگر ذرات کیساں پھیلے ہوئے ہوتے تو قوت جاؤیہ ان اجزا کو ایک انبار کی صورت میں جو ہمیشہ گردی شکل میں رہے کسی عام رک: ثقل کی جانب کھینچ لاتی اور قوت باربیہ اجزا کے باہمی رگڑنے سے متحرک ہو کر اور حرارت بیکر بغیر کوئی نتیجہ پیدا کرنے کے ابھیر میں سے گذر جاتی پس اس وقت میں ضرور ہے کہ ان اجزا کی وضع اور اطوار بجا ہرگز مختلف ہونگے اور وہ اجزا خاص خاص مرکزوں کی طرف کھینچ جا رہی ہونگے اور ان انباروں کی مقدار اور انکی حرکتوں کی مقدار میں بے انتہا تبدیلیاں ہوتی ہونگی۔ اور اس طرح جمع کرنے والی قوتوں اور پھیلانے والی طاقتوں کی وساطت سے بار بار ذرات کی ترتیب بدلتے سے دنیا کی انقلابات واقع ہوتے ہی ہوں گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو چیز بظاہر کیساں تھی (یعنی بخار کا بادل سا) اس سے ترقی ہو کر وہ اجسام پیدا ہونے لگے جو حقیقت میں ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہیں اور جو چیز بے شکل تھی وہ شکلدار ہو گئی اور سادہ چیز مرکب و مرکب بنی گئی جسے کہ نیز کرب جالندہ مخلوق میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ تک پہنچ گئی۔“

۱۔ کتاب دعوت و ترویج آفت کرمی، بابشن حصہ دوم، کتب ششم، صفحہ ۱۷۸ و ۱۷۹ کلاڈ۔



اس طرح جو ترکیب بخار سے اجسام بننے کی بیان کی گئی ہے اس میں یکساں ہے کہ وہ ایک محدود زمانے سے موجودہ حالت تک پہنچ گئی ہے اور وہ زمانہ خواہ کیسا ہی بڑا ہو لیکن قدرت ایسی چیز ہے کہ اس کا عرصہ اس زمانے سے پہلے ہی غیر محدود باقی رہتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس غیر محدود و قدیم زمانے میں مادہ کے ذرات ہمیشہ سے اسی طرح مختلف مقدار کے انباروں میں حرکت کر رہے تھے یا اس کے متلا کوئی اور صورت تھی۔ اگر مانا جائے کہ ہمیشہ سے مادہ انھی مختلف انباروں کی شکل میں تھا تو چونکہ اس شکل میں ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ تو اسے جاؤں اور بار بار عمل شروع کریں اور ان کے عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ مادہ میں انقلاب ہوتے ہوئے موجودہ شکل تک پہنچ جائے اس لیے ضرور ہے کہ جو عمل اب چنانچہ اب سال سے شروع ہو کر موجودہ شکل تک پہنچا ہے وہ عمل قدیم سے ہوتا اور اب اس کو ختم ہوئے اور مادہ کو موجودہ حالت سے گذر کر فک کا تو وہ بننے غیر محدود زمانہ گذر جاتا۔ اور اسی طرح اگر کہا جائے کہ اگرچہ مادہ قدیم سے مختلف انباروں میں جمع نہ تھا مگر قدیم سے اسکی وہ صورت تھی جس کا نتیجہ یہ ہو کہ مادہ کے انبا و تفاوت ہو جائیں تو بیشک اس طرح پر دنیا کی بناوٹ کا زمانہ اور زیادہ دراز ماننا پڑے گا لیکن جس طرح بخار سے اجسام بننے کا زمانہ محدود ہے اسی طرح بخار کے تفاوت با دلوں سے پہلے خواہ لاکھ لاکھ کلین اور مانی جائیں انکا زمانہ بھی محدود ہوگا اور ان تمام طویل سے طویل زمانوں کو نکال کر بھی قدرت کا زمانہ غیر محدود باقی رہتا ہے اگرچہ اگر قدیم سے مادہ کی وہ شکل تھی جس کا نتیجہ انباروں کا تفاوت ہوتا ہے تب بھی آج تک اس عمل کو ختم ہوئے غیر محدود زمانہ گذر جاتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تغیرات چلے کیسے ہی طویل و در طویل مانے جائیں اور خواہ انکی حرکت بھی بخار سے بخار کی جانب ہو یا کسی اور طرز پر۔ وہ سب ایک محدود زمانہ چاہتے ہیں اور قدیم نہیں ہو سکتے اس لیے اگر مادہ قدیم ہے تب بھی ضرور ہے کہ وہ پہلے بالکل ساکن شکل میں ہو۔

کیا نہ جسے نکال کر نہ پوچھیں کہ کون سا زمین باہم  
نامتناہی تھے جنہ انکو انکو جدا جدا کر دیا۔

أَوَلَمْ يَلِدْ يَنْ كَهْرُ وَاآتِ السَّمَوَاتِ وَ  
الْأَرْضِ كَأَن تَفَافَقَتْ فَتَنَّا هَا (انبیاء ۲۲)

پس اگر مادہ کے سوا کوئی اور طاقت موجود نہیں تو لازم آتا ہے کہ مادہ اپنی سادگی کے لامحدود زمانے کو ختم کر کے ایک وقت پر بغیر کسی علت کے کہ شکل میں امتیاز کرنے لگا ہے جن کا نتیجہ دنیا کی موجودہ حالت ہے

عرض علی مشاہدہ سے جس قدر ثبوت ہوتا ہو سکتا ہے اس کا یہ نتیجہ یقینی ہے کہ محض مادہ واقعات عالم کو پیدا کرنے کے لیے بالکل ناکافی ہے اور ایسا خیال کرنا معلول کو بغیر علت کے ماننا ہے جو قابل تسلیم نہیں +

ایک سو زیادہ چیزوں کا قدیم ہونا | یہاں تک جن احتمالات کا ذکر ہوا ہے وہ ان لوگوں کے دماغ کا نتیجہ ہے جنہوں نے موجودات عالم کو دیکھا مگر ان کی دلچسپیوں میں اس قدر محو ہوئے کہ اپنے خیال کو دنیا سے پرستے تک نہ لیجا سکے اور اس لیے ابھی تک مذہبی عنصر یعنی ناویدہستی کا اعتراف نہیں پایا گیا لیکن آگے بڑھ کر جو احتمالات پیدا کئے گئے ہیں وہ باختلاف ادراج اس غیبر محسوس کا اعتراف کرتے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک وہ احتمال ہے جس میں کائنات کو ایک بالائزہستی سے واسطہ کیا ہے لیکن موجودات عالم کی عظمت بھی دل میں جاگزیں رہی ہے اور خدا اور مخلوق دونوں کو قدیم مان کر خدا کو اس مملکت پر قابض تسلیم کیا گیا ہے اور اسی طرح پر کبھی خدا اور مادہ کبھی خدا اور محیط ان اور کبھی خدا مادہ اور روح دونوں کو غیر مخلوق اور قدیم ہونے کی عزت دی گئی ہے۔

اس احتمال کی نسبت فیصلہ کرنے سے پہلے چند قوانین قدرت کو دیکھنا ضرور ہے جو واقعات عالم سے ثابت ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ جب کوئی چیز کسی دوسری چیز کی ذات میں داخل ہوتی ہے تو دوسرے کا وجود بعد میں پہلی چیز کا وجود ہوتا ہے یعنی ممکن نہیں ہوتا کہ دوسری چیز موجود ہو اور پہلی ذات میں داخل ہے وہ موجود ہو لیکن جو چیز کسی اور چیز کی ذات میں داخل نہیں اس کو اس چیز کے ساتھ موجود کر کے لینے فاعل کو جدید فعل کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ ممکن ہے کہ دونوں باہم موجود نہ ہوں مثلاً ہیڈ رجن اور آکسیجن پانی

۱۔ خدا اور مادہ کی قدیمت فلاطون کی طرف منسوب ہو اور خدا اور شیطان کی قدیمت ایرانی فلاسفرانی کی جانب راہبہ آفصل علی اور اکثر ہی خیال لشور و زشت کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے مگر حال میں مشن خیال پاپسی اس کو غلط کہتے ہیں اور پتھر و شیش کا قائل تھے میں دیکھ کر مڑا اور اعلیٰ نور و زجی اور میں قدما کا خیال ہے مگر فلاسفر سوامی مانوچ اپنی مذہبی کتاب وید کی طرف توجہ کر تے ہیں اور آجکل اہل مذہب کی ایک جماعت اس خیال کی سخت حامی ہے +

کی ذات میں داخل ہیں یعنی دونوں اُس کے عناصر میں اسلئے پانی کا موجود ہونا بعینہ ہیدروجن اور آکسیجن کا موجود ہونا ہے۔ اور ممکن نہیں کہ پانی موجود ہو اور ہیدروجن اور آکسیجن موجود نہ ہو لیکن پانی کی روانی اور پانی کا رنگ پانی کی ذات میں داخل نہیں بلکہ ایک عارضی صفت ہے اور اس لیے ممکن ہے کہ پانی موجود ہو اور اس میں روانی یا رنگ نہ ہو۔

دوئم۔ دو چیزوں کا کسی ایک ذاتی خاصہ میں مشترک ہونا کیا یہ مطلب ہو کہ اُن دونوں کی ذات میں وہ مشترک عنصر موجود ہے مثلاً رنگ آہن اور پانی جو آکسیجن کی صفت میں مشترک ہیں تو اس کا یہ مطلب ہو کہ دونوں میں آکسیجن کا عنصر موجود ہے۔

سولم۔ جو دو چیزیں ایک دوسرے سے علیحدہ اور متنازع ہیں ضرور ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی ذات میں ایک ایسا عنصر رکھتی ہے جو دوسری چیز میں موجود نہیں۔ ورنہ دونوں جداگانہ چیزیں نہیں ہوتیں مثلاً پانی اور رنگ آہن جو ایک دوسرے سے علیحدہ ہے تو اسی لیے کہ پانی میں آکسیجن کے ساتھ ہیدروجن اور رنگ آہن میں بجائے ہیدروجن کے لوہے کا عنصر موجود ہے اور اگر ہیدروجن اور لوہے کا اختلاف نہ ہوتا اور دونوں میں ایک ہی قسم کے عناصر ہوتے تو وہ جداگانہ چیزیں ہرگز موجود نہ ہوتیں یا پانی ہوتا یا رنگ آہن بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ جن دو چیزوں میں مادی عناصر بالکل ایک ہیں ان کی ذات میں بھی کوئی غیر مادی عنصر ایسا موجود ہے جن سے وہ دونوں چیزیں متنازع اور علیحدہ شمار ہوتی ہیں مثلاً الماس اور کوئلہ مادی عناصر میں بالکل متحد ہیں لیکن انہیں اس لیے طاقت کا دوسرا عنصر دونوں مختلف ہے اور اسی سے وہ دونوں باہدگر متنازع ہیں اور جب کہیں دونوں کی طاقت کو یکساں کرنے میں کامیابی ہوتی ہے تو امتیاز معدوم ہو گیا ہے اور اس عمل سے کوئلہ بعینہ الماس بن گیا ہے۔

چہارم۔ جو چیز دو چیزوں سے مرکب ہوتی ہے وہ ضرور حادث ہوتی ہے اور اس کے وجود سے پہلے اسکی اجزاء کا موجود ہونا ضرور ہوتا ہے اور نیز ایسے مرکب کو ترکیب دینے کے لیے کسی عامل کا وجود بھی لازم ہے مثلاً پانی جو آکسیجن اور ہیدروجن سے مرکب ہے اُس کے وجود سے پہلے آکسیجن اور ہیدروجن کا وجود ضروری ہے اور کوئی ایسی طاقت بھی ضرور موجود ہوگی جس سے دونوں عنصرین سو پانی کو تیار کیا۔

ان مقدمات کو پیش نظر رکھنے کے بعد کہہ سکتے ہیں کہ اگر خدا اور مادہ اور روح یا کوئی ہی چیز پر  
قدیم ہون تو ضرور وہ کہہ قدیمت انہی ذات میں داخل ہوگی کیونکہ اگر قدیمت ان کے لئے ایک عارضی  
ہو تو پہلے قاعدے کے موافق ممکن ہوگا کہ وہ چیزیں موجود ہوں اور قدیمت ان کے ساتھ نہ ہو اور نیز  
ضرور ہوگا کہ اس صفت کو لاحق کرنے کے لئے کوئی فاعل موجود ہو جس چیز کو قدیم مانا گیا تھا وہ اس وقت  
میں قدیم نہ ہوگی بلکہ حادث ہوگی۔ پس جبکہ قدیمت دو یا تین چیزوں کی ذات میں داخل ہے اور وہ سب  
اس ذاتی وصف میں شریک ہیں تو دوسرے قانون کے روئے ضرور ہے کہ قدیمت کا عنصر ان سب کی ذات  
میں موجود ہو۔ اور چونکہ وہ سب ایک دوسری سے علیحدہ اور متماثل ہیں اور اسی لیے ان کو دو یا تین کہا جاتا  
ہے تو تیسرے اصول کے مطابق ضرور ہے کہ ہر ایک میں کوئی ایسا عنصر موجود ہے جو دوسری چیز میں نہیں  
اور اس تحقیق کے روئے انسا پڑتا ہے کہ خدا اور مادہ اور روح تینوں میں ایک عنصر قدیمت کا مشترک  
ہے اور ہر ایک میں ایک ایک عنصر ایسا موجود ہے جس کو خدا کی خدائی اور مادہ کی مادیت اور روح کی  
روحانیت ایک دوسرے کو ممتاز ہے پس وہ تینوں کو جو عنصر ان سے مرکب ہوئے اور جو تھے قاعدے  
کے روئے انسا پڑے گا کہ تینوں حادثات میں اور ان سے پیشتر ان کے عناصر کا وجود انسا پڑے گا اور نیز ان  
عناصر سے ترکیب دینے کے لیے کسی اور فاعل کی ضرورت ہوگی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ جن تین چیزوں کو قدیم  
مانا گیا تھا۔ قدیمت ہی کے مشترک سے وہ سب اس صفت کو محروم ہو جائیں گے اور ترکیب دینے کے لیے  
فاعل کی ضرورت پیش آئے پر چونکہ اس مذہب واسطہ ان تینوں کے سوا کسی اور چیز کو موجود نہیں سمجھتے  
آئیگا کہ مرکب جو معلول ہے یعنی علت کے پیدا ہو اسے اس لیے اس احتمال میں بھی بالآخر وہی وقت  
پیش آئی جو پہلے احتمالوں میں موجود تھی یعنی قانون علت و معلول کا باطل ہونا جس سے یہ احتمال فاعل  
تسلیم ہو جاتا ہے۔ ہر برٹ پینسر لکھتے ہیں :-

”اگر بہت سے قدیم ہوں تو ان میں ضرور کوئی چیز مشترک ہوگی جو ایک سے زیادہ قدما کو ضروری ثابت  
کریں پس وہی مشترک عنصر قدیم ہوگا کہ وہ بہت سے مانے ہوئے قدما۔ اور نیز چونکہ بہت ہیں

اس لیے وہ ایک دوسرے سے محدود نہ ہونگے پس غیر محدود نہ رہیں گے اور نیز وہ سب مطلق  
نہ ہونگے کیونکہ ایک دوسرے سے انکو تعلق ہے۔

وحدت وجود روحانی | اس خیال کے بعد اس احتمال کا درجہ ہے جس کو وحدت وجود روحانی کہتے  
ہیں اور جس میں مادہ کے وجود سے بالکل انکار کیا گیا ہے اور محض ایک غیر محدود و مطلق ہستی کو موجود مانا گیا ہے  
اس خیال کو ماننے والے مختلف اقوام عالم میں کثرت سے ہیں چنانچہ ملاحن اس کی تقریر یوں کرتے ہیں  
” اس عالم کو میں صرف ایک بسیط ذات موجودہ جو نہ کلی ہے اور نہ جزئی یعنی نہیں کہہ سکتے کہ وہ  
واقعیت کثرت کو قبول کر سکتی ہے اور نہ یہ کہ کثرت کو ہرگز قبول نہیں کرتی۔ بلکہ اُس ذات کو ہمیشہ  
مختلف اور واقعی شائین ظاہر ہوتی ہیں اور اسکی ہر شان پر مختلف آثار اور احکام مرتب ہوتے  
ہیں پس وہ معین شان جو نظر آتی ہے ممکن کہ لاتی ہے اور اس تین سے قطع نظر جو ذات موجود  
ہے وہ واجب الوجود اور خدا سے قادر ہے۔“

مطربا پر اس مسئلہ کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

” وحدت وجود روحانی روح کی ہستی کو مانتی ہے اور سلائیہ یا کثرت مادہ کے وجود سے انکار کرتی ہے  
اُس کے نزدیک وہ روح خدا ہے جو ہمیشہ یکساں رہتی ہے مگر ہر نئی شکلیں بدلتی رہتی ہے۔  
اس کے رو سے خدا ایک مکمل مستی ہے اور دو عفتین رکھتی ہے علم اور وسعت۔ انسان میں اگر  
اُس کو اپنی ذات کا علم ہے اور اس سے پہلے حیوانات وغیرہ میں شعور سے خالی ہے۔ جو کچھ خدا کے  
سوا ہے وہ شے ہونے سے محروم ہے اور موجود نہیں۔ محض ظاہر میں نظر آتا ہے اور اس کی ہستی  
محض اُسکا نظر آتا ہے۔“

سوامی ویکانند لکھتے ہیں۔

۱۰ شرح سلم العلوم مصنفہ ملاحن ہرچم بحث علم باری تعالیٰ۔

۱۱ ای ڈسکورس آف میٹریز پریٹینڈنٹ ٹو ریپلیسین باب پنجم۔

۱۲ کتاب گیان یوگ باب شانزدہم۔

”سودای شکر آچار یہ کے نزدیک خدا مادہ بھی ہے اور فاعل بھی ہے۔ مگر ظاہر و نہ حقیقت  
خدا یہ دنیا نہیں بن گیا۔ بلکہ دنیا نظر آتی ہے کیونکہ خدا انکی بنیاد ہے۔“

غرض الفاظ اور طرز ادا اگرچہ مختلف ہے مگر مدعا سب کا یہ ہے کہ ایک مطلق ہستی اسی طرح مختلف  
شکلوں میں ظاہر ہو رہی ہے جیسے دریا اپنی روانی میں مختلف لہروں کی شکل میں ظاہر ہو اگر تاسے  
پس جس طرح لہروں کو ان کے ظاہر ہونے پر جداگانہ نام اور تشخص حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ حقیقت  
میں لہر کوئی جداگانہ ہستی نہیں ہے بلکہ وہی دریا اس شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اسی طرح سے ان ہستی  
مطلق کے مختلف مظہروں کو آسمان زمین انسان حیوان وغیرہ جداگانہ ناموں اور تشخصوں سے  
نامزد کرتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ چیزیں جداگانہ ہستی نہیں ہیں اور اسی ایک ذات کے مختلف  
ظہور ہیں۔ پس جس وقت یہ مظہر موجود ہیں چونکہ انکی ذات جداگانہ نہیں ہے اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ  
وہی ایک ذات موجود ہے اور چونکہ ان کی شکلیں جداگانہ ہیں اور وہ ذات شکلوں سے پاک ہے  
اس لیے محض ان شکلوں کو اس کا غیر کہہ سکتے ہیں لیکن چونکہ شکلیں محض اعراض ہیں اس لیے ان کا  
وجود ایک اعتباری وجود ہو گا اور حقیقی اور ذاتی وجود پھر بھی ایک ہی رہے گا۔

عالم کا ہر ایک تغیری | اس عقیدے میں بیشک یہ خوبی ہے کہ موجود اور قدیم محض ایک چیز کو  
مصلحت پر مبنی ہے | مانا گیا ہے اور چیز بھی ایسی جو خود ہی اپنے مظاہر کی علت ہو لیکن اس خیال کو  
دل میں جگہ دینے سے پہلے اس ظاہر ہونے والی ذات کا ایک اور خاصہ بھی پیش نظر آ جاتا ہے اور  
وہ یہ کہ اس کے جس قدر مظاہر دیکھے جاتے ہیں وہ چھوٹے ہوں یا بڑے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے  
ہر ایک کسی بڑے مدعا اور فائدے کو مد نظر رکھ کر پیدا کیا گیا ہے۔ آفتاب ہی تو اس کو بنایا ہی اس طرز پر گیا جو  
کہ سیاروں کے ایک بڑے انبوہ کو اپنے ساتھ وابستہ رکھ سکے اور ان سب میں روشنی اور حرارت اور حرکت  
دینے والی شعاعیں کو پہنچائے۔ زمین ہے تو ہلکی ترکیب اسی قسم کی کہ لاکھوں طرح کے جاندار اور  
بے جان مخلوق کو پیدا کر سکے اور ان کی بقا اور تناسل کا سامان ہم پہنچائے۔ اسی طرح حیوانات اور دیگر  
موجودات میں سے ہر ایک کو اسی طرز پر پیدا کیا ہے کہ اس غرض اور مدعا کو یا جس مجموعہ پر اگر سکے

جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے اور پھر ہر ایک مخلوق کے اجزاء اور اعضا کو وہی ساخت دی ہے جس سے وہ اپنے فرض پورے طور پر ادا کر سکے۔ اگر درخت کی رگیں مین تو انکی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ خود بخود خوراک اور سامانِ زلیست کو جذب کر سکیں اور لپٹا شخص بقا و نفع کا سامان مہیا ہو۔ اگر جاندار کی آنکھ کان وغیرہ اعضا مین تو ان کے اجزاء کو ترتیب ہی اس طرز پر دیلا ہے کہ خود بخود ان کے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ غرض ایک ذرے سے لیکر بڑے بڑے کو تک کسی چیز کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا جو کسی مفاد اور مدعا سے خالی ہو اور اس ذات کے تمام مظاہر سے یہ ایک عام اور کلیہ خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ اس کا کوئی فعل عبث نہیں بلکہ ہر چیز کو کامل علم و شعور کی مصلحت پہنچی کیا گیا ہے اور کسی کسے واسے کا یہ خیال بالکل غلط معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذات انسان بننے سے پہلے بے شعور تھی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ انسان مین ظہور کرنے سے پیشتر جس قدر مظہر مادہ کی مختلف شکلوں مین ہوئے ہیں ان حالتوں مین یہ مادہ بیشک بے شعور ہے اور نہ صرف بے شعور ہے بلکہ تمام حالتوں مین کثیف ہے۔ محدود ہے۔ محسوس ہے گو کثافت محدودیت اور محسوسیت کے مابین مختلف ہوں اور نیز بعض حالتوں مین بے حس ہے بعض مین سبب حرکت ہو اور بعض حالتیں غلاظت اور دیگر عیب بھی ظاہر کرتی ہیں۔ اس لیے اس ایک ذات کو ہر ایک شان مین ظاہر ہوتے ہوئے اگر طلباً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس غیر محسوس۔ مطلق۔ پاک اور بے عیب ذات نے یہ مظاہر کیوں اختیار کیا

پاک ناپاک کیوں ہوا | کئے جو محسوس۔ متغیر۔ ناپاک اور عیب دار ہیں اور جب اس ذات کا عام نام ہے کہ وہ ایک ذرہ کو بھی عبث اور بے وجہ پیدا نہیں کرتی تو خود اپنی ذات کو جو ہر طرح کا کمال رکھتی تھی کس مصلحت سے ان بچاؤن مین جب ملوہ کر گیا۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ زمین اور زمین کی پیداوار یکے بعد دیگرے کثیف سے لطیف ہوتی جاتی ہے۔ معدنیات بالکل بے حس و حرکت تھیں نباتات مین حرکت نے ظہور کیا حیوانات مین مختلف حواس کی تکمیل ہوئی انسان سب سے بڑھ کر عقل و شعور اور دیگر کمالات مین ترقی کرتا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مظاہر کی رفتار لطافت کی جانب ہے اور اس لیے یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ذات کثافت کی طرف آنے کو کمال سمجھتی ہوگی۔ کیونکہ

اگر غیر محسوس سے محسوس پہنچانا کمال ہونا اور اس کمال کو حاصل کرنا اس بات کی غرض غایت قرار دیا جاتا تو ضرور تھا کہ موجودات عالم کی رفتار لطافت سے کثافت کی جانب ہوتی اور اسی طرح ایک پیداوار سے دوسری پیداوار کثیف تر ہوتی جاتی مگر جب اس کے خلاف نظر آتا ہے اور دنیا کی چیزوں کا کمال اسی لطافت کی جانب ترقی کرنا سمجھا جاتا ہے جس لطافت سے اس بات نے منزل کو کے کثافت کا جامہ پہنا ہے تو اس فعل کا حیثیت اور یہ سبب ہونا اور بھی دلنشین ہو جاتا ہے۔

مطلق علیت کے سلسلہ میں نہیں | سو امی ولیکا ننداس لے عتر افس کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں :-

”غیر محدود محدود اور وقت کیوں ہوا ؟ یہ بہت مشکل سوال ہے مگر اس کا حل یہ ہے کہ کیوں کا کا سوال دنیا کی چیزوں پر ہوتا ہے جو علیت کے سلسلہ میں مقید ہیں اور مطلق علیت اور زمانہ و فضا سے بالاتر ہے اس لئے اس بات کی نسبت کیوں سے سوال نہیں ہو سکتا“

علم غیر نظریہ کہیں یا نہیں ہو سکتا | لیکن حقیقت یہ ہے کہ مطلق بیشک بالاتر ہے مگر سوال کی غیر یہ ہے کہ ہم اس علم کا سبب میں مقید ہیں اور اس سے استدلال عقلی کی افتادہ واقع ہوتی ہے کہ جب کسی معلوم چیز یا واقع کی نسبت غور کرتے ہیں تو اس کے لئے ایسا ہی نتیجہ یا عقیدہ قرار دیتے ہیں جسکی نظیر واقعات حلقہ میں پائی جاتی ہو اور اس کے برخلاف کبھی ایسا دعویٰ نہیں کرتے اور یہ کر سکتے ہیں جس کی نظیر ہر کو معلوم نہ ہو مثلاً جب ہم کوئی نامعلوم آواز سنتے ہیں اور خیال کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کیونکر پیدا ہوئی تو جو طریق آواز پیدا ہونے کے ہر کو معلوم ہیں ان میں غور کرتے ہیں کہ ایک آواز انسان کی ہو سکتی ہے جو کچھ بات کرتا ہو اور ایک آواز حیوان کی ہوتی ہے جو اپنی عادت کے موافق بولتا ہے اور ایک آواز بادل کے گرے کی یا بجلی کے ٹپکنے کی ہوتی ہے اور اسی قسم کی آوازیں جہاں تک ہمارے علم میں ہوں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نامعلوم آواز ان میں سے کس سے مشابہ ہے اور اس طرح پر جو تشبیہ ہر کو اغلب معلوم ہوتی ہے اسی کے مطابق اس آواز کی نسبت رائے قائم کرتے ہیں اور کبھی ایسا احتمال قائم نہیں کرتے جسکی نظیر سمجھنے نہ دیکھی ہو۔ یا مثلاً جب تلے چاند کے دھنوں کو دور میں سے دیکھا گیا تو دھنوں

لے کتاب گمان یوگ باب ششم۔



کا مقام روشن جبکہ کی نسبت کسی قدر ہوا معلوم ہوا چنانچہ اس وقت کے ذخیرہ معلومات کی بنا پر  
 داغون کی نامعلوم کیفیت معلوم کرنے کے لیے نظیر کی تلاش ہوئی اور دیکھا گیا کہ زمین پر پانی کی سطح خشکی  
 کی نسبت ہلار ہوتی ہے اس لیے خیال ہوا کہ چاند کا یہ مقام بھی سمندر ہے۔ اس کے بعد دو مہینوں  
 میں ترقی ہونے پر جب داغ زیادہ صاف نظر آئے تو خود اس کے اندر بھی نشیب و فراز معلوم ہوئے  
 اب چونکہ پانی میں نشیب و فراز ہونے کی کوئی نظیر موجود نہیں اور اس کے برخلاف آن داغون  
 کو موجودہ علم کی بنا پر پہاڑ کے غاروں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اس لیے دوسرا احتمال قائم ہوا کہ چاند  
 میں سمندر نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے غار ہیں جو داغ کی شکل میں نظر آتے ہیں بلکہ اب جبکہ قریب قریب کے  
 سیاروں کا ایک دوسرے کے عکس ڈالنا معلوم ہوا اور نیز چاند کا وہ عکس بھی دیکھا گیا جو ایک اس کے قریب  
 ستارہ پر ہمیشہ پڑتا ہے اور اس میں دیکھا گیا کہ پانی کا کمین نشان نہیں پایا جاتا تو نتیجہ نکالا گیا کہ کم کم  
 چاند کے بالائی سطح پر کوئی دریا یا خلیج موجود نہیں ہے اور یہ اسی لیے کہ پانی موجود ہوا اور اس کا قریب تر  
 سیارے کے عکس نہ پڑے اس کی کوئی نظیر موجود نہیں۔

ڈاکٹر سپنسر لکھتے ہیں :-

”میں سل اور سرولیم ہلٹن نے چھ شطین علم کی لکھی میں میرے نزدیک ان کے علاوہ ایک اور بھی  
 شرط ہے یعنی مناسبت۔ ہم جس چیز کو معلوم کرتے ہیں اس کا انسا ہی علم حاصل ہوتا ہے جو عقائد اور چیزوں کا علم  
 پہلے سے ہوتا ہے مثلاً ہم کسی جانور کو دیکھتے ہیں تو اگر اسی قسم کا جانور پہلے دیکھا ہو اس حالت میں اسے  
 پورے طور پر معلوم کر لیں گے اور اگر نہیں دیکھا تو جو باتیں اس میں پائی جاتی ہیں جن جانوروں میں  
 اسی قسم کی باتیں پائی جائیں ہم جانتے گے کہ یہ جانور ان جانوروں کی قسم کا ہے اگر چارپیر رکھتا ہو تو  
 چو پاؤں کی قسم سے کہیں گے۔ بڑے دانت رکھتا ہو گا تو درندہ سمجھیں گے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو مطلق چاند  
 کہیں گے۔ یا زندگی کا نشان بھی نہ ہو تو نباتات یا اس کو اثر کربادات وغیرہ کی قسم سے کہیں گے غرض  
 اسی حد تک علم حاصل ہو گا جس حد تک پہلے معلومات سے پیدا ہو چکا ہے“

غرض ہمارے علم محض نظائر و مناسبات کی وساطت سے ترقی کرتا ہے اور اس بنا پر صحیح علم وہ ہو گا جس میں مناسبت کا

کامل لحاظ رکھا گیا ہے اور جہاں تک مشابہت اور نظیر کی نوعیت میں غلطی کی گئی ہے اسی تک علم بھی غلط ہوگا اور اس قاعدے کے موافق جب ہم نے تغیرات عالم کو دیکھا اور ان کے آغاز کی نسبت غور کرنا شروع کیا تو چونکہ محض تغیرات کو محض مادہ کو یا مادہ اور خدا دونوں کو تسلیم مانکر دیکھا کہ معلول کا بغیر علت کے پیدا ہونا لازم آتا ہے اور اپنے ذخیرہ معلومات میں اسکی کوئی نظیر موجود نہ تھی کہ معلول خود بخود اور بغیر علت کے پیدا ہو جائے اس لئے ان خیالات کو غلط مانکر ہم اس عالم سے پرے کسی اور جہتی کی تلاش کرنے لگے اور یہاں تک ہماری رفتار بالکل درست تھی لیکن اب ایک غیر مادی جہتی کو مانکر جب یہ خیال قائم کیا گیا کہ وہی ایک ذات اپنی پاک اور کامل حالت کو ان ناپاک اور ناقص حالتوں میں بدل رہی ہے تو لامحالہ سوال پیدا ہوا کہ اس کا فعل کی مصلحت پر مبنی ہے اور چونکہ کوئی قائمہ قرار دیا نہیں جاسکتا اس لئے اگر اس کے دیگر افعال میں جو رزقہ ہم دیکھتے ہیں کوئی ایسی نظیر ملجاتی جو بالکل عبث اور بے وجہ ہوتی تو بیشک اس عقیدے کو ماننے کی گنجائش ہو سکتی لیکن حال یہ ہے کہ اس دنیا میں اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا فعل بھی عبث نہیں ہے اس لئے یہ خیال ہرگز قرین قیاس نہیں کہ اس کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا کام یعنی ان تمام تغیرات کو موجود کرنا عبث اور سلسلہ علت سے خارج ہوگا۔ غرض پہلے احتمالوں میں کسی ذات کا بغیر علت کے پیدا ہونا لازم آتا تھا اور اس احتمال میں ذات اگرچہ قدیم ثابت ہوئی مگر اس کا سب سے بڑا انقلاب جس میں غیر محسوس محسوس اور غیر محدود محدود ہو گیا ہے علت رہا۔ قصہ مختصر اس عالم کا وجود ہر احتمال میں معلول بے علت ثابت ہوا اس لیے یہ احتمال بھی اگرچہ پہلے احتمالوں سے بالاتر ہے مگر اس نقص کے سبب قابل تسلیم نہیں۔

سوامی دیکانند ایک اور موقع پر بھی یہی سوال پیدا کرتے ہیں کہ جب ایک ہی جہتی سبب ظہور کرتی ہے تو وہ تکلیف کیوں اٹھاتی ہے اور ذلیل ناپاک کیوں ہوتی ہے؟ اور جواب دیتے ہیں کہ آفتاب یکساں چمکتا ہے لیکن کسی کے نقصان بصارت سے تو تاریکی یا مختلف رنگ نظر آتے ہیں وہ آفتاب پر عیب نہیں لگا سکتے اسی طرح وہ مکمل ہستی جسمانی نقصوں سے عیب دار نہیں ہو سکتی اور اسی طرح ایک

جگہ لکھتے ہیں کہ وحدت کثرت کیوں ہوگئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں اب بھی وحدت ہی موجود ہے اور کثرت صرف بیرونی طور پر ہے۔

لیکن آفتاب کی نظیر سے اور کثرت کو محض نافرمانی مانتے سے یہ عقدہ اسی صورت میں حل ہو سکتا ہے کہ اس لطیف ہستی کے سوا کوئی کثیف ذات موجود ہو جس پر اس کا نور وحدت چمکے اور دوسری ذات کی کثافت اور کثرت کے سبب سے وہ ظاہر میں کثیف اور کثیر معلوم ہو۔ حالانکہ اس عقیدے کے برعکس عالم کی یہ صورت نہیں ہے بلکہ ذات ہر حال میں ایک ہی موجود مانی گئی ہے اور ہم ایان کو خیال کے مطابق یا یا کوئی ذاتی وجود نہیں رکھتی اور اس لیے کثرت یا عیب جو کچھ نظر آتا ہے وہ سب افسانے یا صفات ہیں اور ظاہر ہے کہ عرض اور صفت بغیر کسی ذات کے موجود نہیں ہو سکتی اس لئے وہی ایک ذات ہوگی جو پہلے غیر محدود و غیر محسوس غیر صفات سے متصف تھی اور اب محدود و محسوس اور ہر طرح کی ناقص صفات سے موصوف ہے۔ عرض ذات ایک مانگہ صفات بیرونی ہوں یا اندرونی اُن کا محل ہر حال میں وہی ذات ہوگی اور آفتاب کی نظیر اس پر صادق نہ آئیگی کیونکہ یہاں جن چیزوں پر آفتاب کی شعلہ پڑتی ہے وہ آفتاب سے علیحدہ ہیں اور اسی لیے اُنکا نقص آفتاب کے نور کو عیب دلا نہیں کرتا۔ البتہ اگر محض آفتاب موجود ہوتا اور اس حالت میں اُس کی شعلہ کسی نورانی اور کسی تاریک ہو جاتی تو بیشک ایک نظیر موجود ہوتی لیکن اس صورت میں شعلہ کا تاریک ہونا بھی آفتاب ہی کا نقص ماننا پڑتا۔

وحدت وجود کے لیے کیا مسئلہ وحدت وجود کو سمجھنے کی یوں بھی کوشش ہو سکتی ہے کہ اگر اُس ذات تشبیہ میں ہو سکتی ہیں۔ کو دریا سے تشبیہ دی جائے اور تعینات عالم کو دریا کی لہر میں فرض کیا جائے یعنی دنیا کی ہر ایک چیز کو اُس ذات کا ایک حصہ مانا جائے تو وہ دانشہ ایک جسم کی طرح طول عرض وغیرہ جنسانی صفات سے متصف ہوگی اور صاحب اجزا ہونے کے سبب ہم نہ جیگی اور اس صورت میں احتمال بھی دوسرے لفظوں میں محض مادہ کا اپنی لطیف تر حالت میں قدیم ہونے کا احتمال ہوگا۔ اور اگر اس تشبیہ کو ناقص سمجھا جائے اور واقع میں وحدت وجود کے نقطہ خیال سے تشبیہ ہے یعنی ناقص کیونکہ

لوگ دنیا کی ہر ایک چیز کو اس ذات کا ایک جزو یا حصہ نہیں مانتے بلکہ یقین رکھتے ہیں کہ ہر چیز بلکہ ہر ذرہ میں اس کا کامل ظہور ہے تو اس صورت میں اس ذات مطلق کی نظیر انسان یا دیگر امر کلیہ کو ماننا چاہیے کیونکہ انسان بھی ایک مستقلی مطلق ہے اور اپنے ہر فرد یعنی زید عمر خالد وغیرہ میں وہ کامل طور پر موجود ہے یعنی افراد کو انسان کا ایک حصہ نہیں کہتے بلکہ شخص کو پورا انسان کہتے ہیں۔ لیکن ایسا مطلق ماننے میں یہ قیامت ہے کہ یہی مہستی مطلق مثلاً انسان محض اپنے افراد میں موجود ہو سکتی ہے اور افراد سے باہر اس کا کوئی وجود نہیں یا یوں کہا جائے کہ محض زید عمر کا وجود ہے جس سے انسان کی مہستی مطلق کو خیال کرنا چاہیے گا وہیں استنباط کرنا ہے ورنہ خارج میں زید عمر وغیرہ کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں اور اسلئے جب زید عمر وغیرہ تمام افراد معدوم ہوں اس وقت انسان بھی موجود نہ ہوگا۔ اسی طرح پر وہ ذات جس کو مطلق یا کر دنیا کے تعینات کو اس کے افراد مانا جاتا ہے اس کا وجود بھی خارج میں محض دنیا کی مطلق سے ہوگا اور یہ تعینات چوتھے تعینات احادیث میں اس لیے ہیں کہ میں انکو معدوم فرض کیا جائے اس وقت خدا بھی موجود نہ ہوگا اور لازم آئے گا کہ وہ ذات اس عالم کی علت اور بال نہیں ہے بلکہ نزدیک طرح سے معلول اور اپنے وجود کیلئے وجود عالم کا محتاج ہے اور اس صورت میں ظہور عالم کو موجود کرنے کیلئے جس سے وہ مہستی مطلق بھی جو کی عزت حاصل کر کے کوئی نال کی تلاش ہوگی اور چونکہ اس کے سوا کوئی اور مفاعل یا نا نہیں جانا اسلئے اس صورت میں بھی معلول کا بغیر علت کے موجود ہونا لازم آئے گا۔

اور اگر پیشیل بھی غلط قرار دی جائے اور خدا کو نہ دریا کی طرح تمام مظاہر کا مجموعہ یا نہیں اور نہ انسان کی طرح تمام افراد کا اشتراک سمجھیں اور پھر بھی یہ خیال کریں کہ وہی ایک موجود ہے اور تمام مظاہر میں جلوہ کرتا ہے تو زیادہ سچ ہے کہ اگر صحیح ہو تو اجتماع تعینات اور دیگر تمام ناممکن ہے جو اسے بھی صحیح ہونے کیونکہ نظیر انکی موجود ہے اور نہ انکی۔ اور بے دلیل ماننا ہو تو اس سید صاحب کچھ مانا جاسکتا ہے۔

غرض محض ایک ذات کو موجود ماننا اور انسی کو مادی صورتوں میں جلوہ گزشتہ کرنا ہر طرح سے دلیا ہی قابل حل ہے جسے محض مادہ کو قدیم سمجھنا یا بغیر مفاعل کے تعینات عالم کا ظہور پذیر ہونا اور یہ خیال قائم کرنے کے لئے دنیا میں کوئی نظیر موجود نہیں۔

# باب ہشتم

## پیدائش

نیت سے بہت ہونا۔ کیا نیت سے بہت ہو سکتی کوئی نظیر موجود نہیں۔ نظیر کی تلاش میں کوئی نہ ملتی ہے۔ خیالی مخلوق نظر آ سکتی ہے۔ خیالی مخلوق قابل اس اور زندگی دار ہوتی ہے۔ خیالی مخلوق دوسروں کو بھی محسوس ہوتی ہے۔ نیت سے بہت کرنا۔ اسے میں شعور کی صفت ہونی چاہئے خیال کی پیدائش ادھی اور پناہ رکھتی ہے۔ جمادی مخلوق میں ہیں معلول حادث اور علت قدامیم۔ وحدت شہود۔ علم کے لئے کوئی معلوم ہونا چاہئے علم کس کس چیز کا ہو سکتا ہے۔ خدا کا علم کیونکر خیال میں ہو سکتا ہے۔ خدا کی ہیشگی اور زمانہ و فضا کی نسبت اعتراض اور اسکی تحقیق۔ خاص ہو عام کیفیت جانا ناقابل فہم تہ ہو۔ خدا کو ماننے سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے اسٹر بریل کا اعتراض کہ دنیا جیسی چیز کبھی پیدا ہوتی نہیں دیکھی نہ بہت با عقلی کو نہ عیض کرنا کہ اسباب۔ ملاحظہ ہو۔

نیت سے بہت ہونا | ترتیب احتمالات کے رو سے یا کم از کم میرے علم میں اب صرف ایک احتمال باقی ہے جو اور وہ ہے کہ کسی بھی بے کیف نے اس عالم کو نیت سے بہت کیا ہے۔

کیا نیت سے بہت ہو سکتی | اس خیال کو دل میں جگہ دینے کے وقت سب سے پہلے یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کوئی نظیر موجود نہیں؟ | کہ محض نیت بہت کیونکر ہو سکتا ہے اور تلاش ہوتی ہے کہ آیا دنیا میں اسکی کوئی نظیر موجود ہے؟ اس تلاش میں دنیا کے اکثر واقعات پیش نظر آ جاتے ہیں مگر کسی میں کوئی چیز محض عدم سے وجود میں آتی معلوم نہیں ہوتی بلکہ ایک ہمیشہ رہنے والا مادہ مختلف شکلیں بدلتا نظر آتا ہے درخت اگتا ہے تو وہ کوئی نئی چیز نہیں ہوتی بلکہ تنم اور اجزائے زمین نئی شکل میں جلوہ گر ہو جاتے ہیں جاندار پرورش پاتا ہے تو وہ نیت سے بہت نہیں ہوتا بلکہ لطفہ اور خوراک کی شکل میں انقلاب ہو جاتا ہے تجارت کر رہی جاتا ہے یا درزی کوٹ سیتا ہے تو صرف وہ دنیا کو نئی شکل دیتا ہے۔ غرض ایسے ہی واقعات

ہیں جن سے یقین ہو گیا ہے کہ کوئی چیز ہمیشہ موجود رہتی ہے اور صرف اس کے اثر میں نقص ہو سکتا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ کوئی چیز محض عدم سے وجود میں آئے۔

نظیر کی تلاش میں کوتاہی | مگر کیا ہم نے تمام تغیرات کو دیکھ لیا اور کیا کسی تغیر میں نیست و نہایت ہوئی ہے | نظر نہیں آتا؟ شاید ایسا ہی ہو مگر ابھی تک ہماری تلاش ضرور ناقص ہے

ہم نے اگرچہ تمام شہر میں ڈھنڈھ مچا دیا ہے مگر اپنی گود کو دیکھنا باقی ہے یعنی بے شعور چیزوں کو شعور والا انسانوں کو دیکھا لیکن خود شعور کو نہیں دیکھا اور اگرچہ اس قدر ہمیں کا خیال بڑے بڑے کے دل میں پیدا ہوا ہے لیکن افسوس یہ کہ کسی نے خود خیال کی طاقت کو نہیں آزمایا کہ وہ کیا کیا کچھ کر سکتا ہے اور علمی کارناموں میں شاندار اس سے دیا وہ تعجب انگیز کوئی اثر نہ ہوگا کہ جس چیز سے روز بروز کام لیتے ہیں اسی کی ایسی خاصیت کو نہیں دیکھتے جو کم و بیش ہر شخص میں موجود ہے۔

خیالی مخلوق نظر آسکتی ہو | خیالی طاقت کا سب سے کم تر غور غموں اور قریباً ہر شخص کو نظر آتا ہے جب کوئی شخص تنہا اور بالخصوص تاریکی میں ہوا اور جس چیز کا خوف نہایت شدت سے پیدا ہو رہے تو ایسے وقت میں جس چیز کا خوف ہے وہ اکثر پیدا ہو جاتی ہے شیعہ کا خوف ہے تو شیر کی شکل و انت نکالے ہوئے حکم کر کے ہوئے دکھائی دیتی ہے وہ دیکھ کا خیال ہے تو ایک بلند اور مہیب صوت آنکھیں چمکاتا ہوا اور ہاتھ بڑھاتا ہوا نظر آتا ہے۔ خوف زدہ انسان کو یقین ہو جاتا ہے کہ رہائی ناممکن ہے کسی وقت بے اختیار آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ کبھی بھاگتا ہے اور کبھی چیخ مار کر بیہوش ہو جاتا ہے اگر کوئی دل گردہ رکھتا ہو اور اس نے اس خیال کو دور کر کے پھر دیکھا تو وہ ان کچھ بھی نہیں ہوتا۔

خیالی مخلوق قابل لمس اور | پس کیا اس وقت نظر آئے ملائیت سے بہت نہیں ہوا؟ البتہ ہیں ورنہ ہوتی ہے۔ وقت تک ایسی چیز کا محض نظر پر اثر کرنا معلوم ہوا ہے مگر اس سے بڑھ کر

بعض انسانوں کو سوتے میں اور بالخصوص کسی مرض کی حالت میں معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھاری انسان نے اس کو دبوچ لیا ہے۔ ایسی حالت میں مرض اور بیداری اور بیداری میں بھی کچھ دیر تک خیالی اثر قائم رہتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ پشت پر زلزلان جگہ اس کا سر ہے اور

فلان مقام پر چھاتی اور فلان فلان جگہ اسکی موٹی موٹی انگلیوں سے دبی ہوئی ہے اور وہ لہنا چتا ہے لہنا نہیں جاتا۔ بولنا چاہتا ہے بولا نہیں جاتا۔ تھوڑی دیر میں خواب کی خیالی قوت ختم ہوتی ہے اور دیکھتا ہے تو چار پائی پر اس کے سوا کوئی نہیں۔ یہاں ایسی چیز نیست و ہست ہوئی ہے جس میں وزن بھی ہے اور جس کو پیدا کیا گیا ہے اسے قوت باصرہ نے دیکھا اور قوت لامسہ نے چھوا اور کم و بیش اکثر اشخاص کو اس کا تجربہ ہے۔

خیالی مخلوق دوسروں کو  
بھی محسوس ہوتی ہے  
مگر ان مثالوں میں اپنے خیال نے خود اپنے تئیں ایسا نظارہ دکھایا ہے  
لیکن اس سے بڑھ کر ایسے واقعات بھی نہایت کثرت سے پیش آتے ہیں جن میں قوت خیال نابود و دگر کرتی ہے اور دوسروں کو دکھاتی ہے اور نہ صرف قریب والوں کو بلکہ بڑے بڑے فاصلہ پر یہ غیر مادی شکلین نظر آتی ہیں اور نہ صرف کسی ایک آدمہ کو بلکہ بعض اوقات بہت سے لوگوں کو اس کا تجربہ ہوتا ہے اور اس طاقت کا ظہور نہ صرف اتفاقات ہوتا ہے بلکہ ایسی نظیریں موجود ہیں جن میں کسی شخص نے اپنے ارادہ سے خیالی وہ کو کسی فاصلہ پر اور وہ بھی ایسے شخص کو دکھایا ہے جسکو پہلے سے اس قسم کا خیال نہ تھا۔

سوائیٹھا فارسی سائیکلک میکل مرسیس چ نے روحانی مظاہر کی تحقیقات میں جو واقعات خیالی قوت ظاہر ہونے کے جمع کئے ہیں ان میں سے بہت سے مشہور ہیں اور انہی کتاب کے ایک باب میں لکھے ہیں۔ چنانچہ بعض میں کسی مرنے والے کو جس عزیز کے دیکھنے کی حسرت ہو اس عزیز کو کسی فاصلہ پر اس وقت مرنے والی شکل نظر آئی ہے۔ بعض میں مرنے والے کے پاس بیمار داروں نے اس کے کسی عزیز کو دیکھا ہے جس کو مرنے والے کا خیال امنگیر ہے مگر اس کے پاس نہیں آسکتا اور بیمار داروں نے جس شکل کو اس وقت قسم کے لباس کو دیکھا ہے وہ پہلے اس سے آشنا تھے مگر بعد میں ملاقات کے وقت سبب باتین صحیح ثابت ہوئی ہیں بعض میں کسی دوست کی شکل دیکھی ہے مگر اس کا لباس ایسا نظر آیا ہے جس کا پہلو سے علم نہ تھا اور بعد میں صحت ہوئی ہے کہ اس وقت نظر آنے والے کا واقعی وہی لباس تھا۔ اور بعض

میں کسی شخص نے کسی فاصلہ پر خود کسی دوست کو اپنی شکل دکھانے کا ارادہ کیا ہے اور اسکو نظر آیا ہے اور یہ سب بیداری میں اور روشنی میں نظر آئے ہیں بلکہ بعض اوقات برقی روشنی میں یا دن کے وقت دکھائی دئے ہیں۔ اور ان کے بعد وہ ایسے واقعات جمع کرتے ہیں جن میں بہت سے لوگوں کو کسی کی خیالی طاقت کا جلوہ نظر آیا ہے۔ چنانچہ ان واقعات کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ :-

یہاں تک کہ وہی روحانی نقش ذکر ہوئے ہیں جو ایک شخص کو معلوم ہوئے اور اکثر وہ ایسی ہی ہے کہ محض ایک شخص کو تہائی میں نظر آئے ہیں کیونکہ دوسروں کی موجودگی میں جو باطنی مسرت ہوتی ہے وہ اکثر حالات میں ان واقعات کے لیے مناسب نہیں مسرت ہونے کا واقعہ جو اوپر درج ہوا ہے (جس میں ایک شخص کو دوسروں کی موجودگی میں مرنے والے کی شکل نظر آئی تھی) ایک مستثنیٰ واقعہ ہے۔ لیکن تاہم ایسا بھی واقعہ ہوا ہے کہ ایک ہی خیال دو یا زیادہ شخصوں کو نظر آیا ہے اور بعض دفعہ وہ معلوم کیے والے خود ہی ایک دوسرے سے فاصلہ پر ہوئے ہیں اور دونوں کو یہ خیال مختلف وضع سے نظر آیا ہے مثلاً سرکار جس جنس مقام پر سسٹنٹ ایڈمنٹرائز میں تھے اور ان کے بھائی ولیمٹ منسٹر میں جبکہ انھوں نے اپنے والد کے وفات کی شب کو غیر معمولی تجربہ دیکھا۔ سرکار جنس اس آواز سے چہ کہنے کہ ایک خوتا کہ واقعہ پیش آیا ہے "اور سٹر ہر ریڈ جنس جو یہاں تھے انھوں نے اپنا نام دو دفعہ سنا اور ایک بھاری چیز پیڑھیوں سے گرتی ہوئی سنائی دی۔ اور دیگر واقعات میں (اور اکثر قسم کے ہوتے ہیں) معلوم کرنے والے ایک جاچ ہوتے ہیں اور انکو خیال بھی ایک ہی شکل میں نظر آتا ہے۔ اگر کوئی ایک شکل کو دیکھتا ہے تو سب وہی شکل دیکھتے ہیں اور اگر ایک آواز سنتا ہے تو دوسرے بھی اتنی ہی سنتے ہیں چنانچہ اس سلسلے کی رپورٹ میں مجمع اشخاص کے ۹۵ نظارے لکھے گئے ہیں جن میں سے ۷۴ انسانی شکلوں کے تجربے ہیں اور ان میں ۲۴ ایسے واقعات ہیں جن کے نظر آنے والے زندہ اشخاص تھے۔



اور اس کے علاوہ اور واقعات جن میں کسی خاص مقام پر کوئی شکل عموماً نظر آتی ہے اور جن کو دیکھتے جن کہتے ہیں یا مردوں کی تروح فرض کی جاتی ہے ایسے واقعات کو وہ بابوں میں جمع کر کے مسٹر پڈ مور اپنی استدلال سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ عموماً خیالی قوت کا اثر ہوتا ہے اور بعض جگہ جہان کے لوگوں کو جنات پر یقین ہو سب کی خیالی طاقت اس شکل کو پیدا کرتی ہے اور بعض جگہ کسی ایک شخص کا خیال پیدا کرتا ہے اور دوسرے اس کے خیال کو محسوس کرتے ہیں۔

مسٹر جے ہڈسن اپنی کتاب میں ایک عنوان ”اشکال مردگان“ کا نام کرتے ہیں اور اس میں لکھتے ہیں:-

”یہ امر بالکل ثابت شدہ ہے کہ انسان کی تروح میں خیالی جسم پیدا کرنے کی طاقت موجود ہے جو دوسروں کے ظاہری حواس کو نظر اس کے اور بہت سی واقعات میں جن میں ایک ہی وقت پر بہت سے شخصوں نے خیالی اجسام دیکھے ہیں اور اکثر اس طرح نظر آئے ہیں کہ دیکھنے والے پوری صحت اور معمولی حالت میں تھے اور ایسی چیزوں کو نہ صرف انسانی نظر محسوس کرتی ہے بلکہ وہ ایسی جسم اور نمایاں ہوتی ہیں کہ ان کا عکس آئینہ میں آتا رہا جاسکتا ہے۔ گویہ ایسی وقت ہوتی ہیں جب خیال پوری قوت سے عمل کرے اور چونکہ ایسی قوت بڑی آرزو کی وجہ سے پیدا ہو سکتی ہے اور بے بڑی آرزو انسان کو مرنے کے وقت اپنے عزیزوں کو دیکھنے کی ہوتی ہے اور خصوصاً ایسے لوگوں کو جو تنہائی میں ناگہانی یا غلط فہمی میں اس وقت سخت حسرت ہوتی ہے کہ کاش ان کے دوستوں کو اس واقعہ کا علم ہوتا اور وہ اسکا تدارک کرنے میں ایسے اقدامات بہتر کرنے والوں ہی کے دیکھے گئے ہیں اور انکی اس وقت کی حسرت ان کے خیال کو مجسم کر کے انکے عزیزوں کو دکھا دیتی ہے یا کسی عرصہ تک اس نواح میں نظر آتی رہتی ہے جہاں موت واقع ہوئی ہو۔ اور اسی وجہ سے اکثر وہیں نگین اور افسرہ نظر آتی ہیں کیونکہ

لے۔ اب ہم دوسرے کتاب سسٹم میں۔

لے کتاب لائف سائیکک فیٹا منٹا باب بہتم غلامہ۔

دلت کا خیال یا الطبع افسوسناک ہوتا ہو اور اگر بعض اوقات زندہ لوگوں کی ٹھکیں بھی نظر آتی ہیں مگر ان کی طاقت کسی قدر کم ہوتی ہے اور سبب یہی کہ ان کی حسرت اس درجہ کی نہیں ہوتی جیسی مردے کے وقت ہو سکتی ہے۔

مردے کی شکل نظر آنے پر ایک گمان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاید یہ خیالی قوت نہ ہو بلکہ خود مردے کی روح نظر آتی ہو لیکن جن حالات میں زندہ شخص کی تصویر دوسرے مقام پر نظر آتی ہے یا جس وقت کسی شخص نے اپنے ارادہ سے کوئی شکل دوسرے کو دکھائی ہے اس وقت خود روح کے پاس کے گمان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ شہر ہڈی میں مردے کی شکل کو بھی خیالی قوت کا اثر ثابت کر سکتے ہیں اور لکھنؤ میں کچھ ”عمو“ نامہ دون کے ساتھ اونکا لباس اور کبھی گاڑی گھوڑا بھی نظر آیا ہے اور اس حال میں بگائی گھوڑے اور لباس کی روح نہیں فرض کر سکتے اور یہ عقیدہ صرف خیالی قوت کے اثر سے ملتا ہے تو انسان کی روح ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔

اگر اس بحث کو طول دینے کے بغیر بھی زندہ شخص خاص کا تجربہ خیالی قوت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے چنانچہ جو لوگ ارواح کا باقی رہنا اور ایک طرح کے جسم میں جس کو وہ اسٹول یا ڈی کہتے ہیں داخل ہونا مانتے ہیں وہ بھی انسان کی خیالی قوت کو انکار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ تھوہو سافیکل سوسائٹی کے مشہور ممبر مسٹر لیڈ بیٹر جو قیام ارواح کے بڑے حامی ہیں اپنی کتاب کا ایک باب خیالی اجسام کے ذکر پر وقف کرتے ہیں اور ایسے واقعات کو کثرت کے ساتھ جمع کر کے جن میں صرف خیال کا اثر مانا جا سکتا ہے خیالی جسم اور اسٹول جسم میں یہ فرق بتاتے ہیں کہ

اسٹول جسم اس وقت دوسروں کو نظر آ سکتا ہے جبکہ خالی جسم موت کے سبب ناپید ہو گیا ہو یا سخت مرض یا غلبہ خواب کے سبب بیکار ہو۔ اور جس وقت خالی سیدھی اور قوت کی حالت میں ہو اس وقت اگر وہ دوسروں کو کسی اور مقام پر نظر آئیگا تو خیالی جسم ہوگا۔

نیت و محبت کرنیوالوں میں	غرض دنیا کی اور چیزوں میں اگر چہ دیکھا جاتا ہے کہ کئی نیت میں ایک نیت ہی ہوتی ہے
شومراخت ہوتی چاہئے	موجود رہتا ہے مگر ان جسموں میں جو کہ خود غرض کے وقت شیعہ اور دیگر نیتوں میں

ہستی میں یا سونے میں خوفناک وزن کے ساتھ ہم کو دبا لیتے ہیں اور بیداری میں بھی چھپا نہیں چھوڑتے  
یا جو فاصلہ پر لوگوں کو نظر آتے ہیں۔ پھر سوتے ہیں۔ کبھی اشارہ کرتے ہیں۔ کبھی منہ سے ہوتے ہیں اور ان کی  
حرکات اور آواز کو ہم اپنے جسمانی حواس سے دیکھتے اور سنتے ہیں اور ان کا اثر نہ صرف انسان کو محسوس  
ہوتا ہے بلکہ خیال قوی ہونے کی صورت میں عکس آئینہ بھی ان سے متاثر ہو جاتا ہے یہ ایسے اجسام  
ہیں جو کسی فاعل نے نیست ہو چکے ہوتے ہیں۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہوا کہ ایسا فعل صرف شعور کی قوت  
ہی کر سکتی ہے پس دیکھنا یہ ہے کہ تغیرات عالم کو دیکھ کر اور ان کے متعلق تمام احتمالوں میں معلول کا بغیر  
حالت کے پیدا ہونا لازم آئے ہے ہر چیز میں حلت اولیٰ تک پہنچنے میں آیا اس میں علم و شعور کی صفت ثابت  
ہوتی ہے یا نہیں۔ سو جب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے تمام مظاہر میں ایک خاص مدعا اور انجام کو مد نظر رکھا  
گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک واقعہ پیش بینی اور مال اندیشی کے طور پر آفاقی ہوا ہے اور خواہ  
نتائج اور فائدے کیسے ہی ایسی ترتیب اور کتنے ہی بڑے عرصہ میں ظاہر ہوتے ہوں مگر ہر چیز کی فطرت میں  
وہ قابلیت پہلے سے رکھی گئی ہے جس کا ظہور لاکھ سال کے بعد ہوتا ہے اور اس امر واقعہ سے منکرین  
خدا کو بھی انکار نہیں ہو سکتا تو معلوم ہوتا ہے کہ جس ہستی سے یہ مظاہر پیدا ہوئے ہیں وہ صفت علم سے  
متصف ہے اور نیز یہ کہ اگر وہ موجود ہے اور علم کی صفت بھی رکھتی ہے تو چونکہ اس کے کام انسان کے کاموں  
سے بے انتہا عظمت اور قوت رکھتے ہیں اس لیے اس کا علم و شعور بھی انسانی شعور سے بے انتہا زیادہ  
ہو گا۔ اور جب انسان اپنے خیال سے نظریں آئینہ لایق جسم بغیر باوہ کے پیدا کر سکتا ہے تو وہ ہستی بھی اپنے  
لئے مطلق برائی کے سامنے نیست ہو چکے کر نیکی مثال میں نہ خیالات نئی حرکات اور جسمانی چیزوں کے نئے نمونے  
پیش کئے گئے تو جس کے جواب میں وہ دیکھتے ہیں رزق تھن کو جس شکست بک صفحہ ۲۹ ص ۱۸۷ء) کہ یہ چیز کا پیدا کرنا نہیں  
بلکہ صفت کا پیدا کرنا ہے۔ مگر انہوں نے کہا کہ خیالی اجسام کو کسی نے پیش نہ کیا۔ نیز وہ دیکھتے کہ یہاں کسی موجود چیز کی صفت  
پیدا نہیں ہوئی بلکہ خود چیز کو نیست ہو چکے کر نیکی مثال میں نہ خیالات نئی حرکات اور جسمانی چیزوں کے نئے نمونے  
پیش کئے گئے تو جس کے جواب میں وہ دیکھتے ہیں رزق تھن کو جس شکست بک صفحہ ۲۹ ص ۱۸۷ء) کہ یہ چیز کا پیدا کرنا نہیں  
بلکہ صفت کا پیدا کرنا ہے۔ مگر انہوں نے کہا کہ خیالی اجسام کو کسی نے پیش نہ کیا۔ نیز وہ دیکھتے کہ یہاں کسی موجود چیز کی صفت  
پیدا نہیں ہوئی بلکہ خود چیز کو نیست ہو چکے کر نیکی مثال میں نہ خیالات نئی حرکات اور جسمانی چیزوں کے نئے نمونے

لئے ڈاکٹر علی استدلال تھن کے نام سے اس صفت کو امور دنیا میں علم ہوتا ہے اور دیکھتے ہیں کہ ایک طریقہ ایسا ہے  
جس سے خدا کی نسبت گمان غالب پیدا ہوتا ہے (لاحظہ ہو ایسیسے سے بحث مذکور)

علم سے بغیر مادہ کے نظر میں آنے کے لائق ہشیا ہے بڑھکر پیدا کر سکتی ہوگی اور جب انسان ایسے بے مادہ جسم کو جس کرنے کے لائق اور حرکت کرنے اور بوسلنے کے لائق بنا سکتا ہے تو وہ ہستی بھی ان اشیاء کو انسان سے بہت زیادہ محسوسیت حرکت آواز اور اثر کے لائق بنا سکتی ہوگی۔

خیال کی پیدائش وہی اوستا | پس علم خدا سے بغیر مادہ کے پیدا ہونے کی نظیر خود انسان کے اندر  
کھتی جو مادی مخلوق میں ہیں | ایسی موجود ہے کہ اس میں اور انقلابات عالم میں تفاوت محض درجہ کا  
ہے نہ قسم کا۔ کیونکہ اگر خیالی جسم محسوس نہیں ہوتا بلکہ محض اسکی شکل وزن یا آواز محسوس ہوتی ہے  
تو اسی طرح کائنات کا مادہ بھی کبھی براہ راست محسوس نہیں ہوتا اور صرف اس کا رنگ وزن اور  
دیگر صفات محسوس ہوتی ہیں اور جب طرح یہاں صفات سے مادہ پرستدلال کیا جاتا ہے اسی طرح شکل  
وزن وغیرہ سے خیالی جسم پرستدلال ہو سکتا ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ خیالی جسم معدوم ہو جاتا ہے  
گردنیوی مادہ معدوم نہیں ہو سکتا تو یہ بھی ایک دھوکا ہو گا کیونکہ خیالی جسم بھی جی معدوم ہوتا ہے کہ خیالی قوت  
ختم ہو جائے یا خود خیال کرنیوالا اپنے خیال کو بدل دے یا بعض حالات میں کوئی ہی قوت کا دوسرا خیال  
مخالف اثر پیدا کرے۔ درمیان حالات کے بغیر اگر کوئی دوسرا شخص کیلی خیالی تصویر کو نابود کرنا چاہے تو نہیں  
ہو سکتی اور اسی لئے تجربہ ہوا ہے کہ بعض اوقات کوئی خیالی جسم سالہا سال تک قائم رہا ہے اور لوگوں کے  
بنائے کچھ نہیں بنی اور یہی حال مادہ کا ہے کہ وہ بھی ہماری ضعیف قوت سے معدوم نہیں ہو سکتا کیونکہ  
ہم سے بے انتہا زیادہ قوی ہستی نے اسکو موجود کیا ہے۔ اور جس علم نے اسے موجود کیا ہے وہ اگر چاہے  
جب بھی معدوم نہ ہو سکیگا اسکی کوئی دلیل نہیں۔

غرض انسان آنکھ کھول کر دوسری چیزوں کو دیکھنا شروع کر دیتا ہے اور خود اپنے تئیں نہیں دیکھتا  
اسکی قدر کہ نشان اس عالم اصغر یعنی انسان میں یعنی عالم اکبر سے زیادہ نظر آ سکتے ہیں  
وَفِي الْأَكْثَرِ آيَاتٌ لِلَّذِينَ يَعْقِلُونَ وَفِي أَنْفُسِكُمْ  
أَفَلَا تَبْصُرُونَ (ذاریات پارت ۷)  
سَبِّحْهُمْ أَيَاتُنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي الْغُصْنِ  
ہم ان کو اپنے نشانات دیتا ہیں دکھاتے ہیں اور خود انکے  
زمین پر یقین کرنے والوں کے لئے نشان ہیں اور  
خود تمہارے اندر ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ الْعَلِيُّ

نفوس میں تا ان کو معلوم ہو کہ وہ ذات حق ہے۔

(رحمہ سبحانہ ۲۵۸ ع ۸)

سبحان حادث اور علت قدیم | ان نفاذ کو دیکھتے ہوئے اگرچہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح پر انسان چھوٹے پیمانہ پر اپنی خیالی طاقت سے انسان کا اور اس کے لباس اور دیگر اشیا کا جسم اور جسم کے خواہش یعنی محسوسیت وغیرہ کو نسبت دیتا ہے اسی طرح ہر خدا نے بڑے پیمانہ پر اپنی علمی طاقت سے مادہ اور اس کے خواہش کو پیدا کر دیا ہے مگر ابھی اس خیال کو صحیح سمجھنے سے پہلے چند امور کا لحاظ کرنا بھی ضرور ہے اذاجملہ ایک یا اعتراض ہے کہ خدا قدیم ہے اس لئے اگر وہ اور اس کا علم اس عالم کی علت ہو تو لازم تھا کہ عالم قدیم سے ہوتا حالانکہ عالم جدید دیکھتے ہیں اس کے حادث ہونے کی علامات خود اس کے اندر بشیاء موجود ہیں اور اگر اس عالم کے بننے اور گرنے کے سلسلہ کو رد کیا جائے اور کہا جائے کہ موجود عالم سے پہلے بھی بشیاء عالم بن بن کرتا رہا ہے چکے تو اول تو اس عالم میں اسکی شہادت موجود نہیں اور دوسرے اس سے پیشتر کے مفروضہ عوالم چونکہ بن بن کرتے فنا ہو گئے ہیں اس لئے وہ بھی ضرورت حادث ہونے کیونکہ قدیم کے فنا ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اس لئے ضرور ہے کہ کسب کی وقت میں اس سلسلہ کو شروع کیا گیا ہے پس اس شروع کے وقت کا خیال جاکہ امتزاج ہوتا ہے کہ جو چیز پہلے ابودھنی اسکو موجود کرنے کی علت کیا ہوئی اور اگر کہا جائے کہ خدا ہی ارادہ ہے اس لئے ایک وقت پر اس نے اپنے ارادہ سے عالم کو پیدا کر دیا تب بھی سلول ہوتا ہے کہ اس وقت پر ارادہ کے پیدا ہونے کا کیا سبب ہوا۔ اور اس بنا پر اگرچہ خدا قدیم ہے اور اگرچہ اسکی علمی قوت نسبت سے بہت کرنے کے لئے کافی ہے مگر یہ بھی نسبت سے بہت ہونے کی صورت پر سے اعتراض دور نہیں ہوتا۔

اس اعتراض کو ہمارے زمانہ کے ایک بڑے فاضل نے لایمیل نام ہے اور بظاہر ان الفاظ میں شک بھی ایسی ہے کہ عقل ایک دفعہ ضرور چکر کھا جاتی ہے مگر تعجب یہ ہے کہ ہی بزرگ اس اعتراض کو وحدت وجود سے ملک چل شہ رگوانتے ہیں حالانکہ غور کیا جائے تو وحدت وجود کو مانکر یہ اعتراض اور بھی قوی

۱۵ یعنی علامہ شبلی نعمانی۔ علامہ ہوتنہ زکریا مولانا روم۔ بحث وحدت وجود۔

ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تعینات جن میں وحدت وجود والے خود ذات باری کو ظہور کرتے ہوئے مانتے ہیں وحدت وجود کو مان کر بھی حادث میں اس لئے نیست و نیست کرنے میں توانا ہی اعتراض تھا کہ جب پہلے نہ کیا تھا تو اس وقت ایسا کیوں کیا اگر وحدت وجود کی صورت میں ایک تو یہی سؤل باقی رہتا ہے کہ جب پہلے تعینات کو اختیار نہیں کیا تھا تو اس وقت کیوں کیا؟ اور کس سؤل سے سوال یہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنی کمال اور مطلق ذات کو نقص اور قید کی آلائشوں سے کیوں آلودہ کیا اور ناقص چیز کو پیدا کرنا تو بچہ بھی کمتر ہے وہ ذات خود کیوں پاک سے ناپاک ہو گئی۔ اس لئے اگر یہ اعتراض پیدا کرنے کی صورت میں لایحل ہے تو ذات کے ظہور کرنے میں لایحل سے بھی بہت بڑھ کر ہے۔ مگر اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس اعتراض میں کس قدر قوت ہو۔

اس اعتراض کی بناء اس سؤل پر ہے کہ جس وقت کوئی کامل علت موجود ہے اس کے معلول کو بھی کسی وقت موجود نہ ہونا چاہئے اور اگر معلول اسی وقت موجود نہ ہو بلکہ کچھ عرصہ بعد ہو تو ایسے معلول کے لئے اس علت کو کامل نہیں کہنا چاہئے بلکہ کوئی اور علت بھی تلاش کرنی چاہئے مثلاً اگر حرکت حرارت پیدا کرنے کے لئے کامل علت ہے تو جس وقت حرکت موجود ہو اسی وقت حرارت بھی موجود ہونی چاہئے اور اگر کوئی دائمہ طاقت ہے ہی حرارت محسوس نہیں ہوتی بلکہ پہلے سردی معلوم ہوتی ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محض حرکت کا وجود حرارت پیدا کرنے کیلئے کافی نہیں بلکہ حرکت کا موجود ہو کر کچھ عرصہ تک قائم رہنا یا سخت حرکت کے بعد دفعۃً سکون پیدا ہونا یہ شرطیں ہیں جن کے ساتھ حرکت حرکت پیدا ہوتی ہے اور اس لئے کامل علت اس صورت میں حرکت اور حرکت کا استمرار یا حرکت کے بعد سکون کا طاری ہونا چاہیے کیونکہ اگر بالکل درست ہے مگر اسکو سمجھنے میں کسی قدر فروگزاشت بھی ہوتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ایک اور مثال کی ضرورت ہو۔

ایک کاریگر کلاک بنانا ہے اور بنانے کے بعد اسکو چلاتا ہے اب اگر فرض کیا جائے کہ اس نے بارہ بج کے پانچ منٹ پر کلاک کو کوک دی ہے تو وہ ٹاک ٹاک اسی وقت ہی کرنے لگے گا لیکن ایک بجنے کی آواز کا فعل پانچ منٹ بعد پیدا ہوگا اور دو کی آواز پانچ منٹ کم دو گھنٹہ بعد اور علی ہذا بارہ

کی آواز پانچ منٹ کم بارہ گھنٹہ میں ظہور پذیر ہوگی۔ اب ظاہر ہے کہ کلاک کی ٹپک ٹپک کی علت اور گھنٹوں کی آواز کی علت وہی کارگیر اور اسکی کوک فنی مگر معلول ایک اسی وقت پیدا ہو گیا ہے تو دوسرے کچھ عرصہ بعد پس کیا نہ کو رہ بالا کلبہ اس وقت غلط ہو گیا؟ اور کیا ثابت ہو گیا کہ معلول علت سے کچھ عرصہ بعد بھی پیدا ہوا کرتا ہے؟ نہیں۔ وہ تو غیر سلسلہ نہیں بلکہ اسکی صورتیں دو ہیں کہی تو ایک علت کے لیے کسی دوسری مستقل علت کی ضرورت ہوتی ہے اور کہی کامل علت ایک ہی ہوتی ہے مگر فعل کی فطرت اسی ہوتی ہے کہ اسکا ظہور کچھ عرصہ کے بعد ہو چنانچہ کلاک کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ بجھنے کی آواز ضروری کی مقدار دو پر میں پیدا ہو اور اگر فعل کی فطرت کو دوسری علت کہا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور مضمون بحث کو سمجھنے میں وقت نہ ہوگی چنانچہ اس عالم کو حادث یا کثر اور اسکی کامل علت علم خدا کو گردان کریم کہہ سکتے ہیں کہ بیشک خدا قدیم ہے اور اسکی صفات بھی قدیم ہیں لہذا اسکا علم بھی قدیم ہے اور یہی علم غلط نہیں ہو سکتا یہی علم کمال انبیا کے واقعہ کو غلطی سے سمجھ سکتے ہیں کہ وہ توحید ہو گیا لیکن اگر خدا کا علم قدیم ہے تو اس کے بھی معنی ہیں کہ وہ قدیم ہے ہر زمانہ کو جانتا ہے اور ہر زمانہ کی چیزیں کو علم میں ہی زمانہ کے ساتھ جانتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو بلکہ وہ دو سال بعد آنے والی چیز کو جانتا ہو کہ دو سال پہلے گزری چکی یا اگر اس کو علم ہی حجب ہو تا ہو حجب کوئی چیز موجود ہو جائے تو وہ معاذ اللہ عالم نہ ہوگا جاہل ہوگا حالانکہ دنیا کی ساخت شہادت دیتی ہے کہ اس کو ہر ایک نتیجہ کا پہلے سو علم ہے اسلئے جب قدیم سے اسکا علم ہی اس طرح ہوگا کہ یہ کائنات ایک خاص وقت میں موجود ہوئی تو اس طرح کلاک کے نیچر میں داخل ہے کہ گھنٹہ کی آواز چلنے کے بعد ایک خاص وقت پر ہوا ہی طرح پر اس علم کے نیچر میں داخل ہے کہ دنیا کا وجود علم کے بعد ایک خاص وقت پر ہو۔ اور جب آواز کے لیے کلاک کی فطرت کے سوا کسی اور علت کی ضرورت نہیں تو حادث دنیا کے لیے بھی علم کی فطرت کے سوا کسی اور علت کی ضرورت نہ ہوگی پس خدا کہو۔ خدا کا علم کہو۔ علم کی فطرت کہو غلطوں کا تفاوت ہوگا اور مطلب ایک ہی رہے گا کہ ایک کامل ہستی نے دنیا کو نیت سے درست کیا ہے یا زیادہ سے زیادہ برون کہو کہ کائنات اس کے علم میں قدیم سے تھی اور ظہور بعد میں ہو جس طرح پر گھنٹہ کی آواز کلاک میں پہلے سے

تھی مگر اس کا تصور عین ہوا۔ لیکن جس طرح پر انسان کی خیالی مخلوق جو کسی کو نظر آتی ہے خیال کرنے والے کی اتنا کا عین نہیں ہوتی اور نہیں کہہ سکتے کہ وہی انسان بعینہ اپنی تصویر اور اپنے لباس اور گاڑی گھوڑے کی تصویر عین گیا ہے بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے ان چیزوں کو اپنی خیالی سپید کردیا اور خود ان کے تصور کے لیے حشر بنایا۔ اسی طرح خدا کے علم کی مخلوق اسکی ذات کا عین ہو گئی

اس اعتراض کو ایک لفظ میں مٹا دینا سب سے پہلے یہ کہتا ہے کہ کتاب فرہٹ پر فہم پانچ باب دوم اقتباس میں شریعت میں (کمال علت ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر وہ علت ہو تو علت بننے سے پہلے بہین ہوتی ہے) کی ہر گز جس کو علت بن کر پورا کیا پس علت بننے سے پہلے مکمل نہ ہوگا۔ اس اعتراض کا جواب یہی ہے کہ اگرچہ سے ہو سکتا ہے کہ جب کلاک کی طرح علم کی چیز ہی تھی کہ اسکی قوت مخلوقات کو ایک خاص وقت پر پیدا کرے تو اگرچہ اس وقت ایک کامل ہستی حادث مخلوقات کی علت ہوئی مگر اس عجیب طرح کی مخلوقات کے سبب ہونے پر اسکی بات میں کوئی اضافہ لازم نہیں آیا کیونکہ مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اس کے علم کی یہی شکل تھی کہ مخلوقات ایک وقت پر موجود ہوں اور اس سے پہلے معدوم ہوں اور مخلوقات کو موجود ہونے پر بھی اسکا علم یہی ہے کہ مخلوقات ایک وقت پر ہوں مگر اس سے پہلے معدوم ہوں۔ غرض علم پہلے بھی مکمل تھا اور اب بھی وہی طرح کا مکمل ہے جس طرح کلاک گھٹنے کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے پہلے بھی مکمل تھا اور بعد بھی مکمل ہے اس طرح کا مکمل ہونا اسکی علت ہونا اور نیز قدیم کو کامل ہونے کی تین باتیں نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب امام غزالی علیہ الرحمۃ نے فرمایا اسی طرح پر دیکھو۔ چنانچہ فرماتے ہیں (کتاب تائید العقائد) بحث قدم عالم کہ جو شخص کہتا ہے کہ عالم حادث ہوا اور وہ پیدا ہوا ہے خدا کے قدیم ارادہ سے اور ارادہ قدیم سے یہی تھا کہ ایک خاص وقت پر عالم پیدا ہو گا چنانچہ جتنا کہ اس کے ارادہ میں عالم کا عدم تھا وہ معدوم ہوا اور جب وقت ارادہ میں عالم کا وجود تھا اسی ارادہ سے وہ موجود ہو گیا تو اس عقیدہ پر کیا اعتراض ہے؟ اور پھر خود ہی امام موصوف متکثرین کی طرف سے اس عقیدہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ حادث کے لئے کوئی موجب اور سبب ہوا کرتا ہے اور جس طرح پر حادث کا بنیہ موجب اور سبب کے پیدا ہونا محال ہے اسی طرح ایسے موجب کا وجود بھی محال ہے جس کے تمام غلطی اور لازم موجود ہوں گے کہ کسی امر کا انتظار باقی نہ ہو اور پھر اسکا معلول اس سے متاخر ہے۔ اور اسی وقت موجود ہوا



اور نہ کہ سکین گے کہ وہی ذات بعینہ ان تعینات میں جلوہ گر ہے بلکہ ہی کہا جائیگا کہ اس نے ان چیزوں کو اپنے علم سے پیدا کر دیا اور خود ان کے طور کا حشر تہہ بنا اور یہاں وہ وقت پیش نہ آئیگی جو وحدت وجود میں لازم آتی ہے کہ ایک کامل اور بے عیب ذات خود تعینات کے نقص اور عیب سے آزاد ہو۔ اور اگر کوئی وحدت وجود کا حامی خدا کو اسی طرح کا حشر تہہ گردانا ہو اور تعینات میں اس کا ایسا ظہور فرض نہ کرنا جو جس طرح پلانٹ

پس علم کے لئے جو چیزیں پیدا نہیں ہوتی جو قدیم سے موجود تھیں۔ کیونکہ انہیں سے کسی کو نوپا ماننا خدا کی ذات میں تغیرات کو ثابت کرنا ہے۔ تو اب ارادہ کا مدعا یعنی عالم کیوں قدیم سے موجود نہ ہوا۔ حالانکہ عالم کے پیدا ہونے کا وقت اور اس سے پیشتر کا وقت یکساں ہیں اور کیونکہ جو سے تفاوت نہیں۔ اس اعتراض کے بعد امام صاحب ایسے ارادہ کو جو قدیم سے ایک خاص وقت پر پیدا کرنے کے لیے ہو محال نہیں مانتے مگر تفسیر ابن رشد رکھتا۔ تہا قد انتہا نہ بحث قدم عالم اگرچہ اصل اعتراض کو ضعیف سمجھتے ہیں اور اپنے مسلک کے مطابق اس کا جواب دیتے ہیں لیکن امام صاحب کے جواب کو سفسطہ اور وہوکہ قرار دیتے ہیں اور ان کے رد کی طرف سے جو اعتراض امام صاحب نے پیش کیا ہے اس کو بلیغ غایت الیہ بیان یعنی نہایت ہی جریح اور صاف بتاتے ہیں اور بیشک اگر عالم کی پیدائش اسی طرح فرض کی جائے جیسی مادہ اور خدا دو کو قدیم ماننے سے لازم آتی ہے۔ اور جیسے ہم کوئی مکان موجودہ مصلح سے بنایا کرتے ہیں تو پہلے ہمارے دل میں اس کو ایک خاص وقت پر بنانا ہی کا ارادہ ہوتا ہے اور پھر اس وقت کے آجائے پر عزم پیدا ہوتا ہے اور اسکے بعد وہ فعل ظہور کرتا ہے جس سے مکان بن جاتا ہے اور اس صورت میں پہلے ارادہ کے سوا مکان بنانے کے وقت ایک عزم نہ پیدا ہوتا ہے اور پھر ایک فعل پیدا ہوتا ہے اگر خدا نے اسی طرح عالم کو بنایا ہو تو بیشک اسی ذات میں عزم اور فعل کی نئی صفت پیدا ہوئی جو پہلے سے نہ تھی۔ لیکن جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے پیدائش عالم کی یہ صورت نہیں بلکہ اسکی پیدائش قوت علم سے ہے اور تجربہ سے قوت علم کا یہ خاص ثابت ہوا ہے کہ اس میں ایک خاص وقت کے لئے اس مقصد کا بنیاد قائم ہو وقت آنے پر وہ واقعہ موجود ہو جاتا ہے اور اسکے لئے کسی عزم اور نئے فعل کی ضرورت نہیں ہوتی پس جب خدا کے عزم و قوت تھا کہ ایک وقت تھا کہ یہ عالم موجود ہو گا تو عالم اسی علم کی قوت سے ہی اپنے وقت پر پیدا ہو گیا ہے اور یہ اسوئیک

مطلق زید و عمر میں ظہور کرتا ہے تو بیشک ایسی وحدت وجود پر مذکورہ بالا اعتراض اڑو نہ ہوگا۔  
لیکن اس وقت بحث صرف لفظی رہ جائیگی اور پیدائش کے عقیدہ میں اور ایسی وحدت وجود میں  
کچھ اختلاف نہ ہوگا۔

وحدت شہود | بعض مسلمان فاضلین نے وحدت وجود کے خلاف ایک اور خیال قائم کیا ہے

وقت اسکی ذات میں کسی جدید صفت اور کسی تغیر کا وجود لازم نہیں آیا اور علم کی یہ صورت فرض کرنے پر  
متکثرین کا یہ اعتراض کہ جب کوئی نسبت اور کوئی سبب نیا پیدا نہیں ہوا اور سب کچھ قدیم سے تھا تو عالم قدیم  
سے کیوں نہ ہو کسی طرح بے غایتہ البیان کہلانے کا مستحق نہیں کیونکہ علم اور مخلوقات کے بالنسبت  
ہی ایسی ہے کہ گو علم قدیم سے ہو مگر اس علم سے مخلوقات خاص وقت سے پہلے پیدا نہیں ہو سکتی۔

البتہ امام علیہ الرحمہ متکثرین کی طرف سے ایک خاص وقت کی نسبت ایک اعتراض پیدا کرتے ہیں  
اور وہ یہ کہ خدا کے لئے یہ وقت جس میں عالم کو پیدا کیا اور اس سے قبل اور ابعد کا زمانہ برابر تھا پس  
کیا وہ بھی جس سے اس وقت خاص کو دوسرے وقتوں پر ترجیح ہوئی اور اگر کہو کہ خود ارادہ نے ایک

وقت کو چن لیا تو ہم کہتے ہیں کہ ارادہ نے دوساوی وقتوں میں سے ایک وقت کو کیوں ترجیح دی۔  
حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی کے سامنے کھانے کیلئے دوسب رکھے ہوئے ہیں اور وہ دونوں کو دیکھتے  
سنہ میں نہیں رکھ سکتا اور اس لیے کسی ایک کو پہلے کھانے کے لئے اٹھا تا ہے تو اس وقت یا تو ایک دوسرے

کی نسبت زیادہ بچہ ہوتا ہے یا خوش رنگ ہوتا ہے یا اتمہ کے قریب ہوتا ہے اس لئے اسے پہلے اٹھا سکتا  
غرض کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے جس سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیکھائی ہے۔ تو جب تمام زمانے خدا کے  
تزدیک مساوی ہیں اور اس کے قدرت ہر زمانہ میں پیدا کر سکتی ہے تو ایک وقت کے لئے ارادہ کرنا اور دوسرے

وقت کو چھوڑنا بے وجہ ہے۔ امام صاحب جواب دیتے ہیں کہ اسی مثال میں یہی فرض کیا جاسکتا ہے کہ دونوں  
سبب بچگی اور رنگت اور تمام صفات میں مساوی معلوم ہوتے ہیں اور اس کے دہن اتمہ کو جو کام کے لئے  
جلدی حرکت کرتا ہے مرکز انکرا کے گرد ایک دائرہ فرض کیا جاسکتا ہے جس کے خط پر دونوں سبب رکھے

ہوں اور اتمہ کا دوسرا سبب کا فاصلہ مساوی ہو۔ اس وقت انسان کو بھی کوئی فرض کرنا تو ایسی صورت

جس کو وحدت شہود کہتے ہیں۔ اور جو عالم اسلامی مسئلہ یعنی نیست و هست ہونے کے خلاف نہیں بلکہ فلسفیانہ طرز سے اسکو قابل فہم بنا تا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ کچھ مقابل میں اسکی ضد ہوا کرتی ہے مثلاً علم کے مقابل میں جہالت اور نور کے مقابل میں ظلمت لیکن ایسی ضدیں عدم محض ہوتی ہیں یعنی جہالت علم کا عدم ہے اور ظلمت نور کا نہ ہونا پس ہی طرح خدا کی صفات کاملہ کے مقابل

میں کوئی ترجیح نہ ہونے کے سبب کیا وہ شخص حیران رہ جائیگا اور یہ جو اسکی گرفت میں آسکتے ہیں انکو دکھائیگا ؟ نتیجہ یقیناً غلط ہے بلکہ وہ ضرور ان میں سے ایک کو پہلے اٹھائیگا تو جو قوت اسوقت

میں سے ایک کو ترجیح دیتی ہے وہی ارادہ ہے اور خدا چونکہ صاحب ارادہ مانا جاتا ہے اس لئے دوسری قوتوں میں سے ایک کو ترجیح دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور اس وقت یہ کہنا کہ ارادہ نے کیوں ایک کو

انتخاب کیا بعینہ ایسا ہے جیسو کہا جائے کہ علم نے کسی چیز کی واقعی حالت کو کیوں پہچانا یعنی فضول چیز کو نہ علم کتنی ہی اہل تحقیق کو جن سے چیزوں کی واقعی شناخت ہو اسی طرح ارادہ کہتے ہی اس قوت کو جن میں سے

دوسری چیزوں میں سے ایک کو انتخاب کیا جائے۔ قاضی ابن رشد چونکہ امام صاحب کی کلام میں کہتے ہیں کہ فرض سمجھتے ہیں اسلئے اس جواب پر بھی فرماتے ہیں کہ قیلیل ہے کیونکہ جب دو چیزیں بالکل ہم

مثل فرض کیجائیں تو اس وقت ارادہ کرنے والی ایک کو اختیار کرنا ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا نہیں کیونکہ دو ہم مثل ہوں اور ہر ایک کو دوسرے پر ترجیح ہو۔ یہ بے معنی ہے بلکہ اس وقت وہ دونو کو ہم مثل

مانا ہے اور ہر ایک کو دوسرے کا بدل فرض کرتا ہو اور جانتا ہے کہ کوئی ہی چیز اٹھائی جائے مدعا پورا ہو جائیگا۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کونسا معنی صاحب نے اس پہنچ پہنچ سے کیا اعتراض پیدا کیا۔ دوسری

چیزوں میں نہ ایک کو اختیار کرنے پر اس فعل کو ترجیح کہو یا دو کو برابر ہو نا یہ ثابت ہو کہ ارادہ کی قوت سے دو ہم مثل چیزوں میں سے ایک کو لیا جاسکتا ہے اور اعتراض ہی تھا کہ خدا نے ہم مثل قوتوں میں سے ایک

کو کس طرح پر لیا پس ایک وقت کو ترجیح نہ بھی اس کو دوسرے وقت کے برابر سمجھ کر ایک کو اختیار کر لیا تو یہ وہی عمل ہوا جو وہ سبب کیسا نہ ہونے کی صورت میں انسان کرتا ہو اس لئے اس میں کوئی احتمال نہیں۔

لے اس بارہ میں ملاحظہ ہوں مکتوبات مرزا جاجا خانان اور مکتوبات خاخی شاداد علیہما الرحمہ۔

میں کئی ضدین یا اعدام ہونگے اور ان اعدام نے ہر ایک صفت کے مقابل ہونے کے سبب کسی قدر امتیاز حاصل کر لیا ہوگا مثلاً نہ ہونا ایک مطلق مفہوم ہے اور علم کا نہ ہونا یا قدرت کا نہ ہونا اس مطلق مفہوم کی متنازعوں ہیں۔ پس اس وقت ان اعدام متنازہ صفت خداوندی کا عکس اور پڑا ہوگا جب طرح سے انسان کا عکس آئینہ پر پڑتا ہے چنانچہ یہ کائنات وہی صفت خداوندی کا عکس یا عین جن میں اعدام متنازہ بشری مادہ کی عین اور کوس صفت نیز لہ صورت کے عین اور یہی وجہ ہے کہ یہ کائنات وجود اور عدم دونوں کی قابلیت رکھتی ہے اور یہی سبب ہے کہ اس سے خیر اور شر دونوں طرح کی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔

اس عقیدہ پر یہی اعتراف ضرور ہوتا ہے کہ کوئی چیز موجود ہوئی چاہے جس پر دوسری چیز کا عکس پڑے جس طرح سے انسان کے مقابل میں آئینہ موجود ہوتا ہے اور صفات کی ضدوں میں سے اگرچہ ایک صفت کا عدم دوسری صفت کے عدم سے ہمارے ذہن میں متنازع ہے لیکن خارج میں وہ سب معدوم محض میں ایسے عکس پڑنے کی قابلیت نہیں رکھتیں۔

اس اعتراف کا حل یونہی ہو سکتا ہے کہ پہلے علم کی قوت پر آشیا عالم وجود میں آئیں اور پھر ان پر صفات الہیہ کا عکس پڑ کر ان میں خیر اور بھلائی کی قابلیت پیدا ہوئی پس وحدت شہود میں اصلی اتمال دہی سلم خداوندی کی قوت پر آشیا کا نیست سہست ہونا ٹھہر گیا۔ اور یہ بدین دوسری بحث ہوگی کہ ان آشیا میں بھلائی اور بُرائی کیوں ہے جس کو حل کرنے کے لئے اس خیال کو پیش کیا جائیگا کہ چونکہ جیسے تیزین عدم سے وجود میں آئی ہیں اور عدم عیب ہے اس لئے ان میں یہی کمی قابلیت ہو اور چونکہ علم وغیرہ صفت خداوندی کا ان پر عکس پڑتا ہے اس لئے ان سے بھلائی صادر ہو سکتی ہے اور غالباً وحدت شہود والے بھی اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں کہ علم خداوندی نے

عرض خاص وقت کا اعتراف امام صاحب کی تقریر سے پورے طور پر چل ہو جاتا ہے اور خدا کے قدیم مادہ اور قدیم علم میں جن وقت پر عالم کا پیدا ہونا تھا اس وقت پیدا کرنے سے پیش کا مدعا پورا ہو جاتا ہے طرح دوسریوں میں سے ایک کو اٹھا لینے سے کھلنے کا مدعا پورا ہو گیا تھا۔ اور جب ایسے فعل کے لئے نظیر موجود ہے تو جواب کو تقابلاً کتنا تغلیط سے بھی بڑھ کر ہے۔

اضداد و صفات کو نسبت سے ہمت کر دیا ہے اور اس کے بعد ان پر صفات کا عکس پڑا ہے کیونکہ وہ اپنی تقریر میں صفات ربانی کا اس کے علم میں فصل اور ممتاز ہونا مانتے ہیں اور علم کی اس شکل کو مرتبہ واحدیت ہی موسوم کر کے اضداد و باہد گر ممتاز ہونے کے لیے اس مرتبہ کو سبب قرار دیتے ہیں۔

علم کے لیے کوئی معلوم ہونا چاہیے | عدم سے وجود میں آنا چونکہ علمی قوت پر منحصر ہے اس لیے علم کے متعلق ایک اور اعتراض بھی قابل غور ہے کہ علم اور معلوم باہم ایسا تعلق رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کے بغیر موجود نہیں ہو سکتا۔ عالم کسی معلوم کا عالم ہوگا اور معلوم کسی عالم کا معلوم ہوگا اور موجودات اپنی وقت سے پہلے معدوم تھیں اس لیے اس حال کا علم بھی نہ ہوگا۔

ہر ہر صفت سپنسراس پر اور اضافہ کرتے ہیں کہ خدا کا علم مخلوقات کے متعلق ایک طرف خدا کو جو اپنی ذات کا علم ہے وہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ شکر کیونکہ وہ خدا کی ذات پر منحصر ہوگا پس اس وقت مطلق صرف ذات کو کہہ سکتے ہیں اور علم مطلق نہ ہوگا۔

اس اعتراض کا جو حصہ مشر سپنسراس نے پیش کیا ہے اس میں ہر تقدیر الزام ہے کہ خدا کا علم خدا کی ذات پر منحصر ہے اور بیشک عام طور پر صفات کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ وہ ذات پر منحصر ہو لیکن ذات مطلق ہوا اور اسکی صفات مطلق نہ ہوں یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر اس بارہ میں تحقیق و تفتیش کو طول نہیں دے سکتے اس لیے کہ خدا اور اسکی ذات و صفات احاطہ عقل سے بالاتر ہیں اور خدا کی ذات اور اسکی علم کا سمجھ میں آنا ایک طرف خود مشر سپنسراس تسلیم کرتے ہیں کہ ہم کو جو اپنی ہستی کا علم ہے اسکی کیفیت بھی ناقابل فہمید ہے چنانچہ وہ اس بحث کو تفصیل سے لکھتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں کہ تمام علوم کی پہلی اور بنیادی شرط عالم و معلوم کا تعاقب (غیرت) ہی پس اپنا علم ہونے کی صورت میں آپ اگر معلوم ہے تو عالم کون ہوگا یا عالم اگر خود ہے تو علم کس چیز کا ہے۔ پس اس چیز کا تعین جو عالم ہے اور جسکی ہستی کا سب سے زیادہ یقین ہے ایک ایسا مقام ہے جو بالکل سمجھ میں نہیں آتا لیکن باوجود سمجھ سکنے کے جب ہم یقین ہے کہ ہم اپنی ذات اور صفات کا علم رکھتے ہیں تو اسی طرح خدا کو بھی اپنی ذات

اور صفات کا علم ہوگا مگر مخلوقات چونکہ قدیم سے موجود نہیں ہیں اس لیے علم خداوندی کا ان سے متعلق ہونا الہیہ غور طلب ہے۔ اور ہمارے اپنے علم کی کیفیت دیکھی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم عموماً اسی چیز کا علم حاصل کرتے ہیں جو موجود ہو اور جس چیز کا کسی قسم کا ہی وجود نہ ہو وہ ہمارے علم میں نہیں آ سکتی مگر اس قاعدے کو ذرا تفصیل دینے کی ضرورت ہے۔

علم کس چیز کا ہو سکتا ہے؟ ہم ایک تو ان چیزوں کا علم حاصل کرتے ہیں جو خارج میں موجود ہوں مثلاً یہ درو دیوار اور گھوڑا گاڑی جو خارج میں موجود ہیں ان کا تصور بھی ہمارے ذہن میں موجود ہے اور ایک ایسی چیز کا تصور بھی ہم کر سکتے ہیں جو خارج میں موجود تو نہیں مگر اسکی اہم کی مختلف مثالیں موجود ہیں مثلاً ہم ایک دیو کا تصور کر سکتے ہیں جسکی انگارہ سی آنکھیں ہوں آسمان سے لگا ہو مگر بھارت کا کھلا ہوا منہ ہو اور پچاڑے ہوئے ہونے دانت ہوں اور ورت جیسے ہاتھوں سے ہم کو پکڑنے کے لئے لپکے۔ ایسا جو خارج میں دیکھا نہیں گیا مگر ایسی چیزیں موجود ہیں جن کو اس کے اعضاء کو تشبیہ و مکرہ سے خیالی وجود قائم کر لیا ہے۔ اور ایک ایسی چیز کا تصور بھی ہم کر سکتے ہیں جو نہ خود خارج میں موجود ہو اور نہ کسی قسم کی اسکی ناقص تشبیہ موجود ہو مگر اسکی ضد ہمارے تصور میں ہو مثلاً ایک مادر زاد نابینا روشنی کا تصور کر سکتا ہے حالانکہ اس نے خارج میں کبھی روشنی کو نہیں دیکھا اور وہ تصور اس لئے کر سکتا ہے کہ اسکی ضد یعنی تاریکی اس کے علم میں موجود ہے جس سے وہ خیال جما سکتا ہے کہ اس کا نہ ہونا روشنی ہے اور یہ ضد سے دوسری ضد کا علم صرف نابینا پر منحصر نہیں بلکہ علمی دنیا میں اکثر تحقیقات کی بنیاد اسی قسم کے تصور پر ہے۔ ہم نے جب سو دیکھنا شروع کیا ہے بلکہ جب سے ہماری تاریخ اور تجربہ نے دیکھنا شروع کیا ہے ہم نے زمین کی یہی شکل دیکھی ہے پس یہی ضد کو تصور کر سکنے کی طاقت کا کرشمہ ہے جس سے ہم خیال کر سکے کہ زمین جو اس وقت ٹھوس ہے کبھی سیال یا گیس کی شکل میں تھی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ کبھی یہ سرے سے موجود ہی نہ ہوگی۔ پس ہم نے جو زمین کے سیال یا معدوم ہونے کا تصور کیا ہے ایسا تصور ہے جس کا موضوع ہم کو خارج میں کبھی نظر نہیں آیا اور جو کچھ دیکھا ہے وہ سیال یا معدوم ہونے کی ضد ہے پس ہم نے دیکھا کہ اسی ضد سے

ہم کو دوسری ضد کا تصور پیدا ہو گیا۔ اور اسی طرح چاند سورج جو خارج مین ہم کو اسی شکل میں نظر آتے ہیں ہم ان کے وجود کی ضد بھی تصور کر سکتے ہیں اور نہ صرف کر سکتے ہیں بلکہ عنوانات کو دیکھنے کے بعد ایسا یقین بھی رکھتے ہیں کہ ایک وقت مین فضا کی بساط پر یہ روشنی ٹھہرے بیچنے ہوئے نہ تھے۔ اور تو اور خود اس اعتراض مین جو مخلوقات کے معدوم ہونے کے وقت خدا کے علم کی وجہ دریافت کی جاتی ہے اس وقت مخلوقات کے معدوم ہونے کا تصور خود ہماری اس تصور کی طاقت کو ثابت کرتا ہے جس سے ہم نے موجودات کے موجود ہونے سے انکی ضد یعنی عدم کا خیال قائم کیا۔

خدا کا علم کو کون خیال مین | پس علم کا قاعدہ یہ معلوم ہوا کہ کوئی چیز خارج مین خود موجود ہو یا انکی تشبیہ  
موجود ہو یا انکی ضد موجود ہو ان سب صورتوں مین ہم اسکا تصور کر سکتے  
آسکتا ہے؟

ہیں۔ اب اگر خدا کے علم مین اتنی ہی طاقت مانی جاوے جتنی انسان مین ہے تب بھی چونکہ خدا کو اپنی ذات کا علم ہے اپنی صفات کا علم ہے اور وہ سب عدم ذات اور عدم صفات کے اعداد مین اسلئے عدم کا بھی علم ہوگا اور علاوہ براین صفات کے علم کا سو اس کے کوئی مطلب نہیں کہ وہ سب اپنے عدم سے ممتاز مین مثلاً قدرت کا علم بھی ہوگا کہ وہ عجز نہیں ہے اور وجود کا علم بھی ہوگا کہ وہ عدم نہیں علم کا علم بھی ہوگا کہ وہ جہل نہیں۔ کیونکہ اگر اسکو قدرت اور عجز یا جہل اور عدم مین امتیاز ہی نہیں تو قدرت اور وجود کا علم بھی نہیں بلکہ جہل ہے پس صرف یہ ثابت ہوا کہ خدا کو اعداد صفات کا علم ہونا ممکن ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوا کہ اسکو ان اعداد کا ضرور علم ہوگا اور یہ عدم کا مقابل مین صفات ربانی مین یہی وہ مادہ ہے جس سے علمی قوت نے دنیا کو پیدا کیا اس لئے لازم نہیں آتا کہ ازل مین مخلوقات کی تصور کی کوئی وجہ موجود نہ تھی۔

پس جس طرح نابینا تاریکی کو دیکھ کر روشنی کا تصور کر سکتا ہے اور پھر اپنے علم کے موافق انکی کئی شکل فرض کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ اسکی صفات قائم کر سکتا ہے یا جس طرح سمیٹے زمین او آفتاب وغیرہ کے وجود سے ان کے عدم کا تصور کر لیتا ہے اور پھر اس عدم کی صورت کو پھیل کر اپنے زمین مین اس تمام مادے کو نیپو لائیٹ بنانے کے باول سے لیکر گیس اور ستارے اور ہر طرح

کی شکلیں پس ایسے کر لی ہیں اسی طرح ممکن ہے کہ علم خدا میں ان اعداد کی پھیلی ہوئی شکلیں موجود ہوں مثلاً عجز کے پھیلاؤ سے ایک عاجز مخلوق کی صورت اور اس پر قدرت کے عکس سے کسی قدر طاقت کا ظہور یا موت کے پھیلاؤ سے ایک بیجان مخلوق کی صورت اور صفت حیات کے عکس سے کسی قدر جان داری کا نشان یہ تصورات ہوں گے جن کو علمی قوت نے انسان کی خیالی تصویر کی طرح موجود کر لیا۔

غرض اہل وحدت شہود کی فلسفیانہ وقت نظر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ انھوں نے اسام ربانی کے ٹھیک منشا کو سمجھ کر اس کی بعض نکات کو اس خوبی سے حل کیا ہے کہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ ورنہ جن لوگوں نے اسی قسم کی وقتوں سے تنگ آکر خود خدا کو ان تعینات میں غور کرتے ہوئے مانا تھا وہ پاک ہستی کو ناپاک بنانے کے مرکب ہوئے اور جنہوں نے اُس کے ساتھ مادہ کو قدرت کا حصہ دیا تھا وہ دونوں میں ایک بے صفت مشترک مانکر دونوں کے مرکب ہونے اور اجزاء کے محتاج ہونے سے خدا اور مادہ کو واقع میں قدرت سے محروم کر نیا لے ٹھیرے اور باوجود اس کے علم کی کوئی وجہ پیدا نہ کر سکے۔ کیونکہ خواہ وہ ذات خداوندی خود ہی تعینات میں ظہور کرتی ہو مگر ذات کے مرتبہ میں یہ تعینات نہ تھے اس لیے اس وقت ذات کو ان تعینات کا علم ہو تو یہی اعتراض اُٹھتا ہے اور اسی طرح خواہ مادہ قدیم ہو مگر اس کی شکلیں خدا نے پیدا کی ہیں اسلئے اسے شکل مادہ موجود ہونے کے وقت خدا کو ان شکلوں کا علم ہو تو یہی وقت پیش آتی ہے حالانکہ خدا کا پہلے ہی عالم ہونا اس تمام نظام کی ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے پس اس کا حل سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا جو وحدت شہود نے پیش کیا ہے کہ یہ سب کھیل ہی علمی قوت کا ہے اور علمی قوت ایک خدا کے وجود کو دوسری خدا کی طرف جاسکتی ہے۔

خدا کی پہلی اور زمانہ و فضا کی نسبت اعتراض اور اس کی تحقیق۔  
ڈاکٹر رابرٹ اسپنسر نے جس قدر شکوک مذہبی احتمالوں کی نسبت قائم کئے ہیں ان کا میلان ان کے لا اور یہ اصول کے موافق اس جانب ہے کہ وہ خدا اور مخلوقات کے تعلق کو سمجھ نہیں سکتے ورنہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ باوجود سمجھ



سکھنے کے اقوال خدا اور مذہب کو تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں لیکن چونکہ نہ سمجھنے سو گمان ہو سکتا ہے کہ ان تعلقات کا یا خدا کا عقیدہ غلط ہو گا اس لئے جا بجا ان کے شکوک کو بطور اعتراض کے ذکر کیا گیا ہے چنانچہ ان میں ایک اعتراض اور قابل غور ہے۔ وہ موجودات عالم کی نسبت تین احتمال پیدا کرتے ہیں۔ ۱۔

(۱) قدیم سے اسی طرح موجود ہونگے

(۲) خود بخود پیدا ہو گئے ہونگے

(۳) یا کسی خدا نے ان کو پیدا کیا ہو گا

اور ان میں سے دوسرے احتمال کی نسبت وہی اعتراض کرتے ہیں جو پہلے اس اعتراض کے ضمن میں ذکر ہو چکا ہے کہ پیدا ہونے کے لئے کسی علت کا ہونا ضروری ہے ورنہ قانون علیت کا ماطل بنو لازم آئیگا۔ اور پہلے احتمال کی نسبت کہتے ہیں کہ تشریح سے موجود ہونے کے لئے غیر محدود مادہ فرض کرنا پڑیگا حالانکہ غیر محدود زمانہ ماضی کا سمجھنا ناممکن ہے۔ اور تیسرے احتمال یعنی خدا کی قدرت کو پیدا ہونے کی نسبت تین اعتراض کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ بغیر مادہ کے پیدا کرنے کی کوئی تفسیر نہیں اور اگر مادہ سے پیدا کیا ہو تو پھر اس مادہ کی نسبت بھی تین احتمال ہو سکتے ہیں اور ہر احتمال پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جس فضا میں یہ دنیا ہے وہ کہاں سے آئی۔ اگر فضا کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے تو مخلوقات سے پہلے فضا بھی نہ ہوگی حالانکہ ہم فضا کے نہ ہونے کو سمجھ نہیں سکتے اور تیسرے یہ کہ دنیا تو الّا خود کہاں سے آئی۔ آیا وہ قدیم سے تھا یا خود بخود پیدا ہوا یا اس کو کسی اور خدا نے پیدا کیا۔

ان اعتراضات کے بعد وہ تینوں احتمالوں کو ناقابل فہم قرار دیتے ہیں اور یہی وجہ حیرت ہے کہ چونکہ پہلے اور تیسرے احتمال کی نسبت ان کا اعتراض صرف یہی ہے کہ وہ سمجھ سے باہر ہیں مگر دوسرے احتمال کی نسبت نہ سمجھ سکے کے علاوہ یہ اعتراض بھی ہے کہ وہ قانون علیت کو توڑتا ہے پس اگر پہلا اور تیسرا احتمال ایک دوسرے پر رکھا جائے تو دوسرا احتمال پھر بھی ان سے زیادہ مشکل اور ایک بڑی قانون قدرت کو توڑنے کے سبب قابل تک قرار دینا چاہئے تھا۔

اور پھر دیکھا جائے تو موجودات کے ہمیشہ سے ہونے پر جو پہلا احتمال ہے اور خدا کے ہمیشہ سے ہونے پر جو تیسرے احتمال سے لازم آتا ہے جو اعتراض وہ کرنے ہیں اسکا وزن بھی مساوی نہیں ہے یہ ضرور ہے کہ اگر موجودات عالم کے ہمیشہ سے موجود ہونے پر کوئی اور اعتراض وارد نہ ہوتا تو خدا کے اور موجودات کے ہمیشہ سے موجود ہونے پر صرف یہی اعتراض رہتا کہ ہم اسکو سمجھ نہیں سکتے اور اس صورت میں دونوں جگہ اعتراض کا وزن مساوی ہوتا مگر اب صورت یہ ہے کہ موجودات عالم کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ انکی حالت یوں مافیوفا اور لحظہ بہ لحظہ بدلتی جیتی ہے جتنی کہ ہماری عقل کی صحیح رفتار سے ثابت کر دیتا ہے کہ تمام زمین و آسمان ایک وقت پر اس صورت میں نہ تھے بلکہ جب سے یہ موجود ہیں اپنی شکلوں کو بدلتے رہے ہیں پس اگر یہ مخلوقات ہمیشہ مانی جائے تو سمجھ نہ سکتے کے علاوہ یہ بھی لازم آتا ہے کہ ان کے تغیرات بھی بغیر کسی علت کے خود بخود پیدا ہوتے ہیں اس لیے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس احتمال پر بھی قانون علیت کا باطل ہونا لازم آتا ہے اور اس وجہ سے اس احتمال پر جو اعتراض ہے وہ وزن میں دوسرے احتمال کے اعتراض سے مشابہت رکھتا ہے اور قانون دائمی کو توڑنے کو کسب اس احتمال کو بھی قابل ترک قرار دینا چاہئے۔

رہا خدا کے ہمیشہ سے ہونے پر اعتراض سو اب کی یہ صورت ہے کہ جس عقلی رفتار سے ہم اس مسئلہ پر پہنچے ہیں اس سے ماننا پڑتا ہے کہ خدا کی ذات ہمیشہ سے غیر متغیر اور کائنات کا کائنات ہے پس اسکو ہمیشہ سے ماننے پر قانون علیت کا ٹوٹنا لازم نہیں آتا اس لئے انکی نسبت صرف نہ سمجھ میں آسکا الزام باقی ہے۔ اور واقع میں ہماری محدود عقل خواہ آگے کی نسبت غور کرے خواہ پیچھے کی نسبت ایک حد تک جاکر تو تھک جاتی ہے اور آگے تاریکی کا ناقابل عبور پردہ عائل ہو جاتا ہے اور ہم ہمیشگی کو خواہ وہ مادی کی ہو یا مستقبل کی معین و مشخص طور پر اپنے ذہن میں حاضر نہیں کر سکتے گریہ بھی تو ہماری عقل کا ہی ناطق فیصلہ ہے کہ دو صدوں میں سے اگر ایک نہ ہو تو دوسری ضد ضرور موجود ہوگی مثلاً اگر روشنی موجود نہ ہو تو ضرور تاریکی موجود ہوگی اور اگر علم موجود نہ ہو تو ضرور تہل موجود ہوگا اور اس لئے عجیب ہم کسی موجود کے حادث ہونے کو ناممکن یقین کرتے ہیں تو ضرور ماننا پڑیگا کہ وہ قدیم ہوگا۔ اور نیز دنیا میں بہت سی چیزیں ہیں جن کو ہم

سمجھ نہیں سکتے چنانچہ حرکت کا وجود شعلہ کی رفتار اور ایسی بہت سی باتیں ہیں جن کو خود مسٹر سپنسر ناقابلِ فہمید ثابت کرتے ہیں مگر باوجود اس کے ہم حرکت اور رفتار شعلہ وغیرہ کو یقیناً موجود مانتے ہیں کیونکہ ان کو مانتے کے سوا چارہ نہیں اس لئے خدا کی ہمیشگی پر بھی باوجود نہ سمجھنے کے جب اسکے اقوال کے بغیر چارہ نہیں یقین کرنا پڑیگا۔ پس یہ اعتراض تیسرے احتمال کے متعلق کوئی وزن نہیں بھتا حالانکہ پہلے احتمال کی نسبت بوجہ غیرت کے ایسا بھاری ہے کہ اس میں شک نہ ہو سکتا۔

رہا دوسرا اعتراض کہ پیدا کرنے کی کوئی نظیر نہیں اسکی نسبت پہلے لکھا جا چکا ہے کہ انسان کی خیالی مخلوق بعینہ اسی شکل کی ہوتی ہے اور حیرت ہے کہ اس قابلِ تعظیم فلاسفر کی قوتِ واہمہ نے کونیا کے ہمیشہ سے ہونے کی نظیر پیدا کر لی اور ان لیا کہ اسکا نمونہ و خست جو خود موجود مکمل ہو جاتا ہے حالانکہ جو خست ہرگز خود موجود نہیں ہے بلکہ ہزار ہا قسم کی ارضی و سماوی اثر ہیں جو خست کو مکمل کرتے ہیں اور وہ خود نمونہ ناکر پھر نزدیک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیشہ سے ہونی کا مطلب یہ ہے کہ وہ بغیر شروع کے ہو پس جب اس قدر نقص موجود ہیں تو اس احتمال کو صاحبِ نظیر مرنے کی عزت نہیں معلوم کر خیال سے دی گئی ہے اور یہی حال دوسرے احتمال کی نظیر کا ہے کہ تجارتی بادل کا پیدا ہونا خود بخود پیدا ہونے کا نمونہ قرار دیتے ہیں حالانکہ پھر خود ہی کہتے ہیں کہ ”بادل پہلے بالکل معدوم تو نہ تھا“ اور دوسرے اسکو پیدا کرنے میں صرف تجارتی فاعل نہیں بلکہ آفتاب کی حرارت یا دگشت کا کم ہونے جانا بالائی کرہ کا سرد ہونا اور زمین کا کشش کرنا بہت سے فاعل ہیں جنہوں نے بخار کے ساتھ عمل کر کے بادل کو پیدا کیا ہے پس اسکو خود بخود پیدا ہونی کا نمونہ کہنا اور عدم سے وجود میں آنے کی نظیر سے کاٹوں پہا تھ دھرتی حیرت پر حیرت ہے حالانکہ جن چیزوں کو دنیا میں موجود کہا جاتا ہے وہ بھی محض عرضِ طول رنگ و وزن اور حرکت وغیرہ سے پہچانی جاتی ہیں ورنہ اصل چیز یعنی مادہ کو کسی نے نہیں دیکھا اور جو جسم انسان کا خیال پیدا کرتا ہے اس میں بھی طول عرض رنگ و وزن اور حرکت وغیرہ تمام جسمانی صفات ہوتی ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ خدا کا علم بڑا ہے اس لئے نیکی مخلوق بھی بڑی ہے اور انسان کا علم حقیر ہے اس لئے اس کی مخلوق بھی حقیر ہے پس اگر نظیر رکھو کی

عزت حاصل ہے تو صرف اسی احتمال کو نہ کسی اور کو۔ اور اس لئے ایسے فاضلوں کا ایسی واضح نظیر کو نہ دیکھنا تعجب ہو۔ مگر سچ ہے

گاہ باشد ز پیر دانشمند بر نیاند درست تدبیرے

غرض خدا کی حمد شکی کو ذہن کا معین نہ کر سکتا ذہن کے وسیع نہ ہونے کے سبب سے ہے اور اور اس لئے حقیقت میں یہ کوئی اعتراف نہیں جس سے خدا کا انکار لازم آئے۔ پیدائش کی نظیر کا نہ ہونا البتہ اعتراف تھا مگر نظیر موجود ہے اس لئے اس وقت جو امر غور طلب باقی ہے وہ خدا کے متعلق اعتراف ہے اور اس اعتراف پر خود مشر پسند کی تحریر سے بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ وہ خدا کے موجود ہونے کا یقین رکھتے ہیں مگر اس پر اعتراف بھی کرتے ہیں کہ

”اگر وہ خارج میں موجود ہوگی تو شے ہوگی اور ہر کوئی بتاتا ہے کہ اس کا شے ہونا ممکن ہے کیونکہ

شے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ صاحب صفات ہو کیونکہ شے کو لاشے کو ہم نسبت ہی اس طاقت سے

کرتے ہیں جو کوئی شے ہمارے علم پر اثر کرنے کے لیے رکھتی ہو اور جو اثر وہ ہمارے علم پر کرتی ہو اس کو لاشے کی صفت کہتے ہیں۔ اور ان صفات کا معدوم ہونا اس اصطلاح کا معدوم ہونا ہے جس سے

ہم اس شے کو تصور کرتے تھے اور اس طرح اس شے کا تصور ہی فنا ہو جاتا ہے۔ اب شے کے لئے

صفات کا ہونا لازمی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کوئی صفت نہیں رکھتی۔ خدا کی صفت پھیلاؤ ہو سکتا ہے

مگر خدا کی صفت خدا کہنے کے برابر ہے پس جب وہ کوئی صفت نہیں رکھتی تو اس کو شے کہنا بھی غلط

ہوگا۔ اب اگر وہ شے نہیں تو لاشے بھی نہیں ہو سکتی اور کسی اور شے کی صفت بھی نہیں ہو سکتی ورنہ

اس شے کے نہ ہونے سے اس کا عدم لازم آئے حالانکہ یہ معدوم خیال میں نہیں آ سکتی اور اگر یہ وجود

ذہنی ہو تو ذہن کے عدم سے معدوم ہونی چاہئے“

غرض یہ ہے غلامہ اس الجھن کا جو ڈاکٹر پسند کو خدا کے متعلق ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نہ خود

صفات رکھتی ہے اور نہ کسی اور چیز کی صفت ہو سکتی ہے اور نہ موجود ذہنی ہے اور موجود ہونے کی یہی تین

صدر ترین تصدیں مگر باوجود اس کے وہ موجود بھی ایسی ہے کہ اور سب چیزوں کو معدوم فرم کر سکتے ہیں مگر

اس کا معدوم ہونا کسی طرح خیال میں نہیں آتا البتہ اس کی نسبت ایک اور شکل سے بھی غور ہو سکتا ہے۔  
 شطرنج کا ایک گول تھر جس پر گھوڑے یا قیل کی شکل نہ بنی ہوئی ہو جب کسی جگہ رکھا ہو  
 اور فرض کیا جائے کہ اس کے پاس کوئی انسان بھی موجود نہیں تو اس مہرہ کا بسبب گول اور  
 بے تصور ہونے کے نہ کوئی آگاہ ہوگا نہ چھپا اور صرف غیر محسوس فضا اس کو چاروں طرف سے محیط  
 ہوگی۔ لیکن جب اس کو کوئی انسان بساط کے اوپر اور مہرون کے ساتھ پختے اور کھیلنا شروع کرے  
 تو اس وقت انسان کے وجود اور نیز دوسرے مہرون کے وجود سے اس کے گرد کی فضا میں آگاہ  
 پیچھا پیدا ہو جائیگا یعنی جس مہرہ کو انسان نے اپنے آگے اس تھرہ پر پہلے رکھا ہے وہ اس کے  
 پیچھے ہوگا اور جس کو اس مہرہ کے بن رکھا ہے وہ آگے ہوگا اور اسی طرح بعض مہرے اس کے اُن  
 ہونگے اور بعض بائیں۔ غرض جو غیر محسوس فضا پہلے بغیر کسی تمیز کے اس کو چاروں طرف سے گھیرے  
 ہوئے تھی اب اس فضا کے چار حصے ہو گئے جن کو آگاہ چھپا دایان بایان کہہ سکتے ہیں۔ اب فرض کیجیے  
 کہ کھیل ختم ہو گیا۔ بساط الٹ گئی تھرے بکھر گئے اور وہ مہرہ کسی تنہا مقام میں جا پڑا تو پھر وہی آگاہ  
 پیچھا رکھنے والی فضا بغیر کسی تمیز کے مطلق فضا رہ گئی۔ اب اس مہرے کے آگے پیچھے کی نسبت  
 سوال ہو کہ وہ خارج میں موجود ہے یا نہیں تو یہی جواب ہوگا کہ خارج میں صرف ار و گرد کی غیر محسوس فضا  
 موجود ہے مگر انسان کے بیٹھنے اور مہرون کو چھننے سے ایسی شکل پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہم اس فضا  
 کے چار حصے کہہ سکتے ہیں اور ان کا نام آگاہ چھپا دایان بایان کہہ سکتے ہیں پس قبلیت اور بعدیت  
 حقیقت میں کوئی موجود خارجی نہیں ہیں بلکہ ایک غیر محسوس چیز یعنی فضا اور چند محسوس چیزیں یعنی  
 انسان اور مہرے ان سب کا مجموعہ ایسی ترکیب ہو جس سے قبلیت اور بعدیت کا تصور ہوتا ہے اور  
 اس مجموعہ کے بعض افراد یعنی انسان اور مہرون کے پرگندہ ہونے چیں چیز کو ہم معدوم فرض نہیں  
 کر سکتے وہ غیر محسوس فضا ہے۔

اس مثال کو دیکھنے کے بعد جب ہم فضا کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خیال بھی ہمارے  
 ذہن میں اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ چیزوں کو دیکھتے ہیں جو خود بھی عرض طول رکھتی ہیں اور نیز وہ چیزیں

چیزوں کے ساتھ کسی پیوستہ اور کبھی تفصیل سے فاصلہ پر اور کبھی طرح سے فاصلہ پر واقع ہوتی ہیں اور جہاں تک کسی چیز کا طول ہوتا ہے ہم وہاں تک اس چیز کو دیکھتے جاتے ہیں اور پھر اس کے بعد جگہ خالی پستہ ہیں یا یوں کہو کہ وہاں کوئی محسوس چیز نہیں ہوتی اور وہ خلا کچھ دور تک ہماری نظر کو لیجاتی ہے پھر کوئی اور چیز حاصل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد خلا یا کوئی تیسری چیز آتی ہے کہ اسی طرح جہاں یا قیاسی آنکھ سے جہاں تک رسائی ہو سکے تمام چیزوں اور ان کے درمیانی خلا کو دیکھتے ہوئے تیزی حد تک پہنچتے ہیں اور اسکے بعد خلا کو دیکھتے ہیں جو دور تک چلی جاتی ہے اور پھر نظر اور قیاس کی حد تک پہنچ کر تاریکی ہماری رفتار کو روکتی ہے۔

غرض موجودات کی اس شکل اور ترتیب نے ہمارے ذہن میں فضا کا تصور پیدا کر دیا ہے جس طرح مہرون کی ترتیب اور انسان کے وجود نے قبلیت اور بعدیت پیدا کر دی تھی اب اگر کوئی وقت ہو جبکہ یہ تمام موجودات معدوم فرض کی جائیں تو اس وقت کسی فضا کا تصور بھی نہ ہو سکیگا جس طرح ایک مہرہ کے تنہا ہونے کے وقت قبلیت اور بعدیت نہیں ہوتی لیکن جیسے مہرہ کے گرد غیر محسوس فضا موجود ہے اسی طرح اس وقت ایک غیر متبیز عدم یعنی خلا موجود ہوگی۔ مطلب یہ کہ فضا کی حقیقت عدم ہے جیسے قبلیت اور بعدیت کی حقیقت فضا تھی مگر یہ عدم ہمارے ذہن پر اثر اس لئے کرتا ہے کہ اس عدم کے ساتھ کث یا کا طول و عرض اور باہمی بعد اور فاصلہ مل گیا ہے اور ان سب کے مجموعے نے ہمارے حواس پر اثر کیا ہے جس طرح مہرون کی ترتیب نے قبلیت و بعدیت کا اثر پیدا کیا تھا پس جو چیز ہمارے حواس پر اثر کرتی ہے وہ حقیقت میں موجودات خارجی ہیں جس طرح قبلیت و بعدیت پیدا کرنے کا سبب مہرون کی ترتیب تھی اور جس چیز کو ہم بقول مسٹر سٹینسر کے ہم معدوم فرض نہیں کر سکتے وہ خلا محض ہے جس طرح مہرہ کے لئے غیر محسوس فضا تھی جس کو معدوم فرض نہیں کر سکتے تھے غرض جو چیز معدوم نہیں ہو سکتی وہ اور ہے یعنی عدم اور جو چیز ہمارے حواس پر اثر کرتی ہے وہ اور چیز ہے یعنی موجود چیزیں جن سے اس عدم کا فرض تصور پیدا ہوتا ہے۔ آگے یہ مباحث کا فرق ہو کہ اس کا نام موجود خارجی رکھو اس لئے کہ ہم نے اسے خارجی چیزوں سے تصور کیا ہے یا موجود ذہنی

کہو اس لئے کہ ذہن ہی اس سے متاثر ہوا ہے یا معدوم کہو اس لیے کہ اسکی حقیقت عدم ہے مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز ہمارے حواس پر اثر کرتی ہے اُسے موجود ذہنی کہیں کیونکہ موجودات خارجی مستند بہ ہوتی ہے اور موجود ذہنی اسی چیز کا نام ہے جس کا تصور دیگر شیا سے پیدا ہو جیسے انسان کہ دیدہ و غیر موجودات خارجی سے مطلق انسان کا تصور پیدا ہوتا ہے اور جس چیز کو ہم معدوم فرض نہیں کر سکتے اسکو اُس کے اصلی نام یعنی عدم سے نامزد کریں کیونکہ اُس کا خالص تصور اس وقت پیدا ہوتا ہے جب تاہم حقیقت کو معدوم فرض کیا جاتا ہے اور اس وقت عدم کے سوا اور کچھ نہیں۔

اس نتیجہ کے بعد جب مسٹر پیپر کے اعتراض کا خیال کیا جاتا ہے کہ فنا کو کس نے پیدا کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض کسی حقیقت پر مبنی نہیں کیونکہ موجودات کو پیدا کرنے سے پہلے کچھ تھا اور پھر نزدیک معدوم نہیں ہو سکتا وہ عدم ہی ہے پس اُسکی نسبت پیدا کر نیا سوال فضول ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ بیشک کسی کو کسی نے پیدا نہیں کیا۔ خدا نے موجودات کو پیدا کیا۔ اُن کے عرض و طول کو پیدا کیا۔ اُنکو قریب قریب اور فاصلے و ترتیب دیا جس سے ہم اس قابل ہوئے کہ اس عدم کا تصور اپنے ذہن میں لائیں اور اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ موجودات کو پیدا کرنے سے اُس نے اس عدم کے تصور کو بھی پیدا کیا اور اگر نہ موجودات کو پیدا کرتا تو عدم کا تصور بھی پیدا نہ ہوتا اور صرف عدم ہوتا جو پہلے سے تھا۔

مسٹر پیپر پہلے احتمال یعنی دنیا کے ہدیشہ سے ہونے پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس کے لئے غیر محدود زمانہ چاہئے جو سمجھ میں نہیں آتا اور یہ درست ہے لیکن ہے زمانہ کی بھی وہی صورت جو فنا کی ہے کہ کسی چیز کے شروع ہونے سے اس کے قائم رہنے سے پھر ختم ہو جائے پر دوسری چیز کے شروع ہونے سے عرض اس قسم کی موجودات خارجی سے ہمارا ذہن ایک عرصہ کو تصور کرتا ہے اور اس کا نام زمانہ رکھتے ہیں اور موجودات کا آغاز تسلیم کر لے پر ان سے پہلے کا عرصہ تصور میں آتا ہے اور موجودات کو ختم کرنے پر ان کے بعد کا زمانہ خیال میں آتا ہے پھر جب ان مخلوقات کے پہلے اور نیچے کسی اور موجود چیز کا خیال قائم کیا جاوے تو یہ پہلے اور نیچے کا زمانہ ہمارے تصور میں ایک غیر محدود و طول اختیار کرتا ہے جس کو سپر صاحب ورت کہتے ہیں کہ ہم سمجھ نہیں سکتے مگر یہ بھی ضرور ہے کہ اسکی کوئی حد بھی فرض نہیں کی جاسکتی

مگر یہ تمام ذہنی عمل اسلئے ہوا ہے کہ ہم نے موجودات کو یکے بعد دیگرے سامنے آتے اور کچھ کچھ عرصہ قیام کرتے دیکھا ہے اور اگر یہ سلسلہ نہ ہوتا تو عدم محض کے وقت زمانہ بھی ایک عدم ہی ہوتا اور تصور نہ کیا جاسکتا پس نیا کو قدیم مانکر زمانہ کا آسکے ساتھ ساتھ چلنا اس لئے قابل اعتراض نہیں کہ وہ سمجھ میں نہیں آتا بلکہ اسلئے قابل اعتراض ہے کہ دنیا تغیرات کو قبول کرتی ہے اور ان تغیرات کے سبب سورہ عدم طویل یعنی زمانہ بھی اجزاء میں تقسیم ہوتا جاتا ہے اور قابل تصور ہوتا ہے اور اس طرح پر دنیا کے تغیرات کا اور زمانہ کے قابل تصور ہونے کا وجود بغیر کسی علت کے لازم آتا ہے۔ مگر ایک بجائے دنیا کے خدا کو قدیم مانا جائے تو چونکہ خدا کی ذات میں کوئی تغیر نہیں ہے اس لئے وہ عدم جو تغیرات سے قابل تصور ہوتا ہے اس صورت میں اس وقت قابل تصور نہ ہوگا اور محض عدم رہیگا اور عدم کے لئے کسی علت کی ضرورت نہیں اس لئے خدا کو قدیم مانکر وہ وقت لازم نہیں آتی جو دنیا کو قدیم مانکر لازم آتی تھی۔

خاص سے عام کی طرف جانا مسئلہ تخلیق عقلی اعتراضوں کے سلسلہ میں سب سے آخر وہ آچکتا ہوا مادہ ہے  
قانون قدرت ہے۔ جو سواری و یکا شد کرتے ہیں کہ دنیا کو خدا کی مخلوق ماننے میں عقل کا کچھ قاعدہ

خاص سے عام کی طرف جانیکا پایا نہیں جاتا اور نیچر کو نیچر سے واضح کر نیکایہ دستور نہیں۔ ان کا مطلب ویدانت تصویر ہے یعنی وحدت وجود کے موافق غالباً یہ ہے کہ اگر مثلاً مرکبات عناصر سے اور عناصر اتم سے اور اتم تر روح سے اور روح خدا سے کلی ہوئی مانی جاتی تو یہ خاص سے عام کی طرف جانے کی صورت ہوتی اور اسی طرح پتھر جو کرتا ہے اگر کہا جائے کہ اس کا سبب قانون فطرت ہے تو نیچر کی نیچر سے توضیح ہوگی لیکن اگر پتھر کے گرنے کو کسی انسان کی طرف منسوب کیا جائے یا کسی جن کی طرف تو خلاف نیچر ہوگا پس اگر دنیا کو مانا جائے کہ اپنی فطرت کے موافق ایک مطلق ذات سے پیدا ہوئی ہے تو نیچر کے موافق ہے اور اگر اسکو خدا کی مخلوق مانا جائے تو نیچر کے خلاف ہو۔ مگر ایک تو گذشتہ تحریر میں ہم نے محض عقل کی ہمنامی سے تغیرات کو قدیم ماننے سے بیکر ذات مطلق کے درجہ تک تمام احتمالوں کو دیکھا ہے اور ان میں سے ہر ایک پر کسی نہ کسی صورت میں قانون علیت کو توڑنے کا الزام آتا نظر آیا ہے اور ان کے بیکر تخلیق

یہ کتاب گیان یوگ باب سبب درہم۔



کے احتمال کو دیکھا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ اسکے اعتراضوں پر ہم غالب آسکتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں عام طور پر کسی نامعلوم سبب کو تلاش کرنے کے لئے یہی صورت ہو سکتی ہے کہ اسکے متعلق تمام احتمالوں میں سے جو اعتراضوں سے پاک ہو اس پر یقین کیا جاسے۔ ہم جب چھت پر رکھ رہے ہیں تو زمین پر گرتا دیکھیں اور دیکھیں کہ نہ چھت گری ہے اور نہ ہوا ایسی چلی ہے جو زمین کو اڑا سکے اور نہ زمین کی کشش ایسی حالت میں اثر کر سکتی ہے تو ضرور اس احتمال پر یقین کرتے ہیں کہ اس کو کسی نے اٹھا کر پھینک دیا ہے اور یہی صورت یہاں پیدا ہوئی ہے اور تمام احتمالوں کے غلط ہونے سے ہم یقین کیا ہے کہ اس دنیا کو کسی خالق نے پیدا کیا ہے اور پھر مفصل طور پر یہی دیکھ لیا ہے کہ پیدا کرنے کے لئے جو عنوان ہماری عقل تسلیم کرتی ہے وہ موجود ہیں اور جو اعتراض خیال میں آسکتے ہیں وہ غلط ہیں تو پھر ایسے عمل کو پھر کے خلاف قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں۔

اور دوسرے وہ ذات مطلق جس کو دیانت کے حامی ان تعلیمات میں ظہور کرتے ہوئے مانتے ہیں اگر اس کو بے شعور اور بے ارادہ سمجھا جائے تو جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے اسکو اپنا طلاق کے درجہ ان تعلیمات میں ظہور کرنے کے لئے کسی اور فاعل کی ضرورت ہوگی اور اگر اسے ذی شعور اور ذی ارادہ مانا جاوے اور کہا جائے کہ وہ خود اپنے ارادہ سے یہ ظہور کرتی ہے تو یہ عمل خود ویسا ہی پھر کے مطابق ہوگا جیسا سماجی حی کو مطلوب ہے کیونکہ موجودات کبھی قدر و رجب فرض کئے جاسکتے ہیں ان میں سے آخری درجہ یعنی صرف انسان صاحب شعور نظر آتا ہے ورنہ اس کے نیچے جس قدر درجات ہیں ان میں سے یکے بعد دیگرے شعور و ارادہ معدوم ہوتا جاتا ہے جتنے کہ مادہ کی ابتدائی شکلوں میں اس کا نام و نشان نہیں رہتا پس ان تمام بے شعور درجوں سے پہلے ادب ہی عالم درجہ جس کو وہ ذات مطلق کہتے ہیں وہ سب سے زیادہ بے شعور ہونی چاہئے اور اگر صاحب شعور ہو تو در تمام سے عام تر نہ ہوگی اسلئے اس احتمال کو بھی خلاف نیچر کہنا چاہئے۔

اور پھر اگر خاص سے عام کی طرف جانے کو دیکھا جائے تبھی اپنی مکمل صورت میں محض اسی احتمال میں موجود ہے کیونکہ دیانت میں وجود کو خاص سے عام کرتے ہوئے اس عمل کو ایک

موجودی پر جا کر ٹھہرا دیا گیا ہے جس کو ذات مطلق کہتے ہیں اور اس کے خلاف اس احتمال میں مرکبات سے عناصر اور عناصر سے نتیجہ وغیرہ عام تر اور لطیف تر موجودات کو فرض کرتے ہوئے آخر میں ایسے عام پریس ہوئی ہے جس سے زیادہ عام خیال میں نہیں آ سکتا یعنی عدم۔ اب دیکھنے والے دیکھیں کہ خاص سے عام کی طرف وہ سلسلہ جاتا ہے جس میں وجود کو وجود ٹھہرایا گیا ہے یا وہ میں وجود کو تحلیل کرتے ہوئے عدم ملا دیا ہے اور پھر اس کے علاوہ ایک ایسے وجود کو مانا گیا ہے جو ہمیشہ سے یکساں رہا ہو اور رہے گا اور تغیرات کی آلائش کو اس کے ذات سے نہ مٹس ہو ہے اور نہ ہوگا۔

خدا کو کہنے سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے ؟  
عقلی اعتراضوں کے بعد اس اخلاقی اعتراض کا درجہ ہے جو سواری دیکھانے میں مہتمم کی طرف سے پیش کیا ہے کہ خدا کو ماننا انسان کو ذلیل بناتا ہے کیونکہ اس سے انسان اپنے تئیں عاجز جانتا ہے اور ہر کام میں ایک بیرونی طاقت کا محتاج بنتا ہے حالانکہ طاقت سب اس کے اندر ہے پس جن قدر بڑی دنیا میں ہے وہ سب شہر خدا کو ماننے کی وجہ سے ہر اس سے اس کو وسیلہ تلاش کرنے کی عادت ہوتی ہے جس سے مذہبی پیشواؤں کا ظلم و تشدد شروع ہوتا ہے۔

اس اعتراض کو ایک بڑے آدمی کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس لیے قابل التفات ہو تو اور بات ہے ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی واقعی حالت کو یقین کرنے سے انسان ذلیل کیوں ہو جاتا ہو اور جو ذلت واقع میں موجود ہو اس سے خدا کا انکار کر بیٹھے کیونکہ دور کر سکتا ہے اور جو طاقت اس میں نہیں ہے صرف اس کا خیال جھالینے سے کیا عزت پاسکتا ہے بیشک انسان کی فطرت میں بہت سی طاقتیں ودیعت ہیں اور جو لوگ ان کو پیدا کر سکتے ہیں وہ حیرت انگیز کرشمے دکھاتے ہیں لیکن جس شخص نے ان طاقتوں کی مشق نہیں کی وہ واقع میں ذلیل ہے اور اس وقت اگر وہ خدا کو نہیں مانتا بلکہ خود خدا ہے جب بھی ذلیل خدا ہے۔ پس اس وقت محض غلط یقین کر لینے سے کہیں سب کچھ کر سکتا ہوں وہ ذلت ہو رہی ہے نہ ہو سکتا اور کسی واقعی محقق نہیں ہو سکتا اور جو لوگ خدا کو ان میں وہی کرشمہ شخص کو جو خدا کی دی ہوئی طاقتوں کی مشق نہیں کرتا ذلیل خیال کرتے ہیں اور فرض سمجھتے ہیں کہ جہاں تک اس کو خدا سے ہمت دی ہے

دوسرے کا دست نگر نہ ہو پس اس صورت میں خدا کو ماننے کو کیا ایسی قباحت لازم آتی ہے جو خدا کا انکار کر بیٹھے دور پہنچتی ہو۔ اور اوصاف ایسی بہت سی طاقتیں ہیں جو انسان کی فطرت میں ودیعت نہیں ہیں۔ انسان انسانی جسم میں رہے اور ابد الابد تک زندہ رہے ناممکن ہے۔ انسان انسانی جسم میں رہے اور قوانین قدرت اور بالائی طاقتوں کے اثر سے محفوظ رہ سکے ناممکن ہے یہ اور بات ہے کہ انسان کو خدا یا روح کا مظہر مانکر کہا جائے کہ مرنے کے بعد وہ روح یا خدا باقی ہے اس کو انسان بھی غیر فانی ہے کیونکہ اس وقت اگر غیر فانی مانا جائیگا تو اس سے مطلق کو مانا جائیگا نہ کہ اس پیکر خاکی کو۔ پس وہ ہستی مطلق اس پیکر خاکی میں جلوہ گر رہی اور پھر واپس رہے یہ بیحد اور رویکا نند کے نزدیک بھی ناممکن ہے پس اس واقعی حالت پر یقین رکھنا کیونکہ ذلت کھلائیک کا مستحق ہے اور اس کے خلاف عمل طور پر اپنے اندر سب طاقتوں کا دعویٰ کرنا کما تنک قابل تحسین ہے اس وقت ویدتا یا بدھ مذہب کی بحث سے (جو گذر چکی) ایک سو ہو کر جو امر واقع معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جو قوانین واقع میں انسان کو حاصل ہیں انہی کا دعویٰ اسے زیب دیتا ہے اور انہی سے کام لینا اس کا فخر ہے اور انہی کو بیکار چھوڑنا ذلت ہے اور جہاں تک کم از کم اس پیکر انسانی میں رکھا اس کی رسائی نہیں ہے ان کا دعویٰ فخر بھی ہے اور ان سے عاری ہونے کا اعتراف قابل ملامت نہیں اور اس بارہ میں خدا کو ماتو والے اور انکار کر نیوالے سب برابر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا کو ماننے کا دعویٰ علی طور پر زبان سے اُتر کر دل تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ جو لوگ خدا کو نہیں مانتے وہ بھی اس ہستی انسانی کے ضعف سے انکار نہیں کر سکتے اور ہر ایک کام جو وہ کرتے ہیں اس سے ثابت کرتے ہیں کہ کوئی اور طاقت یا قانون ہے جو ان کی موجودہ حالت سے بڑا اور ان کی موجودہ حالت پر حکمران ہے۔ کیا ہوا اگر وہ لظاہر دل خوش کن مثالوں سے اپنے نہیں تسلی دیتے ہیں کہ صرف نام اور شکل ہے جس سے ہم سمند سے جدا ہو گئی ہے۔ "یا جینے اپنی آنکھوں پر خود ڈال دیتے" رکھ کر اندھیرا اندھیرا لٹکانا شروع کر دیا ہے "وہ حقیقت چاہیے کچھ ہوا اس وقت جو کچھ موجود ہے لہری کی شکل اور ہیکر نام ہے اس لیے وہ سمندر کی عظیم شان طاقت کے ماتحت ہو اور جو ہیکر انسانی

موجود ہے انکی آنکھوں پر ضرور ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور اس لیے اس وقت انکو کسی توڑ پھوٹ نہ ہائی  
حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور جب یہ حالت موجود ہے تو اس وقت پانی کی پتلی سی بکیر ہونے کے وقت  
سمندر ہونے کا دعویٰ اور آنکھیں بند ہونے کے وقت سب کچھ دیکھنے کا فخر ہرگز درست اور بجا نہیں اور  
یہی وہ دعویٰ ہے جو خدا کو ماننے والے پیش کرتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ خدا کو نہ ماننے والے اس  
بالا ظرفیت کی نسبت یقین رکھتے ہیں کہ وہ ہم ہی ہیں مگر ہمارے یقین اس وقت موجود نہیں ہوتا  
اور خدا کو ماننے والے اسکو ”ہم“ اور ”مگر“ وغیرہ قیود سے بھی پاک اور اصلی معنوں میں برتر خیال  
کرتے ہیں۔ پس خواہ کوئی ایسا خدا موجود نہ ہو مگر خدا ماننے والوں کا محکوم ہونے کا دعویٰ ایسا صحیح ہے  
کہ منکر دن کو بھی تسلیم کرنے سے چارہ نہیں پس ایسے دعویٰ کو دوسروں کے سر لگا کر اس طرح وقت  
کا باعث قرار دیا جاتا ہے۔ یہ دعویٰ باعثِ ذلت اس وقت ہوتا کہ فی الواقع انسان بقیدِ انست  
ہر قسم کا کمال کھتا اور خدا کو نہ ماننے والے ان کمالوں کو ظاہر کرتے ہوئے دکھائی دیتے اور اس کے  
برخلاف خدا کو ماننے والے اپنے تئیں محکوم سمجھ کر تمام طاقتوں سے محروم رہتے تو اس وقت منکرین  
یہ کہنے کا حق رکھتے تھے کہ خدا کو ماننے سے یہ ذلت نصیب ہوئی۔ مگر جب حالت اس کے برخلاف ہے  
اور موجودہ کمزوری میں دونوں فریق یکساں ہیں تو اس سچی حالت کو تسلیم کرنا کیونکر ذلت کا باعث  
قرار دیا جاسکتا ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ دنیا میں بدی محض خدا کو ماننے سے پیدا ہوتی ہے اسکا ثبوت نہیں معلوم  
کیا ہوگا اور نہ جو لوگ خدا کو ماننے میں وہ اس کو محض نیک اور تمام نیکیوں کا سر شمع سمجھتے ہیں اور بدی کو  
کو اس سے دور نہ ہو کیا باعث خیال کرتے ہیں پس اس خیال کا جب یہ بچنگی سے ذہن میں قائم ہوا لازمی اثر  
ہے کہ انسان تمام برائیوں کو ترک کرے اور ہمہ تن نیکی کا طالب ہو۔ اور ہم جو اس کے خلاف بدی کرتے  
ہیں تو اسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ جو اعتقاد واقع میں خدا پر ہونا چاہیے اور جو یقین نیکی کرنے سے قرب ربانی  
کا انسان کو رکھنا چاہیے وہ پایا نہیں جاتا۔ مثلاً انسان کو یقین ہے کہ آگ میں ہاتھ ڈالنے سے جل جائیگا  
اس لیے کہی کوئی نہ سستہ اس فعل کا ترک نہیں ہوتا پس اگر اسی طرح کا یقین اس عقیدہ پر ہو کہ بدی کرنے

سے خدا سے تعبیر ہوگا جو سب عذابوں سے بڑھ کر ہے تو انسان انسانہ ہرگز بدی کا ارادہ نہ کرے پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت میں خدا کا یقین کامل نہ ہو نہ کیا دوسرے لفظوں میں خدا کا انکار نہ کیا معترض ہے جو دنیا میں بدی کو رواج دیتا ہے نہ خدا کا یقین جیسا کہ ان اعتراض کر نیا لوں کا خیال ہے وہ کہتے ہیں کہ خدا کو مانکر وسیلہ تلاش کرنے کی عاوت ہوتی ہے اور بیشک خدا کو ماننے والے یقین رکھتے ہیں کہ اوقات کا قیام جو خدا نے انسان کو دی ہیں اور ان قوانین قدرت کا انتظام جو دنیا میں عمل کر رہے ہیں سب کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے اور اس لیے وہ کوئی کام کرنے کے وقت اپنی تمام طاقتوں کو اور تمام بیرونی اسباب کو ہتھیار رکھنے کے لیے خدا سے ملتی ہوتے ہیں مگر اس بارہ میں ان کے اس نفل سو کوئی اور بہتر نفل خدا کا انکار کرنے والے بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اس دنیا میں رہ کر وہ بھی تمام قوانین قدرت کے ماتحت ہیں اور کسی کام کے وقت ان کی بھی دلی آرزو یہی ہوتی ہے کہ جو اسباب اندرونی اور بیرونی اس کام کے لئے ضروری ہیں وہ ہتھیار میں۔ اور پھر خدا کو ماننے والے جس وسیلہ کی تلاش کرتے ہیں اگر وہ سچے خدا کو ماننے والے ہیں تو وہ وسیلہ محض خدا ہے۔ مذہبی پیشوایا کوئی اور مددگار ان کے نزدیک بھی کارساز نہیں جو اس لیے ہر مذہبی پیشواؤں کا نظم و تشدد جو ایمان والوں کے سر پہ پاجاتا ہے وہ بھی حقیقت میں خدا کے اعتراف میں نہیں رہنے کے سبب پیدا ہوتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ خدا کو کامل کارساز نہ ماننا اور اس کے سوا دوسرے بانیان و زون کو خدائی اختیار دیکر سیارہ و غیب کا مالک ٹھہرانا وہی خدا کے انکار کا بقید ہے جو اس قباحت کا باعث ہوا ہے۔ ہاں دنیا میں رہ کر اپنے تمام کاروبار کے لیے اسباب کو تلاش کرنا انسان کا فرض ہے وہ چلنے کے لئے لکڑی پر سہارا لیتا ہے سیکھنے کے لئے استاد سے مدد مانگتا ہے روحانی مشق کے لئے روحانی پیشواؤں سے تعلیم حاصل کرتا ہے اور اسی ضمن میں مذہبی پیشواؤں سے ان کے متعلقہ فرائض میں ہدایت پاتا ہے مگر خدا کو ماننے والا ان سب چیزوں کو ذریعہ گردانتا ہے اور فاعل حقیقی ہر امر میں خدا کو جانتا ہے پس اگر یہ فعل بدی پیدا کرنے کا باعث ہی تو خدا کو نہ ماننے والے بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے اور عالم اسباب کے قانون سے باہر نہ ہو کر اور وسائل معینہ کو چھوڑ کر کوئی کام انجام نہیں دے سکتے۔

مسطربہ ڈیلا کا اعتراض کر دیتا جیسی چیز کو پیدا ہوتی نہیں دیکھی اور ہر جگہ اس قانون کو جاری پا کر مانا گیا ہے کہ اس تمام نظام عالم کی بھی کوئی علت ہوگی اس لئے اس قانون کے متعلق مسطربہ ڈیلا کا ایک اعتراض دلچسپ اور قابل غور ہے۔ اُنکا خیال ہے کہ

”ہم کسی چیز کو دیکھ کر اسکی علت اور فاعل کی تلاش ہی لینے کیا کرتے ہیں کہ اور موقع پر ہم نے اپنی آنکھوں پر کبھی فاعل کے ہاتھ سے ہستی دیکھی ہوتی ہے مثلاً جھگل میں کسی کا قدم پڑ کر کبھی ہوئی دیکھ کر کسی لکھنے والے کا یقین اس لیے کرتے ہیں کہ اور موقعوں پر ہم نے لوگوں کو لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مگر عجیبی یہ دنیا ہے ایسی دنیا کو ہم نے بننے ہوئے کبھی نہیں دیکھا اس لیے اس دنیا کے فاعل کی تلاش عبث ہے“

اس استدلال کی قوت بیشک حیرت میں ڈالتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مسطربہ ڈیلا نے ہمو ایسے موقع پر ٹوکا ہے کہ استدلال علیت کا تمام سلسلہ درہم برہم ہو گیا ہے۔ مگر ہمیں معلوم یہ ہدایت جو طالبان خدا کو دی گئی ہے دیگر علوم دنیوی کی تلاش کرنا اور ان کو بھی مسطربہ صوف ہی قسم کی تنبیہ کرتے ہیں یا نہیں اور اگر نہیں کرتے تو اس وقت اپنے فرض سے کوتاہی کرنا کیوں جائز سمجھتے ہیں حالانکہ وہ لوگ بھی اکثر اپنے قانع یقین پر اس طرح بغیر کسی تہیسی علیہ کے پیدا کیا کرتے ہیں مثلاً انہوں نے زمین جیسے کروڑوں کیمیا گیس کی حالت میں منجمد ہوتے ہوئے آنکھ سے نہیں دیکھا اور چاند جیسے ٹکڑے کو کبھی زمین سے ٹوٹے ہوئے مشاہدہ نہیں کیا۔ اور نہ نظام شمسی کو ایک دوڑناک پھیلے ہوئے بخار کے بادل سے بنتے دیکھا ہے اور نہ آفتاب جیسے کہ زمین کو اپنی طرف کھینچنا یا زمین جیسے کہ چاند کو کش کرنا یا کسی کرہ کا پہلے جانداروں سے اور نباتات سے خالی ہونا اور پھر بتدریج آباد ہوتے جانا یا آفتاب کا حرکت کرنا اور زمین کا اس کے گرد گھومنا نظر سے گذرے ہے۔ غرض کوئی واقعہ جو تحقیق عالم کے متعلق ہو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا اور جانتا کہ افرادی یا مجبوری نظر کا تعلق ہے اس عالم کو اسی شکل پر آباد دیکھا ہو مگر باوجود اس کے

اے فریادگر کس شکست بٹ صفا واسطہ ملے

وہ ان تمام واقعات پر یقین رکھتے ہیں اور یقین پیدا ہونے کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے واقعات میں اس قسم کے انقلاب نظر آتے ہیں پس جس طرح پرکھا جاتا ہے کہ جنگل میں بڑے ٹہنے کا قند کا کھنڈر والا مانو مگر دنیا کے بنانے والا نہ مانو اس لیے کہ ایسے بنانے والے کو دیکھا نہیں اسی طرح یہاں اعتراض ہوتا چاہے کچھ سے پانی اور پانی سے برف بن جانے کو مانو مگر گیس سے زمین بن جانے کو نہ مانو اس لیے کہ ایسا شاہدہ نہیں ہوا اور وحشت سے پھل گرنے کو زمین کی کشش کو مگر زمین کی حرکت کو آفتاب کی کشش نہ کہو بلکہ زمین کو حرکت کرتے ہوئے بھی نہ مانو اس لیے کہ ایسا کبھی دیکھا نہیں اور کسی انسان کا کبھی منہ نظر آنے پر اور کبھی پشت دکھائی دینے پر شیک کہو کہ وہ شخص گھوم رہا ہے مگر آفتاب کے دغون کو سامنے آتے جلتے دیکھ کر نہ کہو کہ وہ حرکت کرتا ہے اس لیے کہ اتنے بڑے جسم کی دوری حرکت کا کبھی تجربہ نہیں ہوا بلکہ جس طرح پروان مسٹر بریڈلا کہتے ہیں کہ دنیا یونہی پیدا ہو گئی ہوگی اسی طرح یہاں کہنا چاہیے کہ زمین ہمیشہ سے یونہی آیا ہو گئی ہوگی اور حرکت بے وجہ پیدا ہو گئی ہوگی اور آفتاب کے دغ غیہ سبب سامنے آتے جلتے ہو گئے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ مسٹر بریڈلا کا اعتراض غلط ہے اور کسی بڑے واقعہ کے لیے اسی جیسا انکھن سے دیکھنا ضرور نہیں بلکہ انسانی عقل کی ساخت ہی اسی واقع ہوتی ہے کہ وہ کسی چھوٹے واقعہ کو دیکھتی ہے اسکی وجہ تلاش کرتی ہے اور چند واقعات میں وہی علت موجود ہونے پر کلیہ بناتی ہے اور پھر اس کلیہ کو بڑے واقعات کے متعلق جاری کرنے کی ٹیکل ہوتی ہے کہ بڑے واقعہ کی جو حالت موجود ہے اسکا اور اسکی ضد کا اور دیگر کسی قدر مخالف حالات کا تصور کر کے اپنے کلیہ سے اعدہ کو جس حالت میں منطبق پاتی ہے اس کے وجود کا حکم دیتی ہے اور اسی طرح یہاں تمام دنیا میں حلول کو بغیر علت کے موجود ہونے نہیں دیکھا گیا اس لیے اس کلیہ کو تسلیم کرنا پڑا اس کے بعد مختلف علتوں کے مختلف اعداد دیکھے اور ان اعداد کے مطابق حلول میں مختلف حالات نظر آئے یوں اور کلیات بنتے گئے اور ان سب کی مجموعی حالت کو مد نظر رکھ کر سب ایجاد عالم کی نسبت غور کیا تو دنیا کی موجودہ حالت اور اس کے خلاف مادہ کے موجود ہونے کی حالت یا بالکل معدوم ہونے کی حالت یا ایک خدا کے قدیم ہونے کی حالت غرض اس قسم کی تمام

صور تون کو تصور کیا گیا اور قانون علیت کو ہر حالت پر منطبق کرنا چاہا شدہ شدہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ قانون جہی مطابقت کہانا ہے کہ کوئی قائل ہو جس نے عالم کو نسبت سے بہت کر دیا ہے

ثبوت باری تعالیٰ کو ضعیف | غرض جس طریقہ استدلال سے یہاں کام لیا گیا ہے اگر اس میں غلطی نہیں کرنے کے سبب - | تو کہا جاسکتا ہے کہ خدا کی علمی قوت سے عالم کے پیدا ہونے کا احتمال دیگر تمام

مذہبی اور غیر مذہبی احتمالات کی نسبت زیادہ قریب عقل اور اعتراضوں سے پاک ہو اور نیز کہا جاتا ہے کہ موجودات عالم کا سلسلہ علت و معلول اور موجودات عالم کی ترتیب اور نظام اور خود انسان

کی اندرونی طاقتیں یہی بلکہ خیالات کا ایسا سلسلہ بتاتے ہیں جو اس بات سے متفق ہیں کہ یہ دنیا ہے اور اس کے خلاف جس قدر اعتراض پیدا کئے جاتے ہیں ان میں جن مقدمات کو کلیہ عرض کیا جاتا

ہے وہ واقعہ میں کلیہ کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے مثلاً نیست کا هست نہ ہو سکتا یا موجودات خارجی کے سوا کسی اور چیز کا تصور میں نہ آنا اور اس کے سوا اور قاعدے جو گذشتہ اعتراضوں

میں تسلیم کئے گئے ہیں ثابت ہو رہے ہیں کہ وہ واقعہ میں قاعدہ کلیہ نہیں ہیں۔ اور اس کے علاوہ ایک بڑی بات یہی ہے کہ جو لوگ مذہب کے خلاف قلم اٹھاتے ہیں وہ اپنے اعتراضوں میں اس

طرح بھی کامیاب ہوئے ہیں کہ انہوں نے دلیل ثبوت کے چند ٹکڑے کر لیے ہیں اور ان میں سے ہر ایک ٹکڑے کو جو واقعہ میں پوری دلیل کا ایک ایک مقدمہ ہے مکمل دلیل گردان کر ثابت کرنا چاہا کہ

ان دلیلوں سے خدا کا ثبوت ہم نہیں پہنچتا مثلاً سلسلہ علیت کو ایک دلیل اور نظام عالم کو دوسری دلیل اور غریبہ فطری کو تیسری دلیل ٹھیرا گیا ہے اور پھر اعتراض کیا گیا ہے کہ اتنی اتنی

بات ہم دعا ثابت نہیں ہوتا گویا کسی انسان کی طاقت کو آزمانے کے لئے اس کے دست دیا اور دیگر اعضا کو کاٹ کر ہر ایک کی جداگانہ حالت کو انسانی قوت کا معیار فرض کیا گیا ہے حالانکہ انسانی

طاقت مکمل انسان میں دیکھنی چاہئے۔

مثلاً سٹر جان سٹوارٹل نے علت اولیٰ کو دلیل مانکر اعتراض کیا ہے کہ دنیا میں مادہ

قائم رہتا ہے اور صرف حالات بدلتے ہیں اس لیے مادہ کے لیے کسی علت کی ضرورت نہیں اور علت



اولیٰ کی تلاش بالکل فضول ہے مگر اتنی سی بات سے خود اُن کو بھی اطمینان نہیں ہوا۔ اور واقعہ میں یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ انقلاب حالت کی علت کیا ہوگی؟ چنانچہ اسی سوال پر انھوں نے غور کیا ہے اور فرمایا ہے کہ تمام علوم جہانویہ کی منفقہ شہادت و ثبوت ثابت ہوتا ہے کہ تغیرات کی علت اس یعنی طاقت کی کچھ مقدار اور ترتیب ہے اور اس لیے علت اولیٰ مادہ کو یا فورس کو کہنا چاہئے ورنہ کوئی خدا موجود نہیں ہے جسے علت اولیٰ مانا جائے۔ غرض اس نتیجہ تک پہنچ کر انہوں نے اپنی طرف سے دلیل علت کو غلط ثابت کر دیا ہے حالانکہ ابھی اس دلیل سے خدا کو ثابت کرنا کاموقع ہی نہیں آیا تھا بلکہ یہ ایک ابتدائی تمہید تھی جس کے بعد خیال کرنا چاہئے تھا کہ جس وقت کہ علت اولیٰ قرار دیا جاسکتا ہے وہ قدیم ہونی چاہئے ورنہ اُس کے لیے کسی اور علت کو تلاش کرنا پڑیگا اور پھر قوت اور مادہ دو چیزیں جدا گانہ قدیم نہیں ہو سکتیں ورنہ دونوں کام کب ہونا لازم آئیگا اور بقول سٹر سپنسر ان کے اس جرمہ کو جو دونوں میں مشترک ہے قدیم ماننا پڑیگا اور پھر قدیم قوت کو دیکھنا چاہئے تھا کہ نظام عالم کی شہادت سے اس میں پیش بینی اور علم بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح دلیل علتیت سے اس قدیم اور علیم سنی تاثر پہنچ سکتے تھے جس کے علمی فورس کو وہ دنیا میں کام کرنے دیکھتے ہیں اور واقعہ میں اُس وقت اس دلیل کی وہ قوت معلوم ہوتی جس کو انہوں نے قلم کی ایک کشش سے اڑا نا چاہا ہے۔

اسی طرح سٹرل نے نظام عالم کو ایک مستقل دلیل فرض کیا ہے اور اس کو مادہ چرٹاؤ دیکر پہلے آخر میں تسلیم کیا ہے کہ ”ہمارے علم کی موجودہ حالت میں یہ دلیل وجود خدا کا ایک گمان غالب پیدا کرتی ہے۔“ اور پھر فرمایا ہے کہ اور دلائل ثبوت سے اس دلیل کو کوئی قوت نہیں ملتی۔ حالانکہ یہ دلیل بھی مکمل دلیل کا ایک ویمیاتی مقدمہ ہے اور اس کے ساتھ علت اولیٰ کی دلیل کو ضرور خیال کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ بقول ان کے فزیکل سائنس کی تمام شاخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مادہ کے علاوہ ایک قوت موجود ہے جو تمام تغیرات کو پیدا کرتی نظر آتی ہے اور پھر دیکھنا چاہئے اس لیے اس موقع پر باب گذشتہ میں رحمت وجود باری کی بحث ملاحظہ ہو۔

کہ وہ قوت جس کو اس دلیل نظام سے علیحدگی کتنا چاہئے بدین وجہ قدیم اور لیگانہ بھی ہے کہ اگر حادث ہو تو اس کے لیے اور فاعل کی ضرورت ہوگی اور لیگانہ نہ ہو تو مرکب اور حادث ٹھیر گئی اور اس طرح تمام دلائل کو یکجا کرنے سے خدا اور اس کی علمی قوت کا پتہ اس سے زیادہ ملتا جس قدر صرف نظام سے آنکھوں سے ملتا ہے۔

لا محمد و دیت | اسی طرح دلائل عقلیہ کو جو موجودات حسی سے بنائی جاتی ہیں غور کرتے ہوئے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ان سے اگر خدا ثابت ہوتا ہے تو اس کی لا محمد و قوت ثابت نہیں ہوتی یا یہ کہ اس کی لا محمد و دیت کو ہم سمجھ نہیں سکتے۔ اور بیشک ہم خود محدود ہیں ہماری نظر ہمارا تجربہ ہماری عقل اور اس کا استدلال سب کچھ محدود ہے۔ ہم جہاں تک غور کریں اور جہاں تک موجودات عالم کی مخفی سے مخفی حالات کا پتہ لگائیں وہ سب محدود ہوگا اور اس لیے اس کے فاعل کا فعل بھی جو اس وقت تک ہمارے سامنے آئیگا وہ محدود ہوگا اور غیر محسوس و کو ثابت کرنے کے لیے ضرور ہے کہ اس غیر محدود کو محض استدلال عقلی سے ثابت کرنا اور منوانا ہماری قدرت سے باہر ہے۔ مگر یہاں بھی استدلال کو ناقص چھوڑنے کا جرم کسی قدر موجود ہے کیونکہ اس وقت صرف موجودات حسی کو دیکھا گیا ہے اور جو قوت ان کے ساتھ جذبہ فطری کو ملانے سے پیدا ہوتی ہے اسکو نظر انداز کر دیا گیا ہے حالانکہ مذہب اور خدا کے اعتقاد کی جو حقیقت تھی وہ اسی جذبہ فطری میں پائی جاتی ہے اور موجودات خارجیہ کو دیکھنے کا صرف اسی قدر فائدہ تھا کہ جس خدا کے خدا ہونے کی آواز ہمارے ذہنی قوع کے ہر عالم و جاہل کے دل سے ہر ملک اور ہر زمانے میں کسی نہ کسی شکل سے پیدا ہوتی رہی ہے اور جس کو کوئی اندر بیٹھا ہوا لا محمد و اور بے انت پکار رہا ہے اس کا اعتقاد محض دل ہی میں جاگزین نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر ذرہ سے بھی اس کی اپنی اپنی قابلیت کے موافق اس جتنی کا کچھ نہ کچھ نشان ملتا ہے اور اسی نشان ڈھونڈھنے کا نام استدلال عقلی ہے۔ اس لیے موجودات حسی سے یہ امید رکھنی فضول تھی کہ وہ خدا کو اس کی پوری حقیقت کے ساتھ ہمارے

سلسلے جلوہ افروز کر سکیں گی۔ پس جو دعویٰ غیر محدود و سلسلے کا مذہب کی طرف سے پیش ہوتا ہے وہ عقل کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کو صرف ہمارے وجدان اور جذبہ مذہبی نفس ہی سمجھا ہے اور ہمارے اندر اس کی جڑ ایسی مضبوط ہے کہ خواہ سمجھ میں نہ آئے اور کوئی واضح ثبوت بہم نہ پہنچے لیکن پھر بھی ان محدود اشیا اور محدود خیالات کو دیکھ کر ذہن ان سے پر و ایک غیر محدود ہستی کی طرٹ جاتا ہے اور اسی غیر محدود کی تلاش ہے جس کے لیے ایتنا آفرینش سے ابتک ہزاروں طرح کے مذہبی حدود ہر چکے ہیں اور یہ اس کے سمجھ میں نہ آنے کا سبب تھا جس سے ہر ایک ناقص مذہب نے غیر محدود مانکر پھر اسکو کسی ایسی شکل میں سمجھا کہ غیر محدود محدود ہو گیا۔ اس لیے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس فطری تلاش کا آخری مقام ہونا ہی یہ چاہئے تھا کہ غیر محدود مانکر اس کو غیر محدود ہی رہنے دیا جائے اور اسکی ذات اور گنہ کو سمجھنے کی ہر ایک کوشش کو ترک کیا جائے اور صرف وہی تعلق دریافت کر لے پراکتفا کی جائے جو ہر کو اس ذات کے ساتھ ہے کیونکہ اس ذات کے متعلق سمجھ جہاں تک جائیگی وہاں تک غیر محدودیت نہ ہوگی۔ پس استدلال عقلی سے غیر محدودیت کا ثابت نہ ہونا تو حقیقت اعتراض نہیں بلکہ اگر عقل ایسا ثابت کر سکتی تو ایک طرح سے اعتراض ہوتا کہ وہ ذات عقل کے احاطہ میں نہ آگئی اسلئے غیر محدود نہیں ہے۔

مگر اسکی ذات یا ذات کی غیر محدودیت کو سمجھ نہ سکتے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس ذات کا خیال جو ہمارے ذہن میں فطرت نے ودیعت کیا ہے اس کو چھوڑ دیا جائے بلکہ ہمارا فرض ہے کہ بحیثیت عطیہ فطرت ہونے کے اسکو ترقی دین اور دیگر نفسانی غلطیوں سے پاک کر کے اس کے حقیقی ثمرہ کو حاصل کرین اور پھر ہم جو اس کا اعتراف کرتے ہیں اور دنیا میں اسکی نظیر تلاش کر رہے ہیں تو اگرچہ کوئی کامل نظیر دستیاب نہیں ہوتی مگر اسکل سی نظیر پھر بھی مل ہی جاتی ہے کیونکہ ہم دنیا کی چیزوں کو دیکھتے ہیں اور اپنی اور تمام گذشتہ تجربہ کرنے والوں کی متفقہ کوشش سے یقین کرنے لگتے ہیں کہ کم از کم اس وسیع دنیا کے کسی گوشہ کے تمام نباتات اور ہر قسم کے حیوانات کو جان گئے ہیں مگر پھر بعد میں اپنے زمانے کی نظیر یا آئینہ آنے والوں کی نظر کو اور نباتات اور حیوانات پر کھائی

دی جاتے ہیں جن کو پہلے تجربہ کرنا ہوا تو انہوں نے نہ دیکھا تھا۔ اسی طرح زمین و آسمان اور اجرام علویہ کو آنکھیں بھاڑ بھاڑ کر دیکھتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم اس فضلہ کے کوئے کو فتنے و واقف ہو گئے مگر بعد میں ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی چیزیں پہلے نظر نہ آئی تھیں جو اب دکھائی دینا لگی ہیں پھر ان چیزوں کی اندرونی ساخت کو دیکھنے لگتے ہیں کھول کھول کے اور تحلیل کر کے گمان کرتے ہیں کہ بس اب سب کچھ معلوم ہو گیا مگر تجربہ اور آگے بڑھتا ہے تو کہتا ہے کہ ابھی تم نے دیکھا ہی کچھ نہیں پھر چیزوں کے خواص اور تاثیروں کو دیکھتے ہیں اور ایک حد پر پہنچ کر کہہ دانی کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں مگر زمانہ ثابت کرتا ہے کہ اس امتحان میں بھی قیل ہوئے اور بہت سے خواص اور تاثیریں باقی ہیں جو ہمہ دانی کے وقت معلوم نہ ہوئی تھیں۔ غرض کہنے کو کہہ دینا آسان ہے کہ دنیا جس کو ہم دیکھتے ہیں محدود ہے مگر دنیا کے کسی ایک چھوٹے سے حصہ کو بھی فیتنا محدود ثابت کرو دنیا بہت مشکل ہے اور ہمارے گذشتہ ناکام تجربے ثابت کرتے ہیں کہ اشیاء موجودہ کی تعداد ان کے اقسام ان کے افراد اور ان کے خواص کوئی بھی کسی حد تک ختم نہیں ہوتے اس لئے اگر اس نظام کے بنانے والے کی طاقت کو خشک منطقی استدلال سے نامحدود ثابت نہیں کیا جاسکتا تو کم از کم ایسا نامحدود ضرور ماننا پڑتا ہے جس کو انسانی عقل احاطہ نہ کر سکے اور انسان کی عقل ہی وہ بڑی کائنات تھی جو جذبہ فطری کے مقابل میں کچھ چون و چرا کر سکتی ہے پس جب وہی اس کو احاطہ نہیں کر سکتی تو اور کونسی طاقت ہے جس نے اس کی قدرت کو گھیر کر محدود کیا ہوا ہے اور جس سے جذبہ فطری ہمارا نکلتا ہے

مستطیسر ایک مقام پر اشیاء عالم میں سے صرف علم کو دیکھتے ہیں کہ وہ محدود ہے یا غیر محدود چنانچہ لکھتے ہیں کہ

”اب اندرونی حالات کی طرف توجہ کریں اور اپنے علم کے درجات کو دیکھیں کہ کیا ہماری قیادت

محدود ہے یا غیر محدود۔ غیر محدود تو کہ نہیں سکتے ایک تو اس لیے کہ ہم بالواسطہ جانتے ہیں

کہ انکی کوئی ابتداء ضروری ہے اور دوسرے غیر محدود کوئی ہوسمجھ سے بالاتر ہے اب اگر محدود کہیں تو

یہی نامکن ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی کنارہ ہمارے علم میں نہیں۔ اپنے حافظہ کو دیکھو اور خیال کیا

دور میں سے جہاں تک پہنچے کو جا سکتے ہو جاؤ۔ تاریکی چھا جائیگی اور کچھ نظر نہ آئے گا اور نہ معلوم ہوگا کہ ہم نے کہاں سے شروع کیا تھا۔ اور یہی حال انجام کا ہے کہ آئندہ کے لیے کہیں ختم ہو گیا ہم کو علم نہیں۔ حال میں جو سب سے آخری درجہ علم موجود ہے وہ بھی ہم دریافت نہیں کر سکتے کیونکہ جس درجہ کو ہم آخری سمجھیں وہ حقیقت میں آخری نہیں کیونکہ اس وقت ہم اسکو آخری سمجھ رہے ہیں اور یہ بھی ایک علم ہے جو آخری کے بعد آیا پس آخری آخری نہ ہوا۔ اگر کوئی کہے کہ ہم اس کی حاصدین طور پر جان نہیں سکتے مگر بالواسطہ یہ خیال تو کر سکتے ہیں کہ اسکی کوئی حد ضرور نہ وجود ہوگی مگر ایسا نہیں۔ ہم خیال بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ہم سلسلہ واقفیت کا انجام نہیں دیکھ سکتے سو اس کے کہ ایک اور قصور انجام کے متعلق قائم کرتے ہیں۔ اور نیز جب کوئی کیفیت ذہنی پیدا ہوتی ہے تو اسکی نسبت ہم جانتے ہیں کہ وہ پہلی حالت ذہنی کی مانند ہے یا نہیں کیونکہ اگر یہ معلوم نہ ہو تو وہ کیفیت ذہنی ممتاز نہ ہوگی اور پہچانی نہ جائیگی پس اسکو علم بھی نہ کہہ سکیں گے۔ اس لیے اسکی نسبت مانند پہلے یا نہ مانند پہلے کا خیال ایک اور علم ہے جو اس کیفیت ذہنی کے بعد پیدا ہوا۔

غرض یہ ہیں وہ نظیرین جو اگرچہ مکمل نہیں ہیں مگر تاہم درجات علم اور دیگر اشیاء کو پیدا کرنے والے کی نامحدود قوت کا کچھ نہ کچھ پتہ دیتی ہیں اس لیے مذہب کا خدا کو نامحدود سمجھنا اگرچہ وعدہ پر موقوف ہے مگر عقل کے نزدیک تو یہ بھی ایسا نہیں کہ اسکی کوئی بنیاد نہ ہو یا اس کی تردید ہو سکے۔

# باب نهم

## پیدائش کے متعلق مذہبی باتیں

ویدک جگوان کی شہادت - بائبل کی شہادت - قرآن کی شہادت - اول - دوم - سوم - چہارم - پنجم - ششم - وحدت وجود کا نقلی استدلال - انسانی افعال کا خدائی افعال نہ ہونا - خدا کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا - ہمیشہ سے ایک نامحدود و قدرت رکھنے والے وحدہ لا شریک خدا کا موجود ہونا اور ازل سے اسکے علم میں مقدر رہنا کہ ایک وقت پر وہ سلسلہ کائنات کو عدم سے وجود میں لائیگا اور پھر اس وقت پر اسکی علمی طاقت سے خیالی تصویر کی طرح عالم کا وجود میں آنا بھی وہ صورت ہے جو تمام دیگر احتمالات کی نسبت وقتوں سے خالی اور قریب عقل ہے اور یہی وہ صورت ہے جس پر الہامی روایات اور پیشوا یا ان مذہب کے اقوال منطبق ہوتے ہیں -

وید کی شہادت | مثلاً وید میں مذکور ہے کہ لہ

دھاتس پریاتنا کی نام بھی یعنی ناف سے دور مبینی عالم پیدا ہوا سر سے بالائی عالم اور پاؤں سے زمین پر تھی اور کائنات ہر سمت - اسی طرح وہ مذہب لوگوں کو بھی پیدا کرتا ہے

۱۔ یہ مضمون یحییٰ بن خالد بن یزید نے ۳۱۳ منتر ۱۲ کا ہے اور اگرچہ یقیناً گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وید مقدس کا دعویٰ الہامیت کہاں تک درست ہے مگر بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے اس قدر ہکوی یقین ہے کہ اس سرزمین اور اس قوم میں بھی حسب ارشاد قرآنی ضرور انبیاء مبعوث ہوئے ہونگے - اور فرامین الہی کسی کسی طرز میں ان پر اتارے گئے ہوں گے اس لئے ممکن ہے کہ وید بھی اسی قسم کی کتاب ہو - خواہ بعد میں اسکی شکل جیسا کہ بعض جریر الہامی کتابوں کی نسبت دیکھا جاتا ہے بعض جگہ یا ہر جگہ بدل گئی ہو یا شروع سے کچھ تو حسب استعداد زمانہ اور زیادہ تر مضمون کی پیچیدگی کے سبب وہ مضامین محال الفاظ اور عجیبہ استعاروں اور شبہوں کی شکل میں بیان کئے گئے ہوں

اس منتر کے الفاظ میں چونکہ خدا کو انسان کی طرح دست و پا اور دیگر اعضا سے متصف مانا گیا ہے جو یقیناً نشان ایندوی کے خلاف ہو اس لیے اگر یہ الفاظ الہامی ہیں تو ضرور ان کا مطلب کچھ اور ہوگا اور جو اور مطلب قرار دیا جاسکتا ہے وہ یہی ہے کہ علم خداوندی میں جو صورت اس سلسلہ کائنات کی ہوگی اس میں ضرور بلندی پستی اور اطراف وغیرہ ہوں گے کیونکہ علم یا خیال میں کوئی چیز موجود ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے تمام اجزاء کی ترقیب اور تصویر موجود ہے اور چونکہ وجود اسی کی علمی طاقت ہی ہوا ہے اس لیے جو صورت اس کے علم میں ہوگی اسی کے مطابق ظہور ہوا ہوگا پس جس طرح کی مخلوق اس کے علم میں جس جگہ کے لیے مقرر ہوگی وہ سب اسی جگہ پیدا ہوئی ہوگی پس اس مضمون کو بیان کر سیکے وقت اس علمی صورت کو اطراف و جہات رکھنے کو سبب انسان سے تشبیہ و یکریا بیان فرمایا گیا ہے کہ جو شکل اس صورت کی ناف یعنی وسط میں تھی وہی درمیانی عالم کی ہے اور جو صورت بالائی جانب میں تھی وہی دنیا کی بالائی جانب کی ہوئی اور اسی طرح تمام اشیاء میں اسی علمی تصویر کے مطابق ظہور پذیر ہوئیں اور پھر چونکہ علم خدا کا تھا اس لیے یہ ایک ہستعارہ ہستعال کیا گیا کہ صفت کی بجائے نمود و موصوف کا ذکر کر دیا گیا اور یوں بیان ہوا کہ خدا کی ناف اور سر وغیرہ سے دنیا موجود ہوئی۔

اسی طرح ایک خاص منتر میں جو اشمیدریک کے آخری اثنان میں پڑھا جاتا ہے اور جس کو ویدک و حرم داسے اب سندھیا کا پہلا منتر شمار کرتے ہیں لکھا ہے کہ

”ہمارے یعنی عدم محض کی حالت میں برہم ہی برہم (خدا) تھا اور پھر جب دنیا کا آغاز ہوا تو پہلے

تاریکی پیدا ہوئی اس کے بعد پانی کا سمندر پیدا ہوا.....“

اس موقع پر پہلے تاریکی کو پیدا کرنے کا ذکر ہے حالانکہ تاریکی نور کا عدم ہے اور جس وقت میں نور نہ ہو وہ خود بخود موجود ہوتی ہے اس لیے اسکو پیدا کرنے کا کوئی مطلب نہیں سوا اس کے کہ اگر نور موجود نہ ہوتا تو تاریکی بھی ممتاز اور مزین نہ ہوتی کیونکہ جس چیز اپنی ضد پر پہچانی جاتی ہے اس لیے تاریکی کی شناخت نور کو پیدا کرنے سے ہوئی ہے اور اس لئے کہ کہتے ہیں کہ اگرچہ تاریکی مخلوق نہیں مگر اس کا امتیاز

مخلوق ہے اور وہ اسی وقت ہوا ہے جبکہ نور کو پیدا کیا گیا اور پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ جب کسی چیز کو موجود کر دیا گیا خیال اور ارادہ ہوتا ہے تو اس خیال اور ارادہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے نابود ہونے کی طرف توجہ ہوتی ہے اور خواہش ہوتی ہے کہ یہ حالت عدم دور ہو۔ غرض موجود کر دینا پہلا قدم نابود ہونے کی طرف توجہ کرنا ہے اور چونکہ اسی توجہ سے اس کا امتیاز پیدا ہوا گا اس لیے اس مضمون کو مختصر آئین کہہ دیا گیا کہ سب سوال تاریکی یعنی عدم کو پیدا کیا۔

اسی مضمون کو قرآن شریف میں صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اور ارشاد ہے۔

<p>اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ النام پارہ ۷ (۷)</p>	<p>حمار کے لائق وہ خدا ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ظلمت و نور کو بنایا</p>
---	--

یہاں پیدا کر دینا لفظ موجودات پر استعمال کیا گیا ہے اور نور جس کا ظہور بعض موجودات کے پیدا ہونے سے ہوا اور تاریکی جو نور کے سبب ہو متنازع ہوئی ان کو جعل یعنی بنانے کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور چونکہ ظلمت مقدم ہے اور اسی کی طرف توجہ کرنے سے وجود اور نور پیدا ہوا ہے اس لیے ظلمات کو نور سے پہلے ذکر کیا گیا۔

یابیل کی شہادت | ایسے کہنگی کی چادر میں چھپے ہوئے جواہر کے بعد جو دید مقدس سے تلاش کرنے پر مل سکتے ہیں جس الہامی کتاب تک مجھ دسترس ہے وہ عمدتاً وحید ہے چنانچہ اس میں اس مضمون کو کسب و رو ضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ کتاب امثال میں علمی قوت کو دانائی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسکی زبان سے کہا گیا ہے۔

خداوند اپنے انتظام کے شروع میں مجھے رکھنا تھا۔ اپنی صنعتوں سے پیشتر قدیم سے۔ میں ازل

سے مقرر ہوئی۔ زمین کی پیدائش کی ابتداء سے پہلے.... (باب آیت ۲۳-۲۴ وغیرہ)

اور کتاب یوحنا کے آغاز میں یہی مضمون ہے جس میں علمی قوت کو کلام کے لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ :-



”ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا سب چیزیں اس سے موجود ہیں اور کوئی چیز موجود نہ تھی جو بغیر اس کے ہوئی۔ زندگی اسی میں تھی اور وہ زندگی انسان کا نور تھی۔“

قرآن کی شہادت | قرآن شریف میں اس مضمون کو متعدد جگہ مختلف اسلوب سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ

اول | ۱۔ مذکور ہے کہ خدا نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور چونکہ تمام شیا میں مادہ بھی شامل ہے اس لیے مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ سب کو نیت سے درست کیا ہے۔ ارشاد ہے

بَدِئَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ط آتَى بِكُلِّ شَيْءٍ  
وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ ط وَخَلَقَ كُلَّ  
شَيْءٍ وَهُوَ يَكْلُ شَيْءٍ عَلَيْهِ ط ذَلِكُمُ اللَّهُ  
رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ  
فَاعْبُدُوهُ ط (انعام پارہ ۱۷۱)

إِنَّهُ بَدِئُ عَالَمٍ أَنشَأَ ثُمَّ يُعِيدُهُ (زمر پارہ ۶۱)

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ  
يَخْتَصِرُ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ  
وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ سَمِعُوا نَفْيًا ط  
(زمر پارہ ۷۸)

وہ آسمان و زمین کو ایجاد کرنے والا ہے۔ اس کے ہاں  
بدا کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ پہلی چیز کوئی نہیں اور اس نے  
ہر چیز کو پیدا کیا ہے (اور کیون نہ ہو) وہ ہر چیز کو جانتا ہو  
ہے۔ یہ ہر خدا تھا مگر پروردگار عبادت کے لائق ہر شے کو  
نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے ہم اسی کی عبادت کرے۔  
وہ خلق کو آغاز کرتا ہے پھر دوبارہ پیدا کرتا ہے  
وہ ذات ہے جس کے لیے آسمان و زمین کی بادشاہت  
اور جس کے ہاں کوئی اولاد نہیں اور جس کی بادشاہت میں  
کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ہر چیز کے  
لئے اندازہ مقرر فرمایا ہے۔

ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَا إِلَهَ  
إِلَّا هُوَ قَافٍ لَّنَا فَنَكُونُ (مومن پارہ ۷۷)

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ  
لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا (دھر پارہ ۷۹)

یہ خدا تھا مگر پروردگار ہر چیز کا خالق ہے اور جس کے سوا  
کوئی لائق عبادت نہیں پس تم کیونکر اس پر افترا باندھتے ہو  
کیا انسان پر زمانہ کا ایسا وقت نہیں آیا جبکہ وہ کچھ بھی  
نہیں تھا۔

دوسرا | ۲۔ پیدائش کے ساتھ اپنی صفت علم اور قدرت کو ذکر کیا ہے اور بیشک  
نیت سے درست ہونے کی یہی صورت ہے کہ کس چیز کا خیال یا علم ہوا اور اس کو موجود کرنے کی خواہش ہو

اور یہی قدرت حاصل ہو۔

قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ (الاعراق ۳۰)  
يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

(راندہ پارہ ۷ ع ۳۸)

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

(انعام پارہ ۷ ع ۳۸)

يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ

(روم پارہ ۷ ع ۳۸)

ذَٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ  
الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ

الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ (سجده پارہ ۷ ع ۳۸)

يَرْبُدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ (فاطر پارہ ۷ ع ۳۸)

قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ الَّذِي اسْتَأْذَنَ هَٰذَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (یس پارہ ۷ ع ۳۸)

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

بِقَادِرٍ عَلَىٰ اَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلَّاقُ

الْعَلِيمُ (الزمر پارہ ۷ ع ۳۸)

فَاِذَا رَءٰتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

اَرْوَاحًا مِّنْ لَّاغَاۡمِرَ اَزْوَاجًاۙ اِنَّكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمۡ لَكٰنَ لَكُمۡ

شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (مومن پارہ ۷ ع ۳۸)

اس نے کہا کہ اسی طرح خدا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے (اور کیون نہ ہو) خدا ہر

چیز پر قادر ہے۔

اس نے ہر چیز پیدا کی ہے اور (کیون نہ ہو) وہ ہر

چیز کو جانتا ہے۔

وہ پیدا کرتا ہے جو چاہے اور (کیون نہ ہو) وہ دانا

اور قہر ہے۔

یہ بھی کھلی کو جاننے والا غالب اور مہربان خدا ہے

جس نے ہر چیز کو خوبی سے پیدا کیا اور انسان کی پیش

کا آغاز مٹی سے کیا۔

زیادہ کرتا ہے پیدائش میں جو چاہتا ہے بیشک خدا

ہر چیز پر قادر ہے۔

کہہ دو کہ زندہ کر لگاؤں کو وہ جس نے پیدا کیا تھا ان کو

پہلی دفعہ اور وہ ہر مخلوق کو جانتا ہے

کیا وہ ذات جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا قادر نہیں

ہے کہ اتنی جیسا پیدا کرے۔ مان کیون نہیں وہ پہلے

کر مینا لا اور جاننے والا ہے۔

زمین و آسمان کو پیدا کر مینا لا جس نے تو کو جوڑا جوڑا بنایا

اور چار پاؤں کو جوڑا جوڑا بنایا مگر زمین پر چھلپا رہا ہے

اس جیسا کوئی نہیں اور وہ سینے والا اور دیکھنے والا ہے

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ  
(زخرف پارہ ۲۹)

وَاللَّهُ جُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ  
عَلِيمًا حَكِيمًا (فتح پارہ ۲۹)  
وَالسَّمَاءُ بَنِيَتْ أَهْبَاءً وَإِنَّا لَمُمْسِقُونَ  
(ذاریات پارہ ۳۴)

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَمِنْ كُلِّ  
مِثْقَالٍ يَتَذَكَّرُ الْأَكْمَرُ نَبِيٍّ لِيَتَعْلَمُوا  
أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ  
أَكْمَلَ لِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا  
الَّذِي خَلَقَ مِنْ خَطِّكَ هُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ  
(ہک پارہ ۲۹ ع ۱۱)

اور اگر ان سے پوچھو کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا  
تو کہیں گے کہ ان کو ایک غالب اور دانہ پیدا  
کیا ہے۔

اور خدا کے لیے ہے آسمان و زمین کا لشکر اور اسے علم  
و حکمت کا مالک ہے۔  
آسمان کو جس نے اپنی قدرت سے بنایا اور ہم کو بڑی قدر  
ہے۔

خدا وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی قدر  
زمین اسکا حکم میں نافذ کرنا کہ تم جانو کہ وہ جو چیز بڑا  
ہے اور اپنے علم و ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے (پا اس لیے  
کیا کہ تم کو پیدا کر کے مخلوق غور کرتے ہو اگر علم خدا کا پتہ لگے)  
کیا جس نے پیدا کیا وہ علم نہیں رکھتا؟ ہاں لاکھ لطیف  
اور دانہ

سوئم | ۳۔ مذکور ہے کہ وہ چیز کو موجود ہونے کے لیے حکم دیتا ہے اور وہ فوراً ہو جاتی ہے اور  
فی الحقیقت جو چیز خیال کی قوت کے ساتھ نیست ہی ہوتی ہے اسے ہمیں صرف خیال کرنا کافی ہوگا  
اور اس سے زیادہ کسی سامان کو ہیا کرنے کی ضرورت نہیں۔

بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا  
فَأَمَّا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (بقرہ پارہ ۲۱)  
كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا  
فَأَمَّا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (ال عمران پارہ ۲۱)  
وَالَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

وہ آسمان و زمین کو ایجاد کرنے والا ہے اور جب حکم  
دیتا ہے کسی بات کا تو کہتا ہے ہو وہ ہو جاتی ہے۔  
اسی طرح خدا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ وہ جب حکم دیتا  
کسی بات کا تو کہتا ہے ہو وہ ہو جاتی ہے۔  
وہ وہی ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور

وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ (انعام پارہ ۹)

إِنَّمَا قَوْلُنَا الشَّيْءُ إِذَا أَرَدْنَا أَن نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ط (نحل پارہ ۸)

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ط (یس پارہ ۸)

هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ط (زمر پارہ ۸)

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ط (زمر پارہ ۸)

جس دن کہتا ہے ہو، وہ ہوجاتی ہے

ہماری بات کسی چیز کے لیے جب ہم اس کا ارادہ کریں یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں ہو، وہ ہوجاتی ہے۔

اسکا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے یہ ہے کہ وہ کہتا ہو، وہ ہوجاتی ہے۔

وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے پس حکم دیتا ہو کسی بات کا تو صرف کہتا ہو، وہ ہوجاتی ہے۔

ہمارا حکم صرف ایک ہے جیسے کہ آنکھ اٹھا کر دیکھ لینا۔

چہام

۴۔ مذکور ہے کہ خدا سب چیزوں پر محیط ہے اور سب کو بلکہ ہر ذرہ کو جانتا ہے اور اس کی حفاظت اس کے لیے دشوار نہیں ہے اور واقع میں کسی چیز کے علم اور قبضہ اور حفاظت میں دشواری جیسی ہوتی ہو کہ وہ پہلے ہی موجود ہو اور دوسرے شخص کو بعد میں اس پر تصرف کرنا پڑے مگر جب تمام اشیاء کو علی قوت سے موجود کیا جائے تو اس علم کا وجود بعینہ تمام اشیاء کا وجود ہے اور علم ہی کے موجود رہنے سے وہ سب چیزیں قبضہ قدرت اور احاطہ میں رہ سکتی ہیں اور جب تک خیال یا علم میں وہ اشیاء موجود ہیں ظاہر میں بھی موجود رہ سکتی ہیں اس لیے دنیا کا علم اور قبضہ اور حفاظت اسکی ذات کو ہرگز دشوار نہیں۔

اس کا قبضہ آسمان و زمین پر وسیع ہے اور اسکو انکی حفاظت قہر کا فی زمین اور وہ بلند و با عظمت ہو۔

اور اسد تمھارے اعمال پر محیط ہے۔

اور اللہ ہر چیز پر محیط ہے

اور تیرے خدا سے زمین میں اور آسمان میں ایک ذرہ

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ط (بقبرہ پارہ ۳)

وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ط (نسا پارہ ۸)

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ط (نسا پارہ ۸)

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ

فِي الْأَرْضِ وَالْكَافِيَ السَّمَاءِ (دینس پارہ ۱ ع ۱)

وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ

وَالْكَافِيَ السَّمَاءِ (ابراہیم پارہ ۱ ع ۱)

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ

بِأَمْرِهِ (رہوم پارہ ۱ ع ۱)

يُكَذِّبُ الْأَرْضَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ

(سجود پارہ ۱ ع ۱)

بھی مخفی نہیں۔

اور خدا سے زمین میں اور نہ آسمان میں کوئی چیز

مخفی نہیں۔

یہ اس کے نشان ہیں کہ آسمان و زمین اسی کے حکم

سے قائم ہیں

وہ آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز کا انتظام کرتا

ہے۔

پنجم ۵۔ مذکور ہے کہ زمین آسمان میں وہی ایک خدا ہے اور وہی حق ہے اور اس کے سوا تمام

اشیا فانی اور زوال پذیر ہیں اور وہی اول آخر، ظاہر اور باطن ہے۔ ان آیات کا مضمون بھی علمی ثبوت

سے موجود ہونے پر بالکل منطبق ہے کیونکہ جو چیز خیال کی طاقت سے موجود ہو وہ سرسُراس طاقت پر منحصر

ہوتی ہے اور اپنے اندر کسی طرح کی طاقت اور کسی نوع کا انتقال نہیں رکھتی بس ایسے ہی ہستی ذات خداوندی

کے مقابل میں بالکل بے بود اور معدوم ہے پس بیان دل سے کہ زمین آسمان میں وہی ایک ذات حق

اور دائم ہے اور جو کچھ اس کے سوا ہے چونکہ اس کا پیدا کر دہ ہے اس لیے عارضی وجود سے مشغف ہے مگر

حقیقت میں فانی اور معدوم ہے اور یہی و طرح کی حیثیت رکھنے کو اس کے متعلق و طرح کے خیالات

ظاہر کئے جاسکتے ہیں۔ چونکہ عارضی سا وجود رکھتا ہے اسلئے ذات خداوندی کو اس کے مقابل میں خیال

کر کے کم کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ یہ موجود ہے مگر خدا کی ذات اپنی اولیت میں ان سب سے اول ہے اور ابدیت

میں سب سے آخر ہے اور ظہور صفات میں سب سے روشن تر اور نمایاں ہے اور خفا و ذات میں سب سے پوشیدہ

اور چونکہ ان سب کی حقیقت عدم ہے اس لیے ان کو فانی اور نالک اور صرف خدا کو حق اور موجود کہہ

سکتے ہیں۔

وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ

وَسَجْوَتَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ أَيْدِيكُمْ (انعام پارہ ۱ ع ۱)

اور وہی خدا ہے آسمان اور زمین میں وہ جانتا ہے تمہاری مخفی

اور ظاہر حالات اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

فَعَلَّ اللَّهُ الْمَلَائِكَ الْغَنَىٰ ط (منہ پارہ ۱)

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ

وَالِكُلِّ شَيْءٍ مُّزْجُوعٌ ط (تصص پارہ ۱)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ

ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ط (رحمن پارہ ۱)

لَهُ مَلَكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ

وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ هُوَ الْكَافِرُ وَالْكَافِرُ

وَالظَّالِمُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ

عَلِيمٌ ط (صاید پارہ ۱)

خدا بلند ہے جو مالک اور حق ہے

خدا کی ذات کے سوا سب چیزیں فانی ہیں۔ حکم ہی کا

ہے اور تم اسی کی طرف واپس جاؤ گے۔

دنیا کے پردہ پر جو کچھ ہے فانی ہے اور خدا سے بزرگ

و با عظمت کی ذات باقی رہیگی۔

اس کے لئے آسمان و زمین کی بادشاہت ہر وہ زندہ

کر رہا ہے اور مارتا رہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اول

ہے۔ آخر ہے۔ ظاہر ہے۔ باطن ہے۔ اور وہ ہر چیز کا

عالم ہے۔

ششم ۶۔ ایک موقع پر صفت علم سے پیدا کرنے کو ایک لطیف تشبیہ میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ

خدا آسمان اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک

طاق کی مانند جس میں چراغ ہو اور وہ چراغ ایک

فانوس میں ہو اور فانوس گویا ایک روشن ستارہ ہے

جو چمکتا ہے ایک ایسے ریتون کے مبارک رخسے کے

تیل سے جو شرقی ہے اور نہ مغربی ہے اور اس کا تیل

گویا جل اٹھو کہ ہر خواہ اسے آگ نہ لگے۔ خدا نور پر

نور ہے اور وہ ہدایت کرتا ہے اپنے نور کی طرف

جسے چاہتا ہے اور خدا مثالین بیان کرتا ہے کہ لوگو

کی رہنمائی کے لئے اور خدا ہر چیز کا عالم ہے۔

ارشاد ہے۔

اللَّهُ نُورٌ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نَوْرٍ

مِثْلُ نَوْرٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ط الْمِصْبَاحُ فِي

زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ

يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ

وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيئُ وَلَوْ لَمْ

تَمْسَسْهُ نَارٌ ط نُورٌ عَلَى نَوْرٍ يَهْدِي

اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ

لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ط

(نور پارہ ۱)

یہاں خدا نے اپنے تین ایض و نما کا نور فرمایا ہے اور پھر اپنے ظہور کو ایک مثال میں بیان کیا ہے۔

اس مثال میں ایک چراغ ہے جس سے روشنی نکلا کرتی ہے اس کے بعد فالوس ہے جس کے بیچ میں سے گزرنے پر پھیلا کر تار ہے۔ پھر طاق کا ذکر ہے جس میں فالوس رکھ دینے سے اسکی تاریکی نور سے بدل ہو جاتی ہے۔ پھر فالوس کی نسبت کہا گیا کہ وہ تارہ سا چمکتا ہے اور چمکنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کے اندر ایسا تیل جلتا ہے جو اپنی نورانیت کے سبب کسی بیرونی آگ سے روشن ہونے کے بغیر جل اٹھنے کے قابل ہے اور وہ ایسے دھڑت کا تیل ہے جو مشرق یا مغرب کسی سے تعلق نہیں رکھتا اس مثال کو دیکھنے کے بعد جب پیدا نش کائنات کی اس صورت کو دیکھا جاتا ہے جو عقل کے مطابق ہے اور الہامی نوشتوں سے مفہوم ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیشال اس صورت پر بالکل منطبق ہے کیونکہ دنیا خدا کی قدرت کا ملہ سے ظور پذیر ہوئی ہے اور صفت علم وہ واسطہ ہے جس میں ہو کر قدرت کا ظور ہوا ہے اور عدم وہ حقیقت ہے جس کو قدرت نے نور وجود سے منور کیا ہے اس لئے قدرت خداوندی منبع وجود ہونے کے سبب چراغ ہے اور علم پھیلنے نور کا راستہ اور ذریعہ ہونے کے سبب فالوس کی مانند ہے اور عدم اصل میں تاریک اور قدرت سے منور ہونے کے سبب طاق سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور پھر صنعت علم جو ایسی روشن چیز ہے کہ کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں تو اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ ایک قادر و قوی خدا کا علم ہے اس لیے اگر یہ فالوس ہے تو اس کے اندر جلنے والا تیل وہی قوت و قدرت کا اثر ہے اور اگر اس کو تیل کہیں تو جس زمین کا تیل ہے وہ ذات خداوندی ہے جو مشرق و مغرب وغیرہ تمام طرفوں سے اور تمام جہانی لوازم سے پاک اور برتر ہے اور پھر علم اگر نور ہے تو ذات خداوندی جو اس نور کا منبع ہے اس سے برتر ہے اس لئے وہ ”نور علیٰ نور“ ہے۔ غرض وہی مضمون جس کے مختلف مدارج مختلف اسلوبوں سے گذشتہ آیتوں میں بیان کیے گئے تھے اس آیت میں ان تمام مدارج کو ایک تشبیہ میں ادا کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ زمین و آسمان کی حقیقت عدم ہے اور حقیقی اور دائمی وجود وہی خداوندی ہے جس نے اپنی قدرت اور علم سے ان کو نیت کرست کیا۔

علامہ محمد الدین ابن العربیؒ جو وحدت وجود کے امام ہیں اپنی تفسیر میں بیان طاق سے جو جسم انسان اور فالوس سے روح انسان مراد لیتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ وحدت وجود کے مطابق

شجر و حجر سب کچھ اُسی ایک ذات کی مختلف شاخیں اور ٹکڑے ہیں پس اگر وہ ذات چراغ ہے تو پھر فانی  
یعنی روح بھی خود ہی ہے اور طاق یعنی جسم بھی خود ہی ہے اور اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ وہی چراغ  
فانوس اور طاق بن گیا ہے بلکہ اس کے نور کو فانوس میں سے گذر کر طاق کو روشن کرتے ہوئے مانا گیا  
ہے اس لیے اگر یہاں روح اور جسم ہی مراد ہو تب بھی اس تشبیہ سے نتیجہ وحدت وجود کے مطابق  
نہیں نکل سکتا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جس طرح چراغ بعینہ فانوس اور طاق نہیں بن جاتا بلکہ ایک کے  
اندر سے دوسرے کو روشن کرتا ہے اسی طرح خدا روح اور جسم نہیں بنا بلکہ روح کی وساطت سے جسم کو  
قوت اور حیات بخشتا ہے اس لیے اس تشبیہ سے انکی تفسیر کے مطابق بھی وحدت وجود کی تردید ہوتی ہے  
نہایتاً۔ بلکہ آخر میں وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ فرماتے اور اللہ اور اللہ اور اللہ اور علم کا ذکر کرنے سے ایسا ہوتا  
ہے کہ اس آیت کی تفسیر ذات خداوندی اور صفت علم اور اشیا و مہبودہ کے تعلق سے ہونی چاہئے اور  
ہم نے دیکھا کہ اسی صورت میں آیت کا مضمون منطبق ہوتا ہے۔

وحدت وجود کا  
نقطی استدلال  
علمائے وحدت جو مذکورہ بالا آیت نور کے علاوہ منجملہ آیات گذشتہ کے بعض اور  
آیتوں سے بھی وحدت وجود کا خیال اخذ کرتے ہیں۔ مگر ہم نے دیکھا کہ تمام آیات مذکورہ  
کا مضمون پیدائش کے خیال پر بالکل منطبق ہوتا ہے اور اکثر آیات میں علم و قدرت کے ذکر سے  
علمی قوت اور اسکی ایجاد کی طرف ایسا ہوتا ہے اور بعض آیات میں پیدائش کا مضمون بصرحت مذکور  
ہے اس لیے بعض آیات کو تاویل سے وحدت وجود پر منطبق کرنا زبردستی ہے۔ مگر تاہم بعض ایسی  
آیتیں جو اہل ذہن نہیں ہوئیں اور جن سے مسئلہ وحدت وجود ثابت ہونیکا دعویٰ کیا جاتا ہے انکی  
نسبت غور کرنا باقی ہے چنانچہ وہ ان آیتوں سے اپنے مدعا کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ط  
(نہا پارہ ۱۱)

فَلَمَّا قُتِلُوا قَتَلَ اللَّهُ قَتْلَهُمْ وَعَامَّتْ  
إِذْ مَاتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَی (انفال پارہ ۱۱)

اطاعت کی :-  
تمہارا قتل نہیں کیا بلکہ انکو خدا نے قتل کیا ہے اور جب انکو قتل کیا  
تو انکو قتل نہیں کیا بلکہ انکو خدا نے قتل کیا ہے اور جب انکو قتل کیا



إِنَّ الَّذِينَ يَدْعُونَكَ آمَنَّا بِمَا يُعْزِزُ اللَّهُ  
يُدُلُّهُ فَوْقَ أَكْبَادِهِمْ (رق بارہ ع)  
وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ نَائِمًا تَلَوْتُمْ مَا قَشَّمْ  
وَحُجَّةَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (مد بقہ بارہ ع)  
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ  
بِهِ نَفْسُهُ وَخَنَ أَقْرَبَ إِلَيْهِ مِنْ حَبَلٍ  
الْوَرِيدِ (رق بارہ ع)  
وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْمًا كُنتُمْ وَاللَّهُ بِأَعْمَالِكُمْ  
بَصِيرٌ (مد بقہ بارہ ع)  
أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ  
وَمَا فِي الْأَرْضِ مِمَّا يَكُونُ مِنْ نَجْوَا  
ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَايَهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا  
هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا آدَنِي مِنْ ذَلِكَ وَلَا  
أَكْثَرُ الْأَمْوَمِ مَعَهُمْ أَيْمًا كَانُوا تُفَرِّقُونَهُمْ  
بِمَا تَحْمِلُونَ أَوْيَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ لِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ  
(مجادلہ بارہ ع)

بیشک جو لوگ تم سے معیت کرتے ہیں وہ خدا سے معیت  
کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھ پر خدا کا ہاتھ ہے۔  
مشرق اور مغرب خدا ہی کے واسطے ہے۔ تم جس طرف منہ  
کرو خدا تمہارے سامنے ہوگا۔  
بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں  
جو خیال اس کے دل میں گذرنا ہو اور ہم اس سے شے گ  
سے زیادہ قریب ہیں۔  
اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی ہو۔ اور اللہ تمہارے  
اعمال کو دیکھتا ہے۔  
کیا تو نہیں دیکھتا کہ خدا آسمان و زمین کی ہر ایک چیز کو  
جاننا ہے کوئی مشورہ نہیں ہوتا جس میں شخص ہوں  
اور خدا ان کے ساتھ چھٹا نہ ہو۔ یا پانچ شخص ہوں اور خدا  
سے چھٹا چھٹا نہ ہو اس سے کم زیادہ ہوں اور وہ ان کے  
ساتھ نہ ہو۔ وہ کہیں بھی ہوں۔ پھر خدا قیامت کے دن  
انکو ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔ کیونکہ خدا ہر چیز کا  
عالم ہے۔

انسانی اعمال کا خدائی  
انسانی فعل کو خدا کا فعل اور انسانی ہاتھ کو خدا کا ہاتھ کہا گیا ہے۔ اور چوتھی  
ہیت میں خدا کا ہر ایک ہونا اور باقی تین آیتوں میں ایک انسان کی اطاعت کو خدا کی اطاعت۔  
گمان ہوا ہے کہ خدا اور مخلوقات کی حقیقت ایک ہونے کے سبب ایسی دیگانت اور معیت ظاہر کی  
گئی ہے۔ مگر اصل میں بیان جن انسانوں کے اوصاف و افعال کو خدا کے اوصاف و افعال کہا گیا ہے

وہ وہی لوگ ہیں جن کو مقربان الہی مانا گیا ہے چنانچہ صرف رسول علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ اس سے بیعت کرنا خدا سے بیعت کرنا ہے اور اس کی اطاعت خدا کی اطاعت۔ یا رسول علیہ السلام اور ان کے رفیقوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ قتل وغیرہ جو ان کے ہاتھ سے سرزد ہوا ہے اس کا فاعل حقیقت میں خدا ہے پس اگر اس رنگا رنگت کا باعث یہی ہے کہ ان سب میں ذات خداوندی کا ظہور ہے تو وحدت وجود کے مطابق صرف نیک بندے نہیں بلکہ ہر چیز خدا کی ایک شان ہے اس لیے ہر مومن و کافر بلکہ ہر چرند و پرند کا فعل خدا کا فعل ہونا چاہیئے اور اس لیے مقربان الہی کی کچھ خصوصیت نہ رہتی اور رسول کی اطاعت کرنے والوں کے لیے یہ تعریف کا موقع نہ ہوتا کہ وہ خدا کی اطاعت کرتے ہیں کیونکہ رسول کو خدا کا نام لینے پر مارنے کے لیے جو لوگ اپنے حکام کی اطاعت کرتے تھے ان کی اطاعت بھی مافا خدا کی اطاعت ہوتی ہے اس لیے کہ رسول کو مارنے کا حکم دینے والے اور مارنے والے بھی ذات خداوندی ہی کے مظہر ہیں پس ضرور ہے کہ یہاں جو مقربان خدا کے افعال کو خدا کے افعال کہا گیا ہے تو اس کی وجہ وحدت وجود کا مسلک ظاہر کرنے کے سوا کچھ اور ہے اور وہ وجہ یہی ہے کہ جو شخص حاکم وقت کی طرف سے کوئی حکم سناتا ہے اس کی آواز کو اس کے منہ سے نکلتی ہے لیکن حقیقت میں وہ حاکم وقت کی آواز ہوتی ہے اور جو لوگ ایسے حکم کی اطاعت کرتے ہیں اور اس حکم کو سبالات میں وہ حقیقت میں اس کہنے والے کی اطاعت نہیں کرتے بلکہ حاکم کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی طرح بیان جو شخص خدا کے احکام سناتا ہے اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اس کے الفاظ بھی حقیقت میں خدا کے الفاظ ہیں اور جو لوگ اس کی اطاعت کا حلف اٹھاتے ہیں اور اس سے بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں خدا کی اطاعت کا حلف اٹھاتے ہیں اور خدا ہی سے بیعت کرتے ہیں اور اس وقت کو پیغمبر کا ہاتھ بیعت لے رہا ہے مگر اصل میں خدا کا ہاتھ ہے جس میں وہ لوگ اپنا ہاتھ دیتے ہیں کیونکہ رسول محض ایک واسطہ ہے اور اصل تعلق مخلوق اور خالق کا ہے۔

اور علیٰ ہذا جب رسول اور اس کے رفقا خدا کا نام لینے پر تیار ہیں اور وہ خدا کے حکم سے تاملنے والوں کے خلاف ہاتھ اٹھاتے ہیں تو چونکہ یہ فعل محض حکم خدا سے ظہور پذیر ہوا ہے اور ان کی

ذاتی غرض اس کشت و خون سے وابستہ نہیں ہے اس لیے یہ کہنا بالکل درست ہو کہ یہ عمل انکی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ غرض جو افعال خواہ اس وقت خدا کی طرف منسوب کیے گئے ہوں ان کا ظہور وقوع میں خدا کی جانب تھا اور انسان ان کے ظہور کے لیے ایک آلہ اور واسطہ سے زیادہ نہ تھا اس لیے بحیثیت آلہ ہونے کے اس فعل کو انسان کی طرف اور بحیثیت فاعل ہونے کے خدا کی طرف منسوب کرنا بالکل صحیح ہے مگر جس طرح ایسا فعل سرزد ہونے کو گماشتہ ماکہ نہیں بن جاتا اور تلواریں سپاہی نہیں بن سکتی اسی طرح انسان ایسے فعل سے خدا نہیں ہو سکتا۔

خدا کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا | البتہ وحدت وجود کا خیال حب ظاہر ہوتا کہ بالعموم ہر چیز کی ماہیت خدا بنائی جاتی اور ہر چیز کے فعل کو خدا کا فعل کہا جاتا مگر قرآن میں ایسا نہیں اور ہم نے دیکھا کہ باقی چار آیتوں میں جہاں بالعموم نام انسانوں کا ذکر ہے وہاں خدا کو ہر جگہ موجود اور سب کے ساتھ کہا گیا ہے نہ سب کو متحدہ اور ہر جگہ موجود اور سب کے ساتھ ہونے کی صورت ظاہر ہے۔ اول تو وہی چونکہ کورہ بالا سورہہ کی آیت میں پہلے ہی بیان کی گئی ہے کہ دنیا خدا کی مخلوق ہے اور اس لیے وہ خدا کے علم سے موجود ہوئی ہے اور اسی کے علم کے ساتھ قائم ہے پس جس طرح پر کسی چیز کا کامل علم ہونے پر عام محاورہ میں کہتے ہیں کہ فلان شخص فلان واقعہ کو ایسا جانتا ہے گویا وہاں خود موجود ہے یا گویا اسکی آنکھ کے سامنے ہو رہا ہے اسی طرح ہر ذرہ کا کامل علم ہونے کے سبب کہہ سکتے ہیں کہ ظاہر جگہ موجود ہے۔ بلکہ جب انسان کو اپنی ذات اور اس کے تمام تعلقات کا ایسا علم نہیں جیسا کہ خدا کو ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ انسان خود اپنی ذات سے ایسا قریب نہیں جس قدر خدا اس سے قریب ہے۔ اور دوسرے اگرچہ ذات خداوندی انسان کے اہم سے بالاتر ہے اور اس لیے اس کے موجود ہونے کی کیفیت بھی ہم سمجھ نہیں سکتے مگر اس قدر یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ کسی ایک جگہ موجود ہونا اور دوسری جگہ موجود نہ ہونا اسی چیز کا خاصہ ہے جو معین عرض طول و کثرت ہو اور ایک مقام تک جاکر ختم ہو جاتی ہو اور اسی چیز وہی ہوتی ہے جو جسم رکھتی ہو اور ذات خداوندی جسم اور عوارض جسم سے پاک ہو اس لیے وہ اگر موجود ہے تو کسی مقام تک محدود نہیں ہو سکتی اور نہ اپنے وجود کے لیے مقام اور جگہ کی محتاج ہو سکتی ہے پس ذات خداوندی کی نسبت یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہر جگہ

حاضر و ناظر ہے گو ہم نہیں جانتے کہ وہ کس طرح موجود ہے۔

اب اگر کہا جائے کہ جس جگہ تجسّس توقات کا سلسلہ قائم ہے اسی جگہ خدا کی ذات بھی موجود ہو تو ضرور  
ہے کہ دونو ایک ہو گئی کیونکہ ایک فضا میں دو موجود نہیں سما سکتے تو جواب یہ ہے کہ ایک فضا میں  
دو جسمانی وجود بیشک نہیں آسکتے لیکن ایسے دو وجودوں کا ایک فضا میں موجود ہونا جن میں سے ایک  
جسمانی اور دوسرا غیر جسمانی ہو محال نہیں۔ مثلاً مادہ کے اندر جو عرض و طول رکھتا ہے تو کونو موجود  
مانا جاتا ہے جو جسم نہیں رکھتی اور ان کے اس طرح موجود ہونے سے دونو کا ایک ہونا لازم نہیں آتا اور تو  
تو پھر بھی نہایت لطیف ہے ایچھر جس سے کم لطیف ہی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بھی اسی فضا میں موجود  
رہ سکتا ہے جہاں کوئی مادی جسم موجود ہو۔ پس خدا جو ہر طرح کے لازم جسمانی سے پاک و برتر ہے کائنات  
کے ساتھ موجود ہو تو بطریق اولیٰ دونو کا متحد ہونا لازم نہ آئیگا۔

## باب (۱۰) دہم

### خیر و شر اور تقدیر

خیر و شر کے متعلق مختلف رائیں۔ شرادہ یا روح کی طرف سے ہے۔ شر تو ہش وجود سے پیدا ہوتی ہے۔ بدی کی مہلت علیہ السلام  
بہر کی بعض برائیاں اور نیک کی مہلت۔ بہر کی اور برائیاں۔ بدی مادہ کی ترقی سے درجہ بدرجہ کم ہوتی جاتی ہے۔ حد  
سے حد کی طرف آتے ہیں ترقی بتدریج ہوتی ہے۔ عدم سے وجود میں آنے کی رفتار بھی اسی طرح تدریجی ہے اور ہر حال  
میں عدم کا اثر یعنی بدی نمایاں رہتی ہے۔ بدی پہلی تھون کا چیل ہے یا بدی حقیر ہے۔ ان خیالات میں سے بعض کو  
بعض پر ترجیح ہے۔ تدریجی ترقی کے سوا عقل کوئی اور صورت پیش نہیں کر سکتی۔ اسی سوال حل نہیں ہوا۔ کیونکہ کہا ہے۔  
ایک موقع پر کیوں کا جواب دینا ضرور ہوتا ہے۔ ایک اور موقع پر کیوں کا جواب دینا نہیں جاسکتا۔ ایک اور موقع پر ہمارا  
حزناں کیوں کا جواب ہو سکتا ہے۔ خیر و شر کی وجہ نہ معلوم ہونے سے وجود باری کا یقین زایل نہیں ہوتا۔ سب کچھ مشیت  
ربانی سے ہوتا ہے۔ خدا نے نیک اور بد دونوں سے بنائی ہیں۔ اسی میں حکمت ہے۔ خدا نے ہر کیفیت میں ترقی کی قابلیت

تھی ہے جس کیفیت کے اسباب موجود ہوں اُس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ خدا نے سوائی کو تو جم پیدا کرنے کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ خدا نے سوائی کو نیک اور بد دو نوعیوں کا باعث گردانا ہے۔ ہدایت اور ضلالت خدا کی طرف سے ہے۔ خدا کے علم میں سب کچھ ہے۔ خدا نے انسان کو قوت فیصلہ عطا کی ہے۔ انسان نہ مجبور محض ہے نہ مختار کامل انسان کو مختار کامل اور مجبور محض سمجھنا دو نوعی خیال غلط ہیں مگر پہلے خیال میں قلعی بہت ہی اور دوسرے خیال میں نقصان زیادہ ہے۔ جبر و اختیار کی نسبت مزید غور۔ رحم اور غضب۔ خدا کا غصہ۔ رحم کی تعریف۔

الہامی نوشتہ تون سے مضمون پیدائش کو ثابت کرنا ایک جملہ معترضہ تھا اس سے پہلے جو کچھ مذکور ہوا ہے اگر وہ صحیح ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا ازل سے موجود ہونا اور کائنات کا اس کی قدرت کاملہ سے وجود میں آنا یہی ایک مسئلہ ہے جس تک پہنچنے سے عقل کو تسکین حاصل ہوتی ہو اس لیے جس مذہب میں تعلیم ہو وہی قابل ترجیح ہونا چاہیے۔ مگر یہاں ہوش چکر سوال ہوتا ہے کہ خدا کی آیت کیلئے اور اس کی مخلوق میں ایسے آثار کیوں ہیں جن کو ہم ہر خیال کرتے ہیں۔ ان دو نوعی سوالوں کا جواب مذہب کی طرف سے دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک طرف خدا کو قابل فہمید بنانے کے لئے اپنے اپنے وقت کی استعداد کے موافق کنگرہ پتھر سے لیکر ریزیدہ انسانوں تک کسی کسی نہ کسی حد تک خدا ٹھہرایا گیا ہے۔ اور دوسری جانب نیکی اور بدی کی علت دریافت کرنے کے مختلف دعویٰ کئے گئے ہیں مگر مقام سترت ہے کہ مذہب کی پہلی کوشش یعنی خدا کو قابل فہمید بنانے کی تجویز حقیقتاً انسانی آئینہ شون کا نتیجہ تھی بنا ہو جاتی ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ توحید کے ایک دل آویز ترانہ کے بعد جو چند صدی پہلے ایک خاص ہمت سوسائٹی دیا تھا زمانہ نے ایک ایسا رخ بدلا ہے کہ نہ صرف دو تین خدا ماننے والوں میں بلکہ کروڑوں معبودوں کی بھینٹ چڑھانے والوں میں غرض دنیا کے قریب تمام جیسے مذہبوں میں توحید کی جانب عام میلان ہو گیا ہے۔ اور اگرچہ ابھی جا بجا پہلی غلط کاریوں کے مختلف آثار باقی ہیں مگر ایسے فرقے یا رسوم موجود ہیں جو توحید کا کسی نہ کسی حد تک اعتراف کرتے ہیں اور اس مسئلہ کے متعلق سب متفق نظر آتے ہیں کہ اگرچہ عقل کو خدا کی ماہیت دریافت کرنا اشتیاق ہے مگر اس کی کنہ یقیناً عقل کی گرفت ہو باہر ہے اور انسان اس کو سمجھنے سے عاجز ہے۔ اور اگرچہ

ایسے لوگ اپنی اپنی الہامی کتابوں سے توحید کا مسئلہ نکالنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ضرور یہ کہ ہر ایک الہامی کتاب میں اپنے زمانہ کے موافق کسی نہ کسی پیرائہ میں توحید کی تعلیم ہوگی مگر مجھے یقین ہے کہ ان الفاظ سے توحید کا مطلب سمجھنے کی توفیق بھی ہوئی ہے کہ کسی نے (فداہ ابی دومی) انکی تفسیر کا غلطہ صاف اور واضح الفاظ میں بلند کیا۔ اور گمشدہ ابواب میں دیکھا جا چکا ہے کہ تمام مذہبی احتمالات کا حقیقت توحید سے کس قدر تفاوت ہے اور ابھی ان میں کیا نقص باقی ہیں جن کو دور کرنا چاہئے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ مذاہب عالم اس دوسری کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوئے؟

خیر و شر کے متعلق مختلف مائیں ہیں اور دنیا میں نیکی بدی موجود ہونے کا سبب کہاں تک دریافت ہو سکا ہے۔

شر و مباح کی طرف سے ہے۔ اس بارہ میں ایک وہ احتمال ہے جس میں خدا کے ساتھ مادہ کو کیا مادہ اور روح دونوں طرف سے ہے۔

کو قدیم مانا گیا ہے اور ایسا احتمال پیدا کرنے والے دنیا کی تمام برائتوں کو مادہ یا مروج کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح مروج اور مادہ غیر مخلوق اور قدیم ہیں اسی طرح ان کے خواص اور خواہشیں بھی قدیم ہیں اور اسی لیے ان سے نیک اور بد افعال سرزد ہوتے ہیں اور ان پر نیک اور بد نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

شر و خواہش وجود سے پیدا ہوتی ہے اور ایک احتمال ہوتا بدھ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ سہ

”بدھ مذہب کی تمام شاخوں کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ غم کی پیدائش اور شغف کی پیدائش باہل ایک ہے۔ غم حقیقت میں نتیجہ اس کوشش کا ہے جو کوئی فرد اپنے تئیں باقی موجودات سے جدا کا دائم رکھنے کے لیے کرتا ہے۔ حالانکہ ترکیب و تحلیل کے عام قانون سے انسان اور فرشتے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ تو ان کا وہ مجموعہ کسی موجود کو ترکیب دیتا ہے جلدی یا دیرین منتشر ہو جائیگا اور اس انتشار میں توقف دلنے کی کوشش ہی وہ چیز ہے جس سے تمام قسم کے غم اور ہر طرح کی تکالیف پیدا ہوتی ہیں جو کوئی فرد باقی موجودات میں سے جدا ہوتا ہے (یعنی پیدا ہوتا ہے) مرض زوال اور موت اس پر

سہ کتاب ریجیس سسٹمز آف دی ورلڈ۔ پروفیسر ڈبلیو بی ڈیوڈز کا مضمون دربارہ مذہب بدھ۔

عمل کرنے لگتے ہیں۔ غرض جہاں شخص ہے وہاں ضرور مدد ہوگی اور جہاں مدد ہے وہاں جہالت ہوگی اور جہاں جہالت ہے وہاں غلطی ہوگی اور جہاں غلطی ہے وہاں غم ہوگا۔ جو نبی کوئی فرد موجود ہوئے لگتی ہے بیوقوفی و نیا اس پر اس کے چھ حواس کے رستہ سے اڑ کر نے لگتی ہے اور اس سے حواس کو تحریک ہوتی ہے اور اس تحریک سے محبت یا نفرت کے خیالات موجزن ہوتے ہیں اور ان آرزوؤں کو برائے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس فرد کے لیے آرزوؤں کا پورا کرنا ناممکن ہوتا ہے یعنی جس کو چاہتی ہے اس سے مل نہیں سکتی اور جس سے نفرت ہے اس سے بچ نہیں سکتی اور تیز قطع دہ اور بالآخر موت سے گریز نہیں کر سکتی اور یہ سب کچھ لازمی نتیجہ اس کوشش کا ہے جو اپنی جدا گانہ مستی اور اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کے لیے کی جاتی ہے۔

اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سب تعلیقین اور تمام برائیاں وجود خارجی کے سبب سے ہیں اور ان نجات بھی ہو سکتی ہے کہ وجود کی خواہش کو دور کیا جائے اور اس توجہ کی نسبت پر فیسّر ڈیوڈز لکھتے ہیں کہ ان تمام کوششوں میں جو اس موضوع کے لیے کی گئی ہیں اگر یہ سب سے زیادہ مکمل نہیں تو سب سے زیادہ چپان ضرور ہے۔

ہی کی اصلیت عدم ہے | اس کے بعد وحدت شہود والوں کا خیال ہے جو ہدی کی وجہ ایک لطیفہ طرز او اسے بیان کرتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ

ہیچر کی بعض برائیاں اور ”ہدی موجود ہونے کا سبب تلاش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ان کی اصلیت

ہوتا ہے کہ ہر ایک ہی کی خیر میں داخل ہے کہ وہ کسی چیز کو عدم کی طرف لیجانے کی کوشش کرتی ہے اگر وہ انسان کو مارے یا ایک انسان دوسرے انسان کو قتل کرنا ہے تو فہم ہے کہ وہ اپنی طاقت کے موافق اس کو عدم کی طرف لے جاتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی کی موت پر جلد کرتا ہے یا اس کے مال کو نہیں کرتا ہے تو اگر یہ ظاہر ہیں وہ کسی چیز کو عدم کی طرف نہیں لے جاتا مگر ان چیزوں کو ان کی تباہی جگہ سے ضرور معدوم کر لیتا ہے۔ اور نیز اکثر حالات میں موت کو دور کرنا یا مال چرانا انسان کو عدم کی

طرف لیجانے کا بھی باعث ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ جس قدر روحانی یا جسمانی برائیاں انسان میں موجود ہیں ان سب میں کم و بیش کسی چیز یا کسی حالت کو معدوم کرنا پایا جاتا ہے۔ اگر اپنے جرم کو چھپانے کے لیے مکر و فریب کیا جاتا ہے تب بھی اس نتیجہ کو معدوم کرنا مقصود ہوتا ہے جس کا عاید ہونا مناسب اور اگر کسی کی طرف سے جھوٹی شہادت دی جاتی ہے تو اس صورت میں بھی اس شخص کے لہو و دھڑکے کو خن کو زائل کرنا مقصود ہوتا ہے اور علیٰ ہذا اگر جسم میں کوئی برائی یا عیب یا مرض موجود ہے تو وہ بھی کسی ایسے عضو یا ایسے وصف کا معدوم ہونا ہے جو جسم کے لیے ضروری یا کم از کم شان پیدا کرنے کا باعث ہے۔ اور یہی حال ان تمام برائیوں کا ہے جو حیوانات میں پائی جاتی ہیں کہ سب ان کو عدم کی طرف لے جاتی ہیں۔ اور انسان میں تو پھر بھی بعض برائیاں ظاہر میں کسی چیز کو عدم کی طرف لیجا رہی ہوئی نظر نہیں آتیں مگر حیوانوں میں اتنا پردہ ہی نہیں اور وہ سب براہِ راست دوسرے کو معدوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مٹر محل کے یا الفاظ بالکل درست ہیں کہ حیوانات کا بہت بڑا حصہ دوسرے حیوانات کو کھا گھسٹنے اور نگلنے پر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اور یہ بڑا حصہ بھی بڑے حیوانات میں پایا جاتا ہے جو دوسرے حیوانات سے ترقی یافتہ ہیں اور جن سے اکثر انسان سے انوس ہو سکتے ہیں ورنہ چھوٹے درجہ کے حیوانات بقول مٹر موصوف کے ”یا نگلنے والے ہیں یا نگل جانے والے“ اور نیز وہ ان ہزار ہا برائیوں کا شکار ہیں جن کے سبب وہ اپنی حفاظت کے اسباب سے محروم ہو جاتے ہیں۔

نیچر کی برائیاں | غرض یہ ہیں وہ برائیاں جن کے سبب کی تلاش ہے اور یہ ہے انکی نیچر کہ وہ سب عدم کی طرف لیجانے کی کوشش کرتی ہیں۔ مگر اسی نیچر کی برائیاں شمار کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے کیونکہ حیوانات سے نیچے کے درجوں میں بھی بہت سے عیوب موجود ہیں مثلاً حیوانات کے نیچے نباتات ہیں اب اگر صرف نباتات ہی مدارِ زندگی ہوتیں تو پیدا کرنے والا صرف چند ابتدائی کیڑوں کیڑوں کو ہی پیدا کر سکتا جو نباتات پر بسر کر سکتے ہیں اور یہ جانوروں کا لا تعداد سلسلہ جن میں ایک کی زندگی بہت کچھ دوسرے جانما دون پر منحصر ہے ہرگز وجود میں نہ آتا اور اگرچہ ظاہر میں بہت سے بڑے حیوانات بھی صرف نباتات پر گزارہ کرتے ہیں مگر علمی تحقیقات ثابت کرتی ہے کہ تنفس اور بدنی مساات کے ذریعہ سے بلکہ پانی کے



ہر گھونٹ میں یہ جانور بیشمار جاندار مخلوق کو مضحکہ خیز کرتے ہیں۔ اس لیے صرف نباتات میں جو دولت ہے اسی کو موجودہ جانداروں کو سوا چند قشنگون کے اور سب جاندار محروم رہتے۔ یہ نباتات کا وہ بڑا نقص ہے کہ وہ اپنی نیچر سے تمام جانداروں کو معدوم رکھنا چاہتی ہیں اور اس کے علاوہ بہت سی دوسری باتیں بھی ان میں ایسے ہیں کہ جانداروں کو بہت کچھ نقصان پہنچاتے ہیں اور بعض اوقات انکی سمیت بڑی بڑی تباہیاں وجود میں آتی ہیں۔“

”اور ان سے اکثر معدنیات اور گیس وغیرہ عناصر کا درجہ ہے اور اگر صرف انہیں پر مدار ہوتا تو کیرٹون پتنگون سمیت تمام جاندار مخلوق کا خاتمہ تھا اور صرف معدنیات کی وساطت سے دنیا محض نباتات کا جنگل ہوتا اور جو زندگی کی برکت اب ہے وہ تختہ زمین پر فطرۃ آتی اور جس قدر گیس وغیرہ کے پھٹنے اور معدنیات کے سمیت کے جوش مارنے سے جانداروں کا اور نباتات کا نقصان ہوتا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔“

”اس سے آگے کر زمین اور اس سے آگے آفتاب کا درجہ اور ظاہر ہے کہ اگر ذریت کا انحصار صرف انہی پر ہوتا تو مائۃ نہایت ہی ابتدائی اور سادہ شکل میں رہتا اور یہ انواع اقسام کی تشکیلات اور طرح طرح کی ذریعہ ذریت عالم میں فطرۃ آتی اور اس نقص کے علاوہ ان کے دیگر نقصانوں کا یہ عالم ہے کہ آفتاب کا ارنے طوفان اور زمین کا ایک آتش نشان پہاڑ ٹھوڑی دیر میں وہ بدی ظاہر کرتا ہے جو کوئی انسان یا حیوان ہزار برس میں بھی نہیں کر سکتا۔“

”آفتاب کی پرے ہمارا تجربہ چل نہیں سکتا لیکن اتنا قیاس ضرور ہو سکتا ہے کہ جو درجات اس سے پہلے ہوں گے اگر صرف انہی پر مدار ہوتا تو مائۃ اور بھی سادہ اور ابتدائی شکل میں رہتا اور دنیا میں جو کچھ ہوتا وہ نہ ہونے کے برابر ہوتا۔ اور علے ہذا ان درجات کے طوفان بھی جو ہونگے وہ آفتاب اور زمین کے طوفانوں سے زیادہ تباہی بخش ہونگے۔“

”یہ ہے مجبورۃً ان برائیوں کا جو پھر میں موجود ہیں اور شمار کرنے والوں نے محض انہی برائیوں کو گناہ ہے جن میں ایک جاندار دوسرے جاندار کو مار دیتا ہے حالانکہ جیسا جاندار کو مارنا اسکی زندگی معدوم

کرنا ہے اسی طرح نباتات کو کھانا یا جلانا بھی انکی اپنی ہستی کو معدوم کر لے رہا ہے اور اس لئے وہ فوہرے ہیں۔ اور اسی طرح جسے معدوم رکھنا اور ہستی کی نعمت سے بہرہ یاب نہ ہونے دینا بھی اس سے زیادہ بُرا ہے اور اس سے کہ یکو انکا رہنمائی ہو سکتا البتہ بوسلے میں اصطلاح کا فرق ہے۔ زندگی محرم کرنے کے وقت کہا جاتا ہے کہ اس نے بُرا کیا اور زندگی سے محروم رکھنے کا خیال کرنے پر کہا جاتا ہے کہ اس کا نقص ہے اور دونوں حالتوں کیلئے مشترک طور پر کہہ سکتے ہیں کہ جاندار کو مار کر زندگی بسر کرنا بھی عیب ہے اور جانداروں کو پیدا کرنے کی قابلیت نہ رکھنا بھی عیب ہے۔ غرض نیچر و فوہ کی ایک ہے اور اس لیے اعتراض کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ دنیا اول سے آخر تک بُرا ہیوں اور عیبوں کا مجموعہ ہے۔

پری مادہ کی ترقی سے درجہ | ہر گز اس کے ساتھ اتنا اور بھی کہنا چاہئے کہ مادہ کی تمام شکلوں کو دیکھتے ہوئے  
درجہ کم ہوتی جاتی ہے۔ | جس قدر ابتدا کی طرف چلے جاؤ بُرائی اور عیب زیادہ ہوتے جائیں گے اور جتنی قدر

انجام کی طرف آؤ پری کے درجہ میں کمی آتی جائیگی اور نیکی یا فائدہ بڑھتا جائیگا۔ آفتاب اگر اکیلا ہوتا تو مادہ نہایت سادہ شکل میں رہتا اور جاندار اور دیگر مخلوق پیدا نہ ہوتی۔ مادہ کو کسی نہ کسی شکل میں پیدا رکھنا اسکا فائدہ ہے اور دیگر اعلیٰ اشکال کو پیدا نہ ہونے دینا نقص۔ مگر زمین پیدا ہونے پر نقص کم ہو گیا اور فائدہ بڑھ گیا کیونکہ اب مادہ کو اور بھی چند پہلے سے مکمل تر شکلوں میں آتیا موقع ملا۔ علیحدہ اجادات۔ نباتات اور ابتدائی حیوانات کے پیدا ہونے پر نقص کی کمی اور فائدہ کی زیادتی درجہ بدرجہ اور نمایاں ہوتی گئی کہ دنیا آبادی کے قریب تر ہو گئی اور پہلا سالن و دوق میدان بنا۔ ان کے بعد بڑے حیوانات کے پیدا ہونے سے نقص میں اور بھی کمی ہو گئی کہ ان میں سے بعض مانوس ہو کر دوسری مخلوق کو خوراک کے علاوہ اور فائدہ بھی پہنچا سکے اور انہی کی وسالت سے مادہ نے آگے ترقی کی اور زیادہ لطیف شکلیں وجود میں آئیں۔ ان کے بعد انسان پیدا ہوا تو وہ اگر کسی قدر جانداروں کو مارتا ہے تو کچھ جانداروں کی پرورش بھی کرتا ہے۔ اور نیز مانوس میں اگر محبوب ہو کر کام دیتے تھے تو یہ اپنی خوشی سے بھی اپنے محبوبوں اور دیگر مخلوقات

کے کام کرنے لگا۔ اور نیز حیوان براہِ راست معدوم کرنے کی کوشش کرتے تھے اور انسان کچھ کوشش براہِ راست معدوم کرنے کی کرتا ہے تو بعض کوششوں میں صرف عزت، مال اور جینے پر ہی تفراعت کرتا ہے اور اس طرح پر بالکل معدوم کرنے سے اپنی تئیں کسی قدر دور رکھتا ہے۔ اور جو اس نے تہذیب میں ترقی کی توجہ برائیاں وحشی انسان کرتے تھے ان میں سے اکثر کچھ بڑا لگیا اور ہمدردی اور فائدہ رسانی میں بڑھتا گیا اور تہذیب انسانوں سے بڑھ کر وہ انسان ہیں جو تہذیب کے ساتھ ایمان بھی رکھتے ہیں کیونکہ تہذیب انسان جب تک ایماندار نہ ہو صرف انہیں برائیوں سے گریز کرتا ہے جو اس زندگی میں نقصان پہنچائیں اور وہی ہمدردی کرتا ہے جو اس دنیا میں مفید ہو لیکن ایماندار انسان لوگوں کو ان برائیوں سے بھی بچاتا ہے جو آئندہ ذلت میں اثر کریں اور اس ہمدردی کو بھی اپنا فرض سمجھتا ہے جو اگلے جہان میں فائدہ دے چکا ہے وہ مالی اور جسمانی نقصان بھی بچانے کے علاوہ دوسروں کو گناہ اور کفر کی ترغیب دینے سے بھی گریز کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ انہما کی ترقی کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر چونکہ جب انسان ہیں اس لیے ہمتیاری یا بے اختیاری سے جانداروں پر سب کر کے یا نیانات کو کھانسنے کے نقص سے بالکل پاک کوئی بھی نہیں۔“

مند سے منہ کی طرف آنے میں ترقی مند برج ہوتی ہے۔ غرض یہ ہے فقہ اس نقص اور کمال یا بدی اور نیکی کا جو موجودات عالم میں پائی جاتی ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ نیت کی ہر ہمت کرنے کی تہذیب پر

عقل کے نزدیک دنیا میں نیکی اور بدی کی بھی شکل ہوتی چاہئے یا کچھ اور۔ اور چونکہ عدم اور وجود یا ہم صدیق ہیں اس لئے معدوم کے موجود ہونے کے واسطے وہی شکل قرین قیاس ہوگی جو دنیا کی اور صدون کے انقلاب میں ہوتی ہو۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ لوہے کو جس کا اصلی رنگ سیاہ ہے مگر عقل کرنے سے اسے روشن کر سکتے ہیں کہ آئینہ کی طرح اس میں سے چہرہ نظر آئے اور بالکل سفید ہو جائے مگر اس کی شکل ہی ہوتی ہے کہ ایک رنگ آلودہ ہے کو جب صقل کرنے لگیں تو پہلے اس کا رنگ دھو ہوتا ہے اور سطح کچی صاف ہو جاتی ہے اس حالت میں اگر اس میں پیدا ہو گیا ہے گرا یا ناقص کہ سیاہی کچھ بھی دور نہیں ہوتی اور اگر کالا رنگ نور کے مقابل میں براہِ تو لوہے کی اس حالت میں برائی بہت بڑی حد تک موجود ہے مگر بعد

اور رگڑا جلتے تو سیاہی دور ہوتی شروع ہوتی ہے مگر اس عمل کے ہر ایک درجہ میں نور پڑھتا جاتا ہے لیکن سیاہی بھی کم سے کم نہ ہوتی ہوئی ہر وقت موجود رہتی ہے جتنی کہ وہ آئینہ بیاہک اٹھتا ہے اس وقت اگرچہ نور بابت تک لوہے میں آسکتا تھا آگیا اور اگر اسے آفتاب کے سامنے دکھایا تو آفتاب کی جھلک اس میں نظر آجائیگی مگر یہ بھی لوہا لوہا ہی ہے اور وہ آفتاب کے برابر نورانی نہیں ہو گیا اور نیز جس قدر نور موجود ہے وہ ایسا کم و رہے کہ آئینہ ذرا سی سیلے احتیاطی سے دور ہو سکتا ہے اور لوہا سیاہ ہوتا ہوا ہر رنگ آلودہ حالت کو پہنچ سکتا ہے۔ اس وقت ایک بات اور بھی یاد رکھنی چاہئے کہ لوہے میں نور کا ایسی آمستگی سے درانا اور کامل شکل میں پھر بھی موجود ہونا اور باقیات میں سے نور اور نور ہونے لگنا نور آفتاب کے تصور سے نہیں بلکہ لوہا چونکہ اس میں نور آفتاب کی باطل ضد ہے اس لئے اس کی پیروی ایسی ہے کہ نور کو محض اسی شکل سے حاصل کر سکتا ہے اور نور کی فتکالی طرف صرف ”دیر آمدن و شب فتن“ کے ہول پر پہنکتی ہے۔“

اس نظریہ کو دیکھنے کے بعد مضمون کی عظمت کے لحاظ سے ایک اور نظریہ کا پیش کرنا بھی ضروری نہ ہو گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی جاہل علم حاصل کرنے لگتا ہے تو پہلے علم کے بے انتہا ذخیرہ میں سے بہت قصور انا متہیا کر سکتا ہے اور ہمیں سے بھی کچھ یاد رکھتا ہے اور کچھ بھول جاتا ہے اس حالت میں اگر جمالت اگر برائی ہے تو وہ علم کے آغاز پر نہایت کثرت سے موجود ہوتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ علم کا سر باہر طبعاً شروع ہوتا ہے اور جمالت کا عیب کم ہوتا جاتا ہے۔ مگر ترقی کے ہر درجہ میں جمالت کا بقیہ کچھ نہ کچھ موجود رہتا ہے حتیٰ کہ انسان کسی علم یا اسکی کسی شاخ میں ماہر اور صاحب الہا ہو نیکا فخر حاصل کرتا ہے۔ مگر اس وقت بھی یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر اس علم کے متعلق اسکی دس رائیں صحیح ہوتی ہیں تو ایک رائے ضرور غلط ہوتی ہے اور ایسا کمال کیسیکو حاصل نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی قیاس بھی غلط نہ نکلے۔ بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کبھی اس کے کسی مسئلہ میں صحیح رائے قائم کی ہے تو دوسرے وقت پر ورغ ایسا چکرایا ہے کہ اسی مسئلہ میں غلط خیال کا حامی بن گیا ہے اور علیٰ نہایت قدر کمال حاصل کر رہا ہے اگر اس کی بحث و تکرار نہ رکھے تو وہ کمال نہ رفتہ رفتہ ذوال ہائے لگتا ہے حتیٰ کہ

عالم ایک وقت میں بالکل کندہ ناتراش ہو سکتا ہے۔ اور بیان بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ نور علم کا نقص نہیں ہے کیونکہ جس مسئلہ میں ہم کسی وجہ سے غلطی دیکھتے ہیں اسی مسئلہ میں ہی نور علم جو کسی اور عالم میں جلوہ گر ہے اس مسئلہ کو نہایت صحت کے ساتھ دریافت کر لیتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نور علم میں بیشک مسائل کی پہلی حقیقت دریافت کرنے کی قابلیت ہے اور یہ جو کچھ نقص نظر آتا ہے وہ اس لیے ہے کہ جہالت کی فطرت ہی علم سے اس قدر تناقض رکھتی ہے کہ وہ جس قدر دور پہنچتی ہے بتدریج ہوتی ہے اور پھر کسی کی دیکھی شکل میں اس کا بقیہ موجود رہتا ہے اور وہی جہالت ہے جو ابتداء میں پورے طور پر نمایاں ہے اور وہی جہالت ہے جو ہمارے وقت بھی مختلف شکلوں میں اپنی بقا کو ظاہر کرتی ہے اور علم کی برکت پر پردہ ڈال دیتی ہے۔

عدم سے وجود میں آئیں کی رفتار اس کے علاوہ اور دیگر واقعات عالم میں جس قدر غور کیا جاوے معلوم بھی ہیطرح تدریجی ہے اور ہر حال میں علم کا ارتقائی برقی نمایاں ہوتی ہے نقص کے ساتھ ہوتا ہے پس یہی کیفیت آفتاب وجود کی ظلمت عدم پر عکس

ڈالنے کی ہوتی چاہئے تھی اور یہی ہوئی کہ اس کی پہلی شعاع سے رنگ عدم دور ہوا اور مادہ کی ابتدا شکل وجود میں آئی اور اس کے بعد جس حد تک عکس بڑھا گیا اسی حد تک عدم کی ظلمتیں یعنی نقص اور عیب دور ہونے لگے اور وجود کی کال سے کال شکلیں بنی گئیں حتیٰ کہ انسان اور کمال انسان میں اگر اس نابود ہونے وہ دور حاصل کی کہ آفتاب وجود کی شعاعیں اس کے اندر چمکنے لگیں اور عقل اور معرفت کے نور سے جسمانی اور روحانی جلوے ایسے ظاہر ہوئے کہ بعض حالات میں اس پر خود آفتاب وجود ہونے کا دھوکا ہوا جس طرح مچلا تلواری کو سورج کے سامنے رکھنے سے اس کے اندر آفتاب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض کوتاہ بینوں نے اسی کو خود ذات خدا کا ظہور سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں عود ذات خدا کا ظہور نہیں البتہ ایک طرح سے نور خدا کا مظہر ضرور ہے جس طرح لوہا خود آفتاب کا ظہور نہیں بلکہ اس کا مظہر ہے۔ اور یہ اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ ادھر لوہا پہلے الیا نورانی تھا اور بعد میں بھی بے احتیاطی سے پھر تار یک ہو جاتا ہے اور ادھر انسان پہلے الیا

عارف دنیا اور بعد میں ذرا ہی لغزش سے بھر کو باطن ہو سکتا ہے۔“

”پس یہاں بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس معدوم کی ایسی جھمی رفتار اور اس کے اندر نقصوں کا اس قدر جھوم اس آفتاب وحدت کا نقص نہیں بلکہ یہ عدم ہے اس لیے اس کی نیچر فی نقص ہے کہ اسی صورت میں ترقی کرے اور اسی لیے ذات خداوندی کو بڑی کامیاب قرار دینے کی بجائے بات ہوتا ہے کہ وہ محض خیر کا سرچشمہ ہے۔ چنانچہ اس نسب موجودات کو اس عیب سے بری کیا جو بیک بڑھکر تھا یعنی عدم۔ اور بری بھی اس خوبی سے کیا کہ اب چلے بڑی کرفے دے کیسی ہی بڑی کریں وہ موجودات کو موجود سے معدوم نہیں کر سکتی اور زیادہ سے زیادہ جڑوں کا زوچل مکتنا ہے وہ ایک چیز کی محض شکل کو بدل دیتا ہے۔“

”اور محض وجود یا مادہ کی محض مادہ شکل عطا کرنے پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ ترقی کا ایسا سلسلہ معدوم کر دیا گیا ہے کہ جس چیز میں جس حد تک اس بڑی بڑی یعنی عدم سے بعد بڑھا گیا اسی حد تک اس میں سے عدم کا میلان کم ہوتا گیا اور اسی حد تک وجود کی مکمل تر اشکال پیدا کرنے کی طاقت بڑھتی گئی۔ مثلاً کہ میلان عدم کم ہونے اور وجود کی طاقت بڑھنے کا سلسلہ کامل انسان میں اس حد تک پہنچ گیا کہ وہ اپنی طاقت کے موافق کسی شخص اور کسی فرد کو نقصان پہونچا نہ کرے اور انہیں اور تمام عالم کو اپنے وجود سے فائدہ پہونچانے کے اور ہر چیز کی اصل حقیقت کو اس کے مناسب حال سمجھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن چونکہ اہلیت عدم ہے اس لیے عیب ہو بالکل پاک ہو نہ سکا دعوے نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ بھی عدم کا بقیہ تھا جس کے سبب نباتات وغیرہ ابتدائی مخلوقات وجود کے بہت سے کمالات سے محروم تھیں اور یہ بھی عدم کا بقیہ ہے جس کے سبب انسان جیسی اعلیٰ مخلوق کبھی اہر من وغیرہ کی شکل میں اپنے اندر عدم کو ظاہر کرتی ہے اور کبھی شرارت وغیرہ کی شکل میں دوسرے کو عدم کرنے کی کوشش کرتی ہے جس طرح وہ بھی بہالت کا بقیہ تھا جو علم کے ابتدائی درجہ میں بہت سے مسائل کو دفنی رکھتا تھا اور وہ بھی بہالت کا بقیہ ہے جو ایک عالم میں کبھی کبھی غلط رائے قائم کر لیا کہ سب ہوتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ عدم کا طور نباتات وغیرہ میں اور انسان میں

علم کے آغاز میں بے ارادہ ہے اس لئے کہ اپنی ارادہ کی قابلیت ہی پیدا نہیں ہوتی۔ اور جہالت کا  
موجب علم کی غلط در سے ہیں اور عدم کا ظہور انسانی افعال میں ارادہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے  
اس لیے کہ اس وقت ارادہ کی قابلیت بھی موجود ہے۔ مگر جب باہر کی غلطی کو یقیناً جہالت کا نقص  
کہہ سکتے ہیں۔ تو علم کا قصور۔ تو انسان کی بدی کو بھی عدم کا نقص سمجھنا چاہئے نہ آفتاب جو  
کا قصور ہے۔

بدی پہلی جون کا پہلی | فرض جہان تک میری اقصیت ہو یہ وہ بڑی وہمیں ہیں جو بدی کے موجود ہونے کی  
سے یا بدی مختصر ہے نسبت پیش کی جاتی ہیں اور ان کے علاوہ بعض کی طرف سے تناسخ کو بھی بدی کی وجہ  
قرار دیا گیا ہے اور بعض اس نقص کو یوں ہلکا کرتے ہیں کہ انزل سے ان تک موجودات عالم کی برائت  
تشکیلین تجویز کی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ موجودہ عالم ان شکلوں میں سے ایک مختصر شے کی شکل ہے  
اور اس غیر محدود و مسلسلہ کے لحاظ سے اس کا زمانہ ایک لمحہ سے زیادہ نہیں اس لیے اس حالت میں تکلیف  
اور عیوب کا نہ چاند ان قابل اعتراض نہیں۔

لے یہ مضمون سینہ مختلف علمائے وحدت شہر کے اشارات و ترتیب دیا ہے سلیطہ سکا اقتباس اتم شکل میں لکھا گیا  
مگر حیرت ہو کہ مٹر اسے جی بروں نے کتاب الیحدیس میں من آف دی ولڈ۔ پھر در بارہ تصوف (مولانا روم وغیرہ کی  
شہادت ہو بدی کو عدم قرار دیا ہے اور کہ وحدت وجود کی طرف سے پیش کیا ہے حالانکہ بدی کو عدم کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس  
وحدت وجود کی طرف سے پیش کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ وحدت وجود کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایک موجود مطلق مان تعینات میں  
ظاہر ہوتا ہے۔ یہ پانی موج اور جباب کی شکل میں ظہور کرتا ہے اس لئے جس طرح موج اور جباب کی حقیقت پانی ہی کی طرح تعینات  
کی حقیقت وجود مطلق ہی پر اس خیال کے رو سے نیکی اور بد و فو طرح کے افعال کی ترکیب ہی ایک ذات مطلق ہے جو ان تعینات  
میں ظہور کرتی ہے اور اس لیے نیکی اور بدی دونوں ہی ذات کی طرف منسوب ہو سکتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ جو کہا جاسکتا  
ہے وہ یہ کہ انی نسبت اس ذات کی طرف ہی حالت میں ہو کہ وہ تعینات کو اختیار کرے ہو پس بدی کو عدم کی طرف  
منسوب کرنا وحدت شہر کے مسلک پر ہی چسپاں ہو سکتا ہے جو نہایت یا نہایت درست ہو تاہم بدی میں اور عدم کو کائنات  
کی باعیت قرار دیتے ہیں۔

لے ریخاں میں سید لونی فیکے کی کتاب فی افندہ ذکر سے اخذ کیا ہے۔

لیکن خواہ تناسخ یا غیر محدود سلسلہ صحیح ہو مگر حقیقت میں ان دونوں کو بدی کی وجہ گردانا صحیح نہیں  
کیونکہ تناسخ جیسا کہ مانا جاتا ہے ایک صورت سزا اور انتقام کی ہے اس لیے اگر دنیا والوں کی بدی اور عیب  
ان کی پہلی جون کا پھل ہے تو ضرور ہے کہ پہلی جون میں کوئی بدی ان سے سرزد ہوئی ہوگی جس کا ایسا نتیجہ  
پیدا ہوا اور اگر اس کو بھی اور پہلی جون کا پھل سمجھا جائے تو بدی کو اس سے بھی آگے ماننا طریقہ کار اس  
طرح خواہ تناسخ کا سلسلہ ماضی کی طرف کتنا ہی دور تک چلا جائے بدی کا وجود پہلے رہیگا اور انتقام  
پیچھے۔ اس لیے تناسخ بدی پیدا ہونے کا سبب نہیں بن سکتا اور اسی طرح خواہ موجودہ زمانہ کیسا ہی جھوٹا اور  
خفیر سمجھا جائے تاہم اس کے موجود ہونے سے اور اس کے اندر بدی اور عیب کے ہونے سے انکار ضرور نہیں  
ہو سکتا۔ اس لیے خواہ بدی تھوڑے سے عرصہ کے لیے موجود ہوئی مگر اس کا سبب کوئی ضرور ہوگا اور سوال  
ضرور پیدا ہوگا کہ دنیا میں بدی کیوں ہے؟

ان خیالات میں سو فیصلہ کہ پر تناسخ اور عیب محدود سلسلہ کو اس بارہ میں نامانی سمجھ کر وہی پہلی بدی  
بعض باتوں سے  
صورت میں غور کے قابل باقی رہتی ہیں۔ ان میں سے مادہ مادہ اور روح کی قدرت  
کا مسئلہ اگر صحیح ہو اور اگر مادہ اور روح کے نیک اور بد خواص بھی قدیم ہوں تو بیشک اس وقت بدی کو  
خدا کی طرف منسوب کرنے کی بلکہ خود خدا کو ماننے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ جب مادہ اور روح کی صفات  
قدیم ہوں اور انہیں صفات کے سبب کو نیک و بد افعال صادر ہوتے ہیں تو مادہ اور افعال مادہ  
کے سوا اور کوئی کام باقی نہیں رہتا جس کے لیے خدا کو موجودات کے شیخ پر کرنے کی تکلیف دی جائے  
مگر دیکھنا چاہیے کہ نہ صرف مادہ کو قدیم ماننا پیدا ہش کے مسئلہ کو حل کر سکتا ہے اور نہ مادہ اور خدا یعنی ایک  
سے زیادہ چیزوں کا قدیم ہونا ممکن اور قرین عقل ہے۔

ممانتا بدھ کی طرف سے جو وجہ پیش کی گئی ہے اس میں اگرچہ پہلے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ کسی  
فرد کا دنیا میں پیدا ہونا اور نعموں میں مبتلا ہونا حقیقت میں ایک ہی گویا وجود ہی بدی اور غم کا باعث  
ہے۔ مگر بعد میں جو اسکی تفصیل کی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غم وجود کے سبب سے نہیں بلکہ اس  
عدم کے سبب سے ہے جو موجود ہونے کے بعد مرض۔ منف۔ پیری وغیرہ مصائب کی شکل میں ظاہر



ہوتا ہے اور جس کا انجام موت پر ہوتا ہے اور واقعہ میں اگر غم اور فکر ہوتا ہے تو یہی کہ مبادا طاعت محرم نہ ہو جاوے۔ مبادا جسم کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ مبادا اسبابِ نیت یعنی مال منال معدوم نہ ہو جائے اور مبادا موت نہ آجائے۔ یا یہ کہ افسوس یہ صید بین الگین اور وجود کی نعمت جیسی ہونی چاہئے تھی موجود نہیں رہی۔ پس صاف ظاہر ہے کہ پیدائش اور غم ایک نہیں بلکہ پیدائش کی نفی یا نفی کا گمان اور غم کا یہ ہے اور جس چیز کا غم ہو اسی کو بدی کہنا چاہئے۔ اس لیے وجود بدی نہیں بلکہ وجود کی نفی یعنی عدم بدی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ دنیا چونکہ عدم سے نکلی ہے اس لیے وجود کی ہر ایک شکل میں عدم کا ظہور رہتا ہے اور اسی لیے وجود کے ہر درجہ میں اس عدم کے سبب کو غم لاحق رہتا ہے۔ پس شاعرانہ استعارہ کے طور پر وجود کے ساتھ عدم کا ظہور اور عدم کے ساتھ غم کا وجود ہونے کے سبب کو غم کا باعث کہا جائے تو اور بات ہو ورنہ حقیقت میں غم کو اصل تعلق عدم سے ہو اور اس لیے ہمارا ہر گز کی طرف سے جو وہ بدی کی قرار دی گئی ہے اس کو کھول کر دیکھنے پر وہی بات ثابت ہوتی ہے جو اہل حدیث شہود پہ پیدائش کی ہے کہ عیب اور بدی کی پیچیدہ ہے اور دنیا کی حقیقت بھی عدم ہے اس لیے دنیا میں ہی پائی جاتی ہے۔ اور اتفاقاتِ عالم کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک عقلِ انسانی کام کر سکتی ہے وہی ایک وجہ ہے جو بدی کے مسئلہ کو پورے فیچرل طرز سے حل کرتی ہے۔ چنانچہ اسکے رو سے اگر انسان امراض اور تکالیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اسی لیے کہ عدم ہونے کے سبب اس کو کمالِ وجود حاصل نہیں ہوا۔ اور اگر کسی قوم میں مریض اور پاہنج زیادہ ہوتے ہیں تو اسی لیے کہ وہ قوم دیگر اقوام کی نسبت کمالِ وجود میں اور بھی کم ہے۔ اور اگر بچے جو انون کی نسبت زیادہ تباہ ہوتے ہیں تو اس لیے کہ وہ جو انون کی نسبت نوزاد جو دسے کم منور ہیں۔ اور اگر کوئی انسان دوسرے کو قتل کرنا یا نقصان پہنچانا ہے تو اسی لیے کہ وجود کی جس قدر تکمیل نوعِ انسانی میں ہو سکتی ہے وہ ابھی اس حد تک نہیں پہنچا اور اسی طرح انسان سے کتر طبقات میں جو نقص اور عیب موجود ہیں تو اسی لیے کہ شاہراہ وجود میں وہ اور بھی پیچھے ہیں غرض جو کچھ نقص ہے وہ اپنی اصلیت یعنی عدم کا ہے اور خدا نے جو ہر کو پید کیا تو اس لیے کہ خیر پیدا ہو کر نرقتی کرے۔

مسطح مل تو نیچر کو مطالعہ کرنے سے پیشتر بننا لیتے ہیں کہ اس سلسلہ کائنات کو منوہ بنا کر انسان ترقی نہیں کر سکتا مگر وحدت شہود نے جن آنکھوں سے نیچر کو دیکھا ہے ان کو اس بالغ کے ہر پتہ پر کھاسوا نظر آتا ہے کہ ہر درجہ ترقی میں اس کے مناسب مال عیب میں کمی اور کمال میں زیادتی ہوتی جاتی ہے اس لیے انسان جو سب کو اس کے درجہ رکھتا ہے اور جو دنیا کی تمام خوبیوں کے ساتھ ارادہ عقل اور نور و جہان سے بھی بہرہ ور ہے اسے سب کے زیادہ عیب کو چھوڑنے اور کمال حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

تدریجی ترقی کے سوا عقل کوئی غرض ایک ضدیہ کو دوسری ضدیہ کی طرف آنے کی جو صورتیں وحدت اور صورت پیش نہیں کر سکتی شہود نے پیش کی ہیں اور عدم سے وجود کی طرف آنے میں جو ترقی تدریج تمام نظام کائنات کو ظاہر ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم سے وجود مادی سے نیکی اسی طرح پیدا ہو سکتی تھی۔ اور اس کے سوا کوئی صورت ہمارے ذہن میں نہیں آ سکتی مثلاً اگر فرض کیا جائے کہ یہ آفتاب اور زمین جیسی سادہ اور ناقص شکلین نہ بنائی جاتیں کیونکہ اپنے طوفانوں سے بہت نقصان پہنچاتی ہیں تو پھر ہمارے خیال میں کوئی صورت نہیں جن کی بنائے اور چھوٹا بنیہ حرارت اور نور کے اور بنیہ کسی جگہ قیام کے زندگی بسر کر سکیں۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ بنیہ آفتاب اور حیوانات بھی نہ بنائے جاتے جو آفتاب اور زمین کے بنیہ نہیں کر سکتے اور نیز ایک دوسرے کو بہت کچھ نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ ایک اعلیٰ روحانی مخلوق پیدا کی جاتی جو تمام حیوانی ضرورتوں سے پاک ہوتی تو پھر ہم سمجھ نہیں سکتے کہ ایسی مخلوق روحانی ترقی کیونکر کر سکتی۔ کیونکہ ترقی کے لیے ہماری عقل ہی تدریج کر سکتی ہے کہ اپنی ضرورتوں کو ناجائز طور پر پورا کرنے سے پہلے نکرین اور دیگر مخلوقات کو ان کی ضرورتوں میں مدد دین اور جب تمام مخلوق ہی ضرورتوں سے پاک ہو تو نہ اپنے انہیں جائز و ناجائز کے امتحان کا موقع آئیگا اور نہ دوسروں کو مدد دین کی ضرورت ہوگی۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ یہ بھی نہ ہو بلکہ محض ایسی مخلوق پیدا کی جاتی جس کو ترقی کی ضرورت نہ ہوتی یعنی وہ ہر طرح کے کمال سے آراستہ اور سب نقصوں سے پاک اور برتر ہوتی تو بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہیئے کہ خدا

اپنی مدد سے مخلوق پیدا کرتا مگر ہماری عقل اسکو بھی ناممکن سمجھتی ہے کہ خدا بالکل اپنی جیسی مخلوق پیدا کرے۔  
 کیونکہ جب وہ مخلوق ہے تو قدیم نہیں اور اس لیے ان کمالات کو جو ایک قدیم ذات کا خاصہ ہیں ضرور  
 محدود ہے۔ غرض جہاں تک عقل کام کر سکتی ہے اسکا فیصلہ ہے کہ عدم سے وجود کی کمال شکلیں اسی  
 طرح بتدریج اور عمومی رفتار سے پیدا ہو سکتی ہیں اور کمال کے انہی مختلف درجوں کے سبب مخلوق  
 ترقی کی شاہراہ چل سکتی ہے۔ اور یہی ترقی وہ نعمت ہے جس کو تمام دنیا اور بالخصوص نوع انسانی  
 کی سب سے بڑی آرزو اور انتہائی مقصد کہہ سکتے ہیں۔

ابھی سوال میں نہیں ہوا لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تمام باتوں کو ماننے کے باوجود اوہ اہل وحدت شہود  
 اور دیگر مذہبی رہنماؤں کی کوششوں کو جو وہ بدی کی وجہ تلاش کرنے میں بجالاتے ہیں قابل شکر گزاری  
 تسلیم کرنے کے بعد اصلی سوال کو دیکھا جاتا ہے تو وہ یہ تھا کہ دنیا میں بدی کیوں ہے؟ اور اس سے  
 پہلے مان لیا گیا ہے کہ دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے اس لیے حلال کی حقیقت یہ ہوئی کہ خدا نہ بدی کو  
 کیونکہ ظاہر کیا اور اس کے جواب میں جب بدی کو مادہ کی صفت قرار دیکر اسکی اہمیت عدم ٹھیکر کہ  
 اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ اس کے خلاف ہونا ممکن نہ تھا تو گویا یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ خدا بھی اس کے  
 خلاف کر نہیں سکتا حالانکہ اسکو ثابت کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ بیشک ہم کسی چیز کی فطرت کو بدل نہیں سکتے  
 اور اس لیے ہم اگر مادہ سے کوئی چیز بنائیں تو اس میں ضرور مادہ کی فطری صفات جلوہ گر  
 ہونگی مگر یہ اسی لیے کہ ہماری قدرت محدود ہے اور ہم اپنی ضرورتوں کے لیے جو بدی میں کچھ شکل ممکن ہو  
 اسی پر قیامت کریں اور مادہ کی فطری صفات ہو اگر کچھ نقصان بھی پہونچے تو اس پر صبر کریں اور اس کے  
 برخلاف خدا کو غیر محدود اور سب ضرورتوں سے پاک مانا جاتا ہے اس لیے اس کے فعل کو اپنی فطرت پر  
 قیاس کرنا غلط ہے اور اس لیے خواہ مادہ قدیم سے موجود ہو مگر سوال باقی رہتا ہے کہ اگر خدا بدی کو ظاہر  
 کرنا نہ چاہتا تھا تو اس نے کیوں ایسی صورت پیدا کی جس سے بدی جو مادہ کی سادہ شکل میں نمایاں نہ تھی  
 ظہور میں آئی۔ اور اسی طرح بیشک ہم ایک ضد کو دوسری ضد کی طرف بتدریج آتے دیکھتے ہیں اور  
 بیشک ہماری عقل اس کے سوا کوئی صورت خیال میں نہیں لاسکتی مگر یہ اسی لیے کہ ہم میں یہ عام تصور



هَذِهِ مِنْ عِنْدِ كُلِّ مَلَكٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ  
فَمَا لِهَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ  
حَدِيثَنَا مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ  
اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ  
وَكَرَّسْنَاكَ لِلثَّامِنِ رُسُومًا وَكَفَى بِاللَّهِ  
شَهِيدًا (مسند پارہ ۱۱)

یہ تمہاری خواست ہو۔ انہیں کہہ دو کہ بھلائی بڑائی سب  
کی طرف سے ہے مگر ان لوگوں کو کیا ہلکہ یہ بات سمجھنے کے  
قریب بھی نہیں جھٹکتے (اور حقیقت کو دیکھو لو) بڑا بھلائی بخشتی  
ہے یہ فدا کی طرف سے ہو اور جو بڑائی پہنچتی ہے یہ تمہاری اپنی  
مصلحت کی وجہ سے ہے اور تمکو تو مٹنے دھن (ہول) کا کھینچا ہے  
دینا بخشتی کیسے (اور یہ کافی ہو کہ خدا سب باتوں پر حاضر ناظر ہے)

دیکھو، کا جواب | اب یہ سوال کہ اس لامحدود خدا نے ایسا کیوں کیا اور بدی کے ظہور پر پرہیز کیا کیوں  
ہو اس بارہ میں جہاں تک اس واقع کو ظاہر کرنے کا تعلق تھا وہ وحدت شہود نے پورا کر دیا ہے مگر اس  
کا جواب جو کہنا چاہئے وہ نہ انکی طرف سے پیش ہوا ہے اور نہ کوئی اور مذہب دیکھا ہے اور  
مذہب کی جانب سے کیوں کا جواب نہ ملنے اور بدی کے ظہور کی غائت معلوم نہ ہونے پر آیا مذہب کو  
ناقص اور قابلِ نزک سمجھنا چاہئے یا یہ کہنا چاہئے کہ یہ حقیقت انسان کی سمجھ سے باہر ہے اس لئے مذہب نے  
کوئی ماہیت نہیں دی؟ اس غرض کے بیٹے دیکھنا چاہئے کہ عالم کیوں کا جواب نہ ملنے اور کسی واقعہ  
کی علت معلوم نہ ہونے پر ہماری عقل کیا مسلک اختیار کیا کرتی ہے۔

واقعات عالم جنکی تحقیق و تلاش کی جاتی ہے تین قسم میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔

(۱) ایسی چیز کے صفات و افعال کی تحقیق کی جاتی ہے جس چیز کی ماہیت بھی ہمارے مشاہدہ اور  
تجربہ سے باہر ہو اس کے وہ صفات اور افعال بھی تجربہ میں نہیں آ سکتے۔  
(۲) ایسی چیز کے صفات و افعال کی تلاش کی جاتی ہے جس چیز کی ماہیت تجربہ سے باہر ہے مگر وہ صفات  
و افعال تجربہ میں آ سکتے ہیں۔

(۳) ایسی چیز کی نسبت غور کیا جاتا ہے جس کی ماہیت بھی معلوم ہے اور اس کے افعال و صفات  
کا بھی تجربہ ہے۔

ایک موقع پر کیوں کا جواب دینا ضروری ہو | ان میں سے پہلی قسم کی نسبت قاعدہ یہ ہے کہ پہلے ایک احتمال قائم کیا جاتا

ہے اور پھر اس کے متعلق در کیوں، کے لفظ سے جہاں تک ممکن ہو سوال پیش کئے جاتے ہیں اب اگر تمام سوالوں کا جواب اس احتمال کے مناسب مل جاتا ہے تو احتمال کو حسب حیثیت ظن غالب یا یقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے لیکن جب کہی کسی ایک موقع پر بھی کیوں کے جواب میں کوتاہی ہوتی ہے تو اس احتمال کو غلط مان کر اور احتمال تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور پھر اس کے متعلق، کیوں، کو حیا کر دان کر تحقیق و تفتیش شروع کی جاتی ہے۔ غرض ایسے واقعات میں در کیوں، کا جواب نہ ملنے سے ضرور احتمال کو ترک کر دیا جاتا ہے مثلاً آفتاب کی اہمیت تجربہ میں نہیں آسکتی اور اس کے ٹھوس یا سیال یا بخار ہونا یا کسی تجربہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے پہلا احتمال کیا گیا کہ وہ ٹھوس ہے اور پھر اسکی اس حرکت کو دیکھا گیا جو اپنے محور پر گرتا ہو تو معلوم ہوا کہ اس کے عین و بیانی حصہ چسکوزمین کے قیاس پر خط مندر الہنا کرنا چاہئے اس کی حرکت نسبت دوسرے حصوں کے تیز معلوم ہوئی اور سوال پیدا ہوا کہ اس خط کی حرکت تیز کیوں ہے اور چونکہ ٹھوس ہونے کی صورت میں تمام کرہ کو یکساں حرکت کرنی چاہئے تھی اس لئے اس کیوں کا جواب نہ ملنے پر اس احتمال کو غلط قرار دیا گیا اور آفتاب کو سیال فرض کیا گیا۔ اب سوال ہوا کہ آہیں سے حرارت ایسی عظیم الشان مقدار پر کیونکر نکلتی ہے اور موجودہ سائنس نے جواب دیا کہ حرارت قوت کی کشش کو خارج کرنے کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ پھر سوال ہوا کہ اگر آفتاب سیال ہے تو اتنی حرارت خارج ہونے پر اسکی قوت ختم کیوں نہیں ہو گئی اور چونکہ اس احتمال کے مطابق اسکا کوئی جواب نہ تھا اس لیے سیال ہونے کے احتمال کو بھی غلط قرار دیا گیا اور بخار کی قسم کا ہم فرض کیا گیا کیونکہ اس صورت میں مذکورہ بالا در کیوں کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حرارت نکلنے پر بخار کی وجہ سے وہ نہایت لطیف پھیلے ہوئے بخار کی حالت سے سکڑتا جاتا ہے اور آئندہ کے کم و کم دریا وہ کنٹینر ہوتا جائیگا اور اس طرح حرارت آہیں سے آئندہ بہت بڑے عرصہ تک صرف ہو سکتی ہے چنانچہ اب تک یہ احتمال علمی و دنیا میں ظن غالب حکم رکھتا ہے۔ مگر حال کے انکشافات میں دیکھیں ایک ایسی چیز دریافت ہوئی ہے جسکی حرارت بغیر طاقت کو خارج کرنے کے نکلتی ہے اور اسکی وجہ سے کچھ سوال پیدا ہونے لگے ہیں اور عجیب نہیں کہ کسی سوال پر اس احتمال کو بھی غلط ماننا پڑے اور آفتاب کی کوئی اور صورت تسلیم کی جائے۔

اسی طرح زمین اور آفتاب کا باہمی تعلق جو تجربہ سے بالاتر تھا جب اسکی نسبت تلاش شروع ہوئی تو پہلے زمین کو ساکن اور آفتاب کو اس کے گرد متحرک مانا گیا اور پھر سوال کیا گیا کہ رات دن کیوں پیدا ہوتے ہیں اور سہ ماہیوں کیوں بلیقی ہیں اور آفتاب کیوں سمت الراس کے قریب اور کبھی دور کیوں دکھائی دیتا ہے۔ ان سوالوں کا جواب اس احتمال کے مطابق لکھا گیا اور آفتاب کی بایا سا وزن کی دو طرح کی حرکت ماننے سے یہ عقیدے حل ہو گئے اس لیے اس احتمال پر یقین کر لیا گیا اور جب تک کوئی اور دیکھوں، اس کا سوال پیدا ہوا اس خیال کو امر واقعی ماننے پر کہ جب اور واقعات معلوم ہوئے تو پھر کیوں کی آواز پیدا ہوئی مثلاً سترھویں صدی میں جب مقام مدینہ کے ٹیڑھے مینار سے جو سائٹیفک تجربوں کے لئے بنایا گیا تھا ایک بھاری پتھر نیچے کو بھینکا گیا تو جس مقام سے وہ زمین کی طرف آیا تھا ٹھیک اس کے عمودی خط پر زمین کے اوپر نہ گرا بلکہ کسی قدر مشرق کی جانب سے بہت کر گرا جس پر سوال ہوا کہ پتھر عمودی خط پر نہ آیا۔ اور چونکہ زمین کے ساکن ہونے پر اس کا کوئی جواب نہ تھا اس لیے اس سوال کے پیدا ہونے پر کم از کم زمین کی محوری حرکت کو ماننا پڑا اور اس پتھر جیسے سوال کو حل کیا گیا کہ کرہ کے اجزاء جس قدر اس مرکز سے دور ہوں اسی قدر ان اجزاء کی محوری حرکت تیز ہوتی چنانچہ مینار بھی اس طرح زمین کی نسبت مرکز سے دور تھا اس لیے اس کے اوپر رکھا ہوا پتھر سطح زمین کی اجزاء سے تیز حرکت کر رہا تھا اور اسی طرح وہاں سے گرا تو اپنے اصلی عمود پر آیا جو سطح زمین کی اجزاء سے کسی قدر تگے یعنی مشرق کی جانب تھا۔ اور پھر یہ معلوم ہوا کہ آفتاب میں سے بڑا ہے اور نیز جب کشش ثقل کے قانون سے ثابت ہوا کہ چھوٹی چیز بڑی کے گرد حرکت کرتی ہے تو آفتاب کی حرکت کے متعلق کیوں کا سوال پیدا ہوا اور اس طرح کے سوالوں سے پہلا احتمال بالکل غلط ثابت ہو کر زمین کا آفتاب کے گرد گھومنا یقین کے قریب آ گیا۔

ایک اور متغیر کیوں کا جواب	غرض اس سے اور بھی ہم کی ہزاروں مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی
دیباچہ نہیں چاہئے۔	چیز اور اسکی کوئی صفت تجربہ کی گزشتہ سے باہر ہو تو اس کے متعلق کیوں کا ہر ایک

سوال حل کرنا پڑتا ہے اور نہیں تو مفروضہ احتمال غلط ثابت ہوتا ہے مگر دوسری قسم یعنی ایسی چیز جسکی باہمت تجربہ سے باہر ہے لیکن اسکی صفت مشاہدہ میں آسکتی ہے ایسی صورت میں پہلی صورت کے برعکس کہیوں

کا جواب نہیں دیا جاسکتا اور صرف اُس صفت کے تجربہ پر قناعت کی جاتی ہر شگفتہ نقل ایک  
ایسی طاقت ہے جسکی ماہیت سمجھ سے باہر ہے ڈاکٹر ایچ آرنل لکھتے ہیں کہ  
”نیوٹن کا یہ عام قانون قدرت ایسا ثابت ہو کہ شک کی ذرا گنجائش نہیں لیکن کوئی نہیں سمجھتا  
کہ وہ ہے کیا چیز“

اس لیے تجربہ کی مدد سے ہم یہ تو یقین کر لیتے ہیں کہ دو جسموں کا درمیانی فاصلہ ایک چوتھائی کم ہو جانے  
پر کشش سولہ گنا زیادہ ہو جاتی ہے مگر اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ فاصلہ کی کمی سے کشش  
کیوں چوگنی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح مادہ ایسی چیز ہے کہ اسکی ماہیت ہم درحقیقت نہیں ہیں اور مادہ ایک طرف اس کے اقسام  
یعنی عناصر کی ماہیت بھی دریافت نہیں ہوئی اس لیے تجربہ و آئنا تو یقین ہے کہ بلیک کسٹنڈ اور  
ایسٹ کسٹنڈ کی آمیزش سے مختلف نمک پیدا ہوتے ہیں یا ہائیڈروجن اور آکسیجن کے اختلاف پر پانی بنتا ہے  
لیکن یہ سوال ناقابل حل ہے کہ کیا ایسا ہوتا کیوں ہے۔ اسی طرح شعلہ آفتاب کا زمین تک پہنچنا محمول کہنیت  
ہے اسلئے تجربہ سے آئنا یقین تو ہے کہ شعلہ آفتاب ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل قطع کرتی  
ہے مگر یہ کہی رفتار اس قدر کیوں ہے؟ اس کا کوئی جواب نہیں۔

ایک اور موقع پر خاص مہنگ | ایسی بے شمار مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ محمول الماہیت اشیا کے ان  
کیوں کا جواب ہو سکتا ہے | صفات چرچ کا تجربہ ہو یقین کرنا پڑتا ہے مگر ایسا کیوں ہے اور اس کے  
خلاف کوئی اور صورت کیوں نہ ہوئی اس عقدہ کو حل نہیں کر سکتے نہ ہی تیسری قسم اسپین جہان  
تک کسی ماہیت کا علم ہے اسی حد تک کیوں کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے مثلاً ہیرے اور کوئلہ کی  
ماہیت کسی قدر معلوم ہو اس لیے جب سوال ہو کہ کوئلہ ہیرے کیوں بن جاتا ہے تو جواب دے سکتے  
ہیں کہ ان دونوں کی ماہیت کا بنیادی فرق ہے کہ ہیرے کی قدر قوت کے۔ اس لئے قوت کو گھٹا بڑھا کر ایک کچے  
دوسرے میں بدل سکتے ہیں۔ غرض یہاں تک ماہیت معلوم تھی اور یہیں تک کیوں کا جواب  
چل سکا۔ آگے نہ کاربن کو چاہتے ہیں اور نہ کاربن کو ہیرے بننے کی وجہ بتا سکتے ہیں۔ اسی طرح روشنی کی



ماہیت ایک حد تک معلوم تھی کہ چند رنگوں سے مرکب ہے اس لیے جب سوال ہوا کہ چیزوں کے رنگ کیوں نظر آتے ہیں تو کہا گیا کہ جب روشنی کی لہر کسی چیز پر پڑتی ہے تو اس کے رنگوں میں سے کچھ اہل چیز میں جذب ہو جاتے ہیں اور کچھ ٹکڑا کر واپس آتے ہیں پس جو رنگ اس طرح واپس آکر نظر تک پہنچتا ہے وہی اس چیز کا رنگ سمجھا جاتا ہے یہاں بھی کیوں کا جواب اسی حد تک اگر ٹھیکہ کیا جس حد تک روشنی کی ماہیت معلوم تھی اور رنگوں سے آگے چونکہ ہمارا علم نہ گیا تھا اس لیے جواب میں بھی کچھ اور جملانی نہ دکھاسکے اور بعض رنگوں کے جذب ہونے اور بعض کے نہ ہونے کی باریک بینی میں تمام رنگوں کے جذب ہو جانے کی وجہ نہ بتا سکے کیونکہ رنگوں کی ماہیت معلوم نہیں۔

خیر و شر کی وجہ نہ معلوم ہونے سے | اس تمام مضمون کو پیش نظر رکھ کر غور کرنا چاہئے کہ خدا کی ذات اور خدا کی صفات یعنی علم قدرت ارادہ وغیرہ کی ماہیت نامعلوم تھی اور اقل سے تجربہ تھا کہ پیدا کرنے والی طاقت کوئی بھی جو مخلوق میں نیکی اور بدی دونوں میں اس لیے جب نامعلوم ذات اور نامعلوم صفات کی نسبت غور کرنا شروع کیا تو احتمال قائم کئے گئے اور ہر احتمال پر کیوں کا سوال پیش کیا گیا اور جواب نہ ملنے پر یکے بعد دیگرے احتمالوں کو غلط ماننا شروع ہوا اس خیال تک پہنچے کہ ایک خدا ہمیشہ سے موجود ہے اور اس نے اس کائنات کو نسبت سے بہت کیا ہے اور ہمنے دیکھا کہ اس احتمال پر جس قدر سوال ان صفات کی نسبت پیدا ہوئے جو تجربہ سے باہر تھیں ان کا جواب اس احتمال کے مطابق لگیا پس جس طرح آفتاب کی جہانی حالت اور زمین اور آفتاب کے تعلق وغیرہ کی نسبت مختلف سوالات کا جواب مل جانے پر ایک ایک احتمال کو منہج دی گئی ہے اسی طرح خدا کی نسبت اس آخری احتمال عقل کو تسلیم کر لی گئی اس طرح زمین اور روشنی وغیرہ کے پیمانہ رفتار کو پیش نظر کی مقدار نہ تھی وغیرہ اسی صفات کے متعلق جن کا تجربہ ہو سکتا ہو کیوں کا جواب نہیں دیا جاسکتا اور وجہ بتائی نہیں جاسکتی اسی طرح خدا کے طریق پیدا ہونے کے متعلق جس میں نیکی اور بدی دونوں شامل ہیں اور روز مرہ انسان مشاہدہ کرتا ہے کیوں کا جواب دیا نہیں جاسکتا۔ اور جیسے

وہاں ہی جواب تھا کہ رفتار اور کشش کا یہی قانون رکھا گیا ہے اسی طرح یہاں جواب ہو گا کہ بدلتی  
 کا طریق ہی نظر آتا ہے اور جیسے وہاں جواب دہنے سے زمین وغیرہ کی حرکت اور کشش ثقل کے  
 وجود سے انکار کرنا جہالت ہو اسی طرح یہاں بدی کی وجہ نہ معلوم ہونے پر خدا کے وجود سے انکار کرنا  
 نادانی ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس جیسے علوم و نبوی میں ہمارا بھی فرض ہے کہ قوانین قدرت کو قدرت  
 کریم اور ان سے اپنی و نبوی اغراض میں فائدہ اٹھائیں اسی طرح یہاں ہی ہمارا اسی قدر فرض ہے  
 کہ نیکی اور بدی کے طور وغیرہ کے متعلق جو صدقتیں ہوں انکا علم حاصل کرین اور ان سے روحانی  
 اغراض میں مدد لیں اور پھر جس طرح وہاں پہلے مختلف قوانین قدرت کا علم حاصل کیا جاتا ہے اور  
 پھر ان سے کام لینے کے عملی طریقہ دریافت کئے جاتے ہیں اور یوں سائنس اور سائنس سے  
 صنعت پیدا ہوتی ہو اسی طرح یہاں نیکی اور بدی کے متعلق صدائیتوں کو سمجھا جاتا ہے اور پھر ان کے  
 مطابق روحانی ترقیوں کے رستے تیار کئے جاتے ہیں اور یوں عقاید اور عقاید سے اعمال پیدا ہوتے  
 ہیں۔ اس لیے اقرار خدا کے بعد مذہب کا سب سے بڑا کام نیکی اور بدی کے متعلق قوانین کی تعلیم  
 دینا ہے چنانچہ چند اصولی صدائیتیں جن سے خدا کو موجود مانکر انکار نہیں ہو سکتا تفصیل میں ہیں  
 سب کچھ شیت ربانی | اول خدا غیر محدود و ہر اسکی صفات غیر محدود ہیں اس لیے ضرور ہر کہ اس سے  
 سے ہوتا ہے اس کا ناسکے موجودہ قوانین اپنی مرضی سے مقرر کئے ہیں کیونکہ اگر مرضی سے  
 نہ ہوں تو لازماً ہے کہ وہ مجبور ہو اور غیر محدود قدرت نہ رکھتا ہو اور جب قوانین اس نے اپنی مرضی  
 سے مقرر کئے ہیں تو ضرور ہے کہ اگر اسکی مرضی اسکے خلاف ہوتی تو کوئی اور طرح کے قوانین جاری  
 ہوتے۔ اور اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر وہ چاہتا تو دنیا میں محض ہی چیزیں اور وہی اسباب ہوتے  
 جو مخلوق کو فائدہ پہنچائیں اور نقصان پہنچانے والی کوئی چیز نہ ہوتی۔ پس تمام انسان بھی فائدہ پہنچاتے  
 اسے قرآن میں اس سئلہ کے متعلق جو تفسیر کی ہے اس قدر اہتمام ہو کہ غالباً اس کے بہت کم صفحات پر لکھیں گے جن میں ایک مختلف  
 پہلوؤں میں کسی کسی کے متعلق مذکور نہ ہو اور غالباً قرآن میں بھی ایک سئلہ جو سب سے زیادہ دہرایا جاتا ہو حالانکہ ان مقامات  
 عالم کی شہادت اور قوانین قدرت کے مطالعہ سے جس قدر اس سئلہ کی صحت معلوم ہوتی ہو شاید ہی کسی اور سئلہ کی جو

والے ہوتے اور حضرت کسی سے ظاہر نہ ہوتی جبکہ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ سب نیک اور ہدایت یافتہ ہوتے اور بدی اور بدی کی طرف جائز کیا نشان نہ ہوتا۔ غرض لامحدود قدرت ماکر اس نتیجے تک ضرور پہنچتا ہے اور یہی کامل مذہب کی تعلیم ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلْنَا الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ  
مِنْ نَجَعٍ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ جَعَلُوا  
فِتْنَةً مِّنْ أَمِّنٍ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ  
اللَّهُ مَا أَصْنَعْنَا لَكُمُ الْفِتْنَةَ لَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُؤْتِي  
(بقیہ پارہ ۳ ص ۱۲۴)

اگر خدا چاہتا تو جو لوگ ان کے بعد مین دلائل کو دیکھنے کے بعد جھگڑا اور لڑائی نہ کرتے۔ لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور بعض مومن ہو گئے اور بعض کافر اور اگر خدا چاہتا تو وہ دنگا نہ کرتے۔ لیکن خدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔  
فَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ عَلَى الْإِيمَانِ فَلَا تَكُونُوا  
مِنَ الْغَايِلِينَ (انعام پارہ ۳ ص ۱۲۴)

اگر خدا چاہتا تو ان سب کو ہدایت پیش کر دیتا پس تم نادانی کا خیال نہ کرو۔  
قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَىٰكُمْ  
أَجْمَعِينَ (انعام پارہ ۳ ص ۱۲۴)

کہہ دو کہ پوری حجت خدا کے پاس ہے پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا۔  
وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً  
وَّاحِدَةً وَلَا يَنَالُونَ فِتْنَةً وَلَا تُصِيبُكُمْ  
بَاسٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ فَكُنْتُمْ تُخْلَفُونَ  
(مؤمنین پارہ ۱ ص ۱۲۴)

اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو لوگوں کو ایک امت بنا دیتا اور یہ لوگ ہمیشہ مختلف مین گے مگر جن پر خدا کی مہربانی ہو۔ اور ان کو اسی لیے پیدا کیا ہے۔  
أَفَلَمْ يَأْسَ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَّوِيكُمُ  
اللَّهُ هَدَىٰ لِلنَّاسِ جَمِيعًا (مجادلہ پارہ ۱ ص ۱۲۴)

پس کیا ایماندارو استغنا امید نہیں بنے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دیتا۔  
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَلْغَىٰ الْفِتْنَةَ

اور اگر خدا چاہتا تو تم کو ایک امت بنا دیتا۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَبْهَكُنَّ كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا

(حجہ پارہ ۱۷ ع ۱۷)

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ

(شہد کا پارہ ۱۷ ع ۱۷)

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دیتے

اور اگر خدا چاہتا تو ان کو ایک امت بنا دیتا۔

خدا نے نیک اور بد دونوں  
رستے بنائے ہیں۔

وہم بجائے اس کے کہ محض ایک سہ نیک افعال اور نیک نتائج کا  
پیدا کیا جاتا دنیا میں دونوں طریق مقرر کئے گئے ہیں چنانچہ نیک رستہ

پر چلنے والا نیک نتائج تک پہنچتا ہے اور برائی کو اختیار کرنے والا بد انجام حاصل کرتا ہے اسیلئے ہر

تعریف اُس خدا کی ہے جس نے آسمان و زمین  
کو پیدا کیا اور تاریکی اور روشنی کو بنایا۔

وہ ذات ہے جس نے تنکو پیدا کیا کہ بعض تم میں سے  
کافر اور بعض مومن۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ  
وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ۚ إِنَّهُ هُوَ الَّذِي  
خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ  
مُؤْمِنٌ ۚ (تغابن پارہ ۱۷ ع ۱۷)

ہم نے اسے رستہ دکھایا ہے پس خواہ وہ شکر گزار  
بنے یا ناشکر۔

إِنَّا هَدَيْنَا السَّبِيلَ ۚ إِنَّمَا أَشْكِرَ  
وَأَمَّا أَكْفُرًا ۚ (دہر پارہ ۱۷ ع ۱۷)

کیا ہم نے اسکو دکھایا اور ایک زبان اور دو  
لب نہیں دئے اور کیا اس کو دو نورستے نہیں  
دکھائے۔

أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا  
وَشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۚ  
(البلد پارہ ۱۷ ع ۱۷)

قسم ہے روح کی اور اُس کی جس نے اسے بنایا اور اس  
میں جھلائی اور بُرائی کا خیال ڈالا۔

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّيْنَاهَا ۚ أَفَأَتْلُوهُنَّ حُجُورًا  
وَأَنفُورًا ۚ (ورش پارہ ۱۷ ع ۱۷)

اسی میں حکمت ہے | سو ہم جس طرح اسکی قدرت غیر محدود ہے اسی طرح اسکی حکمت بھی غیر محدود ہے

اور انسان کی عقل نہیں سمجھ سکتی کہ اس طرح کے انتظام میں کیا کچھ حکمت اور پیڑی ہے مگر انسان کو  
اپنی حالت کے موافق اس قدر خیال کرنا ضرور ہے کہ جو فائدہ اس انتظام پر نوب ہو وہ اور کسی نظام پر

جو انسانی عقل میں آسکے مرتب نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر دنیا میں بالکل بدی نہ ہوتی تو بدی پر غالب آتے اور بدخواہشوں کو روک کر نیکی کی جانب رجوع کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوتی اور اس لیے ایسی مخلوق نیکی پر کاربند ہوتی تو محض اسی وجہ سے کہ نیکی کے سوا اس کو کوئی فعل کر نہ سکتا نہ ہوتا اور اس پر ایسی مخلوق صلہ و انعام کی مستحق بھی نہ ہوتی۔ اور اسی طرح اگر نیکی اور بدی دونوں ہوں مگر بدی کا نتیجہ برا نہ ہو اگر تا تو پھر بھی بدی اور نیکی میں کچھ تفاوت نہ ہوتا اور کامل عدل کے بالکل منافی ہوتا کہ نیک اور بد کو یکساں انعام دیا جائے پس یہی صورت موزون ہو کہ نیک اور بد دونوں راہ بنائے جائیں اور ہر ایک پر اس کے مناسب حال نتیجہ مرتب کیا جائے تا ہر شخص اس امتحان میں جس قدر فیہر پاس آئی کے موافق اعزاز حاصل کرے اور خدا جس شخص کو جس تہ کے لائق دیکھے وہی درجہ عطا کرے چنانچہ یہی سمجھایا گیا ہے :-

وَرَحِمَةً أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَكِنَّا نَعْلَمُ  
اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمُ الصَّابِرِينَ  
(آل عمران پارہ ۷ ع ۱۷)

أَوْ مِنْ كَانَ مَيْتًا فَكُنْهِنَا وَأَجْعَلْنَا  
لَهُ قُتْلًا يَشْهَدُ فِي النَّاسِ مَكْنٍ مَشْكُ  
فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا  
(انعام پارہ ۷ ع ۱۷)

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ  
حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ  
(انفال پارہ ۷ ع ۱۷)

أَحْسِبِ النَّاسَ أَنْ يُلَاقُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا  
وَهُمْ لَا يُفْقَهُونَ ذُو قُلُوبٍ فَتَنَّا الَّذِينَ

کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ خدا  
کے نزدیک نہ ثابت ہوا ہو گا کہ کون تم میں سے  
کوشش کرنے والا ہے اور کون صبر کر رہا ہے۔  
کیا وہ شخص جو مردہ ہوا رہے اسے زندہ کیا ہو اور  
اس کو نور دیا ہو جس سے وہ لوگوں کے پیچ میں راہ نکالے  
اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں ہو اور اس سے  
نکل نہ سکتا ہو۔

یہ اس لیے ہوا ہے تا ملاک ہو جو ملاک ہوتا ہے۔  
دلیل سے اور زندہ رہے جو زندہ رہتا ہے دلیل سے

کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ صرف اتنا کہنے پر چھوڑ  
دیجائیں گے کہ ایمان لائے۔ اور ان کو فتنہ میں ڈالا جائے گا

مِنْ قَبْلِهِمْ فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا  
وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ (مغربت پارہ ۳ ع)  
وَمَا خَلَقْتُ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا  
بِإِلَهِ إِلَّا أَنْتَ اللَّهُ الَّذِي لَا يَكْفُرُ لَكَ  
كَفَرُوا أَفُولُوا  
لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ أَمْ يَجْعَلُ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَكَاتًا  
الْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ يَجْعَلُ  
الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَارِ (ص پارہ ۳ ع)

حالانکہ ہم نے فتنہ میں ڈال دیا ہے اور ان سے پہلے لوگوں کو نافرمانی کے  
ساتھ ثابت ہو چکا کہ کون بچا ہے اور کون جھوٹا۔  
ہم نے آسمان زمین اور سب کچھ مریانی مخلوق کو بے رحم  
پیدا نہیں کیا۔ یہ کفار کا گمان ہے۔ پس افسوس ہے  
کہ وہ عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ کیا ہم ایمان لانے والوں  
اور نیک عمل کرنے والوں کو ملک میں فساد کرنے والوں  
کے برابر کر دیں اور کیا ہم سیرت گاروں کو بدکاروں  
کے مساوی سمجھیں۔

خدا نے ہر کیفیت میں ترقی کی قابلیت رکھی ہے۔ نیک اور بد یا مفید اور مضر حالات کو موجود پانے کے لیے پیدا کیا  
جانتے ہیں کہ ان دونوں کیفیتوں میں ترقی کی قابلیت بھی وہی ہے۔  
اور قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ جس چیز کی طرف توجہ ہو اسکی ہمارت نامعلوم طور پر پڑھتی جاتی ہے مثلاً  
اگر کوئی جاہل علم کی طرف توجہ کرتا ہے یا کوئی نادان کوئی ہنر سیکھنے لگتا ہے تو پہلے موجودہ حالت  
کو بدلنا ایک کوہ گردان معلوم ہوتا ہے مگر توجہ اور شوق پیدا ہونے پر گواہی اس کام کو اٹھ نہ لگایا ہو  
وہ پہلی سی دشواری اور وقت کم محسوس ہونے لگتی ہے اور جب وہ ابتدائی سبق حاصل کرنے لگتا ہے  
تو اگرچہ اسکو نمایاں طور پر محسوس نہیں ہوتا مگر دشواری کا پر وہ اٹھنا شروع ہو جاتا ہے اور فن حاصل  
کرنے کی قابلیت زیادہ ہونے لگتی ہے اور اس طرح ہر قدم پر وہ اپنے مدعا کے قریب آتا جاتا ہے۔  
اور اوصاف اسی طرح کوئی شخص کسی فن یا کام میں رات دن مشغول ہوتا ہے اور کسی وقت اس مشغول کو نہیں  
چھوڑتا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لئے اپنی اس عادت کو دست بردار ہونا نہایت ہی دشوار ہے، لیکن  
جب کسی وجہ سے ایک دفعہ اس کام میں سستی کر لے گا اور ایک لمحہ کے لئے غافل ہو جاتا ہے تو یہ ایک  
لمحہ کی غفلت عادت کو چھوڑنے کی دشواری میں تخفیف کر دیتی ہے اور اگر اب کسی سخت ضرورت کے  
سبب اس نے تھوڑی سی غفلت کی تھی تو آئندہ اس کو کم ضرورت پڑنے پر زیادہ دیر تک بیکار رہنے

پر مال ہو جاتا ہے اور اگر یہی رفتار جاری رہی تو کیفیت ہو جاتی ہے کہ بغیر وقت بھی کام کو چھوڑنے لگتا ہے حتیٰ کہ ایک وقت پر بالکل ناکارہ اور راندہ ہو جاتا ہے اور کیفیت صرف انسانوں پر مخصوص نہیں بلکہ دنیا کی ہر چیز اپنی حالت بدلنے پر اسی طرح اس انقلاب کیلئے پہلے سے زیادہ مستعد ہوتی جاتی ہے جنگلی درخت کو باغبانی کے قاعدوں پر یا درستی جانور کو تربیت کے اصول پر پرورش پانے کا موقع ملے تو جتنی وقت انقلاب کے پہلو درجوں میں صرف کرنی پڑتی ہے آئندہ اس کو کم وقت میں زیادہ انقلاب ظاہر ہونے لگتا ہے اور اگر دھرم پرورش کے قاعدوں میں تساہل کرنے سے بڑے آراستہ درخت اور تربیت یافتہ جانور اپنی صحرائیت اور وحشت کی طرف لوٹتے ہوئے پوری بیڈول اور ناہمواریاں کھینچتے ہیں۔ اپنے ہی حالت کو دیکھیں تو اس میں بھی یہی قانون نظر آتا ہے۔ ایک زندہ دوا یا ش کو جو ہر وقت سیہ کاری میں منہمک ہو خدا ترسی کی طرف آنا اور اپنی حیوانی لذتوں کو ناویدہ روحانی ترقی کے لیے چھوڑنا نہایت گران معلوم ہوتا ہے اور اس کی ایسی حالت کو بدلنے کے لیے ایسی قوت کی ضرورت ہے جو بلا مبالغہ کہے کہ کو پانی کرنے کی قابلیت رکھتی ہو۔ مگر جب ایک فحشہ کسی طرح خدا کی طرف تھوڑی سی توجہ بھی کر لیتا ہے تو آئندہ کیلئے اس کے دل کو نرم کرنا آسان ہو جاتا ہے اور پھر چھوٹی چھوٹی خبریں اس کے دل کو زیادہ سے زیادہ مرعوب کرنے لگتی ہیں حتیٰ کہ ایک وقت پر اس کا دل اس قدر نرم ہو سکتا ہے کہ کسی عبرت نصیحت کی ضرورت نہ رہے اور نہ صرف یہ کہ اس کا خود گمراہ ہونا محال ہو جائے بلکہ وہ دوسروں کے لئے بھی روشنی کا مینار بن سکتا ہو۔ اور اسی طرح زنا پر شب زندہ دار اور عابد خدا پرست کو اپنا ذکر و مراقبات سے ایک لمحہ غافل ہونا موت سے بدتر معلوم ہوتا ہے لیکن کسی سبب سے ایک دم کیلئے عیش و آرام کی طرف مائل ہونے سے تباہی کی سبب پانے والا نور کم ہونے لگتا ہے اور جو حیوانی لذت ایک لمحہ حاصل کی ہے اس کا اشتیاق پہلے سے وہ چند ہو جاتا ہے اور اس لئے ترغیب پر اپنے فرائض میں کوتاہی اور دنیا ہی میں انہماک کرنے لگتا ہے اور اگر اسی طرف چلا پلے تو آخر اس کا دل تباہی میں شب و سحر اور سختی میں جنگ جہاں سے بڑھ جاتا ہے اور اس وقت وہ دل کھتا ہو کر کھتا نہیں۔ آنکھ رکھتا ہے مگر دیکھتا نہیں اور کان رکھتا ہے مگر سنتا نہیں گو یا دل پر مہر ہو گئی ہے آنکھ پر پردہ پڑ گیا ہے اور کانز میں ڈاٹ لگ گئے

ہیں۔ غرض عیسائے قانون قدرت پر اور جو دنیا کا بنانے والا ہے اسی کی طرف سے جاری ہوا ہے  
چنانچہ انہی صدر تون کی طرف اشارہ ہے جہاں ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنْزِلَتْ إِلَيْهِمْ  
أَمْ لَمْ تُنْزِلْ بِهِمْ لَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا بِمَا نَزَّلَ اللَّهُ  
عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ  
غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ط

(بقرہ پارہ ۷ ع ۱۷)

فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَهَدَّ اللَّهُ عَنْهُمْ  
فَاصْطَفَى ط

(بقرہ پارہ ۷ ع ۱۸)

قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِؤْنَ  
اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ  
يَجْمَعُونَ ط

(بقرہ پارہ ۷ ع ۱۹)

بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ  
ط

(بقرہ پارہ ۷ ع ۲۰)

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ط

(بقرہ پارہ ۷ ع ۲۱)

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ط (بقرہ پارہ ۷ ع ۲۲)  
فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ  
فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى ط

(بقرہ پارہ ۷ ع ۲۳)

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ط

جو لوگ کافر ہیں خواہ تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان  
نہ لاؤ گئے۔ خدا نے اپنی قانون کے موافق ان کو  
اور قانون پر مہر کر دی ہے اور ان کے انکسوں پر وہ ہے  
اور ان کے واسطے بڑا عذاب ہے۔

ان کے دل میں مرض ہے پس خدا نے قانون  
ترقی سے ان کے مرض کو مٹھا دیا۔

وہ کفار سے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہم  
سے ہنس کر رہے ہیں مگر خدا انہی کی کابل دیتا ہے اور اس نے  
قاعدہ بنا دیا ہے کہ اگر کسی کے بعد کسی میں بڑھتی جائے تو گناہ

خدا ان کے کفر کے سبب ان کو رحمت سے دور کر دیا ہے  
اب وہ ایسی دور ہو گئے ہیں کہ کسی ایمان لائیں گے۔  
اور اللہ ان کو قبول ان کو رحمت کیون دینے لگا تھا۔

اور اللہ کفر کو قبول ان کو رحمت کیون دینے لگا تھا۔  
پس شیطان کا کہنا نہ مانے اس پر ایمان لائیں گے  
ایک مضبوطی کو پکڑ لیا جس کے ذریعہ اس کو پکڑتا جائیگا

خدا ان لوگوں کو کفر سے رحمت دے جو خود ہی کفر ہی کی



وَنُفِهُدُ ذَٰلِكَ الرَّسُولَ حَتَّىٰ يَجِئَ هُمُ  
الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
الظَّالِمِينَ ط (آل عمران پارہ ۷ ع ۷)  
وَلَا تَقْسُرُوا الَّذِينَ كَفَرُوا أَمْثَلُ لَهُمْ  
خَيْرٌ كَلْفِهِمْ - أَمْثَلُ عَلَىٰ لَهُمْ لِيَزِدَّ  
إِسْمَاءُ ط (آل عمران پارہ ۷ ع ۷)  
وَأَكْرَمَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ يَكْفُرْهُمْ فَلَا يَزِيدُهُمْ  
إِلَّا قَلِيلًا ط (نساء پارہ ۷ ع ۷)  
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا  
ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أَزْدَادُوا كُفْرًا لَّهُمْ  
يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا يَهْدِيَهُمْ  
سَبِيلًا ط (نساء پارہ ۷ ع ۷)  
بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ  
إِلَّا قَلِيلًا ط (نساء پارہ ۷ ع ۷)  
فِيمَا لَمْ يَنْصَرِفْهُمْ مِنْهُنَا فَانْقَضَتْ عَنْهُمْ  
وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ط (مائدہ پارہ ۷ ع ۷)  
فَلَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَعْرَضُوا  
بَيْنَهُمُ الْعُدُوتَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ  
الْقِيَامَةِ ط (مائدہ پارہ ۷ ع ۷)  
وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْبَيْتِ الْمَلَائِكَةً وَكُنَّا  
الْمُؤْتَىٰ وَحْشًا رَّعَيْنًا عَلَيْهِمْ كُلُّ شَيْءٍ قُبُلًا ط

طرف گئے ہیں حالانکہ اس سے پہلے وہ ایماندار تھے  
رسول کو حق جانتے تھے اور نشان دیکھ چکے تھے اور اللہ  
ایسے ظالموں کو ہدایت کیوں دینے لگا -  
کفار گمان نہ کریں کہ ان کو گناہ کرنے پر جو مہلت  
ملتی ہے وہ ان کے لیے بہتر ہے اس مہلت کا تو ہنسنے یا نہ  
رکھا ہی کہ وہ گناہ لگادی ہیں ترقی کریں -  
خدا نے انکو ان کے کفر کے سبب اپنی رحمت سے دور  
کر دیا ہے پس وہ کم ہی ایمان لائیں گے -  
جو لوگ ایمان لائیں پھر کافر ہوں - پھر ایمان لائیں  
پھر کافر ہوں - پھر کفر میں ترقی کریں تو خدا ان کو  
نہیں بخشے گا اور نہ انکو سیدہ رہے رہتہ کی ہدایت  
کرتا ہے  
خدا نے ان کے کفر کے سبب ان پر مہر لگادی ہے  
پس اب کم ہی ایمان لائیں گے  
ان کے وعدہ توڑنے کے سبب سو ہنسنے ان کو رحمت  
سے دور کیا ہے اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا ہے -  
جو انکو نصیحت کی گئی ہے انہوں نے اسے بھلا دیا ہے  
اس کے نتیجہ میں قیامت تک کیلئے ان میں عداوت  
اور بغض کی آگ بھڑکادی -  
اور اگر ان پر فرشتوں کو مارتے اور مروے ان پر تہیں  
کرتے اور ہم ان کے سامنے سب چیزوں کو مینا کر دیتے

مَا كَانُوا لِيَوْمٍ مِّنْ دُونِ الَّذِي كَانُوا لِيَوْمِ الْآخِرَةِ

(انعام پارہ ۱۷۷)

مَا كَانُوا لِيَوْمٍ مِّنْ دُونِ الَّذِي كَانُوا لِيَوْمِ الْآخِرَةِ  
كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ الْقَوْلَ الْكَاثِرَ مِنَ الْكَافِرِينَ

(اعراف پارہ ۱۷۸)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ  
مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ وَأُمْلَى لَهُمْ إِنَّ

كَيْدِي مَتِينٌ ط

(اعراف پارہ ۱۷۹)

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ  
أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ط

(انفال پارہ ۱۸۰)

وَأَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَشْرِعِ  
وَقَلْبِهِ - (انفال پارہ ۱۸۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ تَتَّقُوا اللَّهَ  
يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا ط (انفال پارہ ۱۸۲)

وَأَعْقِبَهُمْ نِيقَاتًا فَإِذَا فُتِنَهُم بِالْمَقَالِ  
يَمَّا اخْتَلَفُوا اللَّهَ مَا عَدُّهُ وَمَا كَانُوا

يَكْذِبُونَ ط (نور پارہ ۱۸۳)

كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ  
فُتِنُوا أَنَّهُمْ كَاذِبُونَ ط (نور پارہ ۱۸۴)

نہیں بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر شاذ و نادر (یا) لیکن اگر  
خدا چاہے تو ویسے بھی سب مومن ہو سکتے ہیں۔

پس وہ ایمان نہ لائیں گے اس سبب کہ انھوں نے پہلے  
ہی تکذیب کی ہے ہم اسی طرح کفار کے دل پر ہر گنا  
دیتے ہیں۔

جو لوگ ہمارے نشانوں کو جھٹلاتے ہیں ہم انکو آہستہ  
آہستہ برائی کی طرف لپیٹتے ہیں اس طرح کہ ان کو معلوم  
پھر نہیں اور ہم انکو مہلت دیتے ہیں بیشک ہمارے  
مخفی نشانوں مضبوط ہیں۔

اور اگر خدا ان میں بھلائی پاتا تو ان کو نیک بات  
سننے کی توفیق دیتا اور اگر ویسے ہی انکو سننے کی توفیق  
دی جاتی تب بھی کچھ توجہ نہ کرتے۔

اور یہ جان لو کہ خدا (کا قانون) انسان میں اور اس کے  
دل میں حاصل ہو جاتا ہے کہ برائی کے بعد نیک کی طرف توجہ دیتا  
اسے ایمان والا اگر تم خدا سے ڈرو گے رہنمائی گاری ہو سکے  
تو وہ تمکو حق و باطل کی تمیز عنایت کرے گا۔

خدا نے ان کے دل میں قیامت تک کیلئے نفاق ڈال دیا  
یہ نتیجہ اس سبب کہ انھوں نے خدا سے وعدہ خلافی کی  
اور اسکا کہ انھوں نے ناراضی پر کمر باندھ دیا۔

اسی طرح خدا کا کلام (اسکا قانون) ان لوگوں پر نافذ ہوتا ہے  
جو حق و باطل کو نہ پہچان سکیں ان میں ایمان کا نور نہیں رہتا۔

فَمَا كَذَّبُوا بِآيَاتِهِمْ فَبُذِلُوا  
كَذَلِكَ كُتِبَ عَلَى الْقُلُوبِ الْمُتَعَذِّبِينَ  
(یونس پارہ ۷۷)

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ  
لَا يُؤْمَرُونَ وَلَا يُجَاءُ لَهُمْ كُلُّ آيَةٍ  
(یونس پارہ ۷۸)

لَرَأَى اللَّهُ لَكُمُ الْيَعْقُوبَ حَتَّىٰ تَخْرُجُوا  
مِنَ الْقُبُورِ ثُمَّ رَدَّ بِأَنفُسِهِمْ  
بَلْ نَرِي لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرَهُمْ وَهُمْ  
عَنِ السَّبِيلِ رَدَّ بِأَنفُسِهِمْ

يَسْتَبْشِرُونَ الْآزِينَ أُمُورًا بِالْقَوْلِ الشَّكَّ  
فِي السُّبُوطِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ وَيُصْنِفُونَ  
اللَّهُ الظَّالِمِينَ ر (ابراہیم پارہ ۷۷)

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ  
كَأَنَّهُمْ يَهْتُمُّونَ بِاللَّهِ ر (نحل پارہ ۷۷)

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحْبَبُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا  
عَلَى الْآخِرَةِ وَكَانَ اللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
الظَّالِمِينَ ر وَأُولَئِكَ الَّذِينَ كَلَّمَ اللَّهُ  
عَلَى قُلُوبِهِمْ وَاسْمَعِهِمْ وَأَبْصَارَهُمْ  
وَأُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ر  
نحل پارہ ۷۷

پس وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے اس لئے کہ پہلے انھوں نے  
تکذیب کی ہم اسی طرح حد سے تجاوز کر رہے ہوں گے  
پر مہر کر دیتے ہیں۔

جن کی نسبت خدا کا کلمہ (قانون) نافذ ہو چکا ہے وہ ایمان  
نہ لائیں گے خواہ ان کو نشان دکھائے جائیں۔

خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود  
اپنی حالت تبدیلین۔

بل کہ جو لوگ کافر ہیں ان کے مکر و فریب کو ان کی نظروں  
میں خوبصورت بنا دیا گیا ہے اور وہ اس سے بے خبر ہو گئے ہیں۔  
خدا ان لوگوں کو جو ایمان لائیں گی بات پر قائم رکھتا  
ہو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور خدا ظلم  
کر رہا ہوں گے اور مکر کر رہے۔

جو لوگ خدا کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے خدا انکو  
ہدایت بھی نہیں دیتا۔

یہ انجام بد اس لئے ہے کہ انھوں نے نبی کی  
کو آخرت پر ترجیح دی اور قاعدہ یہ ہے کہ خدا ظلم  
کر رہا ہوں گے۔ مہر کر دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ  
ہیں جن کے دلوں پر اور کان اور آنکھ پر خدا نے  
مہر کر دی ہے اور یہ غافل ہیں۔

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْمِعْ أَصْفًا مِّنْكَ  
وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ  
يَجْعَلُ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ غُلُوقًا فَهُمْ  
يَسْمَعُونَ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَاتُ  
أَن يَسْمَعُوا إِنِ الْإِنْسَانُ لَغَفْلٌ غَلًّ

(نہی اس آیت پر)

وَمِنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَكَرَ آيَاتِ رَبِّهِ  
فَنَسِيَ مَا قَدْ آتَاهُ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ  
أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا  
وَإِنْ كُنْ لَهُمْ آيَاتُ فَهُمْ لَا يَحْكُمُونَ  
إِذَا الْبُذُورُ رَسَفَ بِأَرْوَاحِهِمْ

(کھف پارہ ۱۷)

وَيَزِيلُ اللَّهُ الَّذِينَ أَهْتَدُوا هُدًى  
وَيُرِيهِمْ آيَاتِهِ

(مریم پارہ ۱۷)

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ  
تَنَزَّلُ لَهُمْ أَزْقَانًا فَلَا يَحْجِلُّ عَلَيْهِمْ إِمَّا نَعُدُّ لَهُمْ  
عَذَابًا (مریم پارہ ۱۷)

كَذَلِكَ سَخَّرْنَا لِقُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ لِقَوْلِهِمْ  
يَا لَيْسَ لَهُمْ بَأْسٌ وَلَا عَذَابٌ لَهُمْ  
إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسَّوُنَا  
أَعْمَارَهُمْ فَمَا يَعْمَلُونَ (نمل پارہ ۱۷)

وَالَّذِينَ جَاهِلُوا مِيثَاقَ اللَّهِ لَبِئْسَ مَا كَانُوا  
فَاعِلِينَ (نمل پارہ ۱۷)

اور جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور ان لوگوں  
کے مابین جو قیامت کو نہیں مانتے مٹھی پر دھڑکاتے  
ہیں اور ہم ان کے دلوں کو سمجھنے سے روک دیتے ہیں  
اور ان کے کان میں میل بھر دیتے ہیں۔

اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس کو خدا کے  
نشان دکھائے گئے مگر اس نے انہیں انکار کیا  
جیسے ایسے لوگوں کے دلوں کو سمجھنے سے روک دیا ہے  
اور ان کے کانوں میں میل بھر دی ہے اور اگر تم ان کو  
کی طرف بلاؤ گے تو وہ کبھی ہدایت نہ پائیں گے۔

اور خدا ہدایت یافتہ لوگوں میں ہدایت کو ترقی  
دیتا ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم بھیجے ہیں شیطانوں کو غفاریں  
کہ وہ ان کو بہکاتے ہیں پس تم ان کے لئے جلدی نہ کرو  
ہم ان کے اعمال کو گن رہے ہیں۔

ہم اس طرح بنے ایمانی کو مجرموں کے دلوں میں ڈال گئے  
جائے ہیں وہ ایمان نہ لائیں گے حتیٰ کہ دریاں نہ اٹھیں  
جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم ان کے اعمال کو گن رہے ہیں  
میں خوب رست بنا دی ہیں وہ مگراہتہ جاتے ہیں۔

اور جو لوگ ہماری طرف مٹھی پر دھڑکاتے ہیں ان کو پھر سے  
دکھاتے ہیں اور بیشک خدا ان کو کاروں کے ساتھ ہے۔

لَسَوْكَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ اسَاءُوا السَّوْاۤى اِنْ  
كَذَّبُوْا بِآيَاتِ اللّٰهِ وَكَانُوا بِآيَاتِهِمْ مُّرْجُوْنَ

(روم پارہ ۲۱ ع ۵۱)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي عَمًّیْ هُوَ كَاذِبٌ كَعَمَلٌ

(زمر پارہ ۲۳ ع ۷۱)

حَقُّ اِذَا هَلَكَ لَقَدْ كُنْ يَبْعَثُ اللّٰهُ  
مِنْ بَعْدِهِ رَسُوْلًا كَذٰلِكَ يُصَلِّ اللّٰهُ  
مَنْ هُوَ مُسَرِّفٌ مُّرْتَابٍ الَّذِيْنَ يَجَادِلُوْنَ  
فِيْ آيَاتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتَا هُمْ كِتٰبًا  
عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الذِّنِّ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ  
يُطَبِّعُ اللّٰهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ مَّجٰرًا

(مومن پارہ ۲۴ ع ۲۱)

قُلْ هُوَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَدٰى لِّغَيْرِ الْمَوَالِدِ  
لَا يُوْمِرُوْنَ فِىْ اٰدَاۤىْمِهِمْ وَقُوْا هُوَ عَلَيْكُمْ  
عَمِيْٓمٌ رَّحْمٌ سَجْدَةٌ بَارُوْۤه عَمَلٌ

وَقَدْ يَفْقَرُوْنَ حَسْبُهُ تَزْوِجُهُ فِىْهَا حَسْبُنَا

(شورہ پارہ ۲۵ ع ۲۱)

وَمَنْ يَعْصِ عَمْرٍ ذِكْرَ الْاٰمَنِ لَمْ يَكُنْ لَمْ يَكُنْ  
فَهُوَ كَذٰلِكَ رَحْمٌ رَّحْمٌ بَارُوْۤه عَمَلٌ

اَسْلٰتٍ مِّنْ اٰتِیْهِ هُوَ اَوَّلُ اَصْلِهِ  
اللّٰهُ عَلَىٰ اَعْلٰی وَحْمَةٍ عَلَىٰ اٰمِنَةٍ وَقَلْبِهِ

پھر بدی کرنا والوں کا انجام یہ ہو اگر انہوں نے خدا کے  
نشانوں کی تکذیب کی اور اس سے مترا کر نہ گئے۔

خدا اس شخص کو ہدایت کی طرف نہیں لانا چاہتا اور  
ناش کر رہا۔

حق کہ جب یوسف فوت ہو تو توفیق کہا کہ خدا ان کے  
بعد کوئی پیغمبر بھیجے گا۔ خدا اس طرح مسرت اور مسرت  
والوں کو جو بغیر کسی دلیل کے خدا کے نشانوں سے مخالفت کرتے  
ہیں گمراہ کرتا ہے یہ خدا کے نزدیک اور یا نثار و کینہ  
نہایت ناخوشنودی کا باعث ہے۔ خدا اس طرح  
رہتے بڑھتے مشکبہ اور سرکش لوگوں کے دلوں پر مہر  
لگا دیتا ہے

کہہ دو کہ یہ قرآن یا نثار و کینہ کے لیے ہدایت اور شفقت  
اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے قانون میں گرائی ہے اور  
قرآن ان کے لئے نبیانی کا سامان ہے۔

جو نیک عمل کرتا ہے ہم اس کی نیکی کو ترقی دیتے ہیں۔

اور جو شخص مہربان خدا کے ذکر سے غفلت کرتا ہے ہم اس پر  
ایک شیطان کو دیتے ہیں جو اس کو ہمراہ رہتا ہے۔

کیا تم دیکھتے ہو اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا  
رکھا ہے اور یا وجود جاننے کے خدا نے اسے گمراہ کیا ہے

وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ غُلَامِكُمُ الْمَوْلٰى وَفَعَلَ بِكُمُ الذِّلَّ  
مِنْ بَعْدِ الْاِثْمِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ط

(جاثیہ پارہ ۲۵ ع ۳۳)

وَالَّذِيْنَ اٰهْتَدٰۤى اَزَاۤءَهُمْ هَدٰۤى اٰتٰهُمُ  
تَقْوٰیہُمْ ط (محمد پارہ ۲۷ ع ۲)

ثُمَّ لَمَّا رَآہُمْ اَنۡزَلَ عَلَیْہِمْ اَنۡ تَقُولَ لَکُمۡ اَنْ تَقْسِدُوْا  
فِی الْاَرْضِ وَتَقَطَّعُوْا اَرْحَامَکُمۡ فَاُولٰٓئِکَ  
الَّذِیْنَ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فَاَصَمَہُمْ وَاَعَمٰی  
اَبْصَارَہُمْ ط (محمد پارہ ۲۷ ع ۳)

فَلَمَّا رَاَعُوْا اَسْرٰعَ اللّٰہِ قُلُوْۤبُہُمْ وَاللّٰہُ کَاۤیِہِ  
الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ط

(یوسف پارہ ۲۷ ع ۱)

ذٰلِکَ یَاۤاٰمَنُوْنَ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰتٰہُمُ  
مِّنۡ قُلُوْبِہُمْ فَاُولٰٓئِکَ لَیْسَ لَہُمْ شَیْءٌ  
وَمَنْ یُّعِزۡ بِاِلٰہِہِ یُھِیۡدۡ قَلْبَہُ (تغابن پارہ ۲۷ ع ۱)  
وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلۡ لَّہٗ مَخْرَجًا وَرِزْقًا  
کَثِیْرًا ط (تغابن پارہ ۲۷ ع ۲)

(طلاق پارہ ۲۷ ع ۱)

اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی  
آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے۔ پس خدا کے سوا اسے کون  
ہدایت دے گا کیونکہ نصیحت نہیں کر پڑتے۔

اور جو ہدایت کی طرف آتے ہیں خدا ان کی ہدایت کو زیادہ  
کرتا ہے اور انکو تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے۔

کیونکہ انکو امید ہے کہ تم با اختیار ہو تو ملک میں فساد  
پھیلانے کے اور قربت داروں سے بدسلوکی کرو گے  
یہی لوگ ہیں جن کو خدا نے رحمت سے دور کر دیا ہے  
پس انکو بہرہ کر دیا ہے اور انکی آنکھوں کو نامیہ بنا دیا ہے  
پس جب وہ گمراہ ہوئے تو خدا نے ان کے دلوں کو اور  
بھی گمراہ کر دیا اور (روحی) اگر کوئی فتنہ و جور کریں اور  
خدا اس پر ہدایت مرتب کرے ایسا نہیں ہو سکتا۔

یہ پنج نام اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے  
اس لیے ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی پس اب کچھ نہیں سمجھتے  
جو شخص خدا پر ایمان لا خدا اس کے دل میں نصیحت بھرتا ہے  
جو شخص خدا سے ڈرے خدا اس کے لیے رزق کا  
رستہ بناتا ہے اور انکو اپنی دلی دینا ہے جس کا اسے  
گمان بھی نہیں۔۔۔ (اور جو شخص خدا سے ڈرتا ہے خدا  
اس کے کام آسان کرتا ہے)

پنجم جس طرح معلول کیلئے علت کا ہونا ضرور ہے اسی طرح علت  
جو کیفیت کے لے بابت جو ہر ہر  
اس کے خلاف نہیں ہو سکتا  
موجود ہونے پر اس کے معلول کا موجود ہونا بھی ضرور ہے اور ممکن نہیں کہ

علت سے اپنے تمام شرائط اور لوازم کے پائی جائے اور اس پر اس کا نتیجہ مرتب نہ ہو۔ اس لیے اگر کسی فعل کی طرف توجہ کر نیوالی تحریک مکمل طور پر موجود ہو تو ممکن نہیں کہ توجہ پائی نہ جائے اور اگر توجہ عیسوی چاہئے موجود ہو اور توجہ کو روکنے والا کوئی سبب موجود نہ ہو تو ممکن نہیں کہ وہ کام شروع نہ ہو اور پھر کام شروع ہونے پر ممکن نہیں کہ اسکی واقفیت پیدا نہ ہو۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ اگر اپنی تمام شرطوں کے ساتھ جاری رہے تو ممکن نہیں کہ وہ فعل خراب کام کو نہ پہنچے اور اگر وہ فعل ہلاکیت ہو تو ممکن نہیں کہ اسکا نتیجہ ہلاکت ہو۔ اور دنیا میں کوئی طاقت نہیں جو علت و معلول کے اس سلسلہ کو توڑ سکے پس اس مہول گوشت تنہ اصول کے ساتھ ملا کر اور سلسلہ علت کو علل تک لیجا کر دیکھا جائے تو کتنا پڑتا ہے کہ جو شخص خدا کے مقرر کردہ قوانین اور اس کے جاری کئے ہوئے سلسلہ میں ہدایت کی طرف گمراہ ہے ممکن نہیں کہ کوئی اسکو گمراہ کرے اور جو انہی قوانین اور سلسلہ کے اندر ضلالت میں دو رہے ممکن نہیں کہ کوئی طاقت اسکو راہ راست پر لائے۔ غرض خدا کی طرف ہر جاری کی ہوئی ہدایت اور ضلالت اٹل ہے اس اصول کو علی زبان میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ نیچر نے جو اسباب پیدا کئے ہوں انکے خلاف نہیں ہو سکتا اور مذہب نیچر کو خدا کا پیدا کردہ سمجھ کر اور خدا کی طرف کا خیال لو اسنے کو ضروری جانے یوں کہتا ہے کہ خدا نے جو اسباب مہیا کئے ہوں ان کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

لَا يَصْرِفُكُمْ اللَّهُ فَلاَ خَالِبُ لَكُمْ وَلاَ يَخْذُكُمْ فَمَا الَّذِي يَصْرِفُكُمْ مِنْ بَعْدِ (ال عمران پارہ ۷۵)

وَمَنْ يُلْعِنِ اللَّهُ فَلاَ يَخْذُكُمْ لَهُ نَصِيرٌ (نہ پارہ ۷۶)

أَتَرَى مَوْتَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلاَ يَخْذُكُمْ لَهُ نَصِيرٌ (مائدہ پارہ ۷۷)

اگر خدا تم کو مدد دے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر تم کو ناکام کرے تو اس کے بعد اور کون مدد دے سکتا ہے۔

جس پر خدا لعنت کرے تم اس کا مددگار نہ ہو سکتے۔

کیا تم ہدایت دینا چاہتے ہو اس کو جسے خدا نے گمراہ کیا ہے اور جس کو خدا گمراہ کرے تم اس کا مددگار کوئی نہ دیکھو گے۔

یہ اس سلسلہ میں گمراہی مرتب ہونے کے اور اگر ضلالت ہے تو ممکن نہیں

مَنْ يَرْوِ اللَّهَ فَيَسْتَكْفِرْ فَلَكَ تَمْلِكُ لَهُ مِنَ  
اللَّهِ شَيْئًا (رامدہ پارہ ۷ ع ۱۱)

مَنْ يُضِلَّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ يَعْلَمُ  
وَأَنْ يَسْتَسْأَلَ اللَّهَ يَغْفِرْ وَلَا كَاشِفَ لَهُ  
إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ يُرِكَ بِخَيْرٍ وَلَا كَرْدٍ لَفَضْلِهِ  
رینس پارہ ۷ ع ۱۱

وَأَنْ يَسْتَسْأَلَ اللَّهَ يَغْفِرْ وَلَا كَاشِفَ لَهُ  
لَكُمُ إِنْ كَانِ اللَّهُ يَشَاءُ أَنْ يُغِيثَكُمْ  
(مہر پارہ ۱۳ ع ۳)

وَإِذَا أَمَرَدَ اللَّهُ بِمَنْ شَاءُ فَلَا مَرَدَ لَهُ  
(رمدہ پارہ ۱۳ ع ۱۱)

وَمَنْ يُضِلَّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ يَعْلَمُ  
وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُتْدِرٍ وَمَنْ  
يُضِلَّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَلَامًا وَلِيَا أَعْمَارٍ وَوَلِيَا  
(نہی اسرین پارہ ۷ ع ۱۱)

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُتْدِرٍ وَمَنْ  
يُضِلَّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًا مُرْسِدًا  
(دکھ پارہ ۱۷ ع ۱۱)

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُتْدِرٍ وَمَنْ  
يُضِلَّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًا مُرْسِدًا  
(نور پارہ ۱۷ ع ۱۱)

جس کو خدا نفع میں ڈالنا چاہے تو تم خدا کے مقابلہ میں  
اس کے لئے کسی امر کا اختیار نہیں رکھتے۔

جبکہ خدا گمراہ کرے اسکو کوئی ہادی نہیں  
اگر خدا تم کو کچھ رحمت پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اور  
کرنے والا نہیں اور اگر وہ بھلائی چاہے تو اس کے  
فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔

اگر میں تم کو نصیحت کرنا چاہوں تو میری نصیحت کچھ  
منفید نہ ہوگی اگر خدا تمکو گمراہ کرنا چاہتا ہو۔

جب خدا کسی قوم کو کچھ رحمت پہنچانا چاہے تو کوئی  
نہیں ہو سکتی۔

جبکہ خدا گمراہ کرے اسکو کوئی ہدایت دین والا نہیں۔  
جس کو خدا ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور  
جبکہ وہ گمراہ کرے اس کے لیے تم کوئی رفیق سوا  
خدا کے بناؤ گے۔

جس کو خدا ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے  
اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کے لیے تم کوئی  
دوست ہدایت دین والا نہ پاؤ گے۔

جبکہ خدا دولت دیو اسکو کوئی عزت دین والا نہیں  
جس کے لئے خدا نعمت نذر نہ دے وہیت کیا ہو اس کے  
لئے کوئی نذر نہیں۔



إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْكُفْرَ وَلَا تَسْمَعُ الصَّمْتَ  
اللَّهُ عَزَّ إِذَا وَلَوْ أَمْدُ بَرِّينَ  
(زمر پارہ ۷۷ ع ۷۸)

فَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَمْ يَهْدِ  
نَاصِرِينَ ط روم پارہ ۱۷ ع ۷۸  
وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعَمَى عَنْ ضَلَالَتِهِمْ  
(روم پارہ ۱۷ ع ۷۸)

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا تُمْسِكْ  
لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا تُسْئَلُ لَهُ مِنْ بَعْدِ  
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ط (فاطر پارہ ۱۷ ع ۷۸)  
أَقَمْنَا حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةَ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ  
تُنْفِذُ مَنْ فِي النَّارِ ط (زمر پارہ ۱۷ ع ۷۸)  
وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ .....  
وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ط  
(زمر پارہ ۱۷ ع ۷۸)

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَدٍّ مِّنْ بَعْدِ  
(شوریہ پارہ ۱۷ ع ۷۸)

تم مڑو نہ جیو غافلوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے  
اور بہر حال جو وہ پیچھے پھیر کر جا رہے ہوں پکار کی آواز نہیں  
سنا سکتے۔

جس کو خدا نے گمراہ کیا ہے اس کو کون ہدایت دے گی  
لوگوں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔  
تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال نہیں سکتے۔

جو رحمت کا دروازہ خدا نے لوگوں کے لئے کھولا ہے اسے  
کوئی بند نہیں کر سکتا اور جو بند کر دیا ہے اسے کوئی نہ  
سکھول نہیں سکتا اور خدا غالب باکنت ہے۔

کیا جس پر عذاب کا خط بھیج دیا گیا ہو (اس کو کوئی چھڑا سکتا  
کیا تم اس کو رائی سے سکتے ہو جو آگ میں داخل ہو چکا۔

جب کو خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔  
... اور جس کو وہ ہدایت دے اس کے لیے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں

اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کا کوئی دوست سو خدا  
کے ہمیں ہو سکتا۔

خدا نے ساری شئیوں کو توجہ پیدا کرنے کے بعد کہ توجہ پیدا ہونے پر ترقی کا راستہ کھل جاتا  
کرے ایک سبب قرار دیا ہے، اسے یہ بھی یقیناً آتا ہے کہ توجہ سے پہلے ایسی حالات کا ہونا ضرور ہے جن سے  
غبت یا نفرت پیدا ہو اور غبت یا نفرت سے توجہ کی حرکت شروع ہو۔ مثلاً انسان کو خوراک تلاش کرنے  
کی طبعی توجہ ہی اس لیے ہوتی ہے کہ اعضائے اندرونی ضرورت پیش آنے پر تکلیف اور بے چینی ظاہر

کہتے ہیں اور باہر اس تکلیف کو دور کرنے کا سامان بتایا نظر آتا ہے۔ اسی طرح کسی فن کی طرف توجہ ہی  
 لیٹے جتنی ہے کہ اس فن کے فائدے گرد و پیش نظر کرنے پر محسوس ہوتے ہیں اور اسکو حاصل کرنے  
 سے پہلے ہی بعض ضرورتیں بتایا نہیں دیکھتیں۔ غرض ہر ایک کام میں توجہ پیدا ہونیکا باعث اندرونی  
 اور بیرونی حالات ہوتے ہیں اور اگر یہ نہ ہوں تو توجہ کا پیدا ہونا بھی ممکن نہیں۔ اور عمل ان حالات کے  
 انسان کے فکر کسی ایسی سوسائٹی کا ہونا جس میں کسی خاص کام یا فن کا چرچا ہو اس کام کی طرف متوجہ ہونے  
 کا بہت بڑا سبب ہے اور مذہب کو دیکھا جائے تو اسکی طرف توجہ کرنے کے لیے علاوہ فطری کشش کے  
 بڑا باعث اکثر گرد و پیش کے خیالات اور سوسائٹی کا اثر ہوا کرتا ہے اس لیے جیسی قدرت کی طرف  
 سے مختلف فنون اور کاروبار کے لئے شریک دینے والے اسباب کے علاوہ ترغیب و تنبیہ والی سوسائٹی  
 کا سہم جاری کیا گیا ہے اسی طرح پر مذہبی ترقی کے لیے عبرت انگیز واقعات عالم کے علاوہ مذہبی ہنگاموں  
 کو پیدا کرنے اور ان کی رسالت و ہدیہ سوسائٹیاں بنانے کا دستور قائم کیا گیا ہے اور چونکہ سب  
 قوانین قدرت میں اس لیے صاحب قدرت کی طرف متوجہ ہیں۔

فعلیہ منہن بہ احسان کیا ہو کہ ان میں پیغمبر بھیجے۔

ہننے ہر قوم میں پیغمبر بھیجے ہیں اس پر انبیاء کے لئے خدا کی  
 عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

ہم خدا نہیں کیا کہتے جب تک رسول بھیجیں

اور نہیں ہلاک کیا ہے کوئی کا کون مگر اس وقت  
 جبکہ میں نصیحت کیلئے دینا والے آئے تھے اور ہم ظالم  
 نہیں ہیں۔

اور تیرا پروردگار جنتیوں کو ہلاک نہیں کیا مگر ہر

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ  
 رَسُولًا مِنْهُمْ (آل عمران پارہ ۷ ص ۷۷)

وَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ رُسُلًا كَانِ احْبَبَ إِلَهُكُمْ  
 وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (نحل پارہ ۷ ص ۷۷)

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى تَبْعَثَ رَسُولًا  
 (نہی اسرئیل پارہ ۷ ص ۷۷)

وَمَا آهْلُكُمْ تَأْمِنُ شَرِكًا إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ  
 فِي كُرْسِيِّ رَبِّكَ مَا ظَلَمْنَا مِنْ شَيْءٍ

(انشعاب پارہ ۷ ص ۷۷)  
 وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ

فِي مَنَازِلِهِمْ يُتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهَا وَمَا كُنَّا  
مُعَذِّبِي الْقَوْمِ إِلَّا وَاهِلًا عَاظًا لِّلَّذِينَ هُمْ  
(نقص پارہ ۱۷ ع ۱۷)

اللَّهُ كَرِيمٌ أَحْسَنَ الْخَبْرِ يَتْلُو آيَاتِهَا  
مَنَازِلَ نَشْرَعُ مِنْهُ حُلُومًا لِّلَّذِينَ يَخْشَوْنَ  
رَبَّهُمْ (زمر پارہ ۱۷ ع ۳۷)

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِنُبَيِّنَ لَكَ  
أَهْتَدَىٰ فَلْيَنْصِبْهُ وَمَنْ صُلَّ فَإِنَّا  
يُضِلُّ عَلَيْهِمْ (زمر پارہ ۱۷ ع ۴۷)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ  
بِإِيمَانٍ أَفَلَا تُفَكِّرُونَ فِيهِمْ وَمَا  
أَنْزَلْنَاهُمْ مِنْ عِلْمٍ مِنْ غَيْرِنَا

(طہ پارہ ۱۷ ع ۱۷)

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ لَنْ يَخْشَىٰ  
مَنْكُمُ أَنْ يَتَذَكَّرَ (رعد پارہ ۱۷ ع ۱۷)

اُن کے صدر مقام میں کوئی بڑا مسجد چکا ہو گا اور ہا  
نشان مسلمانوں اور ہم بہتین کو نہیں تباہ کرتے جب تک  
کہ وہ ظلم نہ کریں۔

خدا نے سب کو بھی باتیں یعنی ایک مربوط اور دوسرے  
جاننے کے لائن کتاب اتاری ہے جس کو اُن لوگوں کے  
رونگلے کھڑے ہوتے ہیں جو اپنی پروردگار کو ڈرتے ہیں  
ہم نے تم پر بھی کتاب اتاری ہے پس جو ہدایت پائے  
اُس کا اپنا فائدہ ہے اور جو گمراہ ہو اس کا اپنا بھی نقصان  
ہے۔

اور جو لوگ ایمان لائیں اور ان کی ذریت ایمان میں  
انہی پیروی کرے تو ہم انکی ذریت کو بھی ثواب میں  
اُن کے شریک کرتے ہیں اور با ایمانہ انکے اپنے اجر  
میں سے کچھ کم نہیں کرتے۔

یہ قرآن مجید ہے تمام جہاں الون کیلئے یعنی اس  
شخص کے لئے جو راہِ راست پر چلنا چاہے۔

ہم قسم جس طرح اندرونی اور بیرونی حالات علم و ہنر اور مذہب کی طرف  
توجہ کرنے کا سبب ہیں اسی طرح یہی حالات گرد و پیش کسی نیک کام  
سے توجہ کو پھیرنے اور بدی کی طرف راغب کرنے کا سبب ہیں بلکہ اکثر اوقات ایک ہی واقعہ  
کی ظاہری لذت اور راحت بدی کی ترغیب دیتی ہے اور اس کے باختم کو دیکھنا بدی سے روکنے کا  
باعث ہوتا ہے اور اسی طرح اگر ایک وقت کسی ایک یا چند اشخاص کی کوشش اور اثر سے کئی نیکی  
رواج پاجاتی ہے اور آئندہ نسلوں کے لئے اسی طرف توجہ کرنے کا باعث ہوتی ہے اور اس طرح نیک

سوائے بن باقی ہے تو کہیں کسی ایک یا چند اشخاص کی ترغیب و تحریص سے یا صرف نوزہ پیش کرنے سے کوئی بدی ظہور پکڑتی ہے اور پھیلتی ہوئی قوم میں سرایت کر جاتی ہے اور اُنہم تسلیم اس سے متاثر ہو کر تباہ ہوتی ہیں۔ غرض یہی قانون قدرت ہو کہ ایک کی نیکی بہت کو فائدہ پہنچاتی ہے تو ایک کا گناہ ہزاروں کو تباہ کر تا ہے اور جس صاحب قدرت نے ایسے قانون جاری کئے ہیں ان کو اسکی طرف منسوب کرنے کے سوا چارہ نہیں اور چونکہ سچے مذہب کی یہ شان ہونی چاہئے کہ سچے واقعات پر پردہ نہ ڈالے اسلئے جہاں رسولوں کو بھیجئے گا اور انکی بدحوشی کو پھیلانے کا ذکر ہے اُنکو ساتھ اس قانون کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے کہ جس قوم پر تباہی آتی ہوتی ہے اُسکے عیش پسند افراد بدی اور گناہ میں نہمک ہو جاتے ہیں اور انکی دیکھا دیکھی تمام قوم تباہی کے بھنور میں گر جاتی ہے اور چونکہ یہ قانون قدرت ہے اس لئے اسکو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ارشاد ہوا ہے۔

ہم عذاب نہیں بھیجتے جب تک پیغمبران کو بھیجیں  
اور جب ہم کسی کاؤن کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو  
اس کے دو متمددوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ فسق و فجور  
کریں پس وہ عذاب کے سخت ہو جاتے ہیں اور ہم انکو  
تباہ کر دیتے ہیں۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَنْفَعَكَ رُسُلُنَا  
وَإِذَا أَمَرْنَا لَئِنْ كُنَّا لَفَاعِلُكُمْ فَتُحْذَرُ  
مَنْ فَعَلْنَا فَنَفْسُكَ فَإِنَّهَا عَلَىٰ الْكُلِّ  
فَلَنْ تَحْكُمَ هَآئِلًا مِّمَّنَّا

ربی اسرائیل پاره ۱۷ ع ۱۸

اور اسی طرح جب بنی اسرائیل نے سامری کے ہیکل کے لئے گوسالہ پرتی شروع کر دی تھی اور اس ایک شخص کی بُرائی سے قوم پر تباہی آئی ہے تو حضرت موسیٰ کی زبان سے دعا کے موقع پر کہا گیا ہے۔

جب ان کو عذاب سے لیا تو موسیٰ نے کہا اور میرے  
پروردگار اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پیٹھ ہی تباہ  
کر دیتا۔ اسکیا تو ہم کو تباہ کر لیا اس نعل کے سبب جو  
ہمارے ہیکل کے لئے کیا گیا ہے یہ تیری طرف سے ایک برا نتیجہ

فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ  
أَهْلَكْتَهُمْ مِّن قَبْلُ زَايَا ۚ إِنَّكَ أَهْلِكُنَا بِمَا  
فَعَلْنَا الشَّمَاءُ مِنَّا إِنَّ هِيَ إِلَّا ذِفْتَكَ

راعاف پاره ۱۷ ع ۱۹

اسی طرح ایک اور حکایت ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنَّا لَا تُضِلُّهُمُ الشَّيَاطِينُ الَّذِينَ ظَلَمُوا

وَمَن مِّنكُمْ فَخَصَّصْنَا لَهُ (الغفال پڑھو ۱۹)

اور اس وقت سے شروع ہوئے ہیں کہ صرف ظالم کو ہلاک کر دی

نہ پہنچے گا بلکہ انکی پیروی کرنے والے بھی ہلاک ہونگے

ہدایت و ضلالت خدا کی ہر شے میں ایک اور بدی کا وجود اور ان میں سے ہر ایک کی جانب توجہ کر نیے  
طرف سے ہے۔ اسکا ترقی پذیر ہونا اور ترقی کی رفتار جاری رہنے پر ایسے نقطہ تک پہنچ جانا کہ اسکا

بدلتا حال ہو جائے اور نیز توجہ پیدا ہونے کے لیے مختلف اندرونی اور بیرونی تحریکوں کا موجود ہونا  
ایسے واقعات ہیں جن کا انکار دنیا کو نظر بصیرت سے دیکھنے پر ممکن نہیں۔ اور اگر دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہو

تو اسکی طرف سب کر نیے مضر نہیں۔ اور یہ ایک طرف جب دنیا کو خدا نے پیدا کیا ہے تو جس پہلو سے  
دیکھا جائے نیکی اور بدی یا ہدایت اور ضلالت اسکی طرف سوامنی پڑتی ہے مثلاً اگر وہ دنیا کو پیدا نہ کرتا

تو ہلاکت اور ضلالت کا وجود بھی نہ ہوتا اور اگر پیدا کرتا تو انسان کو جسم سے پاک اور محض روحانی شکل میں  
رہنے دیتا تب بھی چونکہ یہاں کے تمام نتائج جہانیت ہی پیدا ہوتے ہیں اس لیے وہ روحیں نہ ترقی

کر سکتیں اور نہ منزل۔ اور اگر جسم دیا جاتا مگر حیوانوں کی طرح اسکی دماغی حرکت اور توت ارادہ کو  
نیچر کی نہایت سادہ ضروریات تک محدود رکھا جاتا تب بھی جس طرح ایک شیر اور دوسرے شیر میں اور

ایک گھوڑے اور دوسرے گھوڑے میں ہدایت اور گمراہی کے لحاظ سے کوئی تفاوت نہیں یہی طرح  
ایک انسان اور دوسرے انسان میں کچھ تفاوت نہ ہوتا۔ اور اگر یہ کچھ دیا تھا تو ہشیار اگر وہ پیش

میں یہ لذت نہ رکھی جاتی جس سے بدی پیدا ہوتی ہے۔ یا ان کے بد اعمال پر بد نتائج مرتب نہ ہوتے  
جن سے عبرت نہ لینی ترقی کرتی ہے مگر یہ صورت بھی نہیں۔ اب خواہ یہ دنیا کئی قدیم مثال سے مرکب

ہو اور خواہ ایک ہی جتنی اپنے تئیں ان ظہور میں جلوہ دے ہی ہو اور خواہ کسی قادر و قوی خدا نے  
اس سلسلہ کو پیدا کیا ہو ہر طرح پیچھے کی طرف جلتے ہوئے اس ہستی پر ٹھینا پڑتا ہے جس نے اس

مشین کو سکون سے حرکت دی ہے۔ پس اگر وہ میں شور بہتی ہے تو کہیں گے کہ یہ سب کچھ اسکا  
قانون ہے اور اگر شور کی صفت میں بھی متصف ہو تو کہنا ہو گا کہ ایسا نظام اس کا قانون ہی ہے اور

ارادہ بھی ہے۔ اور یہ سب ماننا جائے کہ اس نے اس سلسلہ کو اپنے ارادہ سے جاری کیا ہے تو تسلیم کرنا ہو گا

کہ نام آئندہ نتائج جو اس سلسلہ کیلئے لازمی ہیں ان کے ارادہ کو ظاہر ہو تو میں در فائدہ جس نتیجہ پر اس کے ارادہ سے انکار کیا جائے اسی جگہ اس کو بے اختیار اور مجبور ماننا پڑیگا اور جب یہ حال ہو تو کہنا ہوگا کہ وہی جس نے اپنا ارادہ نیکی اور بدی کو ظاہر کیا اور وہی ہے جس نے اپنا ارادہ سے انسان کو پکڑ لیا اور وہی جو جس نے اپنا ارادہ سے انسان کو جسم اور حیاتی خواہشوں کو اور ارادہ اور عقل وغیرہ سے بہرہ ور کیا اور پھر وہی ہے جو اپنے ارادہ کو پیدا کرنے اور توجہ کرنے کو آئندہ ترقی کا باعث قرار دیا اور وہی ہے جس نے اپنے ارادہ سے توجہ پیدا ہونے کے لیے واقعات گرد و پیش کو سبب قرار دیا اور دنیا کی لذتوں کو کشش کے لالچ اور بد نتائج کو عبرت انگیز بنایا۔ قصہ مختصر وہی ہے جس نے بعض کو ہدایت دینے کے لیے اپنے ارادہ سے دوسراں پیدا کیا جسکی طرف توجہ کرنے سے انکا دل نیکی کی ہوا کھانے کے لیے کنول کی طرح کھل جائے اور بعض کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے ارادہ سے وہ دشواریاں پیدا کیں جن میں مبتلا ہونے سے نیکی کی طرف آنا ایسا دشوار ہو جیسے ساپ کے سوراخ میں بات دینا۔ غرض وہی ہے جس نے جس کو چاہا ہدایت دی اور جسکو چاہا گمراہ کیا پس واقعات عالم کو دیکھ کر اور انکی پیدائش ایک علیم و قدیر قہر کی طرف منسوب کر کے یہی صداقت جس پر یقین کرنا پڑے کہ وہی ہے جسکی کمال مذہب نے علی الاعلان منادی کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ  
(بقرہ پارہ ۷ ص ۷۷)

وَاللّٰهُ يُوَفِّيْ مَنِ ارَادَ مِنْ نِّسَاءٍ وَكَوْنُهَا  
عَلَيْهَا (بقرہ پارہ ۷ ص ۷۷)

يُوَفِّيْ الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَكَوْنُهَا  
الْحِكْمَةُ فَقَدْ اُوْفِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔

(بقرہ پارہ ۷ ص ۷۷)

قُلِ اللّٰهُمَّ مَا لَكَ اِلَّا الْمُلْكُ تُوَفَّى الْمُلْكُ

اور اللہ جسے چاہتا ہے راہ رست کی ہدایت کرتا ہے۔

اور اللہ اپنا ملک دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ صاحب وسعت اور صاحب علم ہے۔

وہ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دی جائے اسے بہت بڑی بھلائی دے گی۔

تم کہو کیا اللہ اور اسے ملک کے مالک تو جسے چاہتا

مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ  
وَتُخْرِجُ مَنْ تَشَاءُ وَتُدْخِلُ مَنْ تَشَاءُ  
بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ  
قَدِيرٌ (آل عمران پارہ ۷ ع ۷)

اللَّهُ يَخْرِجُ مَنْ يَشَاءُ وَيُخْرِجُ حِسَابِ  
آل عمران پارہ ۷ ع ۷

قُلْ إِنْ أَرَادَ الْفَضْلُ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ  
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ وَيَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ  
يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ  
آل عمران پارہ ۷ ع ۷

وَاللَّهُ مَافِي السَّمَاوَاتِ وَمَافِي الْأَرْضِ  
يَعْقِرُ مَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ  
آل عمران پارہ ۷ ع ۱۳

قُلْ إِنْ أَرَادَ الْكَرُّ لِلَّهِ رَأَىٰ عَمَلُ الْإِنْسَانِ  
فَنَسْأَلُ اللَّهَ أَنْ يَهْدِيَهُ كَيْسَرُ صَدَقَ  
لَنْ يَسْلَمَ مِنْ يَدِ مَنْ يُرِيدُ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلُ  
صَدَقَ صَيِّقًا حَرَجًا (انعام پارہ ۷ ع ۷)

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا  
وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ  
(اعراف پارہ ۷ ع ۷)

قُلْ إِنْ أَرَادَ اللَّهُ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَهُدًى

ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا  
ہے اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا  
ہے ذلت دیتا ہے بھلائی نیرے ہی ہاتھ میں ہے  
اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

خدا جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے

تم کہو کہ فضل خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے  
دیتا ہے اور اسد صاحب رستہ اور صاحب علم ہے وہ جسے  
چاہتا ہے اپنی رحمت سے مضمون کرتا ہے اور اسد  
بڑے فضل کا مالک ہے۔

اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب کچھ خدا ہی کا  
ہے وہ جسے چاہتا ہے بھٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے  
عذاب دیتا ہے۔

تم کہو کہ حکم خدا ہی کا ہے۔

جس کو خدا ہدایت دینی چاہتا ہے اس کے دل کو ہدایت  
کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے  
دل کو تنگ اور بند کر دیتا ہے

اور انہوں نے کہا خدا کی تعریف جو جس نے مکہ ایمان کے  
لیے ہدایت دی اور اگر خدا کو ہدایت دینا تو ہم ہدایت  
نہ پاسکتے۔

تم کہو کہ خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے

اَلَيْهِ مَرْئِي اَنَاب (رمدا پارہ ۱ ع ۱۷)

يَحْيُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُتَبِّتُ (رمدا پارہ ۱ ع ۱۸)

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا بِالْحَقِّ وَنُفِيزُ

لِيُبَيِّنَ لَكُمْ فَيُضِلَّ اللّٰهُ مَنْ يَشَاءُ

وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ط

(ابراہیم پارہ ۱ ع ۱۹)

سَمِعْتُمْ اَعْلَمْتُمْ يَكُنْ لَكُمْ نِشَاءُ يَرْحَمُكُمْ اَوْ اَنْ

نِشَاءُ يَجْعَلْ لَكُمْ رُبِّي اَسْرَأُ (رمدا پارہ ۱ ع ۲۰)

يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ

وَالَيْهِ تُقْلَبُونَ ط (عنکبوت پارہ ۱ ع ۲۱)

اَمَنْ رَّبِّيْنِ لَمْ يَسْخَرْ عَلَيْهِ قَرَاهُ حَسَنًا

فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ

يَشَاءُ فَاِذَا تَدَبَّرْتَ فَلْيَسْأَلْ عَمَلِكَ حَسَنًا

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ط

(فاطر پارہ ۱ ع ۲۲)

اِنَّ اللّٰهَ يُسَمِّعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ

مَنْ فِي السَّمْعِ ط (فاطر پارہ ۱ ع ۲۳)

كَلِمَةً عَلَى الْمَشْرِكِيْنَ مَا يَكْفُرُ لَكُمْ بِاللّٰهِ

يَعْتَدِي الْاَيْدِي مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي الْاَيْدِي

مَنْ يُشِيبُ ط (شورى پارہ ۱ ع ۲۴)

اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَشَاءُ

طرف رجوع کرے اسے ہدایت دیتا ہے۔

خدا جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے

اور جسے تمام پیغمبر کی اپنی قوم کی زبان میں بھیجے ہیں

تا ان کی سامنے بیان کر سکیں اور پھر خدا جسے چاہتا ہے

مگر رہ کر اسے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ

غالب با حکمت ہے۔

تجھ پر اور روزگار نکو خوب جانتا ہے پس اگر وہ چاہے

تیرے رحمت کرے یا چاہے تیرے عذاب کرے۔

وہ عذاب دیتا ہے جسے چاہے اور رحم کرتا ہے

جس پر چاہے۔ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے

کیا وہ شخص جس کی نظروں میں اس کے بعد اعمال کو نسبت

دی گئی ہے اور وہ انکو اچھا چاہتا ہے اس کے بارے میں

وہ میں تمیز کر سکتا ہے؟ مگر بات یہ ہے کہ خدا جسے چاہتا

ہے مگر رہ کر اسے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

پس تم اس کی ہر قسم میں ایمان نہ لےو خدا انکو اعمال کو عفو

خدا جسے چاہے نیک بات سناتا ہے اور تم پر کرے

مردوں جیسے غافلوں کو نہیں غلام کر سکتے۔

جس چیز کی طرف تم بلا تھے وہ مشرکین کیلئے بہت

اگر اسے اللہ اپنی طرف بلاتا ہے جسے چاہتا ہے اور

جو اس کی طرف رجوع کرے اسے ہدایت دیتا ہے۔

اور بیشک فضل خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ دیتا ہے



وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (مید پاره ۱ ع ۱)  
 ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ  
 ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (مید پاره ۲ ع ۱)  
 كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَن يَّشَاءُ وَمَن يُضِلُّ  
 اللّٰهُ فَمَا لَهُ سَبِيْلًا (مید پاره ۳ ع ۱)  
 اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى وَبَيِّنٰتٍ لِّلْاٰخِرَةِ  
 وَاَوَّلٰى طَرٰىقٍ بِاَمْرٍ عَظِيْمٍ (مید پاره ۴ ع ۱)

جسے چاہے اور اس پر جسے فضل کا مالک ہے۔  
 یہ خدا کا فضل جو وہ دیتا ہے جسے چاہے اور جسے  
 برے فضل کا مالک ہے۔  
 اسی طرح (یعنی مکرین) لاکھ لکھ (خدا جسے چاہتا ہو مگر  
 کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور خدا کے  
 لشکروں کو اسکے سوا کوئی نہیں جانتا۔  
 بیشک ہماری طرف سے ہدایت۔ اور ہمارے ہی  
 اختیار میں ہے آخرت اور دنیا

خدا کے علم میں سب کچھ ہو | مضمون - ایک کلاک بنانے والا اسکے نزدیک کون کو جوڑ کر پیشین گوئی کر سکتا  
 ہے کہ سوئیاں فلاں وقت پر فلاں جگہ ہونگی اور فلاں وقت پر اس قدر آواز نکلیں گی اور اگر وہ  
 اس کام کا پورا ماہر ہو تو ایسی پیشین گوئی درست نکلتی ہے۔ اسی طرح ایک کسان جو کاشتکاری کے  
 کام میں ہر شیا پر ہوا پانی زمین میں دانہ ڈال کر بنا سکتا ہے کہ فلاں وقت تکسیر و سیدگی پیدا ہوگی اور فلاں  
 وقت پھل لائیگی اور جو روئیدگی کے اسباب اسکے خیال میں ہیں اگر وہ مہیا زمین تو اس کا تخمینہ غلط  
 نہیں ہوتا علیٰ ہذا علم نباتات کا ماہر ایک طویل العمر و زنت کی نسبت اور طبقات الارض کا ماہر ایک  
 پہاڑی چٹان کی نسبت۔ تاریخ دان کسی سلطنت اور قوم کی نسبت۔ ہیئت ان کسوف و خسوف  
 اور زلزلہ سیاروں اور شہا بدین کی نسبت اسلئے کہ وہ ان تمام امور کے سلسلہ اسباب و نتائج کو جانتا  
 ہے آئندہ کے لیے بہت بڑے عرصہ تک کے حالات بیان کر سکتا ہے اور اگر اس کا علم صحیح ہو تو  
 واقعات آئندہ میں غلطی نہیں نکلتی۔ پس جس جہتی نے اس تمام سلسلہ کائنات کو اپنے علم اور ارادہ سے  
 شروع کیا ہے اور خود اس کے خدا بظاہر قوانین مقرر کئے ہیں ضرور ہے کہ کلاک بنانے والے اور  
 کسوف و خسوف کا حساب لگانے والے کی طرح اس کو بھی کائنات کی رفتار کا ہر ایک درجہ اور موجودات  
 کا ہر ایک ذرہ بخوبی معلوم ہے اور جو چیز پیدا ہونے کو اور جو واقعہ پیشین آنے کو ہے سب اس کی لوح علم پر

منقول ہے اور جب گھڑی ساز اور ہیئت دان کی پیشین گوئی سن و سنا صحیح ہو سکتی ہے حالانکہ انہوں نے ان چیزوں کو پیدا نہیں کیا بلکہ آفرینش قدرت کے چند قوانین کا پیروی علم حاصل کیا ہے جس مالک الملک نے تمام سلسلہ کو نسبت سزاہت کیا ہے اس کے علم کے خلاف ہونا کیونکر ممکن ہے پس ہی تعلیم ہر باب

کی طرف سے ہونی چاہئے اور ایسا ہی فرمایا گیا ہے

وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِهِمْ كَمْ قَالَتْ لَهُمْ نِسْوَةٌ (بقیہ پارہ طبع عتہ)

قُلْ لَنْ يُصِيبَكَ اللَّهُ مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ط

(ترجمہ پارہ طبع عتہ)

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَكُونُ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ط (پس پارہ طبع عتہ)

وَلْيَعْلَمُوا مُسْتَقَرُّهَا وَمُسَاوِدَاتُهَا كُلِّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (مہود پارہ طبع عتہ)

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ صَلَّى عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَى (نجم پارہ طبع عتہ)

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا

اور جان کو کہ خدا جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے پس اس سے ڈرو

تم کہو کہ ہر وہی ملے گا جو ہمارے رب نے لکھ دیا ہے جو ہمارا مالک ہے اور اللہ پر بھروسہ کرنا اور اللہ کو بھروسہ کرنا چاہئے۔

اور تم جس حالت میں ہو اور قرآن میں جس معاملہ کی نسبت پڑھ رہے ہو اور جو کچھ عمل کر رہے ہو ہم اس سے آگاہ ہوتے ہیں جب تم وہ عمل کر رہے ہو اور تمہارے پیروں و گار سے کوئی ذرہ زمین کا اور نہ آسمان کا مخفی نہیں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی یا بڑی چیز ہے جو روشن کتاب میں نہ ہو

اور وہ ان کے ٹھہرنے کی جگہ اور چھوڑنے کی جگہ جانتا ہے سب کچھ روشن کتاب میں ہی موجود ہے۔

تمہارا پروردگار جانتا ہے جو اسکے رستہ سے گمراہ ہوا اور جس نے ہدایت پائی

جو مصیبت زمین پر آتی ہو یا تمہارے اوپر آتی ہے وہ سب دنیا کو پیدا کرنے سے پہلے روشن کتاب میں درج ہے

إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (عدید پڑھو) اور ایسا کام خدا کے لیے آسان ہے۔  
 هَٰذَا صَاحِبُكُمْ فَصَبِّرْهُ لَا يَأْذِنُ اللَّهُ لِمَنْ  
 يُؤْتِيهِ مِنَ اللَّهِ بِقَلْبِهِ ۖ وَاللَّهُ يَكِلِ  
 حَٰلَهُ لِمَنْ يَشَاءُ (تفہیم پارہ شریعہ ص ۱۸۱)  
 جیسا کہ آتی ہے وہ خدا ہی کے حکم سے آتی ہے اور جو  
 شخص خدا پر ایمان لاتا ہے خدا اس کے دل کو ہدایت  
 دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

خدا نے انسان کو قوت فیصلہ عطا کی ہے اور ہر شے میں کمالیہاں انسان کو ہدایت یا گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں یعنی اس کے اندر خواہشوں کا مجموعہ ہوتا ہے اور ہر ایسے سامان کا ہوتا ہے جو اس کے اثر اور نتیجہ کے وہ نیک اور برے اثر ہی ہوتے ہیں کیا یہ ممکن نہیں کہ کامیاب نہ ہوتا ہے ان امور کو دیکھنے کے بعد جب اس نوع کے اوصاف سے دیکھتے ہیں تو انسان اور دیگر تمام مخلوقات میں ایک بین فرق نظر آتا ہے۔ پتھر یا گل جیجی کوئی کی حالت میں حوادث کے اثر پر واپس نہ آتا ہے۔ نباتات اور حیوانات اپنے اپنے درجہ کے سرائق کچھ کچھ حرکتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں مگر ان کے تمام افعال ایک خاص دائرہ میں محدود ہیں اور ایک نوع کے تمام افراد اپنے افعال میں متفق نظر آتے ہیں اگر شیر درندہ ہے تو ایک دو نہیں بلکہ تمام اسی صفت پر متصف ہیں اور کھائے سکیں اور فائدہ رسانی کی صفت رکھتی ہے تو یہی سہی میں پائی جاتی ہے مگر ان سب کے برخلاف انسان کی افراد اپنے افعال میں ایک دوسرے سے ہزاروں طرح کے اختلاف رکھتے ہیں اسلئے شیر کی درندگی اور کھائے کی سکیں کو انکی فطرت کا تقاضا کر سکتے ہیں مگر انسان کے مختلف افعال کو انکی فطرت کی جانب منسوب نہیں کر سکتے بلکہ انسا پر تہمت کہ یہ سب انکی قوت فیصلہ سے صادر ہوتے ہیں یا یوں کہا جائے کہ دیگر تمام مخلوقات کے افعال انکی فطرت میں داخل ہیں اور انسان کی فطرت میں یہی اسے افعال کے قوت فیصلہ کو داخل کیا گیا ہے جس کو کام میں لاکر وہ جدا گانہ رہتے انتخاب کرتا ہے بیشک انسان سوائی اوصاف کا اثر قبول کر لے ہزار غریب و غریب سے آمادہ ہوتا ہے اور ایک دفعہ تو وہ کرنے پر عادت کی تاخیر اسکو زیادہ سے زیادہ جکڑتی چلی جاتی ہے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ وہ جس کام کو شروع کرتا ہے اس میں پہلے اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہے اور ایک رستہ کو دوسرے پر ترجیح دیکر اختیار کرتا ہے پس یہی قوت فیصلہ اور انتخاب کی عادت جو انکی فطرت میں داخل ہے خدا کی وہ امانت ہے جو آسمان زمین

کے کسی اور مخلوق کو نہیں دی گئی اور صرف انسان کے حصہ میں آئی ہے اور یہی وہ قوت فیصلہ ہے جس کے سبب کہ وہ اپنے افعال کا فاعل سمجھا جاتا ہے اور جس سے اس کے افعال کے نیک و بد نتائج خود اس کی طرف منسوب ہوتے ہیں جبکہ دیگر مخلوقات کے افعال ان کی فطرت کی طرف سے سمجھے جاتے ہیں

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ  
هَهَا وَخَلَّاهَا إِلَّا الْإِنْسَانَ ط (خواب پاؤں پر ملا)

ہم نے امانت کو آسمان زمین اور پہاڑوں کے آگے پیش کیا مگر انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا اور وہ اس کو اپنے گمراہ انسان نے اس کو اٹھا لیا

انسان یہ مجبور محض ہے | پس اگر یہ ہدایت و ضلالت خدا کی طرف سے ہے کیونکہ اس نے ہدایت و ضلالت کی فطرت اور نہ نخواست رکھا

کیا اور انسان کو عادت نے یہ سبائیٹی کی زنجیروں میں جکڑا کر چونکہ اس سامان کے ساتھ یہ قوت فیصلہ بھی موجود ہے اور انسان کی ذات میں وہ طرف جاننے کی صلاحیت رکھی گئی ہے اس لیے اس کو پتہ چلے جاتی ہے کہ اس کی طرف سے جو کچھ وہ کرنا چاہتا ہے وہ اس کی طرف سے ہے اور جو کچھ اس کو نیکی کی طرف جاننے کے لیے دیا جاتا ہے اس کو تکلیف مالا یطاق کرنا ہی غلط ہوگا اور دوسری طرف انسان کو کامل یا اختیار قرار دینا اور ہر امر میں پورا اتنا قرار دینا یہی ان تمام قوانین قدرت پرستی کی بنیاد ہے جو اسے چاروں طرف سے محیط ہیں غرض جو اختیار اس کے میں ہیں حالت ہی وہ صداقت پر وجود و قیامت عالم کی شہادت اور فطری تہذیب کی تعلیم سے قابل تہذیب ثابت ہوتی ہے چنانچہ واقعات گرد و پیش کی وجہ سے اور اس لیے کہ دنیا کے تمام سلسلہ کو خدا کی مخلوق تسلیم کیا گیا ہے ہدایت و ضلالت کو خدا کی طرف سے دیا جاتا ہے اور چونکہ انسان میں قوت فیصلہ اور انتخاب کی عادت کم و زہ ہے جو کام یہ پہنچے اداہ اور کوشش سے کرے اس کے نتائج خود اس کی ذات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور جو لوگ ہدایت و ضلالت کو خدا کی طرف منسوب کرنے کے حیلے سے اپنی تہذیب نیک افعال کی تکلیف کو معاف رکھنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہے تو ہم کو نیک سے پرہیز دیتا یا اگر خدا ہدایت دیتا تو ہم پارسا بن جاتے چونکہ وہ اس وقت اپنی اندرونی قوت فیصلہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور باوجود حیلے والا نہ ہونے کے اپنے تہذیب پتہ چلے جاتے ہیں اس لیے ان کے خیال کہ محض ان پر توکل

بے بنیاد و کم گنیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ بیشک اگر خدا چاہتا تو سب کے لئے ایک مسکن رستہ بنا دیتا اور سب کو بہت پر رکھتا مگر اس نے دورستہ بنا کر اور انسان کو عقل و دیگر خوبی محبت پوری کر دی ہے چنانچہ ارشاد ہے

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا  
أَشْرَكْنَا وَكَانَ آبَاؤُنَا وَكَانَ هُمْ مِنْ شَيْءٍ  
كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّى  
يَأْتِيَ نَارُ الْقَوْلِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ  
لَكَ أَنْ تَشْعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا  
تَخْصَمُونَ مَقَلَّ لِلَّهِ الْحِجَةُ إِلَيْهِ الْغَيْبُ  
فَلَوْ شَاءَ لَهْدَكُمْ أَجْمَعِينَ

(انعام پارہ ہشتم)

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ  
مِنْ شَيْءٍ عِشْيَ وَأَبَاءَهُمْ وَلَا أَحْرَمًا مِنْ دُونِهِ  
مِنْ شَيْءٍ عِشْيَ وَكَذَلِكَ هُكِّلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ هُكِّلَ  
عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغَ لِلدِّينِ إِنَّ رِجْلَ بَاسِعٍ  
وَأَمِيرُهُ إِلَى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا إِلَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ  
يَأْتِيَكُمْ الْعَذَابُ إِنَّكُمْ لَأَنْتَصِرُونَ وَأَمْعُوا  
أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ  
أَنْ يَأْتِيَكُمْ الْعَذَابُ بَغْضَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ  
أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يَا حَسْرَتِي عَلَى مَا فَرَّقَتْ  
بَيْنَ جَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ

جو لوگ شرک کرتے ہیں کہیں گے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم  
اور ہمارے آباؤ اجداد شرک نہ کرتے اور اپنی طرف سے بعض  
اشیا کر کو حرام نہ ٹھہراتے ان سے پہلے گذرنا ان سے بھی بڑی  
کرنیکہ امر ایسی ہی بدلتے دھڑوڑے تھرتھرتے کہ انھیں بے عذاب  
کا مزہ چکھ لیا تم انکو کہہ دو بڑائی کو بھلا کہنے کیلئے تمہارے  
پاس کئی دلیل بھی ہے جو ہمارے سامنے پیش کر سکتے تم صرف گمان  
کے پیچھے رہتے تمہارا بعض انگل کی باتیں کہتے ہو کہ وہ خدا کی  
محبت کامل ہے جس نے ہر ایک ضلالت کو دور سے تیار کیا اور اگر وہ  
چاہتا تو تم کی ہدایت دے سکتا تھا

مشترکین کہتے ہیں کہ اگرچہ اچھا تھا تو ہم اور ہمارے بزرگ کے  
سوا کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو  
حرام مٹھاتے۔ ایسا ہی پہلے لوگوں نے بھی کیا تھا اگر کھلائی  
بڑائی سمجھنے کے سوا بیغیرین کا اور کیا فرض ہو  
خدا کی طرف توجہ کرو اور اسکو مانو اس سے پیشتر کہ تمپر عذاب  
آوے اس وقت تک کوئی مدد نہ دیگا۔ اور جہاں اچھی باتیں  
خدا کی طرف سے تمپر تباری گئی ہیں انکی پیروی کرو اس سے  
پیشتر کہ نگاہان تمپر عذاب آئے اور تمکو نہ بھی نہ ہو اور اسی موقع  
ڈانسنے دو کہ کوئی شخص کہے کہ انوس میں خدا کے  
حقوق میں بہت کوتاہی کی اور میں اسکو نہ سمجھتا

أَوْ تَقُولُ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ  
الْمُتَّقِينَ ط (زمر پارہ ۲۷ ع ۷)

رہا کہے کہ انہوں نے اگر خدا مجھ کو ہدایت دیتا تو میں بھی  
پارہوتا۔

اور نیز چونکہ انسان کی فطرت میں ایک طرف ہدی کی قابلیت ہے تو دوسری طرف نیک کام کرنے کی  
قابلیت بھی اسی فطرت ہی میں دو لیت ہے اس لئے نیک اعمال کا حکم دینے کے موقع پر کہا گیا ہے کہ خدا  
ایسے حکم نہیں دیتا جو انسان کی طاقت سے باہر ہوں اور اس کی فطرت میں انہی قابلیت نہ ہو چنانچہ فرمایا ہے  
لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَشَعْرًا لَهَا مَا كَسَبَتْ  
وَعَلَيْهَا مَا كَسَبَتْ

(بقرہ پارہ ۲۷ ع ۲۷)

وَلَا يَكْفِيكَ نَفْسًا إِلَّا وَشَعْرًا لَهَا مَا كَسَبَتْ  
وَعَلَيْهَا مَا كَسَبَتْ ط (مومنون پارہ ۲۷ ع ۲۷)

بھی اسی کو  
ہم کسی بشر کو تکلیف نہیں دیتے اسکی وسعت و دیوانہ  
اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو حق کہتی ہے اور ان  
پر ظلم نہ ہوگا

اور اس وجہ سے کہ انسان کی فطرت میں انتخاب و پسند کی قابلیت و ولایت ہے اس کے سامنے نیک و بد  
نتیجہ پیش کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ اب چاہو بدی کی طرف جاؤ اور چاہو نیکی اختیار کرو۔ مگر جو کچھ کرو گے  
اسکا نتیجہ ضرور ملیگا اور خدا انکی سے خوشنود ہوگا اور بدی سے ناراض۔ چنانچہ ارشاد ہے

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ  
وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ ط (کہف پارہ ۱۸ ع ۱۸)

کہہ دیجئے کہ حق ہے تمہاری پروردگار کی طرف پس چاہے  
ایمان لائے اور چاہے کفر کرے

إِنْ أَحْسَنْتُمْ لَهُمْ خَسَنَتُمْ لَهُمْ لَكُمْ أَنْتُمْ  
أَسَاءْتُمْ فَلَهَا رَبِّي مُسَوِّدٌ ط (سج پارہ ۱۸ ع ۱۸)

اگر نیک اعمال بجالاؤ گے تو اپنے لیے اور اگر بد کاری کرو گے  
تو اپنے لیے

إِنْ يَكْفُرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ غَنَى اللَّهُ عَنْكُمْ وَالْكَافِرِينَ  
لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ط (نور پارہ ۱۸ ع ۱۸)

اگر تم کفر کرو تو خدا کو تمہاری کچھ پروا نہیں اور وہ کفر کو پسند  
نہیں کرتا اور اگر فکر کرو تو تمہارے اس فعل کو پسند کرے گا اور کفر

لَكُمْ كَاتِرٌ وَذُرِّيَّتُهُمْ وَنَسْلُهُمْ يَكْفُرُونَ ط (نور پارہ ۱۸ ع ۱۸)

تمہارا نسل اور تمہارے کا جوچہ نہیں اٹھاتا

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَكَانَ إِسَاءَةً عَلِيمًا  
وَمَا كُنْ بِكَ بِعَاقِلٍ لِّلْعَبِيدِ (مجموعہ پاره ۲۴ ع ۱)  
إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرٌ كَمَا فَهَمَّ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَهَ  
كَيْتَمِ سَيِّدِي لَكَ (مزل پاره ۲۹ ع ۱)

جو بھلائی کرے تو اپنے لیے اور جو برائی کرے تو اپنے  
ضرر پہ اور تیرا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا  
نہیں ہے یہ صیحت جو پس جو چاہے اپنے خدا کی طرف کا رہے  
اختیار کرے۔

گرچہ کہ انسان میں نیکی کر نیکی کا ارادہ پیدا ہوتا ہے تو اسی لیے کہ ایسے ارادہ کے لیے سامان خدا نے اپنا ارادہ  
پیدا کر چھوڑا ہے اس لیے اکثر متوکلین پر جہان فرمایا گیا ہے کہ "چاہو تو ادھر آؤ" وہاں ساتھ ہی میں میں حالت کے  
ظاہر کرنے کیلئے فرمایا گیا ہے کہ ایسا ارادہ بھی خدا ہی کے ارادہ کا نتیجہ ہے چنانچہ ارشاد ہے

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرٌ كَمَا فَهَمَّ شَاءَ تَذَكُّرٌ كَمَا فَهَمَّ  
يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (مزل پاره ۲۹ ع ۱)  
إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرٌ كَمَا فَهَمَّ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَهَ  
سَيِّدِي لَكَ مَا تَشَاءُ وَكَانَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ  
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (مزل پاره ۲۹ ع ۱)

ہاں یہ نصیحت جو پس جو چاہے نصیحت لے اور بندین  
نصیحت لیتے مگر جہی کہ خدا چاہے۔  
بیشک یہ نصیحت جو پس جو چاہے اپنے خدا کی طرف کا رہے  
اختیار کرے اور تم میں چلے نہ مگر جبکہ خدا چاہے بیشک  
خدا با علم و با حکمت ہے۔

إِنَّ مَوْلَاكُمْ إِلَهُكُمُ لِلْعَالَمِينَ لَيْسَ شَاءَ مِنْكُمْ  
أَنْ يَكُونَ تَقْوَمُ مَا تَشَاءُ وَكَانَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ  
اللَّهُ مَرْغِبُ الْعَالَمِينَ (مزل پاره ۲۴ ع ۱)

یہ صرف نصیحت ہو تمام اہل عالم کے لئے یعنی اس کے لئے  
جو تم میں سے راہ راست پر لایا ہے اور تم نہیں چلے  
مگر جبکہ خدا چاہے جو تمام عوالم کا پروردگار ہے۔

انسان کو مختار کامل اور مجبور بعض  
سمجھنا اور نون خیال غلط ہیں مگر  
پہلے خیال میں غلطی بہت ہو اور  
خیال میں نقصان زیادہ ہے

انسان کے مجبور و مختار کا مسئلہ ہمیشہ سے اہل فہم اور اہل عقل کے نزدیک  
مذکورہ بالا راہ ہے اور مختلف زمانوں میں مختلف اقوام اور افراد نے اس بارہ  
میں بہت مختلف رائے قائم کی ہیں مگر سب نے دیکھا کہ جو مہمانی درجہ ہلکا مہمانی  
اختیار کیا ہے حالات گروہ پیش اور انسان کی اندرونی ساخت کو دیکھتے ہیں

یہی فہم عقل ہے اور اس کے خلاف جو لوگ انسان کو مختار کامل مانتے ہیں وہ صحبت طاقت و موت اور  
حوادث وغیرہ کے تو نہیں کو جو انسان کے خیالات اور حالات پر بہت بڑا اثر رکھتے ہیں نظر انداز کر دیتے ہیں

اور دوسری طرف جو لوگ اسے پتھر جیسا مجبور سمجھتے ہیں وہ انسان کی اندرونی قوت سے جو اسکے لیے مایہ ناز اور باعث فخر و افتخار ہے انکار کرتے ہیں۔ یہ دونوں طرح کی غلطیان اگرچہ فی نفسہ بہت بڑی ہیں لیکن باہر کے ان میں بھی کچھ تفاوت ہے۔

خود اپنی حالت کا غلط اندازہ کرنا اگرچہ عجیب معلوم ہوتا ہے مگر دیکھا جاتا ہے کہ ایسی غلطی انسان کے اکثر سرزد ہوتی ہے۔ میں کسی کام کی یا کسی تہہ کی قابلیت نہیں ہوتی مگر وہ خود رائی سے بچہ تئیں قابل سمجھتا ہے اور اس حالت کو محروم ہونے کا الزام دوسروں پر رکھتا ہے اور ان سے ناراض ہوتا ہے اور اسی طرح اکثر کسی کام کو بجا لانے کے قابل ہوتا ہے اور صرف آرام طلبی یا کسالت سے اس کام کی محنت بردہ نہیں کرتا مگر سمجھتا ہے کہ مجھ میں اس کام کی استطاعت ہی نہیں۔ اور یہی طرح اپنی استطاعت کی نسبت ایسا دھوکا ہوتا ہے اکثر دوسروں کی قابلیت یا ناقابلیت کی نسبت بھی دھوکا ہو جاتا ہے اور ایسے واقعات عموماً دیکھنے میں آتے ہیں۔ پس اس طرح کا دھوکا مجبور محض سمجھنے والوں کو بھی پیش آیا ہے کہ وہ اپنی اندرونی قوت فیصلہ اور غور و تدبر کی قدر قیمت نہیں پہچانتے اور حالانکہ وہ اپنے دوزخ کے کاروبار میں اس قوت کی وساطت سے بہت ہی بیرونی مزا جتنوں پر غالب آکر اپنے لیے مفید راستے نکالتے ہیں اور کوشش کرنے پر آتے ہیں تو دوسرا سٹی اور عادت کی زنجیروں کو بڑی حد تک توڑ دیتے ہیں مگر بالعموم اس قوت کو کام میں نہیں لاتے اور نہ لانے کی سمجھ لیتے ہیں کہ لا نہیں سکتے۔ غرض یہ دھوکا اگرچہ بڑا دھوکا ہے مگر انسان کو اکثر پیش آتا ہے۔

اور اسکے برخلاف اگر دوسپیش کے حالات کو نہ دیکھنا اور ان کے نتائج کو خیال میں نہ لانا اگرچہ کم عجیب معلوم ہوتا ہے مگر عموماً عقل انسانی باہر کی چیزوں کو دیکھنے کی زیادہ مشاق ہے چنانچہ جس قدر ترقی بیرونی اشیاء کے علم میں ہوئی ہے انسان کے تو اسے نفسانی اور دماغی افعال و حرکات کی تحقیق میں نہیں ہرکی۔ اس لیے کسی زمانے میں ایک خاص خیال کا کسی قوم میں عام ہونا یا کسی شجر کی انکوش پیرائے میں شائع ہونا یا پتھروں سے کسی خاص شکل میں تزیینت پانا یا عادت ہو جانے کے سبب کسی کام کو چھوڑنے کی دشواری یا کسی کام کی تکمیل کا موقع ملنے سے پہلے موت یا کسی حادثہ کا پیش آنا یہ اور ایسے



ہی یا ان سے بھی مخفی اسباب جو انسانی خیالات پر بہت بڑا اثر کرتے ہیں ان سب کو بالکل غلط سمجھنا اور ان کا اور باوجود ان کے انسان کو محنت کا کامل اور ناقص تسلیم کرنا ایسی غلطی ہے جو بالعموم عقلی رفتار کو دیکھتے ہوئے ناقابل معافی ہے اس لئے مجبوراً محض سمجھنے کی غلطی کو مختار کمال سمجھنے کی غلطی سے کتر کہنا چاہئے۔

اس کے بعد جب ان دونوں طرح کی غلطیوں کا عمل نتیجہ دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو مختار کمال سمجھنے والے جہان تک انسان کی اپنی کوشش کا تعلق ہے پورے کاسیاب اور ہر شے پر ہوتے ہیں اور جو موقع ان کے فائدے اور بہبود کا ہو اسے جانتے نہیں دیتے مگر بالائی طاقتوں کے زیر اثر ہونے کے سبب جو تو جہان قوانین کے موجد اور قائلہ لعل کی طرف ہوتی چاہیے اس سے بالکل ہر گز متبرک ہیں یعنی نہ ہی روح اور انسان کا سب سے پاک اور شریف جذبہ ان میں پیدا نہیں ہونے پاتا۔ حالانکہ یہ کوشش علامہ ان روحانی نوایہ کے جن کا تعلق انسان کی آئینہ زندگی سے ہے اس دنیا میں بھی بہت بڑی حد تک حسن اخلاق اور نیک سلوک کی سونڈ ہے اور نیز جیسا کہ عمل کرتے ہیں جانتے ہیں اپنی کوشش کو خیر کرنے کے بعد خدا کی طرف متوجہ ہونا اور ان کی مدد کا امیدوار رہنا جسکو توکل کہتے ہیں محض کوشش کی نسبت بہت کچھ مفید اور تیرہدیف ہوتا ہے دوسری طرف اپنے تئیں مجبور محض سمجھنے سے اگرچہ خدا کی طرف توجہ ہو سکتی ہے مگر عملی دنیا میں اس خیال سے ان تمام قباحتوں کا پیدا ہونا لازمی ہے جو کوشش کو ترک کرنا نتیجہ ہیں۔ غرض نتیجہ کے دوسرے آزادی اور اختیار کے حامی تہرب سے ہمتاؤں اور تیری کاروبار میں خود غرض اور سید رو ہو جائے ہیں تو مجبور محض سمجھنے والے دینی اور دنیوی دونوں دائروں میں جو کچھ عمل پر موقوف ہے اس سے محروم اور دراندہہ جاتے ہیں اور ان کے برخلاف خدا کی طرف توجہ کرنے سے روحانیت کو ترقی دینے میں اور دنیوی کاروبار میں اپنی اور دیگر بنی نوع کی اغراض کو جس بوجہ پورا کرنے میں پوری کامیابی نہیں لوگوں کو جمل ہو سکتی ہے جو جب وہ اختیار کے پھین رستہ اختیار کر کے دریا کی طرح آسمان سے پانی لین اور زمین کو سیراب کریں یعنی خدا پر توکل بھی رکھیں اور صرف توکل پر نہ ہیں۔ بلکہ جہاں تک اپنی کوشش کا وسیع سمجھنا

پوری قوت سے کام بھی کریں

جبر و تیار کی نسبت مزید غور | آزادی کی ہوا کھانے والے چونکہ آسمان و زمین کی تمام طاقتوں سے آنکھیں بند کیٹے ہوئے ہیں اس لیے انکی خدمت میں کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں البتہ جو لوگ مجبوری کا رونا روتے ہیں وہ اگرچہ زبان سے اپنے تئیں تھہرتے ہیں مگر حقیقت میں اگر رویش کو دیکھنے کے عادی ہیں بلکہ اسی تحقیق میں زیادہ نہماکتے ہیں نتیجہ ہے کہ وہ اپنے آپ سے غافل ہو گئے ہیں اس لئے انکی اس غور و تامل کی عادت کو دیکھ کر ان سے کچھ اور بھی عرض کرنے کی جرات ہوتی ہے یعنی کہ واقعات گرد و پیش سے انسان کو مجبور یا محروم بھی اس خیال کو بیان تک جو لان کرنا کو کوشش کو میسر نہ آنا جاوے اور مذہبی احکام کے اس بڑے حصہ کو جو کوشش کی تاکید پر مشتمل غلط اور خلاف واقعہ کہا جائے خود واقعات کی شہادت سے غلط ہے۔ کیونکہ اگرچہ انسان اور انسانی افعال اور انسانی افعال کے اسباب خود انسان کے پیدا کردہ ہیں بلکہ اس برہنہ کی کو بیان کیے بعد دیگرے زمین و آسمان کی پیداہش بلکہ اس سے پہلے پر تک چلی جاتی ہیں مگر ان علتوں کی شکل کیے بعد دیگرے بدلتی آتی ہے اور ہر ایک شکل پر جداگانہ حکم مرتب ہیں مثلاً گناہ کے بادل کا ایجاد پاتے ہوئے کرہ کی شکل میں ظاہر ہونا اور اس کرہ سے چند ٹکڑوں کا جدا ہوا کرہ کرہ کے گرد چکر کھانے لگنا (اگر صحیح ہے تو یہ) ایسے اسباب و نتائج کا مجموعہ ہے جن میں مجبوری اپنی کامل شکل میں جلوہ گر تھی۔ مگر اسکے بعد جب میں سے نباتات کا ظہور ہوا اور انکے رگ و ریشہ نے زمین کی تہ اور فضا کی بلندی میں سے اپنی غذا کو چوسنا شروع کیا تو اس فعل میں جو آئندہ سلسلہ ترقی کیلئے علت تھا مجبوریت کا ظہور حقیقتہً رکم اورادہ سے مشابہ حرکت کچھ کچھ نمایان ہونے لگی۔ آگے چل کر حیوانات پیدا ہوئے تو اگرچہ اپنی تعلقات اور بقا و نفع کے افعال میں وہ بھی مجبور تھے مگر ان کے کاروبار میں مجبوریت اور بھی پوشیدہ ہو گئی اور ارادی حرکت پہلو کی نسبت نمایان تر ہونے لگی اسکے بعد انسان کا ظہور ہوا تو اگرچہ اسکی بھی تمام کوششیں گرد و پیش کے حالات سے وابستہ تھیں اور اس وجہ سے اسے مجبور کرنا بڑی حد تک درست ہو گا مگر اسکی فطرت میں مجبوریت کو اس پر پوشیدہ کر دیا گیا ہے کہ اکثر عقل کو اس پر غماز کامل ہو نہ کیا دھوکا ہوا اور واقع میں یہ ایسی عجیب مخلوق

ہے کہ ایک طرف اپنی فطرت کے رو سے حالات کو پیش کی تقلید پر مجبور ہے تو دوسری طرف فطرت ہی کے  
تقلید سے وہ جس کام کو شروع کرتا ہے سبب اپنی حسب استعداد و غور و فکر کرنے پر اور اس غور و فکر سے کسی  
ایک تجویز کو نیک اور مناسب قرار دینے پر اور اختیار کی شکل میں اس کے موافق کوشش کرنے پر بھی مجبور ہے  
غرض مجبوری سلسلہ کائنات میں مخی ہوتی ہوئی انسان میں ایسی شکل سے جلوہ گر ہوئی ہے کہ وہی اسکا  
امادہ اور مخری ہو گئی ہے۔ اور چونکہ کوشش نباتات میں کمتر اور حیوانات میں بیش از پیش ظاہر ہوتی آتی ہے  
انسان میں ایسی نمایاں ہوئی ہے کہ اگرچہ وہ بہت سے گذشتہ اسباب کا نتیجہ ہے مگر انسان کے تمام افعال  
کے لئے وہی علت قرار پائی ہے پس خواہ ہم مجبوری کے خیال کو کیسا ہی پیچ و تاب کھائیں مگر اس  
مجبوری نے جو ارادی کوشش کی تحریک پیدا کر دی ہے اسی مجبوری کا اثر ہے کہ اس کوشش کو بھی چھوڑ  
نہیں سکتے۔ بلکہ جس طرح نباتات کا فرض ہے کہ اپنے رگ و ریشہ کی حرکت کو خدا کو جذب کرین اور کر رہی ہیں  
اور جس طرح حیوانات کا فرض ہے کہ اپنی مختلف ارادی حرکتوں سے اپنی ضروریات ہم پہنچائیں۔ اور دنیا  
رہے ہیں اسی طرح انسان کا فرض ہے کہ یہ اختیار پیدا شدہ تحریک کے کام لے اور یہ اختیار پیدا شدہ  
عقل سے غور و فکر کرے اور بے اختیار پیدا شدہ غور و فکر سے ایک تجویز کا اختیار کرے اور اس مجبوری  
سے جواب اختیار ہو گئی ہے یا اس اختیار سے جو پہلے مجبوری تھا کام لیکر اس کام کے نتیجہ پر پہنچے۔ اور جس  
طرح نباتات یا حیوانات اگر اپنی امادہ یا حرکت کو کام میں نہ لائیں تو یقیناً اپنی زیست و محروم ہو جائیں گے  
اسی طرح انسان جب سلسلہ علیت نے ان سے زیادہ اختیار اور امادہ کو ظاہر کیا ہے اگر کوشش کو ترک کرے  
تو ضرور اس کے ثمرات سے محروم رہے گا۔ اور جس طرح زمین کی ایک گاڑی کو کاٹ دینے سے قیچے کی گاڑیاں سکن  
ہو جاتی ہیں اسی طرح کوشش کو چھوڑنے سے سلسلہ علیت کی ایک کڑی ہے آگے کے تمام نتائج جو اس پر  
مختصر ہیں پیدا نہ ہو سکیں گے۔ غرض کوشش افضل ہے اس لیے کہ بعیدہ واقعات کا تمام مدار ہی پر ہے  
اور نہ افضل کہ کہ ہم اسکو چھوڑ سکتے ہیں اس لئے کہ یہ پہلے واقعات کا لازمی نتیجہ ہے۔

یہ سوال کہ اگر سلسلہ علیت کے سبب انسان کو مجبور مانا جائے تو اس کے اعمال پر خدا کیوں مرتب جاتی  
ہے؟ یہ حقیقت میں وہی پہلا سوال ہے کہ دنیا میں نیکی اور بدی کیوں ہے اور سلسلہ علیت کیوں جاری کیا

کیا ہے اور معلوم ہو چکا ہے کہ عقل انسانی اس از کو سمجھنے کے قابل نہیں اور صرف یہی دیکھ سکتی ہے کہ  
ایسا ہونا ضرور ہے۔ نباتات کو مجبورین مگر مضر گیہوں کو جذب کرنے سے اور ناموافق اجزاء زمین کو  
چوسنے سے ضرور نقصان اٹھاتی ہیں۔ حیوانات کو مجبورین گربانی سے خشکی پر کر یا خشکی سے پانی  
مین کو در ضرور تکلیف پاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کو مجبور ہو کر غور و فکر کو کام میں نہ لانے سے اور کوشش  
کو ترک کرنے سے ضرور خیر یا ذہ بھگتدنگا۔ اور جب یہ کیفیت برای العین دیکھی جاتی ہے اور کوئی شخص اپنے  
کار و بار میں اس بہانے سے کوشش کو ترک بھی نہیں کرتا تو صرف مذہب کے بارہ میں غور و فکر اور کوشش  
کو فضول سمجھنا اور اس سے دست بردار ہونا یا مجبوری کے بہانہ سے غلط عقاید پر روحانی تباہی اور  
جہالت کا نتیجہ مذہب ہونے سے انکار کرنا کیونکر بد نتائج سے محفوظ رکھ سکیگا ؟

رحم اور غضب | نیکی اور بدی کا وجود جس سے انسانی وجود استیاء کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے مختلف پہلوؤں  
سے عقلائے عالم کے زیر غور رہا ہے بعض نے بدی کو بیان تک اہتمام دیا ہے کہ اس کے موجود  
ہونے کے سبب پیدا کر نیز اسے کو تمام صفات حسنہ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ میر تقی میر لکھتے ہیں کہ  
”لوگ جتنی طاقت نیچر کی خوبیاں تلاش کرنے میں صرف کرتے ہیں اگر اس سے دسلون جھڑک لیا  
تلاش کرنے میں صرف کریں تو ان کو معلوم ہو جائے کہ نیچر کا تمام مدارا ذات رسائی اور تباہی پر ہے  
پس اگر یہ نظام کسی شیطان کا کیا ہوا نہیں تو کسی غیر محدود اور فیاض خدائی کا بھی نہیں معلوم ہوتا۔“  
اور بعض جو خدا کے قائل ہیں انہوں نے دنیا میں بدی کا وجود پا کر اس کو خدا کی طرف منسوب کرنے میں تامل کیا ہے  
اور اس لیے ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ واقعات عالم یا دلائل عقلی سے خدا کو ثابت نہیں کیا جاسکتا  
پر تفسیر ولیم جیمس لکھتے ہیں :

”وہ بڑے بڑے و فخر ترین میں نظام کائنات سے خدا کو ثابت کیا جاتا تھا اور ہر ایک صدی پہلے قطعی اور  
یقینی سمجھے جاتے تھے آج وہ سب اس وجہ سے ہو گئے ہیں کہ کتب خانوں میں انکی بجائے خاک بھری جاؤ تو ہر  
اس غیر خیالی کی وجہ صرف یہی ہے کہ موجودہ نسل نے ایسے خدا کو ماننا چھوڑ دیا ہے جو وہ دلائل ثابت کرتی تھیں

۴۰ ایسے ماضیہ کے لئے : دلائل اثبات و تبلیغی : ایک پاپائٹس لکچر

آج ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا کیسی ہی ہو مگر وہ خدا نہیں جس نے اس دنیا کو اپنا جلال ظاہر کرنے کے لیے پیدا کیا اور  
 ان میں سے پہلے فرق نے دنیا کے حالات کو جیسے کچھ انکی سمجھ میں آئے ہیں انچیز کے موجد کی طرف منسوب کیا ہے مگر  
 اسکو خدا نہیں مانا اور دوسرے فرق نے کسی کو خدا مانا ہے مگر دنیا طرقت کو اسکی طرف منسوب نہیں کیا حالانکہ  
 دنیا کو دیکھ کر کہ وہی ایک خالق تعالیٰ تسکین کے لیے موزوں ہے یہ دونوں خیال دل میں جگہ نہیں لے سکتے  
 دنیا میں اگر بُرائی ہے تو اسکے ساتھ بھلائی بھی ضرور ہے اور اگر اسکو کسی صاحب ارادہ ہستی نے پیدا  
 کیا ہے تو یہاں کے جلال ظاہر کر نیوالے حالات اسکے سوا اور کس نے پیدا کر دیئے اور جب وہی  
 ایک خالق ہے تو جمال کے ساتھ جلال کو اسکی طرف منسوب کرنے کے سوا اور کیا چارہ ہے پس اگر کوئی  
 مذہب نیچرل اسلامیت کا مستحق ہے تو وہی ہمیں خدا کا کلام خدا کے فعل سے جو ہمارے پیش نظر مختلف  
 نہ ہو اور خدا کا فعل جو ہمارے پیش نظر ہے وہ یہی ہے کہ اس نے مختلف انواع و اجناس کو پیدا کیا ہے  
 غذا کے لیے آفتاب و ماہتاب - بخارا اور ہوا - مٹی اور پانی غرض تمام اجرام علوی و سفلی کو مہر و  
 کار کیا ہے اور جس طرح ہمارے تمام صنایع اور سودا گر خود بخود ان اشیاء کو مہیا کرتے ہیں جو نوع انسانی  
 کو مطلوب ہیں اسی طرح زمین و آسمان کی تمام موجودات خود بخود ان افعال و حرکات میں ہر وقت منہمک  
 ہیں جو جاندار اور غیر جاندار مخلوق کی بقا و تولید کے نتیجے ہیں اور اسی طرح ہر چیز کی ساخت میں ان  
 تمام مرتبہ کا لحاظ رکھا گیا ہے جو اس کو اسکے اپنے کمال تک پہنچائیں اور آفات گرد و پیش سے  
 محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہوں۔ اور پھر ہر چیز کے حسب حال قوانین اور جہانی و روحانی ترقی و اندرونی  
 تحریکیں اور بیرونی غیرتیں اور غیر غیبی غرض ہر طرح کا سامان ایسی کثرت سے پیدا کیا گیا ہے کہ علم ہدایت  
 سے لیکر طلب اور سائنس کا لوجی تک تمام علوم اس سامان کی مبسوط فہرست ہو اور پھر بھی بہت کچھ ہے  
 جو درج نہیں ہو سکا۔

یہ تو جمال کا ذکر تھا اب دوسری طرف جلال کو دیکھا جائے تو کہیں آتش نشان پہاڑ اپنی لہجہ  
 کو نکال کر دور و در تک روئیدگی اور جاندار کی نشانات کو تباہ کرتا ہوا گلزار پر بہار اور بارش  
 آباؤ یون کو ایک دم میں دیران اور خاک کا قورہ بنا دیتا ہے اور اس وقت شرابار مادے کی تہنیک

آواز ہیں۔ درختوں اور رکانون سے بلند ہوتے ہوئے شعلے انسانوں اور حیوانوں کی چغ پکار۔ بچوں کا مائلن اور عورتوں کا مردوں سے جدا ہونا سب کچھ سمان پیدا ہوتا ہے جس سے زیادہ مصیبت کا خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ میں دریا کا طوفان ایک ایک من و عیش میں بسر کرے والی مخلوق کو تباہ کرنا ہو اسی طرح کا خوفناک منظر پیش کرتا ہے کہ میں آتش زدگی کہیں زلزلہ کہیں جہا کہیں قحط نہایت جوش اور تیزی سے مخلوقات کو تباہ کرنا ہو انظر آتا ہے اور کہیں انسان اور حیوان کی اپنی اندرونی قوتیں جوش میں قتل و غارت کا میدان گرم کرتی ہیں۔ اور خون کی ندیاں بہاوتی ہیں۔ یہ تمام مناظر اس جبار و قہار کے قہر و غضب کا نمونہ ہیں۔

مگر پھر دیکھا جائے تو تباہی کیسی بڑی ہو تمام موجودہ مخلوقات کو تباہ نہیں کرتی چھپت گرتی ہر گاہی الشقی ہے یا بل ٹکراتی ہے یہ چیزیں ٹوٹ جاتی ہیں چور چور ہو جاتی ہیں گر جاندار بہت زخمی ہوتے ہیں اور کم ہوتے ہیں۔ قحط زلزلہ اور وبا میں جانداروں کا نقصان ہوتا ہے مگر پھر بھی بہت سے بچ رہتے ہیں۔ طوفان اور آتش فشاں میں جانداروں کا بہت نقصان ہوتا ہے مگر پھر بھی کچھ کچھ بچ جاتے ہیں اور کچھ مدت کے بعد دیکھا جاتا ہے تو وہی تباہی اور بربادی کا منظر پھر بہار اور رونق کی لہرین مازا ہوا نظر آتا ہے۔ غرض نسل کو منقطع اور کسی نوع کو بالکل نابود کر دینا ارادہ شاد و ناوار ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ طبقات الارض کے ماہرون نے بہت سے متحجرہ اجسام نکال کر ثابت کیا ہے کہ بعض جانداروں کی نوع صفر ہستی سے بالکل نابود کر دی گئی ہے مگر بیشمار زندہ انواع کے مقابلہ میں انکی تعداد بچ کے برابر ہے۔

کیفیت تو ان مناظر کی ہے جو عموماً مادی ارادہ مخلوق کے اختیار سے باہر ہیں مگر کیفیتیں مادی ارادہ مخلوق خود اپنے افعال سے پیدا کرتی ہے ان میں بھی یہی کیفیت دیکھی جاتی ہے حفظ و کمال کے قاعدوں پر عمل کرنے سے جسمانی حالت میں اور اخلاقی اور مذہبی جذبوں کو کام میں لانے سے جسمانی اور روحانی دونوں حالتوں میں کمال اور ترقی کا رستہ کھل جاتا ہے تو ان قواعد کو توڑنے نقصان و تنزل کی مصیبت زیادہ سے زیادہ ہوتی جاتی ہے اور جس طرح کسی بچے کو علم و ہر کی طرف راغب پاکلوں کے

کے مہربان باپ کی طرف سے ہر طرح کا علم و ہنر حاصل کر لیا۔ سامان مہیا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اسی طرح نیکی کی جانب متوجہ ہونے پر نیچر کی طرف سے بہت سی صورتیں نیکی کو بجالانے کی اور بہت سی تدبیریں نیکی کو شائع کرنے کی نمود بخود سوچنے لگتی ہیں۔ اس وقت وہ شخص قدرت کے ہر منظر میں کچھ کچھ نصیحت اور عبرت کا سامان مہیا پاتا ہے حالانکہ نیکی سے بے پروا بڑے بڑے دل ہلا چولے حالات کو دیکھ کر اپنے دل پر کوئی اثر نہیں پاتے۔ اور دوسری طرف جس طرح لڑکے کی بے ادبی اور بدگامی سے ناراض ہو کر ایک جاہل سرپرست اپنی راحت اور سہرت کے سامان کو کم کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک وقت پر اس سے سرکار نہ رکھنے کا اشتہار دیتا ہے اسی طرح بدی کی طرف متوجہ ہونے سے قدرت اس کے دل سے نور اور روحانیت کو معدوم کرنے لگتی ہے اور بد عادت کی بنچرین جکڑتے ہوئے اس کو اس حالت تک پہنچا دیتی ہے کہ جن واقعات سے نیک دل لوگ کانپ اٹھتے ہیں انکو دیکھنے میں بلکہ ان کو بجالانے میں اس کو خطا حاصل ہوتا ہے اور نیز اس کو اپنے بد جذبوں کو پورا کرنے کے ایسے طریقے سوچنے لگتے ہیں جو پارسا لوگوں کے خیال میں بھی نہیں آسکتے مگر نیکی اور بدی میں ترقی کی قابلیت نہ ہو نیکی کا وجود جب انکی ابتدائی کوششوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تفاوت ضرور ہے نیکی کرنے پر انسان کو ایک سہرت حاصل ہوتی ہے اور وہ دلی آواز جس کو کائنات صمیم کہتے ہیں نیکی پر خواہ وہ انکی عادت کے کیسے ہی خلاف ہو شائبش کہتی ہے مگر بدی کے ابتدائی مرحلوں میں اس کے برخلاف وہی دلی آواز سجایا شائبش کہنے کے ضرور ملامت کرتی ہے اور اس طرح پر جو اثر ترقی کا نیکی کے ابتدائی مرحلوں میں پیدا ہوتا ہے بدی کے ابتدائی مرحلوں میں اس قدر اثر نہیں ہوتا اور حالت اوڑنا ربی جو آئی چلے گئے کسی قدر بد میں پیدا ہوتی ہے اور یہ تفاوت جس طرح افراد کی نیکی اور بدی میں دیکھا جاتا ہے تو اُم کی نیکی اور بدی میں بھی موجود ہے۔ کسی ترقی یافتہ اور نیک قوم میں جب ایک یا چند اشخاص بد چلن پیدا ہو جاتے ہیں تو اگرچہ انکی بدی میں قابلیت ہے کہ ترقی پا کر تمام میں سرایت کر جائے مگر جتنا تک وہ چند اشخاص میں محدود ہے ان کے دل ضرور اس حالت پر ملامت کرتے ہیں اور

جو زور ترقی کا بعد میں پیدا ہوتا ہے اسکی نسبت اس وقت کمتر ہوتا ہے۔ اور برخلاف اس کے جب کسی غیر مذہب قوم میں پاک اور نیک لوگ پیدا ہوتے ہیں تو ان کے دل باوجود تنہا ہونے کے اور باوجود مزامتوں کے اکٹو آفرین کئے ہیں اور اس بلے نیک خیال نسبت بدی کے زیادہ زور سے عمل کرتا ہے۔

غرض ان تمام حالات کو دیکھنے کے بعد تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دنیا میں رحمت و آرام اور قہار و افراطش کے سامان اور نیکی کی طرف توجہ پیدا ہونے پر اس کے سامان اور سر انجام کا ہتھیا اور سامان ہوتے جانا دنیا کے موجد کی عنایت پر دلالت کرتا ہے تو دوسری طرف دنیا میں رنج اور تکلیف اور تنہائی اور بربادی کے نمونے اور بدی پیدا ہونے پر اسکی زنجیروں کا سخت سوسخت تر ہوتے جانا اس کے غضب کی صفت ظاہر کرتا ہے اور پھر دونوں کا موازنہ یعنی ٹری ٹری بنا ہیوں کے وقت بقدر نوع کا ہر تمام رہنا اور اوصاف نیکی پر مسرت اور بدی پر ملامت کا مرتب ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اس کے رحم کی صفت غضب کی صفت پر غالب ہے۔ چنانچہ نتیجہ کی انہی صفات کو اسلام خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ط (بقرہ پارہ ۲ ع ۲۴)  
وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ شَرُفٌ عَظِيمٌ ط (بقرہ پارہ ۲ ع ۱۷)

اور خدا سے ڈرو اور جان رکھو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔

بعض لوگ اپنے فتنین خدا کی رضامندی تلاش کرنے پر لگا دیتے ہیں اور اسدایسے بندوں پر مہربان ہے۔

جان لو کہ خدا سخت عذاب دینے والا ہے اور یہ کہ خدا بخشنے والا مہربان ہے

وہی ذات ہے جس نے تلوذ میں پر اپنا جانشین بنایا ہے اور تم میں سے بعض کو بعض پر ترجیح دے گا

اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ فَحَسْبُكَ اللَّهُ وَهُوَ الَّذِي بَعَثَكُمْ خُلَافَئِكُمْ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ



لَيْسَ لَكُمْ قِيَمًا اَنْتُمْ كَالْمَرْءِ سَرَّكَ سِرُّهُ  
الْعِقَابِ وَاِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ

(نسیم پاره ع ۱۱)

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهُ لَغَفُورٌ  
رَّحِيمٌ (اعراف پاره ع ۱۱)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلٰى  
ظُلُمِهِمْ وَلٰكِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ  
(رعد پاره ع ۱۱)

يَتَّبِعُ عِبَادِي اِنِّي اَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ  
وَاِنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيمُ (مجادلہ ع ۱۱)  
غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ  
الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ (مومن پاره ع ۱۱)

اِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ اَلِيمٍ  
(رحم حمد پاره ع ۱۱)

اِنَّكَ بِطَرَشِ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ اِنَّهُ هُوَ يَدْعُو  
وَيُعِيدُ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ذُو الْعَرْشِ  
الْعَلِيِّ تَعَالٰى اَمَّا يَرِيْدُ  
(روح پاره ع ۱۱)

تاکہ تم کو ان نعمتوں کے بارہ میں جو تم کو دی ہیں ان کے  
بیشک تمہارا خدا سزا بھی جلدی دیتا ہے اور بخشنی والا  
اور مہربان بھی ہے۔

بیشک تمہارا پروردگار عذاب بھی جلدی دیتا ہے  
اور وہ بخشنے والا اور مہربان بھی ہے

اور بیشک تیرا رب لوگوں پر بخشش کرنے والا ہے جبکہ  
وہ اپنے اوپر ستم کرین اور بیشک تیرے پروردگار  
کا عذاب سخت ہے

میرے بندوں کو آگاہ کرو کہ میں بخشنے والا مہربان ہوں  
اور میرا عذاب دردناک عذاب ہے

گناہ کو بخشنے والا توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب دینے  
والا اور صاحب قوت۔

بیشک تیرا پروردگار مغفرت کا مالک ہے اور  
سخت عذاب والا ہے

تیرے پروردگار کی گرفت سخت ہے۔ وہ ابتداء پیدا  
کرتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان  
ہے صاحب عرش اور بزرگ ہر اور جس چیز کا ارادہ کرے  
اسے پورا کرتا ہے

اور صفت رحم کا صفت غضب پر غالب ہونے کا یون ذکر ہے

اگر وہ تیری تکذیب کرے تو کہدے کہ تمہارا پروردگار وسیع رحمت  
رکھتا ہے اور اس کا عذاب مجرموں پر سخت نہیں ہوتا۔

فَاِنَّكَ لَذُو فَضْلٍ لِّرَبِّكَ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ  
وَلَا يَزِيدُكَ نَاسُكَ مِنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (انعام پاره ع ۱۱)

هَذَا اِنْ اُصِيبَ بِهِ مِنْ اَنْشَاءٍ وَتَحْوِيْلٍ سَعَتْ  
كُلُّشَى عَفَا كَتَبَ اِلَيْهِمُ الَّذِيْنَ يَنْقُوتُ  
وَيُؤْعِقُونَ الزُّكْرَةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاَيَاتِنَا  
يُؤْعِمُونَ ط (معارف پارہ ۱ ص ۱۷۸)  
رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا  
(مومن پارہ ۲ ص ۲۳۷)

میں غلاب دیتا ہوں جسے چاہتا ہوں اور میری  
رحمت ہر شے پر عام ہے پس میں رحمت منفر کر تا ہوں  
ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے  
ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں  
اے ہمارے پروردگار تیرا علم اور تیری رحمت ہر شے  
پر وسیع ہے۔

مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ  
اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ط (مومن پارہ ۲ ص ۲۳۷)

جو مصیبت تمکو پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی کیسے پہنچتی  
ہے اور وہ بہت سی باتوں کو معاف کر دیتا ہے۔

خدا کا غصہ

مستر فریڈرک ہیگکافٹ اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا خدا غصہ وغیرہ نفسانی  
خواہشوں سے متصف ہے اور بیشک آجکل جو اعتراف نمود کا طوفان اسلام پر آ رہا ہے ان میں  
یہ اعتراف سب سے زیادہ علیٰ حرفوں میں لکھا جاتا ہے لیکن اسلام کا خدا کی صفات کو بیان کرنا ہمارا  
دالوں کے اپنے دل کا مستراح بھی گرا ہے لوگ بتائیں کہ آتش فشاں اور زلزلہ وغیرہ کی ہتھک  
بتا ہریان یا بدی کی طرف اونی توجہ سے آئندہ اس درخت کا سلسلہ پھیلے پھرتے جانا اور زمین کا  
زنت ٹی ایذا رسانی اور خرابی کی تدبیریں ایجاد کرنے کے قابل ہوتے جانا جو منہج کے ہر ورق پر لکھا ہوا  
سب کو نظر آتا ہے اگر منہج کے بنائے اس کے ایجاد نہیں تو ان غضبناک منظروں کا خالق اور کس کو مانا جاوے  
بیشک جن لوگوں نے دنیا کی صرف خوبیاں کو دیکھا اور اسی کے راگ گائے آہوں لے اچھا  
کیا اگر جس کو صرف دن کی روشنی کا علم ہے اور رات کی تاریکی سے آشنائی نہیں اسے سو یا ہوا اور رات  
کو غفلت میں گزارنے والا کہنے کے سوا اور کیا چارہ ہے کیا ایسے شخص کو زمانہ کے حالات کا عارف  
کام کہہ سکتے ہیں اور کیا اس کا علم اس خدا کی طرف سے مانا جاسکتا ہے جس نے رات اور دن دونوں کو  
پیدا کیا ہے

رحم کی تعریف | حقیقت یہ ہے کہ رحم کی تعریف میں غلطی کی گئی ہے اور اس کا مفہوم ایسا عام

کر لیا گیا ہے کہ اذیت اور تکلیف کو اس سے متناقص سمجھا جاتا ہے اور پھر خدا کو ایسا رحیم مانکر جب دنیا کی تکالیف کو دیکھا جاتا ہے تو ان کو ایسے رحیم کی جانب منسوب کرنے میں تامل ہوتا ہے۔ حالانکہ اگر رحیم اسی کو کہا جائے جو کسی طرح کی تکلیف دہی اور ایذا رسانی کو گوارا نہ کرے تو پھر جس فعل پر کوئی برا نتیجہ مرتب ہوا جس جرم پر سزا کا ہونا لازمی ہو چونکہ یہ سب کچھ اذیت اور تکلیف ہے اسلئے ایسے حکیم مرض ہو گا کہ ان نتائج کو مرتب ہونے سے روکے اور اگر کوئی شخص ایسا رحیم ہو تو ضرور ہے کہ وہ عادل نہ ہو اور مجبوروں کو سزا نہ دے اور انکی مہربانی کے بھروسہ پر بدکارو غصب ڈھائیٹوں کے نیکی بختوں اور ظالموں کے لئے وہی رحم جسکو کمال رحم کہا جاتا ہے بڑے ہی بڑے ظلم سے بھی بدتر ہو۔ اور جب اس کمال رحم کا ایسا بد نتیجہ لازمی ہے تو ضرور ہے کہ رحم کی یہ تعریف صحیح نہ ہوگی بلکہ اسکا مفہوم ایسا ہونا چاہئے جو عدل سے منافات نہ رکھے۔ مگر اب چونکہ خود حسیپ کے رحم اور عدل کا فیصلہ کرنا ہے اس لئے خود نیچر کے افعال کو فطیر میں پیش نہیں کر سکتے اور نیچر کے سوا کوئی سرمایہ موجود نہیں۔ پھر کیا کیا جائے؟ مگر نہیں اس وقت فیصلہ کرنا لایا حاکم عقل ہے اسلئے دیکھنا چاہئے کہ خود عقل کا طرز عمل ایسا رہا ہے یا نہیں؟ کسی امتحان کے بہت ہی پرچے مخزن کے سامنے رکھے ہیں اور وہ جواب کو سوال سے منطبق کر کے نمبر دیتا ہے۔ اب اگر کسی غلط جواب پر وہ پورے نمبر دے تو بیشک اس امیدوار کا بھلا ہونا ٹھیک۔ مگر آخری نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ شخص ان لوگوں کے برابر ہو جائیگا جنہوں نے صحیح جواب لکھا ہے بلکہ اس کے نمبروں کی میزان بعض ایسے طلباء سے بڑھ جائیگی جنہوں نے قریباً درست لکھا ہے اور مناسب نمبر پائے ہیں۔ یہ سب پاس ہو گئے اچھا ہوا۔ مگر جو پاس ہوئے پر مرتب ہوتا ہے اور جو وظائف یا کاروبار کے لئے انتخاب زیادہ نمبروں پر منحصر ہے ان میں بعض صحیح جواب دینے والے ناکام رہیں گے اور غلط کھٹنے والا جس پر رحم کیا گیا ہے وہ منصب لیا جائیگا جو اور دن کا حق تھا بلکہ بعض ایسے کاروبار میں جو سچی قابلیت پر منحصر ہیں غلط کھٹنے والا اپنے پورے نمبروں کے سبب ہاتھ ڈالنے پر خود بھی ایسی ناکامی اٹھائیگا کہ ناو جب طور پر پاس ہونے کی خوشی خاک میں مل جائیگی۔ غرض مخزن کا وہ فعل جو رحم کی شکل میں ظاہر ہوا تھا ثابت ہو گا کہ صحیح جواب لکھنے والوں پر اور خود غلط کھٹنے والے پر بھی تسلیم ہے

اچھا بون نہ ہو۔ یہ کیا جائے کہ غلط جواب دینے والے کو پورے نمبر اور صحیح جواب لکھنے والے کو اس سے  
دو گنے دیر سے جائیں اور جس نسبت سے ایک کے ساتھ رعایت کی گئی ہے اس نسبت سے سب طلباء کے  
نمبر بڑھا دیئے جائیں اور دو کی جگہ چار دیئے جائیں تو چار کی جگہ آٹھ اور اسی طرح آخر تک چلے جائیں  
تو کیا اثر ہوگا؟ کہ رعایت رعایت نہ ہوگی بلکہ کل نمبر سو سمجھنے کی بجائے دو سو قرار پائینگے اور پاس ہونے  
کیلئے فیصدی مقدار دیکھنے پر غلط لکھنے والا وہی ہیکٹ بنی دو دو گوش رہ جائیگا یعنی ناکام۔ اچھا  
تو کیا ایسے شخص کیلئے رحم کی کوئی گنجائش نہیں؟ ہے اور وہ یہ کہ اسکے غلط جواب کو نہایت  
وقت نظر سے دیکھا جائے اور غلطی کیسی ہی بڑی ہو اس میں غور سے تلاش کیا جائے کہ کوئی ذرا طور  
صحت کسی جگہ موجود ہے یا نہیں اور پھر یہاں ذرا بھی صحت کا نشان ملے اسکے مناسب حال  
کوئی نمبر یا نمبر کی کوئی کسر دیدی جائے۔ پس یہ غور و تامل کی تکلیف جو محنت برداشت کر لیا وہ رحم  
ہے جو عدل سے ہرگز منافات نہیں رکھتا۔ بلکہ ایک ہی فعل ہے جو اس لحاظ سے کہ اور دن پر  
ظلم نہ ہو جائے عدل ہو اور اس خیال سے کہ مجرم اپنے جرم کی سزا ضرور پائے غضب ہو اور اس وجہ  
سے کہ مجرم اپنے جرم سے زیادہ سزا نہ پاسے رحم ہے اور یہی وہ عمل ہے جو ہم نیچر کے ہر کام میں محسوس  
کرتے ہیں۔ پیگ کے ایام میں جس شخص نے فاسد مادہ کا بہت بڑا حصہ لیا ہے ایسا مبتلا ہوتا ہو  
کہ علاج کی ہمت نہیں دیتا اور فوراً مر جاتا ہے۔ دوسرا اس سے کتر حصہ لیتا۔ ہتہ وہ چار دن اور  
دنیا کی ہوا کھا لیتا ہے کوئی اس سے کم ہوتا ہے چند روز ٹرپ کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ کوئی معمولی سا اثر قبول  
کرنی والا اعضا شکنی وغیرہ کو چلتے پھرتے برداشت کر کے تندرست ہو جاتا ہے۔ بعض اس سے بھی کم تاثر ہوتے ہیں  
بالکل اور کوئی اثر محسوس نہیں کرتے اسی طرح آگ لگتی ہے جو چیز بیچ میں آجاتی ہے خاک سیاہ جاتی ہے  
ذرا دور رہنے والی کا بالائی حصہ جل جاتا ہے۔ اس سے پرے سیاہ داغ ہی پڑ جاتا ہے کسی کو جلن  
کسی کو حرارت کسی کو روشنی کا حصہ ملتا ہے اور بہت دور والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی  
غرض نیچر ہر فعل کا نتیجہ ایسا جانتا دیتی ہے کہ سبب سبب کی مقدار کو رقی بھر کم زیادہ  
نہیں بہرنے پانا۔ پس یہی اسکا عدل ہو اور یہی اسکا رحم ہے اور یہی جواب ہے ڈاکٹر پنسر کے اس

اعتراض کا کہ۔ ۴

”غیر محدود عدل کا مل سزا کیوں کر دے سکتا ہے جبکہ غیر محدود رحم گناہ کو معاف کر دیتا ہے“  
 یعنی یہ کہ گناہ کو معاف کر دینا نہ رحم ہے۔ نہ غیر محدود ہے۔ بلکہ ظلم ہے اور یہ رحم ہے کہ سزا گناہ کی مقدار سے  
 ذرہ بھر زیادہ نہ ہو۔ فرض جو طرز عمل عقل بتاتی ہے اور جو فعل خود نیچے کا نظر آتا ہے اسی کی تعلیم قرآن بھی  
 دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فقد آتانا ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی  
 کارکن کا کام ضائع نہیں چاہتا دو لگا خواہ دو مرد  
 ہوں یا عورت ہوں۔

فَاَسْجُدْ لِرَبِّكَ اَنْتَ لَا تُصْنَعُ  
 عَمَلٌ سَابِقٌ لَكَ مِنْ دُونِ اُنْتِ  
 (آل عمران پارت ۱۴)

اور ہم قیامت کے دن انصاف کا ترازو رکھیں گے  
 پس کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی عمل رائی  
 کے دانہ برابر بھی ہو تو ہم اسے نکال لائیں گے اور  
 ہم حساب کے لیے کافی ہیں۔

وَنُصْغُ الْمَازِينَ انْقِطَاعُ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ  
 تَوَلَّ كَلْمُ لَفْسٍ شَيْءًا دُونَ كَانِ شَيْءًا  
 حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَاهَا وَكَفَرْنَا  
 حَاسِبِينَ (انبیاء پارت ۱۴)

پس جو ذرہ برابر بھلائی کرے گا اسکا اجر پانچ گنا اور جو  
 ذرہ برابر بدی کرے گا اسکی سزا پانچ گنا۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ  
 وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ  
 (زلزال پارت ۱۴)

۴ کتاب قریسط پرنسپلز باب سوم صفحہ ۱۸۸-۱۸۹

۵ گناہ کیوں کر معاف ہو سکتا ہے اہل معصیت باب آئندہ میں ملاحظہ ہو

# باب یازدهم

توبہ۔ استغفار۔ دعا۔ شفاعت غمیرہ

حرکت باگزشت گناہ اور ثواب کی حقیقت اور توبہ کی وجہ۔ حقوق العباد و حقوق العباد۔ ایمان اور گناہ کفر اور نیکی کا اجتماع۔ اصول اور معاون اسباب۔ عذاب و ثواب کے حصول اور معاون اسباب۔ ایمان اور نیکی۔ استغفار۔ آرزو سے رحمت۔ مجتہد صلحاء۔ دعا۔ شفاعت۔ تزیغ کا فائدہ۔ معیت کا فائدہ۔ محبت کا فائدہ۔ دعا کا فائدہ۔ کبھی شفاعت کے خیال سے غور پیدا ہوتا ہے۔ کبھی شفاعت سے کوشش کا میدان ہوتا ہے۔

حرکت باگزشت | نیکی اور بدی کے متعلق اگرچہ بہت کچھ طول ہو گیا ہے مگر ابھی اندکے بیش تکفیم ہمنواز و بسیار کا مضمون ہے۔ نیکی اور بدی دنیا کا مجموعہ ہے اور دنیا کے قوانین اس کثرت سے اور باہر گریبے پیوستہ اور پیچیدہ ہیں کہ ایک قانون کے عمل میں جو تفاوت دوسرے قوانین کے اختلاط سے پیدا ہو جاتا ہے اسکو سمجھنے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے مثلاً ہٹنے دیکھا کہ نیچر ہر ایک فعل کا بدلہ اسکے تناسب کے لحاظ سے ضرور دیتی ہے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ ہر ایک فعل کو ایک دفعہ کرنے سے دوسری بار اسکے بجائے آسان ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ ضعف ترقی کرتا جاتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی قانون قدرت ہو کہ ایک طرف تو ترقی کرنے کے اثنا میں کسی وجہ سے حرکت باگزشت شروع ہوتی ہے اور جو ضعف پیدا ہوا تھا اس کی جگہ اسی ضد طور پر لگتی ہے مثلاً آفتاب کی حرارت اور مناسب آب و ہوا سے درخت پھلنے پھوسنے لگتا ہے۔ پھر زمین اور فضا میں کوئی انقلاب پیدا ہوتا ہے درخت کی ترقی رک جاتی ہے مرجھا کر خشکی اور بوسیدگی کی جانب ترقی کرنے لگتا ہے کبھی خشکی اور فسادگی میں ترقی کرتا ہوا کسی سبب سے پھر تازہ ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا انسان کسی علم و ہنر میں ترقی کرتا ہوا کسی اسباب میں مبتلا ہوتا ہے کہ علم و ہنر کو چھوڑ کر جمالت کی طرف جاتا ہوا نظر آتا ہے یا جہاں میں ترقی کرتا ہوا

کسی ترغیب و متاثر ہو کر تہذیب و دانش کی طرف عود کرتا ہے۔ ان حالات میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اگر پہلے افعال بے اثر رہے یہ نہیں بلکہ جو خرابی یا بُرائی پہلی رفتار میں پیدا ہوئی تھی اسکی وجہ سے دوسری رفتار پر ضرور اثر پڑا اور ایسی چیز یا ایسی شخص کی ترقی اُن کے برابر نہ ہوگی جو پہلے سو ہوشیہ تک ایک راستے پر چلے گئے مگر تاہم نتیجہ بالکل بدل جائیگا اور اس انقلاب سے نور کی جگہ ظلمت یا ظلمت کی جگہ نور پیدا ہوگا اور نیز کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ رفتار کو بدلنے والا اثر بُری قوت سے ظاہر ہوا ہے اور اُس نے پہلے اثر کو بالکل نابود کر دیا ہے چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ درخت مر جھا گئے ہیں اور کھیتی سونگھ چلی ہے اور لوگ نا امید ہو گئے ہیں مگر قدرت کی کوئی ایسی ہر اچلی ہے کہ یاس امید سے بدل گئی اور درختوں نے چند روز میں وہی نشوونما پائی جو معمولی حالت کی پوری فصل میں پاسکتے تھے۔ یا پورے لشونما کے بعد کسی سخت حادثے نے ایسا جلادیا کہ گویا پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ اور اسی طرح انسان کی وحشت اور تہذیب کا انقلاب بھی کبھی اس زور سے ہوتا ہے کہ آدمی برسوں کا کام و دن میں کر لیتا ہے اور دوسرا اثر قوی ہونے کے سبب پہلے اثر کو نابود کر دیتا ہے۔ غرض یہ انقلاب کا قانون اور قوی کے ضعیف پر غالب آئیگا قاف انون بھی نیچر میں ہر جگہ نمایاں ہے چنانچہ ہی صورت نیکی بدی میں بھی نظر آتی ہے اور بدکار تائب ہو کر نیکو کار مرتد ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں اور دوسرا اثر بہت قوی ہو چکی صورت میں ترقی و تہذیب حالت سر و زیادہ بھی ہو جاتی ہے۔ قرآن میں بدی کی نسبت ارشاد ہے۔

كَحَقِّ إِذَا أَخَذْتَ الْأَرْضَ زُخْرُفًا  
وَأَنْتَ تَكُنُّ أَهْلُهَا أَنْتُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا  
أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ هَآؤُنَا فَجَعَلْنَاهَا  
حَصِيدًا كَأَنْ لَّمْ تَلْعَنَ مَا الْأَمْسِ كَذَلِكَ  
فُتِّصِلُ الْكَلِمَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ط  
ربلس پڑھ ع ۲۱

حتیٰ کہ جب زمین آریستہ ہو جاتی ہے اور اپنی زینت پر آجاتی ہے اور اس کے مالک گمان کرتے ہیں کہ اب اس کے مفاد پر ہمارا قبضہ ہے تو ہمارا حکم رات کو یا دن کو پہنچتا ہے پس ہم اس کو سوکھا نیک بنا دیتے ہیں گویا کہیں تھی ہی نہیں۔ ہم غور کر نیو الون کے لئے ان نشانات کی تفصیل کرتے ہیں

تنبیہ (تنبیہ بعد) اسکے پھولوں پر پلا آتی ہے پس اگر کلمہ آتا ہے

وَأَحْيَا بَشَرًا فَاَصْبَحْ يَقْلِبُ كَقَلْبِ عَالِي

مَا أَتَقَىٰ فِيهَا وَهِيَ خَائِوَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا  
وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا  
(رکف پارہ ۸ ع ۱)

وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَتَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ  
فَأَنَّ اللَّهَ سَنَذِرُكَ الْعُقَابَ (نقرہ پارہ ۸ ع ۱)

وَمَنْ يَكْفُرْ تَكُ مِثْقَلُ ذَرَّةٍ مِنْهُ فِئْتٌ وَهُوَ  
كَافِرٌ كَذَّابٌ وَلَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ (نقرہ پارہ ۸ ع ۱)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ سَعَوْا  
لِكُفْرَانٍ هُمْ كَاذِبُونَ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ

(آل عمران پارہ ۸ ع ۱)

اور نیکی کی نسبت فرمایا ہے۔

فَانظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَةِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي  
الْأَمْوَاتَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمْ إِنَّ ذَلِكَ لَحُجْرٌ مُبِينٌ

وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (روم پارہ ۸ ع ۱)

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا  
فَضَّلُوا وَيُنْزِلُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْمُحِيدُ

(شوری پارہ ۸ ع ۱)

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا  
فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران پارہ ۸ ع ۱)

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ  
يَتُوبُ عَلَيْهِ (مائدہ پارہ ۸ ع ۱)

اور جو توبہ کیا ہے اسے یاد کرتا ہے اور وہ سر کھیل  
گری ہوئی ہوتی ہے اور کہتا ہے کہ کاش میں میں  
اپنے خدا سے شرک نہ کرتا اور اپنی کوشش کو قطع نہ سمجھتا  
جو شخص خدا کی دی ہوئی نعمت کو بدلے تو خدا سخت  
عذاب دینے والا ہے

جو اپنے مذہب کو پھرے اور کفر کی حالت میں مرجا  
تو اس کے اعمال باطل ہو گئے

جو لوگ ایمان کے بعد کفر کریں اور پھر کفر میں ترقی  
کریں انکی توجہ قبول نہ ہوگی اور وہ گمراہ ہیں۔

خدا کے رحمت کے نشانات کو دیکھو کہ وہ زمین کو کیونکر  
مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیتا ہے یہی مردوں کو

زندہ کر دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

وہی ذات ہے جو بارش برساتی ہے اس حال میں کہ  
لوگ ناامید ہو چکے ہوتے ہیں اور اپنی رحمت کو

پھیلاتی ہے اور وہ الٰہ تعالیٰ ہے

مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کریں اور نیکو کار ہو جائیں تو اللہ  
بخشنے والا اور مہربان ہے۔

جو شخص اپنے اور پر ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اللہ اپنی رحمت  
درست کرے تو خدا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔



وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ  
بَعْدِهَا وَآمَنُوا أَنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا  
كَغُفُورٍ كَرِيمٍ (اعراف پارہ ۱۹)

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا انْ يَنْتَهُوا يُعْطُوا لَهُمْ  
مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ يَتُوبُونَ فَاقْدِرْ لَهُمْ  
سُنَّةَ الْاَوَّلَیْنَ (انفال پارہ ۹)

وَمَنْ تَابَ عَمَلٍ سَالِفًا فَاِنَّهُ يَنْتَوِيحُ اِلَى اللّٰهِ  
مَتَابًا (زمر پارہ ۱۹)

اَلَا مَنْ ظَلَمَ شَرُّ بَدَلٍ حَسْبًا لِّبَعْدِ شَوْعٍ  
كَفٰی عَقُوبًا لِّمَنْ تَطٰوٰی (زل پارہ ۱۹)

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَغَسَّی  
اَنْ یَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ (قصص پارہ ۸)

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَیَعْفُو  
عَنِ السَّیِّئَاتِ وَیُعَلِّمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (شوریہ پارہ ۲۵)

گناہ اور ثواب کی حقیقت  
اور توبہ کی وجہ

اور جو لوگ بد عمل کرتے ہیں پھر اس کے بعد توبہ کرتے ہیں اور  
ایمان لاتے ہیں تو خدا بخشنے والا ہے اور  
ہر مان ہے۔

نہم کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ باز رہیں گے تو ان کے  
گزشتہ اعمال معاف کیے جائیں گے اور پھر کفر کی طرف عود  
کر سینگے تو پھر پہلو ان کے ساتھ ہوا ہے وہی ہوگا

جو توبہ کرے اور نیک عمل سجالائے وہ خدا کی طرف  
آتا ہے۔

مگر جو ظلم کرے پھر اپنی بدی کو نکھاری سے بدل دے  
تو میں بخشنے والا ہوں ہر مان ہوں

لیکن جو توبہ کرے ایمان لائے اور نیک عمل کرے  
تو امید ہے کہ وہ مسکن گار دن میں ہوگا

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے  
اور گناہ معاف کرتا ہے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ توبہ سے گناہ معاف نہیں ہو سکتے مگر اول تو یہی  
رائے رکھنے والے نبی سے بالکل ٹھیک بنائے ہوئے ہیں اور جو انقلاب

بھلائی اور برائی کی جانب نہایت کثرت سے ہو رہے ہیں اور جن سے نتائج میں مشرق مغرب کا فرق پڑ جاتا  
ہے انکی طرف توجہ نہیں کرتے اور دوسرے کسی فعل کے گناہ کا ثواب ہونے اور آئندہ زندگی میں بدیائی نیک  
نتیجہ دینے کی حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کو اپنے ہم جنس اور ہم شکل کی طرف میلان ہوتا ہے اور اجنس سے گریز  
ہل علم قدرتی طور پر اہل علم کی طرف اور جاہل قدرتی طور پر جاہل کی طرف میلان رکھتا ہے اور جو ہم مذاق نہیں  
ان سے نفرت کرتا ہے اور یہ قاعدہ ہر حرف انسان میں ہے بلکہ حیوانات اور نباتات اور ان سے بڑھ کر

دنیا کی ہر ایک چیز کو اپنے مثال کی محبت سے قوت اور ترقی حاصل ہوتی ہے اور غیور کے اختلاف سے ضعف اور تنزل۔ اس مثال کے قانون کو تسلیم کرنے کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ مثلاً حق قتل کرنا یا لا مقتول کو ان فائدوں سے محروم کر لے ہے جو راستی کے رو سے اس کا حق تھا اور خود وہ مفاد حاصل کرتا ہے جو راستی کے رو سے اس کا حق نہیں۔ غرض وہ اس فعل سے اپنے دل میں رزائی اور صداقت سے نفرت اور بعد پیدا کرتا ہے اور اسی بعد اور نفرت کے سبب خدا سے جو نامحدود صداقت اور حق ہے دور ہوتا ہے اور اس کے برخلاف جو شخص کسی قاتل کے حملے کو دفع کرنے کی غرض سے حرکت کرتا ہے اور اس مدافعت میں قتل کے سوا چارہ نہیں دیکھتا وہ نہ خود ایسا مفاد حاصل کرتا ہے اور نہ دوسرے کو ایسے مفاد سے محروم کر لے ہے جس کا راستی کے رو سے مستحق نہ ہو اس لیے اس کے اس فعل سے صداقت سے اور خیر شہ صدقت یعنی خدا سے دور نہیں کیا بلکہ اس خیال سے کہ جیسا مفاد کو بحال رکھنے کی کوشش ہر چیز کی فطرت میں داخل اور انسان کا خاص حق ہے یہی کوشش صداقت اور حقانیت کو کسی قدر قریب کر نیوالی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر جو شخص قاتل کو سزا دیتا ہے تو اگرچہ اس کے اس فعل سے مقتول کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا مگر پھر بھی اس فعل کو جو فرض واجب سمجھا جاتا ہے تو اسلئے کہ وہ مقتول کے سوا باقی تمام دنیا کے امن و آسائش کو بحال رکھنے کے لئے جو راستی کے رو سے ان کا حق ہے تدبیر کرتا ہے اسلئے اس صدمت میں اس کا فعل محض صداقت کی محبت پر مبنی ہے اور اس لئے وہ اس فعل سے صداقت اور خیر شہ صدقت سے بہت بڑا قرب حاصل کرتا ہے پس یہی صداقت سے دور ہونا گناہ ہے اور خدا سے دور ہونا اس کا عذاب اور صداقت سے محبت کرنا کار ثواب ہے اور خدا کا قرب اس کی جزا۔

غرض ہر فعل سے جس قسم کا وصف پیدا ہوتا ہے انسان میں آئندہ اسی وصف کی طرف میلان رکھنے کی قابلیت ہر جاتی ہے اور اس کے خلاف وصف جو بعد اب فرض کر دے کوئی قاتل اپنے فعل سے ناام اور پشیمان ہوتا ہے اور آئندہ کے لئے سچے عمل سے اس فعل سے محترز رہنے کا عہد کرتا ہے اور غرض کہ وہ اس عہد کو تا دم آخر پورا بھی کرتا ہے تو اب اس کا کیا اثر ہوگا ایک تو یہی کہ اس کے ہاتھ سے دیگر

مخلوقات ان میں بریگی۔ یہ تو دنیوی مفاد ہیں۔ باقی رہی صداقت کی محبت جو اخروی نتیجہ ہے تو  
بھی اس عہد سے اور عہد کو تا دم مرگ پورا کرنے سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اب راہ تارک  
مناغ جاسکے دل پر قتل کرنے کے وقت صداقت کی نفرت پیدا ہوا تھا مگر جو نہ امت اور پشیمانی  
کاسرو مان اس کے دل کو چھیل رہا ہے اور جو صداقت کی محبت اور اس کے حاصل کرنے کی تمنا اس کو  
بے چین کئے دیتی ہے اس عمل سے نفرت کے سیاہ دماغ کو دور کر دینا وہی اثر ظاہر ہوگا جو ایک نیک لود  
لوہے کو صیقل کرنے سے ہوتا ہے یعنی اگر قتل کرنے کے وقت صداقت سے ایک درجہ نفرت تھی  
تو اس کی جگہ پشیمانی محبت کو چار درجے بڑھا دیگی۔ غرض قتل کرنے کو جس قدر دل کی سختی سے تعلق  
ہے پشیمانی اور توبہ اس کا پورا تدارک ہے۔

حقوق العباد اور حقوق العباد | گراں مثال میں ایک کوتاہی ضرور ہے وہ یہ کہ گناہ کرنے والے  
اور اس شخص کو جگہ گناہ کیا ہو غرض وہ تو سے تعلق ہو اور جس کا گناہ کیا ہے اس کا تعلق ہو گناہ تو میں نہیں سمجھتا ہوں  
کیونکہ جس کا تعلق کسی انسان سے نہیں بلکہ محض ذات خداوندی سے ہے مثلاً خدا کا انکار کرنا یا عبادت  
نہ کرنا اور اس کو حق اللہ کہتے ہیں اور دوسری قسم میں وہ گناہ ہیں جن کو ذات خداوندی سے بھی تعلق  
ہے اور اس کے علاوہ دیگر مخلوقات سے بھی مثلاً چوری کرنا یا کسی جاندار کو ناحق ستانا۔ انکو  
حقوق العباد کہتے ہیں۔ پس جو گناہ حقوق العباد کی قسم سے ہیں ان میں صداقت سے نفرت  
بھی ہوتی ہے جس سے انسان خدا سے دور ہوتا ہے اور کسی مخلوق کو اذیت بھی پہنچتی ہے اس لئے  
توبہ اور پشیمانی سے صداقت کی نفرت کا اثر تو بیشک دور ہو سکتا ہے مگر جو اذیت کسی مخلوق کو پہنچ  
چکی اس کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ایسے افعال میں توبہ مفید تو بہت کچھ ہے مگر پورے طور پر گناہ  
کی معافی اس شخص کے معاف کر دینے پر منحصر ہے جس کو اذیت پہنچی ہے۔ اور معاف کرنے کی وہی صورتیں  
ہیں۔ یا توبہ لے لیا جائے اور دل کا خیار نکال کر کہیںہ دور کر دیا جائے یا عالی ہمتی سے بغیر دیا  
لیئے معاف کر دیا جائے اس لئے قرآن میں حقوق العباد کے لئے یہی دو تدارک بتائے گئے ہیں اور  
چونکہ بدلائینے سے دل کو خود ہی سکون ہو جاتا ہے اور بالکل معاف کر دینا مشکل ہوتا ہے اس لئے

کر نیکو پر سے ہر کام باعث قرار دیا گیا ہے اور بدلا لینے کو صرف جائز کہا گیا ہے چنانچہ خدا وہ ہے

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا  
وَأَصْلَحَ فَكُفِّرُوا عَنْهُ وَاللَّهُ يُكْفِرُ لِمَن يَشَاءُ  
الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ  
فَأُولَٰئِكَ لَئِيْلٌ عَلَيْهِمْ مَا تُخَالِفُونَ فِي الْأَفْئِرِ  
لِيُنْزِلَ لِيَوْمٍ لَّيْسَ لَهُمْ فِيهَا ظُلُمٌ  
وَلَمَن صَبَرَ وَصَبَرَ فَإِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ  
(شوری پاره ۱۳۰ ع ۷۱)

بدی کا بدلہ اسی جیسی بدی سے لیکن جو معاف کر دے  
اور نیکو کرے اس کا بدلہ خدا دے گا۔ وہ ظالموں کو  
پتہ نہیں کرتا۔ اور جو ظلم برداشت کر نیکی بھلائی  
کرے ایسے لوگوں پر کوئی عجز و عنایت نہیں۔ الزام ان پر  
ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین پر بے رحم بن جاتے  
پھیلانے میں ان کے لئے عذاب ہے۔  
گر جو صبر کرے اور معاف کرے تو یہ عالی مرتبتی کا  
کام ہے

اگر تم بدلا دو تو بالکل مستعذر ہو جانا چاہئے جس قدر تم  
تکلیف پہنچاؤ گے اور اگر صبر کرو تو یہ فعل صبر کرنا عیالوں  
کے لئے بہتر ہے۔

وَإِن كَانَتْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْأَعْيُنِ حُجُبٌ  
وَكُنْتُمْ صِبْرًا فَاصْبِرُوا لِلْأَمْرِ الَّذِي لَكُمْ  
(نحل پاره ۷۷ ع ۷۱)

اور ان کے برخلاف حقوق المسلمین چنانکہ کسی مخلوق سے تعلق نہیں اور اس فعل سے صرف کہنے والے  
کے دل کو صداقت و نفرت پیدا ہوتی ہے اور قلب تاریک ہو کر جلوہ ربانی کے قابل نہیں رہتا اس لئے  
ایسے گناہوں میں پیشانی اور اضطراب پورا فائدہ دیتا ہے اور توبہ سے گناہ بالکل معاف ہو جاتا ہے۔

ایمان اور گناہ۔ کفر اور نیکی کا جستلاع یہاں تک ایک ہی طرح کے فعل اور اسکی ترقی کا یا ثبوت اور رتداد کی وجہ سے  
اس کے متزل کا ذکر تھا۔ اب اگر انسان کے تمام افعال کو دیکھا جائے جن میں

بعض بُرے ہیں اور بعض اچھے تو ان کا نتیجہ معلوم کر نیکی کے لئے بھی نیچر ہی سے سبق لیا جاسکتا ہے۔  
اور حیرت میں ہم دیکھتے ہیں کہ نباتات، مگتے ہیں۔ مومنوں میں مختلف آثار چلے جاتے ہیں کئی امت  
ان پر جبراً اثر کرتی ہے اور کوئی بھلا۔ اور انجام پر کبھی جیتی بالکل تباہ ہو جاتی ہے کبھی پورا فائدہ دیتی  
ہے اور کبھی محاصل حاصل ہوتا ہے گنا نقص۔ اس طرح حیوانات پر کوشش پاتے ہیں مختلف اسباب سے اچھے

اور بڑے اثر برداشت کرتے ہیں اور نباتات کی طرح تینوں طرح کے انجام پر پہنچتے ہیں۔

اصولی اسباب اور معاون اسباب | اب ان چیزوں کے مختلف انجاموں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ

مختلف اسباب میں سے بعض اصولی اسباب ہیں جن کے بغیر نیک یا بد اثر پیدا نہیں ہو سکتا اور بعض

ان اصولی اسباب کو مدد دیکر ترقی کو زیادہ کرنے والے ہیں گو ان کے بغیر بھی کوئی حالت قائم رہ

سکتی ہو مثلاً غذا روشنی اور مہو نباتات اور حیوانات کی پرورش کے اصولی اسباب ہیں اور باغبانی

اور پرورش کے عالمانہ اصول ان کے مددگار ہیں۔ اور اسی طرح زہریلی غذا سخت حرارت یا رطوبت

وغیرہ بربادی کے اصولی اسباب ہیں اور اصول پرورش کی کوتاہی وغیرہ بربادی کیلئے معاون اسباب

ہیں۔ اور اگرچہ ان سب اسباب کا اثر انواع پر اور انواع کی ہر ایک فرد پر ایک دوسرے سے بہت مختلف

اور پیچیدہ ہوتا ہے مگر عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب تک زلیست کے اصولی اسباب موجود ہیں تباہی کے

معاون اسباب نیست کو ناقص ضرور کر دیتے ہیں مگر بالکل برباد نہیں کر سکتے اور اس لئے اس حالت

میں زلیست کی ترقی شروع رہتی ہے اور کچھ نہ کچھ ضرر پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح اگر تباہی کے

اصولی اسباب موجود ہیں تو زلیست کے مددگاروں کی کوشش اپنی طاقت کے موافق تباہی میں

تاخیر ضرور پیدا کر دیتی ہے مگر انجام بیشک عدم پر ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اگر پہلے زلیست کے اصولی

اسباب موجود ہوں اور بعد میں بربادی کے اصولی اسباب پیدا ہو جائیں یا اسکے برعکس پہلے بربادی

کے اصولی اسباب موجود ہوں اور بعد میں نیست کا اصولی سامان پیدا ہو جائے تو اس میں بھی قوی

ضعیف پر غالب اگر نتائج میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر درخت روشنی اور ہوا میں لگا یا گیا

ہے اور کچھ نہ کچھ خوراک بھی بہم پہنچائی جاتی ہے تو چونکہ یہ زلیست کے اصولی اسباب ہیں اس لئے اگر

ان کے ساتھ باغبانی قاعدوں کا بھی لحاظ رکھا جائے جو زلیست کے معاون اسباب ہیں تو زلیست

میں درخت پوری ترقی کر لے گا اور اگر تربیت میں کوتاہی کی گئی ہے تو اس وقت تباہی کے معاون

اسباب موجود ہونے کے سبب درخت کی ترقی کامل نہ ہوگی مگر تاہم اسکی نشوونما جاری رہے گی اور کسی حد

تک بارہ ضرور ہوگا اور اگر بعد میں زہریلی غذا یا سخت حرارت پہنچ گئی ہے تو اس وقت چونکہ تباہی

کے اصولی اسباب پیدا ہو گئے ہیں اس لئے دقت سو کہ کرنا ہو جائیگا۔

عذاب و ثواب کے اصولی | اب مختلف نیک اور بد اعمال کو دیکھا جائے تو جو قاعدہ نباتات اور  
اور معاون اسباب | حیوانات کے پرورش یا بربادی کے مختلف اسباب میں ثابت ہوتا ہے  
یہاں بھی ضرور ہے کہ وہی قاعدہ جاری ہوگا اور ضرور ہے کہ نیک اور بد نتیجہ یعنی عذاب و ثواب  
کے لیے بعض اصولی اسباب ہوں اور بعض اُن کے معاون۔ اور چونکہ ثواب صداقت اور حشر  
صداقت ہے قریب ہونے کو اور عذاب اس سے بعید ہونے کو کہتے ہیں اس لیے ثواب کا  
اصولی سبب صداقت اور حشر و صدق کی محبت ہو اور عذاب کا اصولی سبب صداقت  
اور حشر و صدق کی نفرت۔ اور چونکہ قتل سرتہ وغیرہ عیوب سے صداقت کی نفرت ثابت ہوتی  
ہے اور ہمدردی اور ایثار وغیرہ سے صداقت کی محبت اس لئے یہ افعال اصولی اسباب کے  
معاون ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مذہب کی بنیاد عقیدہ پر رکھی گئی ہے اور عمل کو جذبہ نہایت ہی کا مرکز  
اور ترقی کو طرہ ماننے والا مانا جاتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص خدا کو مانتا ہے اور اپنی عبودیت اور اسکی خدائی کا پختہ اعتقاد رکھتا ہے  
تو ظاہر ہے کہ وہ سب سہوٹری صداقت سے محبت رکھتا ہے اور قانونِ مائت کے رُوسے ثواب کے  
اصولی سبب سہوہریب ہو اسلئے اگر نقص بشریت ہو وہ بعض گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے بلکہ بعض سہوہریبے  
گناہوں کا بھی ارتکاب کرتا ہے مگر انکو گناہ سمجھتا ہے اور اپنے قصور کا اعتراف کرتا ہے تو اگرچہ ان گناہوں کے سبب انکے  
اپنے اپنے درجہ کے موافق خدا سے بعد ہوگا مگر اصولی سبب موجود ہو نیکی سبب اسکی طرف ترقی  
جاری رہیگی خواہ کیسی ہی دیمی رفتار سے ہو۔ اور یہ بدی کے معاون اسباب اگرچہ اپنے زور  
کے موافق اثر دکھائیے مگر آخر میں نیکی کا اصولی سبب غالب آئیگا اور انجامِ نجات اور وصال  
پر ہوگا۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص خدا سے انکار کرتا ہے یا خدا کو مانتا ہے مگر اس طرح کہ کسی پتھر کو  
خدا سمجھ لیا ہے یا کسی اور غلط اعتقاد سے کسی ناقص خدا کو مان رہا ہے تو پہلی صورت میں مکمل قصور  
سے بالکل نفرت ہو اور دوسری صورتوں میں جس سے محبت کرتا ہے وہ صداقت نہیں اس لیے

اس وقت بدی کا اصولی سبب یعنی صداقت سے نفرت اور بدی کی محبت سہین موجود ہے۔ اب اگر وہ ایثار اور ہمدردی وغیرہ اعلیٰ اخلاق سے متصف ہے جن سے صداقت کی محبت ظاہر ہوتی ہے تب بھی بیشک نیکی کے معاون اسباب اسکی اس رفتار میں جو خدا سے دور ہونے کی طرف ہے بہت کچھ رکاوٹ پیدا کریں گے اور ایسا شخص ان لوگوں کے برابر بد ہو گا جو انکار خدا کے ساتھ بد کاری میں مگر پھر بھی نفرت اور کجی کا اصولی سبب موجود ہونے کے سبب قانونِ ممانعت کے رو سے اسکی رفتار جاری دوری ہی کی جانب ہوگی اور رکاوٹیں مغلوب ہوتی جائیں گی۔

غرض میں ان ممانعت میں اصولی اسباب کا اپنے خلاف معاون اسباب سے ممتاز ہونا اور اپنی ترقی میں ان کو تبدیل و ترمیم کر کے اپنے مائل کی طرف بڑھنا نیچے کے فصل سے ثابت ہوتا ہے اور اسکے خلاف ممکن نہیں کہ اصولی سبب جو وصف لکھتا ہے اسی کے مائل کی طرف حرکت ذکرے اور صداقت کی صورت میں غلطی کی طرف اور غلطی کی صورت میں صداقت کی طرف آئے اور اس چیز کو ماننے والا جو حقیقت میں خدا نہیں خدا کی جانب ترقی کو پسند کرنا کہ ماننے والے کی رفتار اس کے خلاف ہو چنانچہ یہی اسلام کا حکم اور قرآن کا ارشاد ہے۔

جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور مجھ کو ماننے کے جرم پر تائب نہ ہو گئے اور لڑے اور مارے گئے ہم ان کے ان افعال کو انکی برائیاں ان کا کفرانہ بنائیں گے اور ان کو نبوت میں داخل کریں گے جس کے نیچے نہیں جاری ہیں۔ جن باتوں سے تم کو روکا جاتا ہے اگر تم ان میں سے بڑی برائیاں سو رہو تو ہم تم سے پھر لڑے قصور معاف کر دیں گے اور تم کو سزا جزا نہ ملے گی۔

اس دن کا وزن حق ہے پس جس کا پلہ بھاری ہو گا ایسے لوگ سنگسار میں اور جس کا پلہ ہلکا ہو گا انہوں نے

فَالَّذِينَ هَلْجُوا فِي الْخُرُوبِ مِنْ دِيَارِهِمْ  
وَلَا يَدْعُوْنَ سَبِيْلِيْ وَفَالَّذِيْنَ اَوْفَوْا بِاٰمَانَتِيْ  
عَنْهُمْ سَبِيْلًا تَتَذَكَّرُهَا حَتّٰى  
تُخْرِجَ مِنْهُمْ مَّا نَهَا عَنْهَا وَارْءَا اَنْ يَّزِيْعَ  
اَنْ يَّجْعَلُوْا الْاٰبَاۡنَ مِمَّا نَهَوْا عَنْهُ مُكْرِهِيْنَ  
عَنْكُمْ سَبِيْلًا تَذَكَّرُوْا وَلَا يَجِدُ اِلَّا اِيْمَانًا  
(سند پابہ ع)

وَالَّذِيْنَ يَنْتَظِرُوْنَ اِلْحٰقِيَّ وَهُمْ لَا يُلْقُوْنَ  
اِلٰهًا اِلَّا اِيْمَانًا تَذَكَّرُوْا وَلَا يَجِدُ اِلَّا اِيْمَانًا

قَالَ لَكَ الَّذِينَ خَيْرٌ وَأَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا  
بِأَيَاتِنَا يُظْلِمُونَ (اعراف پاره ع ۱۷)  
وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَسْبَهُ  
أَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجِزُونَ إِلَّا مَا كَانُوا  
يَعْمَلُونَ (اعراف پاره ع ۱۸)  
وَأَخْرَجُوا عَنْ دِينِهِمْ حَقْلًا مِمَّا  
صَلَحُوا وَآخَرُ سَيِّئًا عَصَى اللَّهُ أَنْ  
يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ  
(توبہ پاره ع ۱۳)  
مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا زُيِّنَتْ لَهُ  
تُوفِ إِلَيْهِمْ أَعْمَالُهُمْ فِيهَا وَهُمْ لَا يَخْشَوْنَ  
أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ  
إِلَّا النَّارُ وَحِطْ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ  
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (مہر پاره ع ۱۷)  
وَاقِمْ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنْ  
الْأَيْلِ إِنَّ لِكُلِّ سَنَةٍ يُذْهِبُكَ السَّيِّئَاتِ  
(مہر پاره ع ۱۷)  
وَالَّذِينَ جَاءُوا بِالْحَقِّ وَصَدَّقُوا بِهِ أُولَئِكَ  
هُمْ الْمُتَّقُونَ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ  
ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ لِيَكْفُرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ  
الَّذِينَ عَمِلُوا (مہر پاره ع ۱۷)

اپنے زمین خسارہ بین ڈالا سنے کہ وہ ہمارے بات  
سے ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔  
جن لوگوں نے ہمارے نشانات کو جھٹلایا اور آخرت  
کا انکار کیا ان کے اعمال ضائع ہوئے۔ جو عمل وہ  
کرتے ہیں کیا ان کے خلاف بدلا دیا جائے۔  
اور بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ عمل نیک اور کچھ  
بد دو کو ملادیا ہے اور اپنے گناہوں کا اظہار کرتے  
ہیں امید ہے کہ خدا ان کے گناہ معاف کر دے گا خدا  
بخشنے والا ہے ہر باران ہر  
جو شخص صرف دنیوی نسبت اور ہی کی عزت  
چاہتا ہے ہم دیکھ لیں کہ لوگوں کے اعمال کا بدلا دینا  
میں ہی دیکھتے ہیں اور ان کے بدلے میں کی نہیں  
کی جاتی مگر ان کیلئے سزاؤں کے اور کچھ نہیں دیا کچھ  
انہوں نے دنیا میں کیا فعل بدلا دیا ان کے اعمال باطل ہو گئے  
دن کے وہ دن حصوں میں اور رات کے کچھ حصوں  
نہاڑ چکا کر دیکھتے ہیں ان کی برائیوں کو دودھ کرتی  
ہیں۔  
جو میری بات کو کھانا اور جیس شخص نے اسکی نصیحت کی یہی  
لوگ تھے میں ان کے لیجان کے خدا کے پاس  
جمعہ چاہتے ہیں۔ یہ نہ کہ جنتوں کا بلکہ اگر خدا اسکو  
وہ بلایاں معاف کرے جو انہوں نے کی ہیں۔



لِيَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَالْمُسْلِمَاتُ كَجَنَاتٍ  
تُخْرَجْنَ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا  
وَلَا يَغْفِرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتُهُمْ (فتح پڑھئے)  
وَمَنْ يُؤْمَرْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ  
سَيِّئَاتِهِ (تقابن پڑھئے)  
فَأَمَّا مَنْ كُفَّتْ عَنْ زِينَتِهِ فَهُوَ فِي حَيَاةٍ  
وَأُخْرَى لَمْ يَكُنْ مِنْ سَخَطَ مَوْلَا زِينَتِهِ  
فَأَمَّا هَؤُلَاءِ (قارء پڑھئے)

تمام مومن مردوں اور عورتوں کو جنت میں داخل کرے  
جس کے نیچے بہن جاری ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں  
اور ان کے بدلہ اعمال کو معاف کرے۔  
جو خدا کو مانے اور نیک عمل کرے اس کے بدلہ اعمال اسے  
معاف کر دے جائینگے۔  
جس کا بدلہ بھاری ہے وہ اچھی حالت میں دیکھا اور  
جس کا بدلہ ہلکا ہے اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

ایمان اور نیکی | اصولی اور معاون اسباب کو دیکھتے سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک قسم کا اصولی  
سبب اپنے خلاف معاون اسباب کو مغلوب کر دیتا ہے وہاں یہ بھی نظر آتا ہے کہ ایک قسم کا اصولی سبب  
موجود ہونے پر اسی قسم کے معاون خواہ کیسے ہی کمزور ہوں بہت بڑا اثر کرتے ہیں۔ بارانی زحمت  
سخت لہسا کی اور حرارت کے نہانے میں جیتک اسکی جڑیں مضبوط ہیں بارش کا ایک چھینٹا پڑ جائے  
سے بعض اوقات ایسی اہل ہاتی ہے کہ گوہری زمین کے برابر نہ ہو گرامید سے بڑھ کر اور معمول سے بہت  
زیادہ مغاودیتی ہے۔ علیٰ ہذا نادار اور بھوکے جائدار کو جیتک شہتہ نیات ہتوار ہے سوکھی غذا  
اور روکھا حکم طم لے جانے پر اسی قوت حاصل ہوتی ہے کہ گوشاہی الوان نعمت کے برابر نہ ہو مگر پھر  
بھی یقینی موت یقینی حیات ہی بدل جاتی ہے۔ اور سبب ہی ہے کہ اصولی سبب موجود تھا اس لیے  
تھوڑی سی امداد نے بہت سا فائدہ پہنچایا۔ اسی طرح کوئی عبودیت کا سچا اقرار کرنے والا اور خدا  
کو خدا ماننے والا سیاہ کاری اور بد اطواری سے کیسا ہی ہلاکت کے قریب ہو لیکن جب تک یہ  
اقرار دل میں اسخ ہے خدا کی محبت کا وہ سا ظہر بھی اسکی ترقی کے لیے بہت کچھ مفید ہوگا مثلاً  
استغفار | ۱۔ کوئی شخص افعال بد میں مبتلا ہے۔ انکو چھوڑنا چاہتا ہے مگر عادت سولا چار ہے  
کبھی سب یا چند گناہوں کو ترک کر نیک عہد بھی کرتا ہے لیکن بعد میں کوئی فوری لذت یا فائدہ

پیش اگر ایسا مجبور کرتا ہے کہ پھر عہد کو توڑ کر اسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس حالت میں بیچارہ  
کہتا ہے اور کوشش میں ناکام ہو کر سمجھتا ہے کہ افسوس میں ہلاک ہوا۔ اور اگر خدا کی رحمت نہ ہو  
تو ان سب کاربوں کے سبب میری کوئی ٹھکانا نہیں۔ یہ خیال اس کی روح کو خدا کی طرف کھینچتا ہے اور  
وہ اس غریب کی طرح جو سمندر کی بے انتہا لہروں میں پڑا ہوا دور سے جہاز کو دیکھ کر ہاتھ پاؤں مارنے لگتا  
ہے۔ رحمت اور مغفرت کا خیال اسے پروعا کے ہاتھ اس بے نیاز کے اٹھاتا ہے اور نہایت بقدری  
اور عاجزی سے اس کے فضل و کرم کو شفیق بناتا ہے اور کہتا ہے کہ یا الہی کوئی چیز نہیں جس کے سبب  
نجات کی آرزو کروں۔ گنہ گار ہوں نافرمان ہوں مگر تیرا بندہ ہوں اور تیری رحمت کے سوا  
کوئی پناہ نہیں رکھتا۔ غرض اس قسم کے خیالات اسے پراگندہ تو بنائے کہ تیرا کہہ نہ جانتا ہے آج  
تو یہ کروں گا اور کل توڑ دوں گا مگر کچھ بھی نہ رہی کے برابر ہونے کا یقین دل میں راسخ ہوتا ہے اور  
اس جراثی کے سبب اپنے تئیں بڑا سمجھنے سے مذہت اور پشیمانی ہوتی ہے اور یہ مذہت اس نگہ لی  
کو دور کرتی ہے جو گناہ کے ارتکاب سے دل کو لاش ہوئی تھی۔ اور اس طرح پرودہ صداقت کے قریب  
آتا ہوا جب خیال کرتا ہے کہ خدا کی رحمت کے سوا اور کوئی ٹھکانہ نہیں اور بے اختیار ہو کر دعا کرتا ہے  
تو اس خیال اور اس فعل سے اس کی محبت اور شوق میں اور بھی ترقی ہوتی ہے۔ غرض قلب کی حالت  
اگرچہ پاسبانی اور تقویٰ کے برابر نہیں مگر اس سے کمتر اور اگرچہ تو بے کے برابر نہیں مگر تو بے سے دوسرے  
درجہ پر گناہ نگاری کے داغ کو دور کرنے اور نجات کی منزل قریب کرنے میں بہت کچھ مفید ہوتی ہے۔  
آرزوی رحمت اور اگر کوئی شخص اپنی مغفرت کیلئے دعا بھی نہ کرنا ہو لیکن دل میں گناہ کی قدر  
محسوس کرتا ہو اور جانتا ہو کہ میں ایسا بد ہوں کہ خدا کی رحمت کے سوا ہرگز بخشش کا امیدوار نہیں ہوتا  
تو اس کے اس خیال سے بھی چونکہ دل میں وہ سختی نہیں رہتی جو سیست اور ناپیشیمان کے دل میں  
ہوتی ہے اور نیز خدا کی رحمت کے خیال سے محبت کا عنصر قوت پاتا ہے اس لیے ایسا شخص بھی دیگر  
بدکاروں کی نسبت بہت فائدہ میں ہے اور اس کے گناہ معاف ہونے کا احتمال قوی ہے۔  
مگر یہ سمجھنا اسی لیے مفید ہو گا کہ محبت کا حصول اور اقرار خدا کا عنصر وجود ہے اور اگر کسی

میں یہ شخص موجود نہ ہو تو چونکہ یہ اسباب محض معاون ہیں اس لئے چند ان مفید نہ ہونگے اور اگر کوئی شخص خدا کو نہیں مانتا تو اس کا بیری پریشان ہونا بعد کی تیز رفتاری میں سستی ضرور پیدا کر دے گا مگر بعد کو قریب ہونے پر لیگا۔ چنانچہ اسی لئے گناہوں کے سبب جس قدر بعد خدا کی ذات سے ہوتا ہے اسکا اثر دور کرنے میں اسلام نے دعا اور پشیمانی وغیرہ نیکی کے معاون اسباب کو بڑی حد تک مفید قرار دیا ہے مگر اتنے ہی اقرار خدا کے شخص کو ضروری ٹھرایا ہے۔ اور جہاں خدا کی رحمت سے گناہ معاف ہونے کا ذکر ہے وہاں خدا کی طرف جھکنے اور عبودیت کا اقرار کرنا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جہاں خدا کے اقرار میں کوتاہی ہو وہاں ان اسباب سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا لِنَفْسِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ  
وَمَنْ يَعْصِ أَمْرًا ظَاهِرًا فَإِنَّكَ تَفْعَلُهُ وَإِن كَانَ اللَّهُ طَوْفًا يُعَذِّبُ عَمَلَكُمْ فَاتَّعِلُّوهُمْ فِي كَلِمَاتٍ ط  
أُولَئِكَ جَزَاءُكُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ  
وَيَكُنَّ لَهُمْ فِيهَا حَتَرٌ مِنْ تَحْتِهَا أَكْثَرُ كَرَمًا  
خَالِدِينَ فِيهَا وَبِعَمَلِهِمْ تَبْتَغُوا  
(آل عمران پاره ۱۱)

وَمَنْ يَفْعَلْ مَعْزِرَةً فَإِنَّكَ تَفْعَلُهُ وَإِن كَانَ اللَّهُ طَوْفًا يُعَذِّبُ عَمَلَكُمْ فَاتَّعِلُّوهُمْ فِي كَلِمَاتٍ ط  
يَسْتَأْذِنُ اللَّهُ يُعَذِّبُ اللَّهُ عَمَلَكُمْ تَرْجِيحًا  
(سورہ بقرہ پاره ۱۱)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَهُ لِمَنْ شَاءَ مِنْ خَلْقِهِ  
مَنْ يَشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَاطِلًا

ایسے لوگ جو کسی فحش اس کے ترکب ہوں یا اپنا اور ظلم کریں خدا کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا معاف کرنے والا اور کون ہے اور وہ اپنے اعمال پر دانستہ اصرار کریں تو ایسے لوگوں کا بدلہ خدا کی طرف سے بخشش ہے اور بہشت ہے جس کے نیچے نہرین جاری ہیں اور وہ ہمیشہ رہیں اور ایسا عمل کرنے والوں کا یہ بدلہ بہت اچھا ہے۔

اور جو شخص بدی کرے یا اپنے اور ظلم کرے پھر خدا سے مغفرت مانگے تو وہ خدا کو بخشندہ و مہربان پائیگا۔

بیشک خدا شرک کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جس کو چاہے بخش دیتا ہے اور جو شخص خدا سے شرک کرے

بِاللّٰهِ فَقَدْ خَلَّ ضَلَالًا يَعْبُدُ مَا دُونَهُ (نہایت پرستش)  
 قُلْ يَا عِبَادِ لِلّٰهِ إِنَّكُمْ أَنْتُمْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ لَا  
 تَقْسُطُونَ مِنْكُمْ إِنَّكُمْ أَنْتُمْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ لَا تَقْسُطُونَ مِنْكُمْ  
 كَيْفَ تَعْبُدُونَ إِنْ هُوَ الْغُفُورُ الرَّحِيمُ وَأَنْتُمْ تَعْبُدُونَ  
 إِلَهَ سِوَاكُمْ وَلَسْتَ لَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَكُمْ  
 الْعَذَابُ شَيْءٌ لَا تَنْصُرُونَ (مرا بہ نکلے)  
 قَالُوا فَادْعُوا عِبَادَ عَالَمِهِمُ الْكَافِرِينَ أَكُنْ لَهُمْ  
 ضَلَالًا ط (سورہ بقرہ ع ۵)

وہ بہت بڑی گمراہی میں ہے

کہ دوسے میرے بند و جنوں نے اپنے اوپر  
 زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید ہو رہے ہیں  
 گناہ معاف کروا کر ان پر بخشندہ و مہربان ہے اور جھٹکے  
 خدا کی طرف اور اس کے آگے سر جھکاؤ پیشتر اس  
 کہ تم پر عذاب آئے اور کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے۔  
 انہوں نے کہا کہ دعا کرو مگر کفار کی دعا اچانک سچا  
 کے سوا کوئی اثر نہیں رکھتی

محبت صلیحا ۲۔ یا مثلاً کوئی گناہ کا نیک اور پارسا لوگوں سے محبت کرتا ہے اور اپنے متین  
 ان سے کمتر اور ذلیل سمجھتا ہے تو چونکہ اس محبت کا سبب یہی ہے کہ وہ لوگ نیک اعمال کے پابند  
 ہیں اور خدا کے مقرب ہیں اور اپنے متین ذلیل سمجھنے کا مطلب یہی ہے کہ وہ ان سے محبت نیک  
 اعمال کا نہیں لانا اور خدا کا قرب حال نہیں کرنا اس لیے حقیقت میں وہ خدا ہی کی محبت ہے جو  
 اسے خدا شناسوں کی طرف کھینچتی ہے اور نہ امت اور پیشانی ہی ہے جو اسکو اپنے متین ان سے  
 متغیر سمجھنے پر مجبور کرتی ہے۔ پس اگرچہ وہ گناہگار ہے اور قرب ربانی اور نور معرفت سے بہرہ ور نہیں  
 مگر اسکی پیشانی اندرونی تاریکی کو دور کرنے میں ضرور مدد دی اور خدا شناسوں کی محبت اسکی توجہ  
 کو خدا کی طرف کچھ نہ کچھ ضرور پڑھاٹھٹکی چھانچھ ہی بزرگان دین کی عظمت اور محبت کا احساس ہے  
 جس کو شفاعت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مانا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی وساطت سے  
 گناہ گاروں کے گناہ معاف ہوں گے۔ مگر چونکہ یہی اسباب مساوی ہیں سے ہوا سنے پہلے خدا کا  
 اقرار اور ایمان کا عنصر موجود ہونا ضرور ہے اور جو شخص اس نعمت کو بہرہ ور نہیں اسکو نیکیوں کی  
 محبت دور ہی کی رفتار کو نور است کر دینے سے زیادہ منفی نہ ہوگی۔ بلکہ اگر کوئی شخص  
 صرف اہل اندر سے محبت رکھتا ہو مگر کوئی نیک عمل نہ کرے لانا ہوں تو ماننا پڑتا ہے کہ اسکی دل میں

خدا کی محبت جس سے اہل اسد کی محبت کا طور ہوا بہت ہی کم ہے ورنہ کچھ نہ کچھ نیکی بھی ظہور پذیر ہوتی اس لئے اس صورت میں یہ معادن سب نہایت ہی کمزور واقع ہوا ہے اور اس لئے اس کا اثر ہوگا اگر بہت کم۔ اور عندئہ فائدہ اسی صورت میں ہوگا جب اصولی سبب یعنی ایمان کے ساتھ ایسی محبت کے علاوہ کچھ نیک اخلاص اور بھی ہوں۔ چنانچہ اسی لیے قرآن میں جہان شفاعت کا ذکر کیا ہے وہاں ایک تزیہ فرمایا گیا ہے کہ حقیقت میں شفیع خدا کے سوا اور کوئی نہیں جس سے جہان تک میں سمجھ سکتا ہوں اس نکتہ کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بزرگوں کی محبت جو گناہ کو دور کرنے کے لیے مفید ہے تو اسی لئے کہ اسکی تہ میں خدا کی محبت مرکوز ہوتی ہے پس فی الواقع گناہ کو دور کرنے کا ذریعہ خدا کی محبت ہے اور اس لیے گناہ گاروں کا شفیع اس وقت بھی اُسی کو کہنا چاہئے۔ اور دوسرے فرمایا گیا ہے کہ شفاعت انہی لوگوں کی جو گئی جن سے تقارر مہی ہو اور جو اس کے احکام کے ایک حد تک پابند ہیں۔ اور جو یہ وصف نہ رکھتے ہوں ان کے لیے کوئی شفیع نہیں۔ چنانچہ امراول کی نسبت ارشاد ہے

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَكِيلٌ وَلَا شَفِيعٌ

(احقافہ ۷۵)

مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ

أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ (سجده پلہ ۷۸)

قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا (زمرہ پلہ ۲۴)

اور امر ثانی کی نسبت فرمایا ہے۔

مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذَلِكُمْ

اللَّهُ يَبْخُلُكُمْ فَاَعْبُدُوهُ (نہل پلہ ۷۸)

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ

عِنْدَ اللَّهِ حُزْنَ عَمَلًا (مریم پلہ ۷۸)

ان کے لیے خدا کے سوا کوئی دوست اور شفیع نہیں۔

تمہارے لیے اس کے سوا کوئی دوست اور شفیع

نہیں کیا تم خیال نہیں کرتے

کہ وہ شفاعت سب خدا کے لئے ہے۔

کوئی شفیع نہ ہوگا اگر اس کے اذن کے بعد یہ ہو خدا

تمہارا پروردگار پس تم اسی کی عبادت کرو

وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھنے مگر وہ شخص جس کے

لیے خدا کا وعدہ ہے۔

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ  
الْحَكِيمُ وَسَخَّرَ لَهُ قُوَّةً (۱) (پارہ ۱۷ ع ۱)  
وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُمْ  
مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ (۲)

(انبیاء پارہ ۱۷ ع ۱)

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ  
لَهُ (۳) (سبا پارہ ۲۲ ع ۳)

مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَاجٍ وَلَا يَشْفَعُ بَطَّاعُ  
(مومن پارہ ۱۲ ع ۱)

كَأَمَلِكِ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ الشَّعَائِرِ  
إِلَّا مَنْ شَرَّفَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (۴)  
(زخرف پارہ ۲۵ ع ۱)

فَأَذِّنْ لَكُمْ نَذْرًا مِنَ الْمَصْلُوبِينَ وَلَا تَكُنْ  
نَظِيمَ السَّالْكِينَ (۵) وَكُنَّا نَحْمِلُكُمْ مَعَ الْفَائِضِينَ  
وَكُنَّا نَكِيدُكُمْ بِبُيُوتِ الَّذِينَ يَحْكُمُونَ أَنَا الْيَقِينُ  
فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ (۶)  
(مذہر پارہ ۲۹ ع ۲)

اس دن شفاعت مفید نہ ہوگی مگر جس کے لئے خدا  
نے اجازت دی اور جس کی بات کو پسند کیا  
وہ نیک بندے شفاعت نہ کریں گے مگر اسی شخص کی  
جس سے خدا راضی ہے اور وہ نیک بندہ خدا کے خوف  
سے ڈرتے ہیں

اور نہیں مفید ہوگی شفاعت مگر اس شخص کی جس  
کی نسبت خدا نے اجازت دی  
ظالموں کے لئے کوئی سپرد اور لایق قبولیت  
شفیع نہیں ہے۔

خدا کے سوا جن لوگوں سے یہ التجا کرتے ہیں وہ  
شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے مگر اس شخص کے  
لیئے جس نے حق کو قبول کیا ہے اور وہ سب یہ بتائے  
انھوں نے کہا کہ ہم نازی نہیں تھے ہم غلام اور  
کھانا نہیں دیتے تھے اور ہم انکار کر رہے تھے  
شریک ہو جاتے تھے اور ہم روزِ جزا کو غلطاً سمجھتے  
تھے کہ حکومت آگئی۔ پس ایسے لوگوں کیلئے شفاعت  
کر رہا ہوں کہ شفاعت مفید نہ ہوگی۔

دعا [نی زمانہ مذہب کی نسبت غور و فکر کر رہا ہوں میں سے بعض دعا اور شفاعت کے اثر سے انکار  
کر رہے ہیں اور یہ یہ ہے کہ احکام مذہبی کو سمجھنے میں کوتاہی ہوئی ہے پہلے سمجھنے والوں نے خدا کو پوچھا  
بادشاہوں کے نمونہ کا ایک بادشاہ فرض کیا تھا جو بعض اعمال سے خوش ہوتا ہے اور بجالانے والوں  
کو کسی طرح نفع اور عطیہ بخشے ہوئے ہو پھر وہی بادشاہ تعریف اور دل لگی سے خوش ہوتے ہیں۔ اور

شاعرون یا نقالون کو خلعت و جاگیر بخشے ہیں اور بعض اعمال سے مارا ہوا ہے اور ایسے مجبور  
کو اسی طرح عذاب اور تکلیف میں مبتلا کرتا ہے جیسے دنیوی بادشاہ بے ادبی اور گستاخی پر قید یا پھانسی  
کی سزا دیتے ہیں۔ اور اسی طرح دعا اور شفاعت کا یہ مطلب سمجھا گیا تھا کہ جس طرح بادشاہ بعض اوقات  
کسی کی اپنی منت خوشامد سے یا کسی مصاحب کی سفارش سے ایسا اقام دیتے ہیں جن کا وہ  
سستی نہیں ہوتا اسی طرح خدا بھی دعا مانگنے سے اور بزرگوں کی سفارش سے بندہ دن کی آرزو میں  
پوری کر دیتا ہے۔

چونکہ ایسا اعتقاد قرین عقل تھا اس لیے بعض ان باتوں کو سن کر ایسے گھبرائے کہ حقیقت  
معلوم کرنے کی تکلیف گزارا کرنے کے بغیر مذہب سے روگردان ہو گئے اور بعض نے حقیقت کا پتہ  
لگایا اور سمجھے کہ جو اسرا خلعت و جاگیر کی طرح اعمال سے جدا گانہ کوئی چیز نہیں بلکہ خود اعمال کی دوسری  
شکل اور ان کا ایک لازمی نتیجہ ہے اور وہ یوں کہ علون کی جس شکل کو نیک سمجھا جاتا ہے ان سے کرنے  
والے کے دل میں نرمی اور صفائی اور جس شکل کو بد سمجھا جاتا ہے اس کا ارتکاب کرنا علون کے دل میں  
سختی اور رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر جس طرح آئینہ صاف ہونے کی وجہ سے نور آفتاب سے  
چمک اٹھتا ہے اور لوہا مکر رہونے کے سبب کسی طرح کی شعل کو ظاہر ہونے نہیں دیتا اور جس  
طرح آئینہ اور لوہے کے مابین صفائی کے مختلف درجوں کے مطابق آفتاب کی شعاعیں  
مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہیں اسی طرح کامل اتقا اور پارسائی سے دل ایسا صاف ہوتا ہے  
کہ نور ربانی اس پر پورے طور سے منعکس ہوتا ہے اور بالکل سیہ کار اور بد باطن کا دل ایسا  
مکدر ہوتا ہے کہ اس پر نور ربانی کا کوئی نشان ظاہر نہیں ہوتا اور ان دونوں حدوں کے مابین  
پارسائی اور سیہ کاری کے مختلف درجوں میں نور ربانی کے مختلف ظہور ہوتے ہیں اب جو نیک  
اور بد اثر نور کے منعکس ہونے اور نہ ہونے یا کم اور زیادہ ہونے پر مرتب ہوتا ہے وہی اعمال  
کی سزا اور جزا ہے۔

غرض سزا اور جزا کی جو حقیقت سمجھی گئی ہے وہ بیشک معقول اور قابل تسکین ہے

لیکن کوتاہی یہ ہوتی کہ اس خیال کو اور آگے نہ بڑھایا گیا اور نہ دیکھا کہ دعا اور شفاعت کا مسئلہ اس اصول کے مطابق کہاں تک حل ہو سکتا ہے حالانکہ اس اصول کے مطابق ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں فاعلی اثر ذات خداوندی کی طرف سے ہو اور دوسری چیزوں کو جس قدر تعلق اثر پیدا کرنے سے ہے وہ محض انفعالی ہے یعنی اشیاء اپنے اندر کسی اثر کی قابلیت پیدا کرتی ہیں اور جس قدر قابلیت پیدا کرتی ہیں میرا فیاض کی طرف سے اسی قدر اثر کا فیضان ہوتا ہے اور یہ قاعدہ ٹیک و بٹا افعال اور نور ربانی کے انعکاس تک ہی محدود نہیں بلکہ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے مسئلہ پیدائش کے مطابق دنیا کی چیز کا فاعل اور خالق وہی قادر و مختار ہے اور جو کچھ پیدا ہوتا ہے اسی کی قوت علم کے فاعلی اثر سے ہوتا ہے مگر اس نے قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ بعض چیزیں بعض چیزوں کے بعد وجود میں آتی ہیں اور ان میں سے جب کسی خاص چیز یا حالت کے بعد دوسری خاص چیز یا حالت ضرور پیدا ہوتی ہے تو پہلی کو علت اور دوسری کو معلول کہا جاتا ہے ورنہ حقیقت میں علت کا پیدا ہونا اس قابلیت انفعالی کا پیدا ہونا ہے جس کے بعد میرا فیاض کا فاعلانہ اثر معلول کو پیدا کرتا ہے۔

اب اس علت و معلول یا انفعالی فاعلیت کے اثر کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علت و معلول کے بعض سلسلے انسانی فعل و تدبیر کے بغیر خود بخود اثر کرتے ہیں اور بعض میں فعل و تدبیر کا بھی اثر ہوتا ہے اور یہ دونوں قدرت ہی کے قانون ہیں چنانچہ یہ بھی قانون قدرت ہے کہ زمین میں تخم ڈالنے کے بعد آفتاب کی حرارت وغیرہ اسباب کو ایک خاص مدت میں درخت باغ پھل پھلنے لگتا ہے یہ بھی قانون قدرت ہے کہ انسان کا فعل و تصرف کو کسی طرح زیادہ حرارت پیدا ہونے پر مبادیہ سے پہلے جانور پیدا ہو جاتا ہے یہ بھی قانون قدرت ہے کہ کسی چیز کو آگ میں ڈالو تو جلے اور یہی قانون قدرت ہے کہ آتش شیشہ کو آفتاب اور کسی چیز کے مابین حائل کر کے اس چیز کو جلایا



جائے۔ ان سب صورتوں میں جو حرارت شرمیہ حرارت یعنی آفتاب کی طرف سے عمل کر رہی تھی اس  
 میں کوئی نخل نہیں لیکن پھر بھی نتیجہ میں تقدم و تاخر ہو گیا ہے تو اس لئے کہ ایک صورت میں قابلیت  
 محض فطری طور پر پیدا ہوئی تھی اور دوسری صورت میں مصنوعی طریقے سے بھی کچھ مدد دہی۔  
 اب انسانی ضرورتوں کے اور دماغ کے تعلق کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان  
 کسی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اور اس کا سر انجام چاہتا ہے اس کے اسباب اور علل کی طرف نظر کرتا ہے  
 بعض اوقات ان اسباب کو اپنے احاطہ قدرت سے باہر پاتا ہے اور اگر کسی اسکی قدرت میں ہونے  
 بھی ہیں تو ان کو ہمیشہ کرنا ایسا دشوار ہوتا ہے کہ ہات ڈالتے ہوئے ڈرتا ہے اور کبھی خیال کرتا ہے کہ  
 تدبیر کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا مشکل ہو جائیگا اور یہ سب باتیں نہ ہوں اور کام نہایت آسان ہو  
 تب بھی ایسے ناگمانی حادثوں کا احتمال باقی رہتا ہے جن کے پیش آنے پر سامنے رکھی ہوئی چیز کو ہاتھ  
 سے اٹھا لینا بھی مشکل ہو جاتا ہے غرض اس نے کروڑوں مزاہمتوں کی یہ کثرت اور اپنی قوت اور استقلال  
 کی یہ پائیداری اور اودھارنی ضرورت کا احساس دیکھ کر گھبراتا ہے اور جب اپنی تین نہایت لاچار  
 پاتا ہے تو نہایت بیقراری سے اس سبب الاسباب کی طرف رجوع کرتا ہے اور دل و جان کو اس کے  
 خیال میں لگا کر اور اس کو اپنا حاجت روا اور تمام گرد و پیش کا حاکم جان کر اور اپنی در ماندگی اور  
 اسکی قدرت کا کامل تصور کر کے اس سے دعا مانگتا ہے تو اس وقت شیشہ دل کے نور ربانی سے  
 مقابل ہوئیے سبب میں مبداء فیاض کے فیضان کی قابلیت اسی طرح پیدا ہو جاتی ہے جس طرح  
 آتش شیشہ کو حائل کرنے سے یہ مصنوعی طور پر پورے یا انڈے کو حرارت پہنچانے سے۔ چنانچہ  
 جو قوت واضطراب پہلے اپنی در ماندگی اور گرد و پیش کی مزاہمتوں کے خیال سے دلوں کو گھیرے ہوئے  
 تھا وہ خدا کو اپنا مددگار و ناصر سمجھنے سے دور ہو جاتا ہے اور اس طرح یہ جو کام اسکے خود کرنے کا ہے  
 اسکو اور زیادہ اطمینان اور قوت سے پورا کرتا ہے اور جو اسباب اسکی جسمانی قوت سے باہر ہیں ان پر  
 روح اور نور ربانی کا تعاقب اثر کرتا ہے اور خدا کا فاعلی اثر جو پہلے صرف بیرونی تدبیروں کی وساطت  
 سے عمل کرتا تھا اب ایک اور شفاف و ہلکے پیدا ہونے پر اور زیادہ عمل کرنے لگتا ہے۔ غرض وہ یہی

قانون قدرت تھا کہ ظاہری اسباب کے مہیا ہونے پر خدا انسانی ضرورتوں کو پورا کرے اور یہ بھی قانون قدرت ہو کہ ظاہری اسباب کے ساتھ روحانی واسطہ پیدا ہونے پر ضرورتیں زیادہ عمدگی سے سرانجام پائیں۔ اور ان دونوں صورتوں میں اسباب فیض کی طرف سے کوئی نخل نہیں اور نتیجہ میں جو تفاوت ہو اس سے وہ قابلیت کی کمی زیادتی کے سبب سے ہے۔

اب اگر اعتراض ہو کہ اکثر دعا کی جاتی ہے اور مطلب حاصل نہیں ہوتا تو جواب یہ ہے کہ اکثر دعا کی جاتی ہے اور صحت نہیں ہوتی تو وجہ یہ کہ دنیا میں بے انتہا قوانین قدرت اپنی قوت اور ضعف کے ساتھ عمل کر رہے ہیں۔ دعا کا اثر بھی ایک قانون ہے جو صحت پیدا کرتا ہے اور دیگر واقعات گرد و پیش بھی قانون ہیں جو صحت کے خلاف اثر کر رہے ہیں۔ اور جس وقت ہم کہتے ہیں کہ دعا نے اثر نہیں کیا اس وقت حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس نے اثر ضرور کیا اور اگر وہ نہ ہوتی تو مرض کی صورت کچھ اہر ہوتی۔ مگر اس کا اثر نمایاں نہیں ہوا اس لیے کہ دیگر مخالف اسباب اس کثرت سے تھے کہ دعا کے اثر کے بعد بھی انکی بہت سی مقدار موجود رہی یا بعض اوقات دعا ان شرط اور لوازم کے ساتھ نہیں دی جاتی جو اثر کے لیے ضرور ہیں اور اس لیے اس وقت کچھ فائدہ محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح جس وقت دعا کا اثر نہیں ہوا اس وقت بھی خدا ہی کے مقرر کئے ہوئے بہت سے قوانین خلاف اثر کر رہے تھے اور اس لیے نور بانی کی جس قدر راہ روح کو مقابل کرنے کی طرف آئی تھی اس نے اثر کیا مگر اسکے بعد بھی وہ لہرین جو پہلے دوسری سمت میں اثر پیدا کر چکی تھیں انکی قوت کی بڑی مقدار موجود رہی اور اس نے دعا کے اثر کو نمایاں نہ ہونے دیا۔ یا بعض اوقات اس ضمنوع و خشوع میں کوتاہی ہو جاتی ہے جو دل کو خدا کی طرف متوجہ کرنے کے وقت ضروری ہے اور اس لیے دعا کچھ فائدہ نہیں بخشتی۔

یہ تو دعا کا تعلق تمام ضروریات کے ساتھ تھا اور اس میں خدا کی طرف متوجہ ہونے کی تمام گرد و پیش کے حالات پر اثر پڑتا ہے جو ہماری اپنی قدرت سے باہر ہیں۔ کیونکہ اگر ان چیزوں پر ہمارا اثر نہیں تو ضروریات کا تصور اس وقت دل میں قائم ہے وہ تمام اشیاء پر تصرف ہے پس ایسی دعا کا فائدہ پہلی سی

صورت میں ہو سکتا ہے کہ ٹیکہ کا اصول یعنی ایمان ہمارے دل میں راسخ ہو ورنہ جو شخص خدا کا قائل نہیں وہ اسکی طرف توجہ بھی نہیں کر سکتا اور جس نے یہی چیز کو خدا مان لیا ہے جو واقعہ میں خدا نہیں وہ اگر یہ اپنے ماننے پر اُسے خدا کی طرف توجہ کر لے گا مگر وہ خدا تمام عالم پر تصرف نہیں سلطی ایسی توجہ کا نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ یہی وہ دعا جو ہم خاص اپنے گناہوں کی معافی کے لیے کرتے ہیں اور ہمیں جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا علاوہ اُس نور کے جو ہم اپنے شیشہ دل کو ذات ربانی سے مقابل کرنے کے قابل کرتے ہیں دل میں گناہوں پر ندامت اور پشیمانی بھی ہوتی ہے اسلئے یہ حاجت دعا سے بطریق اولیٰ پوری ہوگی اور برائی کی سختی دور ہو کر خدا کی محبت ترقی کرے گی۔

غرض دعا کا مسئلہ اسی اصول پر حل ہوتا ہے جس پر جزا و سزا کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے اس لئے دونوں مسئلہ صحیح اور قابل تسکین ہیں اور اسی لیے اسلام کا حکم ہے کہ خدا سے دعا مانگو اور نہایت عاجزی سے مانگو وہ تمہاری تکلیف دور کرے گا اور اگر اس کے سوا کسی اور سے مانگو گے تو کچھ اثر نہ ہوگا۔ ارشاد ہے

وَاذْكُرْ اِلٰهَکَ حَیْثَ دَعَاۤیَ عَنِ الْوَحْیِ  
اَحْسِبْ دَعَاۃَ الْاَلْبَابِ اِذَا دَعَاۤیَ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا  
لِیْ رَلٰیقٌ مِّنْہُمْ اَلَمْ یَسْمَعُوْا  
(بقدرہ پارہ ۳)

اَدْعُوا رَبَّکُمْ کَظَرَعَا وَحَقِیْقَۃً ۭ اِنَّہٗ  
لَا یَسِیْبُ الْمُتَعِدِّیْنَ (اعراف پارہ ۳)  
اِنَّ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادًا  
اَمْثَلُ الْکَلْبِ اِذَا دَعَاۤیَ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ  
اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ (۱۷۱ پارہ ۳)

قُلْ اَدْعُوا الَّذِیْنَ رَعٰیْتُمْ مِنْ دُوْنِہٖ

اوجہ میری نسبت میرے بندے پچھیں تو کہہ دو  
کہ میں قریب ہوں اور جو کوئی مجھے پکارے میں  
اسکی دعا قبول کرتا ہوں پس چاہئے کہ وہ نیچے  
بائیں اور نیچے پر ایمان لائیں تا وہ قلاب پائیں +  
اپنے رب کو عاجزی سے اور پوشیدہ پکارو۔  
وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا +  
خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تم جیسے بندے  
ہیں پس اگر تم سچے ہو تو ان کو پکارو اور وہ تمہاری  
دعا قبول کریں +

کہہ دو کہ خدا کے سوا جن کو تم خدا سمجھتے ہو انکو پکارو

فَلَا يَكِلُ لَكُمْ كُفْرَ الْفُتْرَةِ كُفْرَ الْفُتْرَةِ عَمَّا كُنْتُمْ  
تَحْتَرِكُونَ (بنی اسرائیل پارہ ۷ ع ۷)  
أَمَّنْ يَجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ  
السُّوءَ عَالِهَ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ  
(نمل پارہ ۷ ع ۷)

فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ  
كَرِهَ الْكَافِرُونَ (مومن پارہ ۷ ع ۷)  
وَقَالَ رَبِّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ  
إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي  
سَيَخْلُقُونَ جَهَنَّمَ تَارِخِينَ  
(مومن پارہ ۷ ع ۷)

مَلَأَ لَكَ إِلَهَ الْآلِهَةِ فَادْعُهُ مُخْلِصِينَ  
لَهُ الدِّينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ  
(مومن پارہ ۷ ع ۷)

وہ تمہاری تکلیف کو دور کر دے گا یا اس میں تخفیف کرے گا  
انہی میں سے رکھتے۔

بیقرار جب پکارتا ہے تو اس کی دعا کو قبول  
کرتا ہے اور اس کی تکلیف کو کون دور کرتا ہے کیا  
خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم غور کرتے ہو  
خالص خدا پر ایمان لا کر اس سے دعا کرو۔ خواہ کفار  
ناگوار سمجھیں

اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں  
قبول کروں گا۔ مگر جو لوگ میری عبادت کو تکبر کرتے  
ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں جائیں گے۔

وہ زندہ ہے اور معبود اس کے سوا کوئی نہیں تم لوگوں  
اس پر ایمان لا کر دعا کرو۔ اس قسم کی تعریف خدا کے  
لیے ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

شفاعت | اب شفاعت کے مسئلہ کو دیکھا جائے تو اس کی مفروضہ شکل یعنی یہ کہ نیک بندے  
خدا سے کہہ کہ گنہ گاروں کے گناہ بخشوا اللہ کے ہاتھ انہی معنوں میں جو ان لفظوں سے ظاہر  
میں سمجھے جاتے ہیں یعنی یہ کہ گنہ گار کی طرف سے کوئی کوشش نہ ہو اور محض سفارش سے انکو  
نیکیوں کا درجہ بچائے قابل تسکین نہیں کیونکہ اس صورت میں بدی کا جو اس نے کی ہے  
کوئی بدلہ نہیں ملتا اور یہی جو اس نے کی نہیں اس کا عوض دیدیا جاتا ہے جس کی کوئی وجہ نہیں  
اور چونکہ یہ واقعہ عالم آخرت سے متعلق ہے جہاں کا صیغہ تجربہ ہو جو حال نہیں اس لئے جیسا کہ  
پہلے گذشتہ باب میں غور کیا گیا ہے ایسے واقعات میں کیوں ان کا جواب ملنے اور وجہ معلوم

ہونے کے بغیر تسکین نہیں ہوتی اور اسی لیے ایسا مسئلہ اصل میں ہر کی طرف پیش نہیں ہوا بلکہ اسکے خلاف جو لوگ اپنے مختلف معبودوں کو اپنا شفیع ٹھہراتے تھے ان کے خیال کی تردید کی گئی ہے اور کہہ دیا گیا ہے کہ قیامت کو ہرگز سہی و سفارش کام نہ دیگی اور بے وجہ کوئی انعام نہ ملیگا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مَا لَا يُخْلِصُهُمْ مِنْ نَفْسِهِمْ  
وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ شِفَاعَتُهُمْ وَلَا هُمْ يَنْصُرُونَ ط

(نقرہ پارہ ۱۵ ع ۱۵)

مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمَ لَا يَبِيعُ فِيهِ  
لَا خَلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ

(نقرہ پارہ ۱۵ ع ۱۶)

لَهُمَا مَا كُتِبَتْ وَعَلَيْهِمَا مَا كُتِبَتْ ط

(نقرہ پارہ ۱۵ ع ۱۷)

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا أَنْ تَقُولُوا الْحَيَّةُ وَلَكِنَّا لَكُلِّ  
اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَرَبُّكُمْ وَيَعْلَمُ  
الصَّالِحِينَ د (آل عمران پارہ ۱۵ ع ۱۷)

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ وَذَرْهُمْ أَنْ يُلَاقُوا

رَبَّهُمْ أَوْ يَخْبَتُوا (نقرہ پارہ ۱۵ ع ۱۸)

لِيَسْأَلَكَ مَنْ هَكَذَا عَنْ بَنِيهِ وَيَحْيِي

مَنْ حَيًّا عَنْ بَنِيهِ ط (انفال پارہ ۱۵ ع ۱۹)

وَلَيُجْزَىٰ مَنْ دُونَ ذَلِكَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يُضَرُّهُمْ

ایسے دن سے ڈرو جس میں کوئی شخص دوسرے

شخص کے عوض میں پکڑا جائے یا پسند نہ کرے گا اور جس

دن کوئی نادان نہ لیا جائے گا اور کوئی شفاعت

مفید نہ ہوگی اور ان کی مدد نہ کی جائے گی

نیک بنو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں

نثراب کی خرید و فروخت ہوگی مدد دہی اور شفاعت

کام نہ دیگی

انسان کو مفید یا مضر وہی ہے جو وہ خود کسب کرے

کیا تم سمجھتے ہو کہ بہشت میں چلے جاؤ گے حالانکہ

خدا کو معلوم نہ ہوا ہوگا کہ تم میں سے کس نے کوشش

کی ہے اور کون صابر ہے۔

کوئی اٹھائے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

تا جو ملاک ہو وہ بھی سیدہ جہ سے ملاک ہو اور

جو رستگار ہو وہ بھی کیونکہ جو رستگار ہو

وہ خدا کے سوا عبادت کرتے ہیں اسی معبودوں کی

وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هُمُكَ لَا تَشْفَعُ لَنَا

عِنْدَ اللَّهِ طَقُلْ أَتَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَمَّا

لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ

(یونس پارہ ۱۷ ع ۷)

أَلَيْسَ تَجْزِي كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا

ظَلَمَ الْيَوْمَ

كُلَّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةً (مذہب پارہ ۱۷ ع ۷)

ترغیب کا فائدہ

جو نہ نقصان دے سکتے ہیں اور نہ فائدہ - اور وہ

کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس ہماری شفاعت کیلئے

کیا تم خدا کو کھاتے ہو جیسی بات جس کا زمین کا

میں کہیں وجود نہیں

آج ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا اور آج

ظلم نہ ہوگا۔

ہر شخص پابند ہے اسی چیز کا جو اس نے کسب کی۔

مگر کیا نیکی جنتوں سے اور ان کی نیکی سے دوسروں کو کچھ بھی فائدہ نہیں

پہنچتا؟ نہیں یہ کہنا بھی مشکل ہے کسی قوم میں بعض افراد مذہب اور نیک خیال ہیں اور

باقی سب وحشی اور ناہنجار۔ تو اگر وحشی لوگ اہل تہذیب کی ترغیب یا ان کی مثال سے متنبہ

ہو کر اپنے اطوار کو بدل لیں تو ضرور اسی نتیجہ میں حصہ دار ہو جائیں گے جو اہل تہذیب کے

افعال پر مرتب ہے۔ مگر ان کو اپنی حالت بدلنے کی توفیق کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ

دوسروں کی ترغیب اور ان کا نمونہ موجود تھا۔ پس یہ بہت بڑا فائدہ ہے جو نیکی جنتوں کے

وجود سے دوسروں کو پہنچا۔ یہ ضرور ہے کہ پہنچا اسی لیے کہ بدکاروں نے ان کی ترغیب اور

نمونہ کی طرف توجہ کی اسلئے یہ فائدہ ایسا نہیں جس میں بدکاروں کے اپنی عمل کو کچھ بھی

داخل نہ ہو۔

معیت کا فائدہ

اسی طرح کسی ملک میں بعض لوگ حفظ صحت کے قواعد کی مطلق پروا

کرتے اور تہایت غلیظ زندگی بسر کرتے ہیں مگر ان کے سامنے ہی بعض لوگ اپنی تہمتیں اور اپنے

مکانات کو اور کچھ کو نہایت صاف نشہ رکھتے ہیں۔ اب اگر میلارہ منہ والے ان کو

دیکھ کر اپنی حالت نہ بد لیں مگر ایسے وحشی بھی نہ ہوں کہ صاف رہنما والوں کے دشمن ہو جائیں اور

ان کو اپنی طرح گندارت پر چھو کر برین تو اس صورت میں اگر ان میں واسطیت کر گئی تو اس میں

وہ شدت دہوگی جو تمام آبادی کے گندہ ہونے کی صورت میں ہوتی، غرض اس وقت بھی میلاد ہنسنے والوں کو اپنے مہذب و متمدنوں کے وجود سے فائدہ پہنچا مگر بالکل بے وجہ یہاں بھی نہیں۔ اس لئے کہ اگرچہ انہوں نے اپنی طرف سے کوئی عمل نہیں کیا مگر اتنا تو کیا کہ اپنی گندہ حالت کو ترقی دینے کی کوشش نہیں کی اور دوسروں کی صفائی میں مایوس نہیں ہوئے اس لئے جس قدر ان کے ہر فعل کا اثر ہو سکتا تھا اسی قدر فائدہ بھی حاصل ہو گیا۔ اور اگر وہ ذرا اپنے فعل میں ترقی کرتے اور اپنی غلاظت کو بھی کم کرنے لگتے تو اس سے زیادہ فائدہ اٹھاتے۔ اب نیکی اور بری کو دیکھا جائے تو وہ ان بھی ہی قاعدہ جاری ہے کہ نیکیوں کی ترغیب اور بدیوں سے جو نیک بچائے ہیں وہ ویسے ہی فائدہ بھی حاصل کرتے ہیں اور جو انکی تقلید نہیں کرتے لیکن ان کے نیک اعمال میں ملوث نہیں ہوتے انکی سوسائٹی کی سیہ کاری اور سنگدلی میں وہ ترقی نہیں ہوتی جو تمام آبادی کے بدکار ہونے کی صورت میں ہوتی اور اس لئے جو کچھ اس کا نتیجہ ہو گا وہ بھی شدت میں آخر الذکر کے نتیجے سے کمتر ہو گا۔ چنانچہ اندوہ مندوں کی نسبت قرآن میں ارشاد ہے

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ سَاحِدٌ

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ سَاحِدٌ

(انفال پاره ۷ ع ۷)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ

عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ

رَكِبْنَا لَهُمُ عَذَابًا شَدِيدًا (طہ پاره ۲ ع ۷)

رَكِبْنَا لَهُمُ عَذَابًا شَدِيدًا (طہ پاره ۲ ع ۷)

خدا ان کو عذاب نہیں دیگا تم جن تک انکے دین میں موجود ہو اور خدا ان کو عذاب نہیں دیگا جب کہ وہ بخشش مانگیں۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کے پیروں نے ایمان میں انکا اتباع کیا تو ہم انکے پیروں کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور انکے عمل میں جو کچھ کم نہ کریں گے ہر شخص پابند ہے اس عمل کا جو اس سے سبب کیا۔

محبت کا فائدہ | اب ایک اور قوم فرض کی جائے جو نیکیوں اور بدکاروں پر شامل ہے اور بدکاروں کو کاروں کی تقلید نہیں کرتے مگر ان کی نیکی کو اچھا سمجھتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں اس وقت اگر انکو کاروں کی نیکی جہانی قسم کی ہے مثلاً صفائی اور قواعد صحت کی پابندی تو اس صورت

میں بیشک ان کی محبت کرنا ہوا ان کو عینیک انکی تقلید سے خود کوئی عملی ترقی نہ کریں کچھ  
 فائدہ نہ ہوگا لیکن اگر وہ نیکی روحانی قسم کی ہے تو چونکہ اس کا خلق محض دل سے ہوا اور ایسی  
 نیکی کو نیکی اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے دل میں صفائی اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور خدا  
 کی محبت ترقی کرتی ہے اس واسطے ایسے نیکو کاروں سے محبت رکھنا اور انکی نیکی کو قابل تحسین  
 سمجھنا خواہ انکی تقلید نہ ہو خود ایک قلبی عمل ہے جس میں نیک کی محبت ہے جس سے نیکی کی  
 محبت ثابت ہوتی ہے اور نیکی کی محبت ہے جس سے خدا کی محبت ثابت ہوتی ہے اور خدا  
 کی محبت اس کے وصال کا دینہ ہے اسلئے ایسے لوگوں کو نیکوں کے وجود سے نہت  
 بڑا فائدہ پہنچا اور جس طرح ایک آئینہ کو دھوپ میں رکھنے سے دیکھنے والے کو آئینہ دکھائی نہیں  
 دیتا بلکہ خود آفتاب جلوہ گر نظر آتا ہے اور بھیر اس آئینہ سے اور چیزوں تک جو سایہ میں ہوں  
 آفتاب کی روشنی پہنچتی ہے اسی طرح ایمان جو لوگ ہر تین خدا کی طرف متوجہ ہیں اور افعال حسنہ  
 سے اپنے دل کو آئینہ نماں صاف رکھتے ہیں جلوہ ربانی سے کامل طور پر پیہر یاب ہوتے ہیں اور  
 پھر جو لوگ اعمال بد کی طرف متوجہ ہونے کے سبب گویا آفتاب وحدت سے براہ رہت مقابل نہیں  
 ہیں اگر اپنے دل میں نیکوں کی محبت رکھتے ہیں تو نور ربانی نیکوں کی وساطت سے منعکس ہو کر انکو  
 منور کر سکتا ہے لیکن آئینہ کی وساطت سے جو نور منعکس ہوتا ہے وہ اگر کسی سیاہ چیز پر پڑے تو اسکی  
 کوئی شعلہ نمایان نہیں ہوتی اور دوسری قسم کی چیزوں پر انکی اپنی صفائی اور تاریکی کی نسبت  
 سے نور کا جلوہ مختلف ہوتا ہے اور اگر وہ چیز بھی آئینہ ہو تو نور آفتاب پہلے آئینہ کی وساطت سے  
 اس آئینہ میں ہی پوری قوت سے نظر آتا ہے اسی طرح نیکوں کی محبت سے جو خدا کا نور گنہ گاروں پر  
 جلوہ گر کیا اسکا جلوہ بھی انکی اپنی صفائی اور کدورت کی نسبت سے مختلف ہوگا اور اگر کسی کا دل  
 بالکل سیاہ ہو تو اسکو اس نور سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا غرض یہ بھی ایک فائدہ ہے جو صلحاء کے  
 وجود سے گنہ گاروں کو پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ نور ایمان سے منور ہوں۔ اور اس کی نسبت قرآن  
 میں ارشاد ہے۔



وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
فَإِنَّ حَرْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُغْلِبُونَ ط

(مائدہ پاره ۷)

وَمَا لَنَا لَا نُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ  
الْحَقِّ وَنَقُتِلُ أَنْ يَكُنَّ حُرَّتُكُم مَعَ الْفُجُورِ  
الضَّالِّينَ مَا كُنَّا بِهَمِّ اللَّهِ مُبَاقِلًا وَلَا  
جُنُودَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِ الْأَعْيُنِ وَذَلِكَ  
جُزْءُ الْخَبَرِ ط (مائدہ پاره ۷)

اور جو شخص خدا سے اسکے رسول اور اہل ایمان سے  
محبت رکھے (وہ خدا کے گروہ میں شامل ہے) اور  
خدا کا گروہ غلبہ پانے والا ہے۔

اور ہم کیوں نہ ایمان لائیں خدا پر اور اس ہدایت پر جو  
ہمارے پاس آئی ہے حالانکہ ہم آرزو کرتے ہیں کہ خدا  
ہم کو کھوکھلا کر دے تاکہ ہم اس کے ساتھ شامل ہو سکیں خدا نے ان کے  
اس قول پر انکو بدلا دیا اور بہشت میں داخل کر دیں  
نہیں یہ جاری ہیں اور کھوکھلا کر دین کا اخیر ہی ہوتا ہے

غرض کھوکھلا کر دین کی وجہ سے بدرون کو فائدہ پہنچنے کی تین شکلیں ایسی ہیں جن سے کائنات عالم  
کو دیکھنے پر انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اگرچہ ان سب صورتوں میں خود گنہ گاروں کی طرف سے  
کسی کی شکل میں کوئی عمل ہوتا ہے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ جو مفاد ان صورتوں میں حاصل  
ہوا ہے اس میں کھوکھلا کر ایک ذریعہ اور واسطہ ضرور ہیں اور جو فوراً ان کے واسطے سے گنہ گاروں تک  
پہنچا ہے اس کا فیضان حقیقت میں خدا کی طرف سے ہے پس اس صورت میں لکھنؤ انسان  
الکماستعی کا قاعدہ اور انسان کا اجر اسکے اپنے عمل پر منحصر ہوتا ہے صحیح ہے کہ گنہ گار نے  
تقلید یا محبت وغیرہ کچھ نہ کچھ عمل کیا ہے اور لکھنؤ قُورنِ الْاَلَمِیْنِ اَرْتَضٰی کا استثنا اور شفاعت  
کو مانگا اسکو خدا کی رضامندی پر منحصر رکھنا بھی صحیح ہے اسلئے کہ گنہ گار کے اس عمل سے رضامند ہو کر  
خدا نے نیکوں کی نیکی کا اثر اس تک پہنچانے کا قانون جاری کیا ہے اور اللہ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا  
سے صلیٰ حشر فیضان کا پتہ دینا بھی درست ہے اسلئے کہ فیض جو کچھ پہنچا ہے وہ حقیقت میں خدا کی  
طرف سے ہے۔ اسلئے شفاعت سے قطعاً انکار کرنا اور صلحا کے وجود کو بدکاروں کے حق میں بالکل موقوف  
سمجھنا نیچر کی شہادت جو چشم پوشی کرنا ہے۔

دعا کا فائدہ | مگر ابھی سبارہ میں کچھ اور بھی کہا جاسکتا ہے۔ نیچر کے بے انتہا قوانین عید احوال اور

ایک دوسرے کیساتھ مل کر عمل کر رہے ہیں اور مختلف شکلوں سے اثر میں اختلاف ہو جاتا ہے مثلاً زمین کا گلابیوں کو کھینچنا ایک قانون کا عمل ہے مگر جب زمین کسی پہاڑی نشیب میں آترہی ہو تو اس قانون کے ساتھ کش ثقل کا قانون اور مل جاتا ہے اور اثر زیادہ ہو جاتا ہے اسی طرح مکو کاروں کی ترغیب یا انکی محبت سی جو فائدہ گنہ گاروں کو پہنچتا ہے اگر اس کے ساتھ مکو کاروں کی دعا بھی شامل ہو تو دعا کا قانون پہلے تو نہیں کے ساتھ ملکر اثر کو اور دو بالا کر دینا کیونکہ دعا میں انسان کو خدا کی طرف ایسی ہی براہ رست توجہ ہوتی ہے جیسی آئینہ کو قرص آفتاب سے متوازی رکھنے پر اور پھر مذہبی تعلیم میں لکھیا ہے کہ انسان کی کوشش صرف اپنی ذات تک محدود نہیں ہونی چاہئے بلکہ اعمال کے دائرہ میں جس قدر سہمی اپنی حالت کو درست کرنے کیلئے کرتا ہے اسی قدر دوسروں کو راہ راست دکھانے اور ان کی حالت درست کرنے کے لئے ہونی چاہئے اور خدا کی طرف توجہ کرنے کے لئے دنیا جہاں اپنی مغفرت اور نجات کی التجا کرتا ہے وہاں اپنے گنہ گار بھائیوں کو بھی فراوانی نہ کرے اور ان کے لئے بھی ایسی خوشنوع و خضوع سے بارگاہ ربانی میں تہمتی جہاد رہم دیکھتے ہیں کہ اعمال کے دائرہ میں مکو کار کی کوشش رائیگان نہیں جاتی اور ان کی ترغیب و تخریب سے اکثر بنیگان خدا کو فائدہ پہنچتا ہے تو پھر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اس کا خدا کی طرف توجہ کر لینا وقت جو سب سے زیادہ پاکیزہ وقت ہے دوسروں کے حق میں بالکل رائیگان جائیگا اور جب اس سے اپنے آئینہ دل میں نور ربانی کو منعکس کرے گا وقت اپنے عاجز بھائیوں کی یاد سے اس نور کو انکی طرف مائل کیا ہے اس وقت اسکی شعاعیں قانون قدرت کو توڑتی ہوئی فضا میں ضائع ہو جائیں گی اور گنہ گار کی حالت پر کچھ اثر نہ کر سکیں گی بلکہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ جس وقت انسان کسی اپنی ضرورت کے لئے خود دعا کرتا ہے اس وقت اسکی ایک توجہ خدا کی طرف ہے تو دوسری اپنے مطلب کی طرف اس لیے اس وقت وہ ایسا آئینہ ہے جو قرص آفتاب کے متوازی رکھا نہیں گیا بلکہ اس کا ایک پہلو آفتاب کی جانب ہے اور دوسرا پہلو کسی اور چیز کی طرف ہے اور یہ سے ضرور ہے کہ آفتاب کی شعاعیں پوری قوت سے عمل نہ کریں لیکن جب کوئی نیک بندہ کسی اور شخص کیلئے نیکی اپنی ذاتی غرض کے دعا کرتا ہے اس وقت اسکی توجہ جس دوسری چیز کی طرف ہے

وہ محض نیکی اور فائدہ برسانی ہے اس لئے اس وقت آئینہ قلب ایک پہلو سے خدا کی جانب ہو تو دوسرے پہلو سے یہی روشنی کی جانب جو خود بھی نور ربانی کو جذب کرنے کی قابلیت رکھتی ہے اور اس لئے اس وقت ان شعا عین کا اثر زیادہ قوی ہو گا اور یہی وجہ ہے کہ جناب سالتما نے (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہی زبان سے دعا مانگو جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ حاضرین نے عرض کی کہ ایسی زبان کس کے پاس ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تم نے گناہ کیا ہے تو اپنی زبان سے غیر کی زبان سے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا اس لئے جو دعا دوسرا شخص کسی کے لئے کر لکھا وہ اس کے حق میں ہو گناہ زبان سے ہوگی (صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک غیر کی دعا عرض نفسانی ہو پاک و حبیبہ اللہ ہوگی اس لئے اس کی قبولیت میں کوئی شبہ نہیں ۛ

کبھی شفاعت کے خیال سے | البتہ شفاعت کی اس صورت میں یہ اعتراف تو ہی معلوم ہو گا کہ انسان غور پیدا ہوتا ہے۔

کی اپنی سعی کے بغیر اس کو فائدہ پہنچا اور بیشک غیر کی دعا سے جو فائدہ پہنچنے کی امید ہے ہمیں انسان کا اپنا فعل نظر نہیں آتا۔ مگر آہ! قلبی حرکتیں اور ان کے آثار چڑھاؤ ہوئے ہی ایسے غفی ہیں کہ بعض اوقات خود اپنے تئیں معلوم نہیں ہوتا کہ میرا دل کیا عمل کر رہا ہے۔ اور یہ صرف قدرت ربانی ہی کا خاصہ ہے کہ وہ مخلوقات کے ہر ذرہ کی حرکت سے واقف ہے اور کسی حرکت کو رائگہ نہیں جانے دیتی۔ چنانچہ اس وقت بھی جہاں نیکو کار دن کو اوقات خاص میں اپنے گناہ گار بھائیوں کو یاد رکھنے کا حکم ہے وہاں گناہ گار دن کو بھی علم ہے کہ ہماری بہبود کے لئے ایسا حکم دیا گیا ہے۔ اچھا تو اس وقت ان کے قلب کی کیا کیفیت ہوتی ہے بعض تو سمجھتے ہیں کہ ہم کو نیکو گن سے توبہ ہے اور ان کی برکت ہمارے لئے کافی ہے۔ چنانچہ اس خیال سے نیکو اور غرور ان کے دل کو گھیر لیتا ہے۔ عاجزی اور عبودیت کا خیال جو خدا کی محبت پیدا کرنے اور بڑھانے کا ذریعہ ہے دل سے مفقود ہو جاتا ہے اور وہ نہایت دلیری سے فسق و فجور میں منہمک ہو جاتے ہیں اس لئے ایسے لوگ اس برکت اور دعائے مغفرت کے مستحق نہیں رہتے بلکہ وہ اس سیاہ تختہ کی مانند ہوتے ہیں جو آئینہ کی مانند رکھا ہے اور آفتاب کی شاعین آئینہ میں سے

گزر کر وہاں کچھ روشنی پیدا نہیں کرتیں۔ بلکہ سیاہ کاری کے ساتھ یہ غور اور خود ستانی اور عذاب المضاعف ہو جاتا ہے گویا سیاہ تختہ کو بجائے روشن کرنے کے حرارت نے اور جلادیا چٹا چٹا سلام نے قلب کی ایسی حرکت اور اس کے بد نتیجہ سے زور کے ساتھ آگاہ کیا ہے اور یہود و نصاریٰ جو پھرین کی شفاعت اور کفارہ کے خیال سے اپنے تئیں بالکل حبی یا عذاب کے کم مستحق سمجھتے تھے ان کے خیال کی تغلیط کی ہے اور بتایا ہے کہ کوشش کو گناہوں میں صرف کر کے شفاعت و کفارہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اور اسی طرح جناب سالت تاب کے اہل بیت کو آگاہ کیا گیا ہے کہ نبی کا توسل حاصل کرنے کے بعد اگر گناہوں میں انہماک ہوگا تو عذاب دو گنا دیا جائیگا۔ ارشاد ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ہر کو صرف چند روز کیلئے عذاب ہوگا۔  
کہہ دو کہ کیا تم نے خدا سے عہد لیا ہے یا خدا کی نسبت سے  
بات کہتی ہو جو جانتے نہیں۔

یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہر کو صرف چند روز عذاب  
ہوگا اور ان کے اس فقرے نے انہیں مفسر دور  
کر دیا ہے

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی اولاد  
اور اسکے عزیز ہیں۔ کہہ دو کہ پھر تمہارے گناہوں کی

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي الْمَصَادِقِ  
قُلْ أَفَتَسْتَدْرِكُونَ عِندَ اللَّهِ عَمَلَكُمْ أَمْ تَقُولُونَ  
عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (نور پاریہ ۹)  
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي  
الْمَصَادِقِ وَنَحْنُ فِي دِينِهِمْ مَا كُنَّا نَعْلَمُ  
يَعْلَمُونَ ط (آل عمران پارہ ۳)  
وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ  
وَأَحِبُّهُمْ إِلَى اللَّهِ فَلَا نُعَذِّبُهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ط

(مائدہ پارہ ۳)

سزا کیوں ملتی ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا جَاءْنَاكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ  
مُتَّبِعِينَ يَصْنَعُونَ لَهُ الْعَذَابُ مُتَّفَقِينَ ط

کبھی شفاعت ہو کوشش کا میلان ہوتا ہے۔  
غرض یہاں سمجئے دیکھا کہ قلب کی حرکت اصول محبت کے خلاف تھی۔  
اس لئے اس وقت ہر گون کے توسل کو بھی بے سود کہا گیا ہے اور اگر توسل  
قلب شفاعت کے خیال سے ہمیشہ ہی حرکت کیا کرتا تو بیشک شفاعت کا اثر ظاہر ہونے کے

سب سے سیر و مانا جاتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کا ایسا ہی خیال نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض اس خیال سے کہ ہمارے بزرگ ہماری نجات اور زندگی کے آرزو مند ہیں اپنی سیکاری اور بد اطواری سے شہر مند ہوتے ہیں اور جہاں تک ان کے اپنا مکان میں ہوتا ہے اپنے تئیں بزرگوں کی دعا کا حق بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب کہیں کسی وجہ سے بدی اور گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں یا عادت وغیرہ سے عاجز ہو کر کوئی چارہ کار نہیں دیکھتے تو خدا کی رحمت کے منتجی ہوتے ہیں اور اس نور کی آرزو کرتے ہیں جو قلوب مبصص کی وساطت سے زمین و آسمان کو روشن کر رہا ہے اس لئے انکی عاجزی رحمت کی تمنا اور بزرگوں کی محبت یہ سب کچھ ملکر انکے دل کو خدا کی طرف منوجہ ہونے میں مدد دیتا ہے اور یہی وہ وقت ہے جبکہ بزرگوں کی دعا انکے دلی خیالات کے ساتھ ملکر گناہوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے میں اور بھی مفید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس وقت اگر ایک ثواب ان کے نیک اعمال سبب کوشش اور محبت کا ملتا ہے تو دوسرا ثواب بزرگوں کی دعا سے حاصل ہوتا ہے۔ غرض اس وقت انکا اپنا دل بھی کسی قدر صاف ہوتا ہے اور اسی لیے نور ثواب آئینہ کی وساطت سے انکو منور کر سکتا ہے۔ اور اب اگرچہ یہ خدا پہنچا بزرگوں کی دعا سے مگر انسان کی اپنی حرکت کا اس میں بھی دخل ہے اس لئے شفاعت کی اس قسم پر بھی وہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ انسان کے اپنی فعل کو دخل نہیں۔ اور جب پہلی قسم کی حرکت شفاعت وغیرہ کے اثر سے مایوس کر دیا گیا تھا اگر اس دوسری قسم کی حرکت پر اس کے فائدے کی امید نہ لائی جاتی۔ چنانچہ اسی لئے اہل بیت نبوت کو جہاں بدی پر دلیر ہونے کے وقت دگنے عذاب کی دھمکی دی گئی تھی وہاں ساتھ ہی فرمایا گیا ہے کہ اگر تم خدا اور رسول کی اطاعت اور اعمال صالحہ کی کوشش کرو گی تو ثواب بھی اور دن سے دگنا پاؤ گی۔ ارشاد ہے

وَمَنْ يَفْعَلْ مَعِيَ كُنَّا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْلَمُوا  
صَالِحًا أَوْ تَنَاجَىٰ أَوْ جَهْرًا أَوْ تَلَوْنَ وَاعْتَدُوا  
لَهَا زَكَوَاتٍ كَثِيرًا (احزاب ۳۳: ۵۷)

اور جو تم میں سے خدا اور رسول کی اطاعت کرے اور نیک  
عمل بجالائے ہم اسکو دگنا اجر دیں گے اور اس کے  
لئے عمدہ روزی تیار کریں گے۔

غرض دعا اور بزرگوں کی دعا یعنی شفاعت دونوں ایک حد تک مفید ہیں اور وہ حد یہی ہے

جبکہ انسان کا اپنا دل بھی اودھ کو بڑھنے کی کوشش کرتا ہوا اور صبر سے ایسی کوشش مطلق نہ ہو بلکہ نفرت اس کے خلاف ہو تو دعا بھی کچھ مفید نہ ہوگی اسی لیے اسلام میں ایمانداروں کے لیے دعا کرنے کا بھی حکم ہے اور جہاں یہ نور موجود نہیں رہا ان کے لیے فرما دیا گیا ہے کہ لاکھ دعا کرو کچھ نہ ہو گا چنانچہ ارشاد ہے۔

فَقَسِمَا حَتَّىٰ مَنَ اللَّهُ لَئِن لَّمْ يَكُنْ لَّهِمْ رُكُوتٌ فَكُنَّا عَلَيْهِمُ الْقَافِلِينَ لَا تَسْتَعِزُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّهُمُ اسْتَغْفِرُونَ لَكُمْ وَرِشَادُهُمْ فِي الْأَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ط

(آل عمران پارہ ۱۷۷)

اسْتَغْفِرُونَ لَكُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُونَ لَكُمْ ط  
اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ط

(نور پارہ ۱۷۷)

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ط (ابراہیم پارہ ۱۷۷)  
فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ط

(محمد پارہ ۱۷۷)

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ

یہ خدا کی رحمت ہے کہ تم اپنے ہم ایسوں کیلئے نرم ہو کر ہو اور اگر تم بد خلق اور غیبت ال متنے تو وہ تمہاری پاؤں سے منتشر ہو جائے پس انکی لغزشوں کو درگزر کرو اور انکی معافی کیلئے دعا کرو اور ان کی مشورہ لیا کرو۔ اور جب کسی کام کا پختہ ارادہ کرو تو خدا پر بھروسہ کر دو اور بھروسہ کرنا لوں کو پسند کرنا ہے۔

انکے لئے معافی مانگو یا نہ مانگو۔ اگر ان کے لئے سزا ہو دعا مانگو گے جب بھی خدا انکو ہر گز نجات نہ کرے گا کیونکہ وہ خدا اور رسول پر ایمان نہیں رکھتے۔

اے ہمارے پروردگار قیامت کے دن مجھ کو بخش دے میرے والدین کو بخشد اور مسلمانوں کو بخشد اور ایمان لو کہ لایق عبادت صرف خدا ہے اور اپنے گناہوں کے لیے اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے خدا سے معافی مانگو

اور جو لوگ ان سے پیچھے آتے ہیں کہتے ہیں اسے پروردگار ہم کو بخش اور ہمارے بھائیوں کو

سَبِّحُوا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا  
عِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ  
رَحِيمٌ (حشر پارہ ۷۷)

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ أَلَيْسَتْ غُفْرَةً لَكُمْ مِمَّا قَدْ  
فَعَلْتُمْ كُذِّبَتْ أَعْيُنُهُمْ فَوَالِقُمْ يُنْصَلُونَ وَهُمْ  
مُسْتَكْبِرُونَ فَسَوْفَ نَكْتُمُ أَسْمَاعَهُمْ فَهُمْ  
أَنْ لَمْ يَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ  
اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (سافہ پارہ ۷۷)

بخش جویان میں ہم سے پیش رو ہیں اور ہمارے  
میں ایمانداروں کی طرف سے کہیں ترشہ دے۔ اسے  
پہرہ دگا رتورون ورجیم ہے

اور جب انکو کہا جاتا ہے کہ اؤ رسول اللہ تمہارے  
لئے معافی مانگیں گے تو سر ہیرے تہیں اور تکبر سے  
روگردان ہوتے ہیں پس خواہ تم ان کے لئے معافی مانگو  
یا نہ مانگو خدا انہیں ہرگز بخشے گا۔ کیونکہ فسق کا نتیجہ  
ہدایت خدا کا قانون نہیں۔

## باب دوازوم

### جزاؤ و سزا کا دوام

ترقی دائمی قانون ہے۔ اچھے عزم اور پیسے عزم۔ نتائج کی صورت میں ہی ایمان کا اثر بدل  
نہیں سکتا۔ عالم برزخ۔ روحانی صفات غور و فکر روح کی صفت نہیں۔ پیدہ اور سیح کی مثال۔ کمال  
بک پہنچنے کی پیدل۔ خدا کی قدرت کو بھی انکا نہیں ہو سکتا۔

ترقی دائمی قانون ہے | دنیا میں نیکی اور بدی کا وجود اور انکی بدلتا رہتا ہے اور نیکی کا ترقی دیکھنے کے بعد  
اور بدی دیکھنے کے بعد کہ جس قسم کی ترقی کے اصولی اسباب موجود ہوں وہ اپنے خلاف قسم کے محالوں اسباب  
پرست برع غالب آجاتی ہے اور انجام ہی حالت پر ہوتا ہے جس کے اصولی اسباب موجود ہیں  
یہ سوال ہوتا ہے کہ ایمان اصولی اسباب کے نتائج بھی ہمیشہ برین گے یا کسی حد پر جا کر ختم ہو جائیں گے؟  
یہ سوال نہایت پیچیدہ اور مشکل ہے اور اس کا فیصلہ کرنے کے لئے نیکی اور بدی کی نیوایوں کے زمانہ قیام

کو دیکھنا چاہئے اور چونکہ نیکی اور بدی کا روحانی اثر خدا کا قرب یا اس سے دور ہونا ہے اسلئے ذات خداوندی کا بھی اس سوال سے تعلق ہے۔ اور دنیا میں بظاہر ہر چیز ایک وقت پر پیدا ہوتی ہے کچھ عرصہ بڑھتی پھرتی ہے اور ایک وقت پر فنا ہو جاتی ہے اور نہ صرف افراد کی ایسی حالت نظر آتی ہے بلکہ انواع اور نیز تمام دنیا کو بھی علمی نظر سفر طے کرتی ہوئی اور اپنی حالت کو بدلتی ہوئی کہتی رہتی ہے اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ایک وقت پر پیدا ہوا ہے اور ایک وقت پر فنا ہو جائیگا پس اگر واقعہ میں ہی کیفیت ہو تو حسی نیکی اور بدی کے نزدیک ایسے ہی زمین گئے تو ان کے افعال اور افعال کے نتائج کیا رہیں گے۔ مگر نہیں۔ یہ کیفیت علمی نظر نے دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی چیز فنا نہیں ہوتی بلکہ اجزا منتقل ہو کر کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتے ہیں اور اُدھر نیکی اور بدی کے نتائج کی دوسری حد یعنی خدا جس کو نہ نہیں جذبہ موجودا مناسب ہے اور عقل بھی اسکو ماننے کے سوا چارہ نہیں دیکھتی وہ بھی اگر موجود ہے تو ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے ہوگا۔ کیونکہ اس کا زمانے کے لحاظ سے صفات کے لحاظ سے ذات کے لحاظ سے غرض کسی طرح بھی محدود ہونا خدا کا خدا نہ رہتا ہی اچھا تو اب چونکہ وہ ہر طرح سے غیر محدود ہے اسلئے اس کا قرب حاصل ہونے کے کسی درجہ پر نہیں کہہ سکتے کہ قریب ہونے والا اس سے بالکل چسپید ہو گیا اور آئندہ کوئی درجہ قرب کا باقی نہیں اور اسی طرح اس سے دور ہونے کی بھی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ غرض خدا اگر موجود ہے تو یقین ہے کہ اسکے لحاظ سے قرب اور بعد کی کوئی حد نہیں۔ رمانیکی اور بدی کے نزدیک ان کا اپنا وجود سوا اگر مرنے کے بعد بھی یہ موجود رہتے ہیں تو پھر جو لوگ قرب خدا کے اصولی اسباب سے بہرہ ور ہیں اور اس طرف ترقی کر رہے ہیں وہ ابداً لاپتہ ترقی کرتے جائینگے اور انکا سفر کسی نقطہ پر ختم نہ ہوگا اور اُدھر جو لوگ خدا سے دور ہونے کے اصولی اسباب رکھتے ہیں ان کے منتزل کی ہی کوئی حد نہ ہوگی اور ہمیشہ تک دوسرے دور تر ہوتے جائیں گے اور یوں نیکی کا نتیجہ نیک اور بدی کا نتیجہ بد یعنی دنیا کے دونو عنصر اپنی قیاس میں غیر محدود ہونگے۔ غرض اگر دنیا میں یہ دونو چیزیں موجود ہیں اور اگر یہ ان ترقی کا قانون جاری ہے اور اگر ترقی کے معنی ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں



قوت کا زیادہ ہو جانا ہے تو پھر دنیا کے لئے نیک یا بد کوئی سا ایک نتیجہ نامانہین جاسکتا اور کہنا پڑتا ہے کہ ان دونوں چیزوں کے اپنے اپنے دو ہی طرح کے نتیجے بھی ہیں۔ اور جو شخص ان میں سے ایک سستہ پر چل پڑا ہے اس کا ہمیشہ وہی ہو گا جو اقرین قیاس ہے اور اسکے خلاف نیچر پر گزشتہات نہیں دیتی کہ ان میں سے ایک رستہ پر چلتے چلتے دفعۃً گاڑی ٹرک جا سکی اور جو نتیجہ اس پر مرتب ہوتا ہے اسکی بجائے خود بخود دوسری قسم کا نتیجہ مرتب ہو کر سب کا انجام ایک جیسا ہو جائیگا۔

اپنی مہم اور پیسے مہم - مگر ہمارا حال یہ ہے کہ دل میں مذہبی جذبہ پیدا ہونے کے بعد نیچر کو مطالعہ کرنے کی تکلیف کم گوارا کی جاتی ہے اور اگر اس وقت دل میں دنیا کی کسی

مصیبت کا خیال ہے تو اور زیادہ غور و فکر کرنے کے بغیر مصیبت ہی کو دنیا کا حاصل سمجھ کر سب کا انجام بد فرض کر لیا جاتا ہے اور اگر خوش قسمتی سے اس وقت کوئی خوشگوار منظر پیش نظر ہے تب بھی ایک طرف کارروائی سے سب باتوں کا انجام نیک سمجھ لیا جاتا ہے اور اس طرح پر عقلائے عالم کے اس سکیمین و فرقی ہو گئے ہیں جن کو ایٹمی مسٹ اور پیسے مسٹ کہتے ہیں یعنی ایک سمجھتا ہے کہ سب کا انجام نیک ہے اور دوسرا خیال کرتا ہے کہ سب چیزیں بد نتیجہ پر پہنچیں گی۔ انہیں دوسرا

خیال نہایت ناگوار ہے اور عموماً ایسے لوگوں کی طرف ہم پیش ہوتا ہے جو اپنے تئیں مذہب سے بیگانہ سمجھتے ہیں۔ اور پہلا خیال عموماً مذہب کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور بیشک دل میں تنہا ہی کہ نیک اور بد اور گنہگار اور پارہ سب آئندہ دائمی راحت اور سرت میں بسر کریں۔ مگر آہ۔ اسی بسا آرزو کہ خاک شدہ نیچر کا قاتل ہمارے ہمارے انسانوں کے ماتحت نہیں۔ کون نہیں چاہتا کہ دنیا میں غربت و فداکت

کا نشان نہ ہو کہ کون نہیں چاہتا کہ مرض اور تکلیفیں نابود ہو جائیں اور کون نہیں چاہتا کہ عزیزوں کی جدائی اور موت کا دھماکا شش منظر دکھائی نہ دے مگر کیا ہماری ایسی کوئی بھی تمنا برآتی ہے اور کیا ہماری تہذیب و ترقی نے ان مصیبتوں میں سے کسی ایک کو ہی نابود کیا ہے اور یہی ایسے کیچر کی شبیں ہماری آرزو کے خلاف چل رہی ہے۔ پس اسی طرح آئندہ کی عام راحت و سرت کی آرزو بھی اگر منشاء قدرت کے خلاف ہو تو ہماری طاقت نہیں کہ اسکو روک سکیں۔ اسلئے اگرچہ وہاں ہے کہ یہ آرزو برآئے

اور قدرت آئندہ ہمارے کہنے پر چلے مگر افسوس کہ جو کچھ ہوتا نظر آتا ہے اس سے نتیجہ اس کے خلاف نکلتا ہے یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص بدی کرتا ہے تو بد عادت ضرور پیدا ہوتی ہے اور اگر اس سے باز نہ آئے تو دوسری بدی کرنے پر عادت اور زیادہ ہو جاتی ہے اور اس طرح کرتے کرتے ہی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ عادت کے زور کی کچھ حد نہیں رہتی اور یہ صرف خیالی جولان نہیں بلکہ دنیا میں ایسے نمونے بیشمار موجود ہیں اور اصولی بدی انکار خدا کو مانا جائے یا بد اخلاقی کو دونوں طرح کے کال نمونے ہر زمانے میں نظر آتے ہیں پس جو شخص اسی حالت میں مرا ہے اگر وہ فنا نہیں ہوا تو اسکی آئندہ حالت کیا ہوگی؟ اور کیا ایسا شخص آخرت میں نیک نتیجہ حاصل کرے گا اور کیا قدرت کا قانون ٹوٹ جائیگا اور بدی سے بجائے بدی کو ترقی ہونے کے اُلٹی نیکی پیدا ہو جائیگی؟ اور اُدھر جو شخص نیکی کرتا ہے تو اس فعل کے جاری رہنے پر کہ اسکی مثالیں ہی بکثرت موجود ہیں یہی شکل پیدا ہوتی ہے اور ایسے شخص کا انجام بد ہونا قانون قدرت کے خلاف نظر آتا ہے اس لئے اچھی مہم اور پیسے من مردوں کو خیال غلط ثابت ہوتے ہیں +

تسلسل کی صورت میں بھی  
یہاں کا اثر بدل نہیں سکتا

مگر اس وقت بعض لوگ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا کہا  
لیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ایسے شخصوں کو آئندہ پھر دنیا میں بھیجا جائیگا اور دوبارہ نیکی اور بدی کا موقع دیا جائیگا۔ مگر پھر بھی کیا ہوا۔ اگر کوئی دوسری زندگی ہے تو وہ اسی زندگی کا نتیجہ ہوگی کیونکہ اگر اسکو پہلی زندگی کا نتیجہ نہ مانا جائے بلکہ کہا جائے کہ روح کو پہلے خیالات سے بالکل پاک و صاف کر کے دوبارہ نئے سرے سے عہد و عہد کر نیکی لئے بھیجا جاتا ہے تو لازم آئیگا کہ یہاں کی نیکی اور بدی دونوں کا نتیجہ بیچ ہے اور جس کام کو یہاں نہایت مضبوطی کے ساتھ جاری رکھنے اور ترقی دینے کا قاعدہ جاری کیا گیا ہے مرنے پر اس کام کو بالکل نابود کر دیا جاتا ہے اور نیک و بد دونوں کو پھر تازہ دم وہی بے نتیجہ کھیل کھیلنے چھوڑ دیا جاتا ہے اس وجہ سے جب دوسری زندگی کو پہلی زندگی کا نتیجہ ماننے کے سوا چارہ نہیں تو نتیجہ کی جو رفتار

یہاں ہے وہی دوسری زندگی میں مانی پڑگی اور جب یہاں بدی کا نتیجہ بدی ہے تو دوسری زندگی میں وہ شخص اور بھی بدتر ہو کر پیدا ہوگا اور خواہ اس طرح کی کردار زندگیاں مانی جائیں جب بھی جو وراثت ہوگا اسی کا پھل آئیگا۔ غرض پہلی زندگی کو بدی میں گزارنے کے بعد دوسری زندگی میں نیک اور پارسا بنانا وہی قانون قدرت کا ٹوٹ جانا ہے یعنی ناممکن

عالم برزخ | مگر ابھی اس مسئلہ کا ایک پہلو اور قابل غور ہے کیونکہ متنازعہ کہان کر مرنے کے بعد کچھ عرصہ روح کا جسم سے خالی رہنا مانا جاتا ہے چنانچہ بعض نے اس دیرمیان حصہ کو جس کو عالم برزخ کہنا چاہا ہے اپنی آرزو دہرانے کا موقع تصور کیا ہے جیسا کہ سنہ رائی بسنٹ فراتی میں کہہ رہا ہے۔ عالم برزخ میں روح اپنی خواہشوں اور غلوں پر غور کرتی ہے اور ان کے نقصان کو دیکھ کر تھوڑا حاصل کرتی ہے اور اس طرح بہت سی جوڑوں کے تجزیوں سے کشش پیدا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ نیک طبعیتی جاتی ہے۔

روحانی صفات | یہ دعویٰ بہت دل خوش کن ہے کاش ایسا ہی ہوتا مگر دیکھنا یہ ہے کہ عقل کے پاس اس دعویٰ کا ثبوت کہاں تک موجود ہے اور مرنے کے بعد جو روح میں غور و فکر کی طاقت مانی جاتی ہے وہ کہاں تک فرین قیاس ہے۔ یہاں جو پہلے انسان کو دیکھا اور بشک اس میں غور و فکر کی طاقت موجود پائی پس شاید یہ روح ہی کی صفت ہو اور جو ہم چوڑنے کے بعد بھی بچال رہتی ہو اور شاید یہ مدت تک عقل اسے زمانہ عقل کو روح کی ہی صفت مانتے رہیں لیکن روح تو وہ چیز ہے جس پر جوانی اور بڑھاپا نہیں آتا اور ہمیشہ یکساں رہتی ہے اس لئے جو صفت خاص اسکی ہوگی وہ بھی ہمیشہ یکساں رہتی چاہے حالانکہ غور و فکر کی طاقت کا یکساں رہنا ایک طرف اسکو ہم پیدا ہوتے جوان و پیر ہوتے اور مرتے دیکھتے ہیں مان کے پٹ میں یہ طاقت ہوتی ہی نہیں بچہ میں بڑھتے لگتی ہے جو ان میں مکمل ہوتی ہے۔ بڑھاپا آتے ہی اس پر بھی آفت آنے لگتی ہے حتیٰ کہ بعض اوقات انسان زندہ ہوتا ہے یعنی روح اس میں موجود ہوتی ہے مگر عقل و شعور کے لحاظ سے ایک بہت معلوم ہوتا ہے اور نہ صرف بڑھاپے میں بلکہ بعض

جسمانی آفتون سے خود جوانی میں یہ صفت نابود ہو جاتی ہے۔

اور ہم رحمون میں ٹھہرتے ہیں جب تک چاہتے

ہیں پھر ہم تکوین کی حالت میں پیدا کرتے ہیں

پھر عمر دیتے ہیں تا تم اپنی قوت تک پہنچو اور تم میں

سے بعض کو موت آ جاتی ہے اور بعض نہایت نعل

عمر تک پہنچتے ہیں کہ عقل و شعور کے بعد بالکل عظیم ہو جائیں

خدا وہ ہے جس سے تم کو کمزوری سے پیدا کیا

پھر کمزوری کے بعد قوت دی پھر قوت کے بعد

کمزوری اور بڑھایا دیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا

ہے کیونکہ وہ عظیم و قادر ہے۔

وَقَدْ فِي الْأَحْصَاءِ مَا تَشْكُرُونَ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى

لَكُمْ خَيْرٌ مِّمَّا تَحْكُمُونَ وَلَكُمْ فِي الْأَشْجَارِ

وَمِنْكُمْ مَمَّنٌ يُّتَوَفَّى وَمِنْكُمْ مَمَّنٌ يُؤَدَّى إِلَى الْأَرْضِ

الْعَمَلِ لِكُلِّ لِكُلِّ لِكُلِّ مِمَّنْ بَعْدَ عِلْمِهِ شَيْءٌ

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ

مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ

قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ

وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ (روم پارہ ۷ ع ۷)

غرض جب جسمانی قوت و ضعف کے ساتھ عقل بھی قوی یا کمزور ہو جاتی ہے ہر ملک بعض اوقات

وہ نابود ہی ہو جاتی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ صفت جسم کی ہے نہ روح کی اسے اور اسکے برخلاف

خواہش ایسا وصف ہر جو جسمین سے لیکر بڑا پتہ تک بلکہ مرتے دم تک یکساں قوت کیسا

موجود رہتا ہے اور خواہ جسم کی کچھ بھی حالت ہو اور خواہ خواہ خواہ ہر شے کی شکلیں بدلتی رہیں مگر

زندگی میں ایسا وقت کہیں نہیں آتا کہ کسی قسم کی خواہش موجود نہ ہو اس لئے اگر روح کی صفت کوئی

مانی جاسکتی ہے تو وہ خواہش ہے اور اسی لئے واکٹر ڈائسن نے روح کا ثبوت خواہش کے

وجود سے دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

۱۔ امام غزالی روح ثبوت روح کے عقلی دلائل کو پرکھنے کے وقت جو ثبوت عقل کے وجود دیا جاتا ہے

اوسکو ہی وجہ سے ضعیف کہتے ہیں کہ عقل زوال پذیر ہے اس لئے یقین نہیں ہو سکتا کہ وہ روح

کی صفت ہے۔ لہذا حنفیہ کے کتاب تہافتہ الفلاسفہ بحث ثبوت روح۔

۲۔ کتاب ایلمنٹز آف میٹافزکس حصہ دوم باب پنجم۔

”ہم مہتری یونانی اور موجودہ فلسفہ میں یہ ایک عام غلطی دیکھتے ہیں کہ وہ روح کو ذی عقل  
مہستی مانتے ہیں حالانکہ اسکے برخلاف روحانی زندگی کے تمام واقعات بے خطائیت  
دیتے ہیں کہ انسان کا مرکز دل میں تلاش کرنا چاہئے نہ دماغ میں اور خواہش میں تلاش  
کرنا چاہئے نہ علم میں۔ اور بالخصوص واقعات ذیل اس دعویٰ کے شاہد ہیں  
۱۔ ذہن تمام حیوانی آلات کی طرح بچپن میں بڑھنے لگتا ہے اور انہی کے ساتھ بڑھاپے میں  
گھٹتا جاتا ہے۔

۲۔ ذہن کچھ عرصہ کے لئے نیند میں اپنی چستی کو چھوڑ دیتا ہے حالانکہ خواہش یعنی  
بے شعور خواہشوں کی طرح تھکتا نہیں جانتی۔

۳۔ تمام حیوانی آلات کی طرح ذہن بھی خواہش کا ایک آلہ ہے اور ہمیشہ فرمان بردار نام  
کے طور پر کام کرتا ہے اور ہر حال میں بالادست حاکم خواہش ہے۔ یہ ایک ایسی صداقت  
جو شاید استدلالی طور پر ایسی ثابت نہ ہو مگر علیٰ دنیا میں ہر جگہ نمایاں ہے۔

۴۔ حیوانی درجات کو دیکھو تو ان میں ذہن کم سے کمتر ہوتا جاتا ہے حالانکہ خواہش  
جیسا کہ ہم ثابت کرینگے ہر جگہ جتنے کہ چھوٹے سے چھوٹے حیوان میں بھی اسی زور سے  
موجود ہے۔

۵۔ جب انسان کی قدر قیمت یعنی اخلاقی اوصاف کا سوال ہو تو دماغی صحت اور عقل  
کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس اثر کے لئے جو قبر سے پرستے تک پھیلا ہوا مانا جاتا ہے انسان  
کے فعل کو اور صرف فعل کو اس حیثیت سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ اسکی صفت خواہش کا مظہر ہے۔“

۱۱۔ ڈاکٹر مریٹھ اس دلیل سے اور نیز آگے خواہش کو حادثات تک لیجا کر وحدت وجود کا مسئلہ ثابت کرنا چاہتے  
ہیں مگر اس سے جو کچھ ثابت ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ تمام کائنات کی اصلیت ایک ہے مگر یہ کہ خدا اور کائنات حقیقت  
میں ایک ہیں اور کوئی اور ہستی ہر کائنات کو متاثر اور اسکو پیدا کرنے والی نہیں ہے دعویٰ اس دلیل کی ثابت نہیں ہو سکتا۔  
۱۲۔ اس مقدمہ پر اب دعویٰ کتاب ہذا بعنوان ”اخلاقی افعال پر یہی تئوژن جاری ہے“ کا مائید ملاحظہ ہو۔

یہاں تک روحانی صفات کی نسبت عام واقعات سے استدلال کیا جاسکتا تھا اچے  
 ان واقعات کو دیکھا جائے جو اکثر اوقات امراض وغیرہ کے سبب سے یا مصنوعی طور پر مہرزم  
 کے عمل میں جسم اور جسمانی طاقتوں کے معطل ہونے پر پیش آتے ہیں تو اس وقت اگرچہ روح  
 جسم سے جدا نہیں ہوتی اور نہ اسکا تصرف بالکل منقطع ہوتا ہے بلکہ وہ اس وقت بھی جسم سے  
 بہت سے کام لیتی نظر آتی ہے مگر چونکہ دماغی طاقتوں کو بڑی حد تک معطل کر دیا جاتا ہے اس  
 لیے دیکھا جاتا ہے کہ روح سے غور و فکر کرنے کی قوت بہت کچھ مفقود ہوجاتی ہے۔ گو اس وقت  
 غیب بینی اور جسم پر تصرف کرنے کی یا اور ایسی ہی بہت سی طاقتیں موجود ہوتی ہیں چنانچہ  
 سٹر مہڈین ایسے واقعات کی بنا پر یقین کرتے ہیں کہ انسان کی روح بین جزئیات کو دیکھ کر  
 ان سے کوئی کلی نتیجہ اخذ کرنے کی قوت نہیں ہے البتہ کوئی کلیہ عمدہ معلوم ہونے پر  
 یا خیال دلوا سکتا ہے۔ پراسکو جزئیات پر منطبق کر سکتی ہے مثلاً اگر مہرزم کی حالت میں معطل  
 کو یقین دلوا یا جائے کہ وہ کتا ہے تو اسکی روح میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ اپنے کتا ہونے کی  
 نسبت غور کرے اور اپنے حالات کو دیکھ کر نتیجہ نکالے کہ میں ان حالات و اوصاف کے  
 باوجود کتا نہیں ہو سکتا بلکہ اسکے برخلاف چونکہ کتا ہونیکا خیال دلوا یا گیا ہے وہ اپنی حالت  
 پر اس کو منطبق کرنے کی کوشش کر لیکر کتے کی طرح بہنکنے اور چار ہاتھ پاؤں سے چلنے لگیگا  
 اور اگر اس کو کہا جائے کہ تو تپین مبتلا ہے تو وہ اپنی حالت پر غور کر کے اس سے انکار  
 نہیں کرے بلکہ فوراً یقین کر لیکر اور اس یقین کا ایسا اثر ہوگا کہ دل میں جسم گرم ہو جائیگا بغیر  
 تیز ہو جائیگی اور پھر تند رستی کا خیال دلوانے پر فی الفور عریضی لائیں دور ہو جائیں گی  
 غور و فکر کی صفت نہیں | غرض زندگی کی عام حالت سے ثابت ہوتا ہے کہ غور و فکر کی قوت  
 انسان کی جسمانی صفت ہے اور اسکی روحانی صفت اگر ہو سکتی ہے تو وہ صرف خواہش ہے  
 اور مہرزم کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر روح میں کچھ قوت ہو بھی تو وہ کلیات کو جزئیات  
 پر منطبق کرنے کی ہے اور استدلال کا دوسرا عمل یعنی جزئیات سے کوئی کلی نتیجہ نکالنا اسکے

انکا نہیں نہیں اور نیز یہ کہ وہ قوت خیالیہ سے متاثر ہونے کی بہت بڑی قابلیت رکھتی ہے اور سحر و جادو کی حالت میں چونکہ روح کا تعلق جسم سے بالکل منقطع نہیں ہوا اس لیے اس وقت کلیات کو جزئیات پر منطبق کرنے کی قابلیت جو اس میں پائی جاتی ہے اسکی نسبت بھی نہیں نہیں ہو سکتا کہ وہ اسکی خاص اپنی صفت ہے بلکہ گمان ہوتا ہے کہ غالباً یہ بھی کسی قدر جسمانی تعلق کے قائم رہنے کے سبب ہو ہے۔ ورنہ اس کو روح کی اپنی صفت جب کہہ سکتے کہ روح اور جسم کا تعلق بالکل منقطع ہونیکے بعد ایسا تجربہ ہو سکتا۔

غرض ان حالات کو دیکھتے ہوئے کیونکر احتمال ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں جبکہ روح کو جسم سے کوئی تعلق نہیں وہ اپنے گذشتہ حالات پر غور کرتی ہوگی اور یہ نتیجہ نکال سکتی ہوگی کہ آئندہ زندگی میں ایسے حالات سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ خواہش کی صفت روح میں دائمی ہے جس خواہش میں اس نے اپنی تمام جسمانی عمر گذاری ہے اسی خواہش میں مبتلا رہتی ہوگی اور نیز چونکہ وہ قوت خیال سے بہت متاثر ہوتی ہے اس لئے جس خیال نے تمام عمر اس پر قبضہ رکھا ہے وہی اس وقت بھی اس پر متصرف رہتا ہوگا۔ پس مسٹر اینی بیسٹ اور ان کے سمجھیلوں کا عالم برزخ کی امید پر جینا محض خیال خام ہے اور یہی شہادت اس کے خلاف ہے اور خود مسٹر اینی بیسٹ کے کلام میں اس بارہ میں بہت تدبیر پایا جاتا ہے چنانچہ وہ اسی تحریر میں ایک اور موقع پر لکھتی ہیں کہ

”ہمیں قیالات میں گرفتار رہنے والا جب مرتا ہے تو اپنے خیالات کی وجہ سے ہر ذیلی زندگی حاصل کرتا ہے اور نہ صرف زمین پر آتا ہے بلکہ ان خیالات کو اور بھی سختی کے ساتھ بجا لاتا ہے کیونکہ حالت برزخ میں وہ خیالات کو محض رہتے ہیں مگر نچتے ہوئے رہتے ہیں۔“

اور زمین پر اگر پہلے سے زیادہ زور ظاہر کرتے ہیں ”(ایک اور موقع پر لکھتی ہیں) دیکھنا کہ یعنی عالم برزخ ایک ایسی حالت ہے جو زمینی زندگی کے تجربات سے بالکل متناسب ہوتی ہے اور اس عالم کا کمال ان خیالات کی مقدار اور نوعیت پر منحصر ہے جو حیات ارضی میں حاصل کی جائیں۔ اور

یہی خیالات دماغ جاکر روح کی طاقت اور اسکی ذات کا ایک حصہ ہو جاتے ہیں۔

پس خواہ روح کو جسم چھوڑنے کے بعد کچھ عرصہ علیحدہ رہنا پڑے اور خواہ وہ دوبارہ  
سہ بارہ دنیا میں آمد و رفت رکھے جو وصف اور عاقبت اس نے اس زندگی میں کسب کی  
ہے ترقی ہی کی ہوگی اور وہ وصف اگر بدی ہے تو کبھی آئندہ اس سے نیکی پیدا ہو جائے  
کیلئے کوئی دلیل موجود نہیں اور اس سلسلے اگر ہماری موجودہ زندگی ہماری گزشتہ زمینی  
زندگیاں کا نتیجہ مانا جائے جیسا کہ اہل تناسخ کا خیال ہے تب بھی یہ بار بار چکر ہماری گزشتہ  
آموختہ کو دہرانے کے سوا کسی مصرت کا نہیں اور ہماری حالت درست کرنے کے لیے نصیحت  
نہیں ہو سکتا۔

یون کہنے کو سوامی دیکھنا نہ چاہتے ہیں کہ بدھ اور مسیح جیسے مہاتما  
نیکی نے دنیا کے بڑے حصہ سے پریش کر دائی ہے لاکھوں جن کے تجربوں سے ایسے بنے  
ہونگے۔ گویا یہ تناسخ کا فائدہ ہے اور اسی طرح سب نیکی بن جائیں گے لیکن اگر یہ فائدہ تناسخ کا سمجھا  
جائے تو جن انسانوں کی ترغیب و تحریکس یا مثال سے تمام شراب خواری اور قمار بازی وغیرہ  
پرہیز رائج ہو گئی ہیں ان کا ایسا عالمگیر اثر اور کیشش اور قوت بھی لاکھوں جن کے تجربہ  
سے پیدا ہوئی ہوگی۔ اس لیے اگر تناسخ کو مان کر مسیح اور بدھ کا معبود و خلائق ہونا اس مقبوری  
پر مطلق ہوتا ہے تو شراب اور قمار کے معبودوں کی معجز نما کاریاں ہی تناسخ ہی کے باعث  
مانی جاتی ہیں اور اسلئے تناسخ کی وجہ سے انسانوں کا یکساں نیکی نتیجہ پر پہنچنے کا خیال  
صحیح ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرے اگر مسیح و بدھ جیسی قوی طبیعت تناسخ کے سبب  
بہرئی ہے تو چونکہ تناسخ سبھی ارجح کے لئے مانا جاتا ہے اس لئے چاہئے تھا کہ ایک مسیح  
اور بدھ ہی ایسے ہوتے بلکہ سبھی اس طرح ترقی کرتے جاتے اور جو جن کی اس قدر تعداد میں  
مسیح اور بدھ ایسے بن گئے ہیں اسی قدر تعداد میں اور لوگ بھی اسی قوت اور اثر کے مالک  
بن جاتے اور پھر اگر مسیح اور بدھ میں بہت بڑی قوت مانی جاسکتی ہے کیونکہ دنیا کے



بڑے حصہ نے ان کے آگے سجدہ کیا ہے لیکن پھر بھی ابھی اور ترقی کی گنجائش ہے اور دنیا میں ایسی ہی بڑی تعداد ان کو نہ ماننے والوں کی بھی موجود ہے اور ادھر مسیح اور بدھ کے بعد زمانہ ہی بہت بڑا گزر چکا ہے اس لئے اگر اس وقت تک کی آمد و رفت نے مسیح اور بدھ بنائے تھے تو ان کے بعد اس وقت تک کی آمد و رفت سے جو تجربہ زیادہ ہوا ہو گا اس سے لازم تھا کہ اب کے لوگ مسیح اور بدھ سے بھی زیادہ اثر و قوت پیدا کر لیتے اور اگر ان سے بعض لوگوں کو انکار بھی ہے تو اس وقت کے رشی اور مہارشی تمام جہان سے سیدو لیتے حالانکہ واقعات اسکے خلاف ہیں اور ایسی قوت کے لوگ بہت کم اور خال خال ہی نظر آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اور بدھ بننے کا راز تسلسل کے چکر میں نہیں بلکہ اُن کی طبیعتیں ہی فطرۃً ایسی قوی واقع ہوئی تھیں جس سے ہر زمانے میں فوجوں کی فوجیں ان کے نام پر قربان ہوتی ہیں۔ اور جب اس امر کو ماننے سے چارہ نہیں کہ انسانی طبیعتیں باہم مختلف ہیں اور بعض رحلین فطرۃً قوی ہوتی ہیں تو بعض نیک یا بد شخصاء کے عالمگیر اثرات انکی تعلیم کی اشاعت کا باعث انکی فطری قوت ہوگی نہ تناسخ کا چکر۔

کمال تک پہنچنے کی سہیل | اور پھر اور زیادہ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ایسی قوی طبیعتوں کے گواہی عجیب تعلیم اور دلکش ایجاد کے لحاظ سے بہت بڑے امتیاز کے مستحق ہیں لیکن امتیاز سب کا سب انہی کی ذات سے مخصوص نہیں بلکہ عام نوع انسانی کے مختلف الانواع ترقیان اس امتیاز تک پہنچانے میں بہت بڑی معاون ہوئی ہیں اور جس طرح ہم مختلف علوم و فنون کی ترقی میں کہہ سکتے ہیں کہ انکی اعلیٰ دریافتیں اور باریک مشرکات فیان دفعۃً اس شخص کے ذہن میں پیدا نہیں ہوئیں جس کو کسی فن کا موجد یا امام کہا جاتا ہے بلکہ نہایت قدیم زمانے سے نہایت سادہ شکل میں ایسے فنون کی بنیاد پڑ کر طبعی ہوئی اس حالت کو ہیرنچ چکی تھی جس کے بعد کسی قوی الذہن اور عقل شخص کو سمین ایجاد و اختراع کرنے کا موقع ملا۔ مثلاً علم حساب کے عمدہ اور سہل قواعد بنانے والے کو موجدین میں گویہ ایسی ایجاد نہیں جس کا پہلے وجود ہی نہ ہو بلکہ کسی

سچ کہا ہے کہ ابتدا کے آفریش انسانی میں جس کسی شخص سے منجمل کے ہر سبب توڑ کر اپنے  
 دونوں بچوں میں برابر بانٹنے کیلئے ایک ادھر اور ایک ادھر رکھتے ہوئے پانچ پانچ کی دو ڈھیر یا  
 بناوی ہو گئی وہ علم حساب کا پہلا موجد ہے۔ اس کے بعد کسی نے پانچ اور دس کا نام مقرر  
 کر دیا ہو گا جسے اس سلسلہ کا دوسرا نام کہنا چاہئے۔ اس کے بعد کسی نے یہ مقرر کر دیا ہو گا  
 کہ دس چھترہوں کو پانچ پانچ کی دو ڈھیروں میں رکھا جائے تو دونوں برابر ہوتے ہیں اور  
 پھر اس قسم کے گروں کو وسیع کرتے ہوئے شمار و اعداد کا علم اس حد تک پہنچ گیا ہو گا جس کے  
 بعد کسی نے یہ کیلئے اس علم کو بطور ایک فن کے مرتب کرنا اور پہلے قاعدوں کو آسان بنانا  
 یا نئے قاعدے ایجاد کرنا سہل ہوا۔ اب اس شخص کی نسبت تکنیکی ضرورت نہیں کہ اس نے  
 بہت سی جوتوں میں پھرنے کے سبب ایسا فن ایجاد کیا بلکہ ضرور کہنا چاہئے کہ اس نے  
 اپنے سو پہلے انسانوں کے علم اور ان کے تجربوں سے جن کا علم اسے اسی موجودہ زندگی میں  
 ہوا اپنی قوت طبع سے وہ سبق سیکھا جس کا نتیجہ فن حساب کی ترتیب ہو۔ اسی طرح ابتدا سے  
 آفریش سے اپنا علم غلط کرنے کے لیے دل بہلانے کی چیزیں اور شغل تلاش کرتے کرتے  
 اور بہت سی ابتدائی اور آسان اصولوں کو دریافت کرتے کرتے ایسا وقت آیا تھا جبکہ  
 کسی فہم کو شراب اور قمار جیسی مسرت اور دلچسپی کی اسلئے تدبیریں سوچیں اور اسی طرح  
 روحانی عالم کی سیر کرنے والے جن کو پیغمبر پاشی کہتے ہیں انکے معرفت کے تجربوں کی حقیقت  
 خواہ کچھ ہو اس میں شک نہیں کہ اس آگ کی چنگاری بھی ابھی ابھی سے دلوں کو گرمی دیتی  
 اور قدیم ہی سے پاکباز اور مقدس ارواح کو اپنی اپنی استعداد کے موافق نورانہ کی  
 شعاعیں روشنی بخش رہی تھیں چنانچہ جس طرح دنیا کے اعلیٰ و نون بتدیج ترقی کرتے ہوئے  
 اس حد تک پہنچے ہیں کہ ان کے روشن اور واضح قوانین مرتب ہو کر عامہ خلایق کی تسلیم  
 کے قابل ہوئے اسی طرح معرفت کے تجربے اور وصال ربانی کے قاعدے بھی قلوب صفا  
 پر وقتاً فوقتاً آتا ہوتے ہوئے یہ وقت آیا کہ بعض انسانوں کی اس قسم کی تعلیم نے دنیا کے بڑے

حصہ کو اپنا گرویدہ بنایا۔ اسلئے یہ بہت سی جونوں میں پھرنے کا نتیجہ نہیں بلکہ مذہبی روح کے عام طبائع انسانی میں سرایت کر ٹیکا اور وقت و وقت کے انبیاء اور عالمان مذہب کی آوازوں کے فضا میں گونجنے کا اور اس طرح پر تمام علوم عرفانی کے ایک شخص کی گرفت میں آجاتیکا باعث ہے جس سے بڑے بڑے صفات دل لوگوں کو پہلے تجربوں پر ایذا کرنے اور ان کی غلطیوں کو نکالنے کا موقع ملا۔ غرض معرفت کی ترقی اور دیگر علوم کی ترقی میں بجز اسکے کوئی تفاوت نہیں کہ جیسا پہلے ذکر ہو چکا ہے دیگر علوم میں انسان اپنے سے کمتر ہستیوں کا تجربہ کرتا ہے اور اس سے ایسے فاعلانہ حیثیت رکھتا ہے اور معرفت میں ایک بالاتر ہستی کا تجربہ ہے جس میں فاعلی حرکت اس ہستی کی جانب سے ہو اور انسان کی حیثیت صرف انفعالی ہے اور اس انفعالی قابلیت کی ترقی سے شواہد کی فاعلانہ حرکت تیز ہوتی رہتی ہے۔

خدا کی قدرت سو ہی  
انکار نہیں ہو سکتا

حاصل یہ کہ اس سرمایہ کو دیکھ کر جو ہماری عقل کے پاس دنیا میں موجود ہے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ دنیا کے بڑے بڑے پاکباز تناسخ کی

وجہ سے ایسے پاکباز ہوئے ہیں اور اسلئے تناسخ پاکبازی کو بڑھانے والا اور بدی کو نابود کر دینا ہے اور اس لیے اس چکر کی وجہ سے نیک اور بد دونوں انجام میں نیک نتیجہ حاصل کرینگے ان میں شک نہیں کہ خدا ہے اور وہ رحیم و کریم بھی ہے اور بیشک خدا نور ہے اور وہ نور اگر اپنی مرضی سے خود شواہدین ڈالنے لگے تو یہ سے سیل قلب کو منور کر سکتا ہے پس اگر اسکی قدرت کا یہی اقتضا ہو کہ عابد خدا پرست اور رند سہست دونوں آخر میں الٰہی رست و مسرت حاصل کریں تو چشم مار و شن۔ ہم گنہ گاروں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مشرورہ نہیں اور ہم مانتے ہیں کہ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَتَجْعَلُ مَا يَشَاءُ (خدا کرنا ہے جو چاہتا ہے اور حکم دیتا ہے جو کہے اسے) (لکین دنیا میں جو سلسلہ جاری کیا گیا ہے اسکی شہادت یہی ہے کہ بے سبب کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوتا اور دنیا سب کچھ وہی ہے مگر اسی کو اور اسی قدر زمین جس قدر قابلیت

ہو۔ اس لئے شہادت کو دیکھتے ہوئے پیچھے ہٹ ہونا اور سب کا انجام برآہمنہا جس کا نتیجہ  
یہ ہو کہ ہم نیکی سے بسبب اس کے پیو و ہر نیکی نیز ارہر جائین یا اپنی مسست ہونا اور سب  
باتوں کو متبع خیر سمجھنا جس کا نتیجہ ہو کہ ہم بدی سے بسبب اس کے مضرت ہونے کے پرہیز نہ کریں  
دونوں اصول غلط ہیں۔ ضرور بد کا انجام ہمیشہ بد ہے اور نیکی کا انجام ہمیشہ نیکی اور اس لئے  
جب تک ہم میں عقل مشورہ ہے بدی اور نیکی میں امتیاز کرنے اور بدی کو چھوڑنے اور نیکی  
اختیار کرنے کے سوا کوئی اور سلامتی کا راستہ نہیں آگے جو خدا کو منظور ہے وہ  
ہوگا۔ غرض یہی وہ نتیجہ ہے جبکہ عقل تسلیم کر سکتی ہے اور یہی تسلیم ہونی چاہئے اس  
مذہب کی جانب سے جو عقلا کو اپنی طرف بلائے اور اپنی خوبی کے لیے عقل کو حیار گردانے  
کا دعویٰ کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ  
يُخْرِجْ لَهُمْ خَيْرٌ مِّنْ شَرِّهَا أَلَا تَعْلَمُونَ  
خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ  
وَمَنْ يُضِلَّ اللَّهُ فَمَا لَهُ سَبِيلٌ  
يُخْرِجْ لَهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ  
أَلِيمٌ

(نساء ۵۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ  
يُخْرِجْ لَهُمْ خَيْرٌ مِّنْ شَرِّهَا أَلَا تَعْلَمُونَ  
خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْقَوْلُ الْعَظِيمُ  
وَمَنْ يُضِلَّ اللَّهُ فَمَا لَهُ سَبِيلٌ  
يُخْرِجْ لَهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ  
أَلِيمٌ

یہ خدا کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو شخص خدا  
اور رسول کی اطاعت کرے اسے وہ جنت میں  
داخل کر لیا جس کے نیچے نہرین جاری ہیں وہ ہیں  
ہمیشہ رہیں گے اور یہ طبری کا مہیا بی سی اور جو شخص  
رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں کو توڑے  
اسے اگ میں ڈال کر لگا دیں ہمیشہ رہیں گے اور اس کو  
بخش عذاب ہوگا۔

لیکن جو بدعت ہیں وہ اگ میں بسنے کے جو خوش  
خوش کرتی ہے اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک اس میں  
وہیں ہو مگر جو بدعت ایسی ہے تیرا رب جو چاہے کر سکتا ہے  
اور جو بدعت میں جنت میں ہمیشہ رہیں گے جب تک اس میں  
ہو مگر جو بدعت ایسی ہے تیرا رب جو چاہے کر سکتا ہے

# باب سیزدهم

## قیامت

جو انبی ہنہیں وہ ابدی ہی نہیں اسکی تحقیق۔ ہر انقلاب پر ترقی ہوتی آتی ہے۔ منجھ ہو جانے پر ترقی کی سبیل ٹیکھوں کی عمر نور کی قوت و ضعف پر منحصر ہے۔ شخص قایم رہنے کی وجہ اور روح کا وجود۔ تمام ذوی اجسام بعینہ زندہ نہیں ہونگے۔ حیوانات جزا و سزا پائینگے۔ ترقی کا اثر راحت و تکلیف پر۔ ترقی کرنا دلوانے و سرور کو کیا فائدہ پہنچا یا۔ نہ اب صحت کا فائدہ۔ اصلاح حکومت کا فائدہ۔ سہولت نقل حرکت کا فائدہ و سائل نامہ و پیام کا فائدہ۔ راحت و مسرت کی آرزو برائے کا ہی کوئی موقع ہونا چاہئے۔ راحت و غم مکمل کیونکر ہوگا۔ آئندہ ترقی کے وسائل۔ نورس اور انرجی کے مختلف مظاہر۔ سائنس کے مسلمات و حقائق و مسائل رفتار نہایت کم جاسکتی ہے۔ ترقی کے مختلف درجات میں نورس اور انرجی کی شکل بدلتی جاتی ہے آئندہ انقلاب میں ترقی اور بھی اسطے ہونی چاہئے۔ آئندہ ترقی معرفت میں ہوگی۔ آئندہ ترقی کے لئے جو سامان ہونا چاہئے وہ اسی عالم میں تیار کر دیا گیا ہے۔ آئندہ ترقی غیر محدود ہوگی۔ روح صرف جسم میں کمر ترقی کر سکتی ہے۔ ارواح کیلئے مادہ کی کمی نہیں۔ آئندہ ترقی میں اجسام کی حالت حشر کے متعلق اسلامی آئینہ ترقیت سے انجہانی خصائل بدل نہیں سکتے۔

جو انبی ہنہیں وہ ابدی ہی نہیں اسکی تحقیق۔  
سوال ہوتا ہے کہ آیا دنیا کی حالت کو دیکھ کر کوئی احتمال ہو سکتا ہے

کہ یہاں کے عمل کرنا سوائے ہمیشہ تک قائم رہیں گے اور اپنی جزا و سزا بھگتیں گے۔ یا جیسا کہ عام طور پر پیشتر ٹیٹ یعنی مادہ پرستوں کا خیال ہے۔ یہ تمام نظام ایک دن فنا ہو جانے والا ہے اور یہاں کے اشخاص موت کے ساتھ اپنی ہستی کو کھو بیٹھتے ہیں

ہستی خدا کے بارہ میں جو احتمالات قائم کئے گئے تھے ان سے ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ

ایک اذلی اور ابدی ہستی نے اس عالم کو اپنی قوت علم سے نیت سر بہت کیا ہے مطلب یہ کہ یہ عالم قدیم اور اذلی نہیں ہے پس اسکی نسبت ایک عام قانون قدرت مانا جاتا ہے کہ جب قدیم اور اذلی نہیں تو دائمی اور ابدی بھی نہ ہوگا۔ اس اصول کو مانکر تو کہنا پڑتا ہے کہ نیت سے بہت ہوئی ہو لے ایک من ضرورتاً ہو جائیگا اور اس لیے انکی نیکی اور بدی اور اسکا انجام بھی چند روزہ کھیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اور بیشک یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جوازلی نہیں وہ ابدی بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اسکا مطلب سمجھنا میں کسی قدر تساہل ہوتا ہے۔ جو چیز اذلی نہیں اور چونکہ معدوم تھی اسلئے وہ اپنے وجود میں ضرور غیر کی محتاج ہے جو اسے نعمت و توشہ بہرہ ور کرے اور جب اسکا وجود عارضی ہے اور اسکی اپنی ذات وجود اور عدم دونوں کو برداشت کر سکتی ہے تو اس کا وجود جس طرح حاصل کسی اور کی وجہ سے ہوا ہے اسی طرح قائم بھی کسی اور ہی کی وجہ سے رہ سکیگا۔ اسلئے یہ کہنا درست ہو کہ جس طرح خود وہ چیز ازل سے موجود ہونے کے قابل نہ تھی اسی طرح وہ خود اپنی ذات سے ابد تک موجود رہنے کے بھی قابل نہیں۔ لیکن یہ کہ جس دوسری ہستی نے اسے موجود کیا ہے وہ بھی اسکو جب تک چاہے موجود رکھنے کے قابل نہیں ہے یہ اس دوسری ہستی میں پیدا کر غیوالے کی قوت اور ارادہ پر منحصر ہے۔

اگر کسی کو زور ہستی نے اپنی قوت متخیلہ سے کوئی وجود پیدا کیا ہے تو ضرور ہے کہ وہ محدود عرصہ تک اس خیال کو قائم رکھ سکیگی اور اس لئے اسکی مخلوق ضرور ایک عرصے میں فنا اور نابود ہو جائیگی۔ چنانچہ جن خیالات کو انسان وجود کا جامہ پہناتا ہے دیکھا جاتا ہے کہ وہ اس کی قوت اضعیف کے موافق ایک دو لمحہ سے لیکر سال دو سال دس سال تک قائم رہتے ہیں اور آخر کار نابود ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ انسان اگر چاہے جب بھی اپنے خیال کو ایک طرف تھوڑی ہی دیر کے لئے لگا سکتا ہے لیکن جس ہستی کو دنیا کا خالق مانا جاتا ہے اور دنیا کو جسکی قوت علم خیال کی محسوس تصویر مانا گیا ہے اسکی قوت و قدرت کے آگے انسانی قوت خیالیہ کی کوئی ہستی ہی نہیں اسکی قدرت اس کا علم اور تمام صفات غیر محدود ہیں اس لیے اگر اس نے اپنی قوت علم سے

دنیا کو پیدا کیا ہے اور اگر وہ اسکو کچھ عرصہ تک قائم رکھنا چاہتا ہے تو اسکی غیر محدودیت کے آگے کچھ شکل نہیں۔ وہ انسان کی طرح اپنے علم کی ایک صورت قائم رکھنے سے تھک نہیں سکتا اور چونکہ وہ خود ابدی ہے اس لیے اگر ایک تک وہ اس صورت کو قائم رکھنا چاہے تو اسکی ذات سے کچھ بعید نہیں۔ ان اگر وہ خود فنا کرنا چاہے تو پھر اس ہستی میں بسبب حادث ہونے کے یہ طاقت نہیں کہ اسکی مشیت کا مقابلہ کرے اور اسکی مرضی کے خلاف قائم رہ سکے۔ غرض جو انکی نہیں وہ ابدی ہی نہیں اس قاعدہ کا یہ مطلب ہوا کہ ایسی چیز اپنی ذاتی قوت سے ازل میں موجود نہیں ہو سکتی اور اپنی ذاتی قوت سے اپنے تک قائم نہیں رہ سکتی یعنی وہ اپنے وجود کے لئے بالکل غیبیہ کی محتاج ہے لیکن ایسی چیز کسی دوسری ہستی کے اثر سے ہی ایک تک نہیں رہ سکتی۔ یہ کہنا غلط ہے بلکہ اگر دوسری ہستی ابدی ہے اور اگر اسکی قدرت غیر محدود تو ایسی چیز اس ہستی کی مدد سے جتنا کہ وہ ہوتی چاہے قائم رہ سکتی ہے۔

ہر انقلاب پر ترقی  
ہوتی آئی ہے۔

مگر اس سے کیا ثابت ہوا ہے کہ یہاں ہر والدین کا ہمیشہ تک ہنگام  
ہے۔ اور ممکن ہوئے۔ ہے جو کو لازم نہیں آتا کہ زمین گے ہی ضرور اس لئے  
عالم آخرت کا احتمال قائم کر لیں۔ یہی اور سامان کی ضرورت ہے اور دیکھنا چاہیے کہ  
آیا دنیا میں کوئی نشان آئندہ ہستی کا بھی پایا جاتا ہے یا نہیں۔ یہ دیکھنے کیلئے دنیا کی ابتدا  
اور اسکی ترقی کی رفتار کو دیکھنا چاہیے جس کا آئینہ تجزیہ ہو ہے۔ اس میں کچھ شک  
نہیں کہ دنیا سب کی سب ہزاروں طرح کے انقلاب اور تغیرات کا برف ہے اور دیکھنے  
والے سمندر میں پہاڑوں اور خود زمین آفتاب اور دیگر سیاروں کو بھی انقلاب پر دست  
کرتے ہوئے اور ہر لمحہ ایک حالت سے دوسری حالت میں جاتے ہوئے دیکھتے ہیں چنانچہ  
اس قسم کے تجزیوں سے اور عالمانہ احوال کے موافق اسٹند لالوں سے دنیا کی پیدائش  
کے متعلق بہت تک جو خیال سب سے زیادہ قرین قیاس اور صحیح مانا جاتا ہے وہ نیبلیوں  
تھیوری لینے بخار کے بادل سے شروع ہونے کا مسئلہ ہے جس کے رُوسے دنیا الگافست

کائنات کی طرف آتے ہوئے ایک دن جم کر یمن کا تودہ بن جائیگی اور اُس دن سائنس کے نزدیک گویا دنیا اور دنیا کے کاروبار اور ان کے نتائج سب کا خاتمہ ہے مگر جس وقت یہ زمین و آسمان کا مادہ بخار کی شکل میں ایسا پھیلا ہوا تھا کہ آج کے دن کا ایک گرین کا ذرہ اس وقت ہیم ہاٹز کے خیال کے مطابق کئی بلین کعب میلون میں پھیلا ہوا خیال کیا جاتا ہے اُس وقت اگر کوئی سائنس دان موجود ہو جاتا اور اپنے علم سے قیاس لگاتا کہ ایک دن پھیلا ہوا بخار سمٹ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے یعنی آفتاب اور سیارے بجا بنیں گے تو وہ بخار کی اس حالت کو جس کو ہمیشہ سے دیکھنے کا عادی تھا دنیا کی اہل حالت سمجھتا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کو دنیا کا خاتمہ خیال کرتا حالانکہ بعد کے تجربوں سے ثابت ہوا کہ وہ حالت محض ابتدائی تھی اور ٹکڑے ٹکڑے ہونا ہی عالم کی ترقی کا زینہ ہے۔ اسی طرح جس وقت زمین کیس کی حالت سے سیال شکل میں تبدیل ہوئی شروع ہوئی ہوگی اس وقت کوئی ذی عقل انسان موجود نہ تھا تو وہ بھی ضرور خیال کرتا کہ قیامت آگئی اور لطافت جو پہلے سے موجود تھی پانی بنا کر بہا دی گئی۔ مگر حقیقت میں وہ بھی ترقی کا ایک درجہ تھا۔ اور اسی طرح سیال سے بخور ہونے کے وقت کوئی ہوتا زور و انگلی کے بعد سکون کو بیکار ہو جانا سمجھتا اور علیٰ ہذا نباتات اور حیوانات کے پیدا ہونے پر اگر کوئی غور کرے تو اسے ہوتا ہوا مادہ کے فاسد ہو جانے اور اُس میں پھوٹے پھنسیاں لٹکنے اور کیڑے چل جانیکا خیال کرتا۔ غرض ہر ایک بڑے انقلاب کے وقت جو ہوتا آیا ہے وہ حالت موجودہ کے بدل جانے کی وجہ سے خیال کرنے والا دنیا کا خاتمہ سمجھ سکتا تھا مگر اب ہم سمجھتے ہیں کہ سب سے عمدہ حالت ہی وہ ہے جو اب پیدا ہوئی ہے اور دنیا کو پیدا کرنے سے غرض ہی یہ تھی کہ یہ دسترخوان آہستہ کرتے کے بعد حضرت انسان کی دعوت کی جائے۔ اچھا تو اگر کوئی غور کرے تو اسے اس وقت غور کرنے سے وہ ہر ایک انقلاب کو خاتمہ سمجھ لینے میں رنج و رنجی ہو سکتے ہیں کہ وہ ایک ہی حالت کا خیال کرتے اور سب کو بغیر ہوتا دیکھتے۔ مگر ہم جو آہستہ انقلابوں کے بعد اور ہر ایک انقلاب



پر حیرت انگیز ترقی دیکھنے کے بعد منہ پر جانے کو خاتمہ سمجھتے ہیں تو کیا ہم بھی مجبور ہیں؟ بیشک ہم سمجھ نہیں سکتے کہ منہ پر جانے پر یہ عالم کس طرح ترقی کر لیا لیکن جس نے گیس کو سیال یا بخار ہونے دیکھا ہو گا وہ بھی اس وقت نہ سمجھ سکا ہو گا کہ اب کیا ہو گا۔ اور ہنسنے جوان حالتوں کا نہ کرنے پر سمجھا ہے کہ یہ ترقی تھی تو اس لئے کہ پہلو بعد کے حالات دیکھنے کا موقع ملا پس اب بھی برتن بنجانے پر جو ترقی ہونے والی ہے اسکو وہی شخص سمجھ سکیگا جو اس حالت کو دیکھ لیا۔ لیکن پھر بھی نہایت ظلم ہو گا اگر ہم اتنے انقلابوں کا علم رکھنے اور ان کے اندر ترقی کا رستہ صاف ہونے دیکھنے کے بعد انہی نہ سمجھیں کہ جس طرح ان وقتوں میں پہلی حالت کے بعد دوسرے حالت اور بھی بڑھ چڑھ کر آب و تاب دکھاتی رہی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جو کچھ تھا محض تہیہ تھی اور پیدائش کی حقیقت اب ظاہر ہوئی ہو اسی طرح اس حالت کے بعد دوسرے حالت بھی کچھ ایسی ہی ہوگی جس کے سامنے یہ سب آبادی اور رونق ایک کھیل سے زیادہ ترقی نہ رکھے گی اور ثابت ہو گا کہ حقیقی زندگی ابی حاصل ہوئی ہے۔

وَمَا هَذِهِ إِلَّا الدُّنْيَا الَّتِي كَانَتْ لَكُمْ لَعَنَ اللَّهُ الْفَاسِقِينَ	یہ دنیا کی زندگی ہے اور لعن سے زیادہ نہیں
وَأَنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ خَيْرٌ لِّمَنْ هُوَ الْحَيُّوَانُ	اور بیشک اگلی دنیا وہی حقیقی زندگی ہے
لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ وَعَنْكِبُوا عَلَىٰ أَعْقَابِهِمْ	کاش لوگ یہ سمجھ جائیں

اس میں شک نہیں کہ نبیوں نے یہی وہی عالم انداز کا استدلال ہے اور تجربہ کی بات نہیں لیکن اگر یہ مسئلہ غلط ہو اور دنیا کی پیدائش اور اسکی آئندہ حالت کسی اور شکل پر ہو تب بھی اس میں شبہ نہیں کہ دنیا ہمیشہ سے ایک حالت پر قائم نہیں اور ہزاروں طرح کے انقلاب برداشت کر رہی ہے اور برداشت کرتی جائیگی۔ اس لیے انقلاب کی شکل خواہ کچھ ہو۔ ہمارے اس وقت کا استدلال صرف اس بات پر منحصر ہے کہ پہلے انقلابوں سے جب خاتمہ نہ ہو بلکہ ترقی ہوتی گئی تو آئندہ انقلابوں سے کام کیوں بند ہو جائیگا۔ اور اس وقت تک چونکہ انقلابوں کی یہی شکل مانی گئی ہے اس لیے استدلال کو الفاظ میں لانے کے لیے حال کو

سلسلہ سکولوں کا یہی ذکر کرنا پڑتا ہے۔

منجمد ہو جانے پر ترقی  
کی سبیل

مگر کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس وقت تک جس قدر انقلابوں کا تجربہ ہوا ہے ان میں حرارت اور روشنی کسی نہ کسی حشر شمشیر سے نکلتی رہی ہے اور اسی سبب سو دنیا میں ترقی ہوتی آئی ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر اُدھر سے حرارت وغیرہ کا آنا بند ہو جائے تو ترقی بھی ایک سخت بند ہو جائیگی۔ اور سائنس جس وقت پر اس نظام کا بگڑ جانا مانتی ہے وہ وہی وقت ہے کہ تمام فضا منجمد ہو جائیگی اور حرارت اور روشنی کا کوئی حشر شمشیر موجود نہ رہیگا اس لیے اس وقت ترقی کا کوئی اور ظہور نامناسب ہے وجہ سے مگر اس اعتراض کا دزن دیکھنے کے لیے ہمیں پھر اسی سلسلہ کو دیکھنا چاہیے جس میں پہلے نور کیا ہے۔ چنانچہ ایک وقت تھا کہ زمین بخار کے بادل سے الگ ہو کر گیس کی شکل میں گھوم رہی تھی۔ اس وقت حرارت خود اس کے اندر موجود تھی اور اس کے ذرات کو باہر کی طرف دھکیل رہی تھی اور پھر رفتہ رفتہ حرارت گم ہو گئی یا کم ہو گئی اور اس کا اثر جاتا رہا۔ مگر حرارت کے ذائل ہونے اور زمین کے منجمد ہو جانے پر ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی بلکہ جو حرارت اور روشنی وغیرہ آفتاب سے نکل رہی تھی اب آئندہ اسکی وساطت سے ترقی کی ایسی اعلیٰ شکلیں نمایاں ہوں گی کہ زمین کی اندرونی حرارت سے ممکن نہ تھیں۔ اب فرض کرو کہ ایک دن یہ ہمارا آفتاب بھی سرد ہو جائیگا اور زمین کی طرح زمین بھی حرارت کا وجود نہ رہیگا بلکہ اگر اس آفتاب سے پرے کوئی آفتاب ہو جس کے گرد یہ آفتاب اسی طرح حرکت کرتا ہو جس طرح اس آفتاب کے گرد زمین تو ہنر در ہے کہ جس طرح زمین کے سرد ہو جانے پر آفتاب کی حرارت نے اس کو اور بھی ترقی دی تھی اسی طرح اس آفتاب کے سرد ہو جانے پر دوسرے آفتاب کی شعاع اس نظام کو اب سے زیادہ آباد کرے گی اور اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک کرہ یا ایک نظام شمسی کے منجمد ہو جانے سے اگر اس سے اوپر کوئی اور آفتاب موجود ہو تو ترقی ترک نہیں سکتی۔ اس شرط نتیجہ کو مان کر حسین کوئی شک نہیں اس کے ساتھ اس نتیجہ کو ملاؤ جو تمام عالم پر نظر کرنے

سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ازل سے اب تک رہنے والا آفتاب وحدت ہو جس نے اس عالم کو پیدا کیا ہے اور جس کے نور نے ناموجود کو موجود اور نامحسوس کو محسوس بنایا ہے ان دونوں مقدمات کو ملائے سے ثابت ہو گا کہ خواہ ہی ایک آفتاب ہو اور خواہ اس کو پراؤر آفتابوں کا ایک سلسلہ ہو ان سب کے منجمد ہو جانے پر اگر اصلی حشر ہے یعنی کفر وحدت موجود ہے اور اگر وہ اپنی قدرت میں لادوال ہے تو اسکی شعاعوں سے اس منجمد فضا پر وہی اثر ہو گا جو زمین کے منجمد ہو جانے پر آفتاب کی شعاعوں سے ہوا۔ اور جس طرح اس آفتاب وحدت کے وہ آثار ہماری نظر سے غفی ہیں جو بخار کے بادل سے پہلے ہوئے ہونگے حالانکہ مادہ کے انقلابی حالت کو دیکھتے ہوئے ہم یقین کرتے ہیں کہ پہلے بھی ہزاروں انقلاب ہوئے ہونگے اسی طرح اس آفتاب کا وہ اثر بھی ہو گا محسوس نہیں ہو سکتا جو انجماد کے بعد ظاہر ہو گا مگر اسی مادہ کی انقلابی حالت سے اس کا بھی یقین کرنا پڑتا ہے۔

غرض ان انقلابوں کو دیکھ کر حیرت ہم سمجھتے ہیں کہ تمام اوی نظام تباہ ہو جائیگا اور تمام آفتاب اور سیارے منجمد اور بے نور ہو کر زمین و آسمان اور ان کی درمیانی موجودات کی حالت دیگر گون ہو جائیگی وہی وقت ہو جسکو **نفخ اول** کہتے ہیں اور پھر جب اس کے بعد یہ خراب آباد براہ رست نور ربانی کا جلوہ گاہ ٹیگا اور کسی اور طرح کی ترقی میں مصروف ہو گا اس زمانے کو **نفخ ثانی** کہتے ہیں اور بالا جمال ان دونوں انقلابوں کا نام **قیامت** ہے جس دن یہ زمین بدل کر اور زمین ہو جائیگی اور آسمان بھی بدل جائیگا اور سب چیزیں براہ رست خدا کے سامنے ہونگی

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاوَاتُ دُخَانًا وَتَكُونُ الْأَرْضُ الْأَكْرَسُ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهَادِ  
(البرہین پارہ ۷ ص ۷)

ان لوگوں نے جیسا چاہئے خدا کو پہچانا نہیں حالانکہ قیامت کے دن زمین سب اکو قبضہ میں ہوگی اور آسمان پٹے ہوئے کے مانند میں ہونے ذات پاک اور

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ خَمُودٌ  
جَمِيعًا قُضِيَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَتِ وَالسَّمَاوَاتُ  
مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى

عَمَّا يُشِيرُونَ فَوَيْفَى فِي الصَّوِّفِصِ  
مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ  
الْأَمْسِ شَاكَّةً اللَّهُ طَعْنُفِيهِ الْخَرِي  
فَإِذَا هُمْ هِيَامًا يَنْظُرُونَ طَوَّاشَرَكَبِ  
الْأَكْطِلِ يَسِيرُ رَيْبًا وَوَضِعَ الْكِتَابِ  
وَحَقَّ يَا لَتَيْبَانِ وَالشَّهْرُ كَأَيِّ وَفَضِي  
بَيْتِهِمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يَبْطُلُونَ ط  
(زمر پارہ ۲۷ ع ۷)

فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَفَّ الْقَرُوجُجِعِ  
الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ  
أَيُّ الْمَفْعَلِ كَلَّا لَا تَدْرُ إِلَى رَبِّكَ  
يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ط

(زمر پارہ ۲۹ ع ۷)

فَإِذَا الْجُجُجُ طُمِسَتْ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرْجَتْ  
وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ وَإِذَا الرُّسُلُ اقْتِنَتْ  
لَا يَبْقَى يَوْمَئِذٍ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ط  
(مرسلات پارہ ۲۱ ع ۷)

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا الْجُجُجُ انْكَدَرَتْ  
وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ..... هَلَسَتْ  
نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ط لُكُوتِ پارہ ۷ ع ۷

شکلوں کی عمر کی قوت ضعف پر خسرے

ہے لوگوں کے شرک سے۔ اور نہ گناہوں کا  
جائیکا پس جو آسمان و زمین پر ہیں مر جائیگے  
باستخنا ان کے جن کو خدا چاہے۔ پروردگار  
پھر لوگ جائیگا تو وہ سب کھڑے ہو جائیں گے  
اور یہ ان تکسید اور زمین خدا کے نور سے روشن ہوگی  
اور کتاب کی جائیگی اور انبیا اور گواہوں کو لایا جائیگا  
اور لوگوں میں حق فیصلہ کیا جائیگا اور ان پر ظلم ہوگا

جب کہ نظر نہ دھیا جائیگی اور چاند نے نور ہو جائیگا  
اور سورج اور چاند جمع کر دے جائیگے۔ اس دن  
انسان کہیگا کہ اب ٹھکانا کہاں ہے بیشک  
کوئی ٹھکانا نہ ہوگا۔ اور اس دن صرف ذات  
خداوندی پر قیام کا مار ہوگا۔

پس جبکہ ستارے نور ہو جائیگے اور فضا خالی  
ہو جائیگی اور پہاڑ نابود ہو جائیگے اور جبکہ پہاڑ  
کو جمع کیا جائیگا انکو کیسے بڑے دن میں شہادت  
دینی ہوگی۔ فیصلہ کے دن میں

جب کہ آفتاب بے نور کر دیا جائیگا اور جبکہ ستارے  
گرا دے جائیگے اور جبکہ پہاڑ نابود کر دے جائیگے  
..... اسوقت جان ایگا شخص جو نے پیش کیا ہے

تسلیم کر نیکی بعد کہ آئندہ انقلاب میں یہ مخلوق نئی شکل میں

پیدا ہوگی اور ترقی کرگی معین طور پر معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس وقت مخلوق کے وجود میں آنے کا قائم رہنے کا قانون کیا ہوگا البتہ یہ ضرور دیکھا جاتا ہے کہ یہاں مادہ کی مقدار اور جس وقت حرارت اور نور مادہ کو عطا کیا گیا ہے وہ سب کچھ محدود ہے اور مادہ اگرچہ اپنی حالت پر قائم ہے مگر حرارت اور نور وغیرہ کا ذخیرہ صرف ہونا جاتا ہے چنانچہ جس قدر ذخیرہ زمین میں ودیعیہ تھا وہ قریباً صرف ہو چکا ہے اور اب جو کچھ آفتاب سے مل رہا ہے اسکی مقدار بھی خواہ کیسی ہی عظیم الشان ہو مگر بے پایاں نہیں اور ایک دن ختم ہونے کو ہے اور پھر اس کے صرف ہونے کا یہی شکل ہے کہ ایک خاص سمت سے خاص مقدار میں حرارت موصول ہوتی ہے اور جس پر اس کا اثر پہنچتا ہے اسکی ایک طرف کو ایک خاص جذبہ گرنا ہے اور دوسری طرف سے پہنچتے اور بھی کمزور ہو جاتا ہے اور اگرچہ سیاروں کو دوری حرکت دینے سے ہر طرف حرارت پہنچانے کا منتظر کام کیا گیا ہے مگر دائمی اثر اس صورت میں بھی پیدا نہیں ہوا اور اسی سال کے مختلف مسموں میں اور رات دن کے مختلف حصوں میں حرارت اور نور کا اثر مختلف ہوتا ہے اور جو مخلوق اس اثر سے پیدا ہوتی ہے وہ ایک مختصر عرصہ سے زیادہ قائم نہیں رہ سکتی چنانچہ نباتات کا اکثر حصہ موسم کی ایک خاص حالت میں پیدا ہوتا ہے اور جب تک وہ حالت قائم رہتی ہے بڑھتا پھولتا ہے اور اس حالت کے ختم ہوجانے پر نابود ہو جاتا ہے اس سے زیادہ مکمل شکل کے درخت اگرچہ بہت عرصہ تک قائم رہتے ہیں لیکن چونکہ محدود حرارت نے چترپیز کے اندر محدود قوت پیدا کی ہے اسلئے ان درختوں کے گرد و پیش کی فضا اور نور اور اسکی اندرونی اجزاء کی قوت سب محدود ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو مادہ ان درختوں میں ضرور کیا گیا ہے اگرچہ وہ قائم رہتا ہے اور کبھی فنا نہیں ہوتا مگر اسی محدود حرارت اور محدود قوت کے سبب درختوں کی نیک شکل ہمیشہ کے لئے قائم نہیں رہ سکتی۔ اور یہی کیفیت حیوانات اور انسان کی ہے کہ مادہ کی نیک کلیں بھی ایک محدود عرصہ میں فنا ہو جاتی ہیں کیونکہ جو قوت ان کے اندر رہا ہوگا کم کر رہی ہے وہ محدود ہے۔

گراس قوت کے محدود ہونیکا سبب کیا ہے؟ اگرچہ کیا معلوم ہو گا لیکن دیکھنا چاہئے  
 کہ یہاں کچھ اثر آفتاب کے نور سے ظاہر ہوتے ہیں اور کچھ ماہتاب کے نور سے۔ اور دیکھا  
 جاتا ہے کہ ماہتاب کے نور سے جو اثر ظاہر ہوتے ہیں انکا زمانہ بہت ہی مختصر ہوتا ہے۔ مدو جزر  
 ہوتا ہے پھل پھول کی پیداوار ہو تو اور جسم کے اندر خون کا جوش اور بعض امراض کا چاندنی  
 اور اندھیری راتوں میں آثار پڑھاؤ ہو تو غرض جس قدر اثر چاند کی گردش سے پیدا ہوتے ہیں  
 چند روز میں بدل جاتے ہیں اور اس کے برخلاف آفتاب کے اثر سے زمین پر جس قدر تغیرات  
 ہوتے ہیں ان میں سے بعض تو بہت عرصہ تک قائم رہتے ہیں اور بعض مثلاً موسموں کا تغیر  
 اور زراعت کی پیداوار یہی کم از کم مہینوں کی عمر پائے ہیں اور اسکی وجہ اگرچہ تو یہی ماہتاب  
 میں جو اثر ہے وہ اسکی اپنی ذات سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ آفتاب ہی کا نور ہے جو ماہتاب کی  
 وساطت سے عمل کرتا ہے اور یہی ایک واسطہ حائل ہو جانے کا سبب ہے کہ وہ اثر کمزور ہو گیا ہے  
 اور اس کے خلاف آفتاب کا اثر خود اسکی ذات کی طرف منسوب ہوا اور یہ واسطہ ہر سبب نسبتہ دیر پا  
 ہوتا ہے اب اگر یہ آفتاب ہی اپنی ذات سے متور نہ ہو بلکہ اس کے پیچھے کوئی اور حشر ہے جو جس سے  
 اسکو نور پہنچ رہا ہے تو ضرور ماننا پڑیگا کہ آفتاب کے اثر کی محدودیت بھی اسی سبب سے ہے کہ  
 اسکا نور خود اسکی ذات سے پیدا نہیں ہوتا اور واسطہ حائل ہونے کے سبب اس کے اثر سے جو  
 مخلوق پیدا ہوتی ہے وہ ایک خاص عرصہ میں فنا ہو جاتی ہے اور نیز یہ بھی ماننا پڑیگا کہ اگر آفتاب  
 کے سر ہو جانے پر اس سے اوپر کے آفتاب کا نور بے واسطہ آنے لگے تو اسکی مخلوق اب  
 زیادہ دیر پا ہو اور یہی نتیجہ اس وجہ سے بھی پیدا ہوتا ہے کہ زمین جب گیس یا سیال تھی اور  
 حرارت خود اس کے اندر موجود تھی تو اسکی اجزا انہایت سرعت سے شکلیں بالقی رہتی تھیں جیسا کہ  
 اب بھی پانی اور بخار کے ذرات میں فوری تغیرات دیکھے جاتے ہیں لیکن جب اس کے منجمد ہونے  
 پر آفتاب کی طرف سے حرارت آنے لگی تو شکلیں بھی نسبتہ پائدار ہونے لگیں اب جو یہ آفتاب بھی  
 منجمد ہو جائیگا تو دوسرے آفتاب کے اثر سے اسوقت کی شکلیں ضرور اور پائدار ہونی چاہئیں

اور اسکے ساتھ جب یہ مانا جائے کہ ایک آفتاب وحدت موجود ہے جو اپنی وقت سے منور ہے اور اسی کا نور ہے جو واسطہ درو واسطہ تمام عالم کو منور کر رہا ہے اور نیز وہ نور غیر محدود ہے اور نیز غیر مادی ہو سیکے سبب اس کے فیضان کے لئے کسی خاص سمت اور خاص وقت کو بھی ضرورت نہیں تو ضرور یہ نتیجہ نکلے گا کہ جب تمام درمیان وسائل ختم ہو جائیں گے اور اس نور کی شعاعیں براہ راست اور ہر طرف سے عالم کو منور کرنے لگیں تو خواہ اس عالم کے پیدا ہونے کی کوئی شکل ہو اور اس کے قیام کے واسطے کسی قسم کے قوانین جاری ہوں یہ ضرور ہو گا کہ اگر وقت جو چیز پیدا ہوگی اسکی عمر محدود نہ ہو بلکہ جیسا کہ اس نور کی شعاعیں کام کر رہی ہیں ابد الابد تک وہ مخلوقات بھی قائم و دائم رہے۔

نفس قائم نہ ہوگی وجہ | ابھی تک اتنا ذکر ہوا ہے کہ اس عالم کے تو وہ برف یا کسی اور شکل میں آئے اور روح کا وجود۔ اور آبادی کے تباہ ہو جانے پر خاص نور وحدت کے اثر سے پیدا ہوا

کا سلسلہ جاری ہونے کی ہے۔ لیکن اب سول ہے کہ جب یہاں کی مخلوق تباہ ہو گئی اور اسکا اجزا مادہ کے دیگر اجزاء سے مل گئیں تو یہاں کی مخلوق کا تشخص بھی قائم نہ رہا۔ اسلئے خواہ آواز سے اور اعلیٰ شکلیں پیدا کی جائیں یعنی وہ مخلوق پیدا نہ ہوگی جس نے اس دنیا آباد کیا تھا۔ بلکہ وہ اور مخلوق ہوگی۔ اور اس لیے ابھی تک ثابت نہیں ہوا کہ یہاں کی مخلوق دوبارہ زندہ ہو کر مبرا و ستر ابرو داشت کر لگی۔ اور بیشک اگر محض جسمانیات کو دیکھا جائے ایک چیز کے ٹوٹ جانے پر اسکا تشخص بھی فنا ہو جاتا ہے۔ اور پھر خواہ انہی اجزاء سے اور شکل بنائی جائے وہ پہلی چیز پیدا نہیں ہوتی چہ جائیکہ تمام عالم درہم و برہم ہو جائے اور دوبارہ پیدائش کا سلسلہ جاری ہو تو جس طرح یہاں ہر ذرہ و اٹم ہی مادہ کی بعض اجزائیں زمین اور فضا میں صرف ہونگے بعض اجزاء دیگر سامان پیدا کرینگے اور بعض سے کچھ اعلیٰ شکلیں ہونگی اسلئے اسوقت بعینہ یہاں کی اعلیٰ شکلوں کی اجزا کا وہاں کی اعلیٰ شکلوں میں صرف ہونا بھی دستور ہے اور اس لیے محقق چاہتے کے لحاظ سے اس عالم میں یہاں کے تشخصات

قائم رہنا ممکن معلوم نہیں ہوتا اور اگر دنیا محض جسمانیات کا ہی مجموعہ ہو تو کچھ شک نہیں کہ اس صورت میں یہاں کے اعمال اور ان کی جزا و سراسر کچھ اسی زندگی کے ساتھ ختم ہو جائیگا اور آئندہ خواہ کچھ ہوتا رہے یہاں والوں کو اس سے تعلق نہ ہوگا۔ لیکن یہی ایک عجیب بات ہے کہ سائنس و نیامین جسم و جسمانیات کے علاوہ اور کسی چیز کو پہچانتی نہیں اور اس کے برخلاف مذہب میں اگرچہ بیشتر اختلاف موجود ہیں اور بہت سی مذاہب کسی نہ کسی امر میں سائنس کے حقائق رکھتے ہیں اور جن مسائل کو اس کے مطابق نہیں پاسنے ان پر اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھتے مگر یہی ایک مسئلہ ہے جس پر باوجود سائنس کی شہادت کے نہ ہونے کے تمام مذاہب کو اصرار ہے اور وہ سب جسمانیات کے علاوہ یہاں کے جانداروں میں ایک اور غیر جسمانی جو ہر لطیف یعنی روح کو موجود مانتے ہیں اور موت کے بعد اس کے قائم رہنے پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اگر اختلاف ہے تو اس قدر کہ بعض مذاہب ارواح کو جسم کی سید کُش سے پہلے موجود مانتے ہیں یا قدیم جانتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ارواح کا پہلے سے موجود ہونا ممکن نہیں بلکہ وہ اسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ جاندار کا لطفہ زندگی حاصل کر نیکی کے لئے تیار ہوتا ہے۔ غرض روح کا وجود سائنس اور مذہب کا قدیمی اختلاف ہے اور ثبوت دیکھا جائے تو جس کو ثبوت کہنا چاہئے کسی طرف بھی نہیں رہے۔ قرآن اور نشانات سوائے یہ صورت ہے کہ روح کے نہ موجود ہونے کا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں۔

سپر جان سٹوارٹ مل لکھتے ہیں۔

سائنس میں دوام روح کے خلاف کوئی ثبوت نہیں۔ صرف ایک ہی شہادت ہے یعنی یہ کہ دوام روح کے لئے کوئی ثبوت نہیں ملا لیکن یہی شہادت بھی ایسی مضبوط نہیں۔ مثلاً جادوگری کے بارہ میں یہ واقعہ کہ اس کے موجود ہونے کا قطعی ثبوت موجود نہیں "ایسا ہی نتیجہ خیز ہے جیسے اس کے موجود ہونے کا کوئی ایجابی ثبوت نتیجہ خیز ہوتا۔ کیونکہ اگر جادو موجود ہوتا تو اسی دین پر ہوتا اور اگر زمین پر ہوتا تو یقیناً اس کے وجود کی شہادت ہی مل سکتی لیکن موت کے بعد روح کے قائم رہنے یا نہ رہنے کے بارہ میں ہی استدلال پیش نہیں ہو سکتا کیونکہ جس نے



کی شہادت مبادو کے وجود کو غلط ثابت کرتی ہے اسی طرز سے اس قدر تو ثابت ہو سکتا ہے کہ روح موت کے بعد نہ اس کرہ پر رہتی ہے اور نہ نظر آتی ہے اور نہ انسانوں کے کاروبار میں خلل دیتی ہے بلکہ اس امر کا یقیناً کوئی ثبوت نہیں کہ وہ کسی اور عالم میں بھی موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی بہیم خیال ہو سکتا ہے تو یہ کہ وہ اس کرہ سے ہمیشہ کیلئے چلی جاتی ہے۔

باقی رہا اس کے موجود ہونے کا یا بعد از موت قائم رہنے کا فریضہ سو وہ بیشک موجود ہے اور وہ یہ کہ جو صفات جسم اور جسمانی ساخت کو پیدا ہوں ان کے لئے ضرور ہے کہ جسمانی ساخت کی قوت سے قوی ہوں اور اس کے کمزور ہونے پر کمزور ہو جائیں اور اس طرح فکر و خیال اور دیگر دماغی اور اعصابی قوتیں ثابت ہوتا ہے کہ جسم سے تعلق رکھتی ہیں اور اس لئے جسم کی قوت و ضعف سے ان میں تغیر ہو جاتا ہے لیکن انسان میں جسمانی وسائل کے بغیر شاید کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ کوئی معلوم کرنے اپنے خیالات کو ظاہر کرنے اور دوزنی چیزوں کو حرکت دینے کی یا چنداں قوتیں ایسی ثابت ہوتی ہیں جن کا ظہور جسمانی قوت و ضعف کے مناسب حال نہیں ہوتا بلکہ وہ عموماً ایسے وقت میں ظہور کرتی ہیں جبکہ جسمانی تعلقات بیماری سے یا مصنوعی طور پر بدلتے ہوئے ہو کر کم ہو جائیں اور اکثر ایسی قوتوں کا ظہور موت کے وقت ہوتا ہے جبکہ جسمانی قوت قریب بزوال ہوتی ہے چنانچہ پروفیسر ولیم جیمز اپنے رسالہ ہیپنٹن اعمارٹلٹی اور سٹریمر اپنی مبسوط کتاب ہیپنٹن پر سنٹلٹی میں انہی مناظرہ کے بنا پر وجود روح اور دوام روح کو اغلب ثابت کرتے ہیں۔

اور یہ دیکھنے کے بعد کہ عدم روح کیلئے کوئی قرینہ بھی موجود نہیں اور دوام روح کے لئے اگر منطقی ثبوت نہ ہو مگر غالب گمان پیدا کر نیوالے قرائن موجود ہیں اور تمام مذاہب اسکے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ مذہبی تحقیق کے متعلق اس انسانی فرض کا بھی خیال کیلیا چاہئے جو پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مذہب کے اصولی دعویٰ تجربہ کی گرفت سے باہر ہیں اور اس لئے ان کی نسبت یہ اسید ہی نہ رکھنی چاہئے کہ وہ سب کے سب منطقی حسی دلائل سے پورے طور پر ثابت

ہو سکیں گے بلکہ ان کے بارہ میں دیکھنے والی کو یہی دیکھنا چاہئے کہ تمام مذاہب کے اخلاقی مسائل میں کونسا عقیدہ قرین قیاس اور ممکن الوقوع سے اور کس عقیدہ کو عقل یقیناً ناممکن کہتی ہے چنانچہ اس نظر سے دیکھنے پر چونکہ روح کے وجود کے لیے قرآن موجود ہیں اور مذاہب کا اس بارہ میں اختلاف بھی نہیں اس لیے دیگر اخلاقی مسائل کی تحقیق کے وقت عقل کو روح کی نسبت گمان غالب پیدا ہونا کافی ہے اور اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسان میں روح نہیں ہے تو بیشک حشر و نشر اور جزا و سزا کا بھی خرخشہ نہیں۔ اور اس صورت میں برائی کرنے والا اگر یہاں کے ملک اور تمدنی قوانین کی زد میں نہ آئے تو شوق سے لطف آٹھ لے آئندہ کوئی پرچھنے والا نہیں لیکن اگر قسمتی سے ہمارے اندر کوئی چیز مرنیکے بعد قائم رہنے والی موجود ہو اور قرآن کہتے ہیں کہ ہے تو پھر چاہے ہمارے یہ جہانی اجرام مادہ کے دیگر اجزاء کے ساتھ مل جائیں ہمیں برائی کے بد اثر سے بچانے والا کوئی نہیں کیونکہ جب مادہ موجود ہے اور آئندہ انقلاب میں اور ترقی کر لیا تو روح ہی موجود ہے اور دامن اور اعلیٰ شکل میں جلوہ گر ہوگی اور اس لیے مادہ کی جو اعلیٰ شکلیں دامن پیدا ہوں گی وہی روح کا مسکن قرار پائیں گی اور اس طرح خواہ مادی اجزاء ہی ہوں یا کوئی اور ہمارا شخص برقرار رہیگا اور جس قسم کی حقی کا استحقاق لیکر گئے ہیں اس کے نتائج برداشت کرنے پر ٹینگے اور جس قدرت نے یہاں تہا مادہ اور روح کو پیدا کیا اور باہم ملا یا ہے وہ آئندہ جبکہ مادہ اور روح دونوں موجود ہوں گے اور اپنی اپنی قابلیت کے لحاظ سے بعض روحیں بعض شکلوں کے ساتھ پیوستہ ہونے کی صلاحیت رکھیں گی اس قدرت کو پہلے شخصیات قائم رکھنے اور بھی آسان ہونگے چنانچہ ارشاد ہے:-

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ  
وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ  
(بنی اسرائیل پارہ ۱۷ ص ۷۷)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ خدا جس نے آسمان و زمین  
کو پیدا کیا ہے وہی ہی مخلوق پیدا کرنے پر قادر  
ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ  
تَكَرَّرَ آخِرُهَا (طہ پارہ ۱۷ ع ۱۷)  
كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا  
عَلَيْكَ إِنَّا كُنَّا قَائِلِينَ (راہب پارہ ۱ ع ۱۷)  
وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ  
هُوَ الْهَادِي (روم پارہ ۲ ع ۲۷)  
أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ  
بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ  
الْخَلَّافُ الْعَلِيمُ (رہس پارہ ۱۳ ع ۵)  
أَفَتَعْجَبِينَ أَلَا خَلَقْنَا الْأَوَّلَ مَا بَلَّغُكُمْ فِي الْبَلَاءِ  
مِنْ خَلْقٍ حَدِيدٍ (ق پارہ ۲ ع ۱)  
يَوْمَ تَشْفَقُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ سِرَاعًا ذَلِكَ  
خَشَرٌ عَلَيْكُمْ تَتَابَعَتِ الْأَرْضُ الْمَوَاتَ وَمَا الْحَشَمُ  
يَسْتَوِقِينَ وَعَلَىٰ أَنْ تُبَدِّلَ أَمْنًا لَّكُمْ  
وَتَذْشُرْكُمْ فِيمَا لَا تَعْلَمُونَ (واقفہ پارہ ۲۴ ع ۱)

ہم نے تمکو زمین سے پیدا کیا اور اسی کی طرف واپس لے  
جاتے ہیں اور دوبارہ اسی میں سے نکالیں گے۔  
جس طرح ہم نے پہلی پیدا کیا دوبارہ بھی پیدا کیونگے  
ہمارا وعدہ ہے اور ہم ایسا کر ہیوایسے زمین  
وہی پہلے پایا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے  
اور یہ کام اسکو اور بھی آسان ہے۔  
کیا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ویسی ہی  
مخلوق پیدا کرنے پر قہر و نہیں۔ ہاں وہ پ  
کر ہیوایسے ہے اور علم والا ہے  
کیا ہم پہلے پیدا کر کے تھک گئے ہیں۔ مگر یہ لوگ  
دوبارہ پیدا کرنے کی نسبت شکوک میں گرفتار ہیں۔  
جس دن زمین بھٹ جائیگی اور یہ لوگ جلدی جان  
پیدا ہو جائیں گے ایسا حشر ہمارے لیے آسان ہے  
ہم نے تم میں موت کا سلسلہ جاری کیا ہی اور  
اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تم کو تم جیسی شکوک  
بدلین اور تمکو ایسے عالم میں پیدا کریں جس کو تم نہ  
جانتے۔

تمام زمینی ایسا یعنی  
نفع نہیں ہونگے  
بعض اہل علم کی طرف ہونڈی کل میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ انسان  
میں روح نہیں اور یہی اجزائے مادی قیامت کو دوبارہ زندہ ہوا  
اس خیال پر جو اعتراض ہوتا ہے کہ اجزا پر اگندہ ہونے کے بغیر تیز نہیں رہتیں اور دیگر اجزاء  
ساتھ مل جاتی ہیں۔ واقع میں کوئی دقیق اعتراض نہیں۔ کیونکہ اگرچہ ظاہر میں پراگندہ ہونے۔

بعد اجزا میں کوئی تمیز نہیں رہتی مگر واقعہ میں وہ اجزا مادہ کے دیگر اجزا سے تمیز نہیں۔ ہم بیان بعض نباتات یا معدنیات کے اجزا کو جلا دیتے ہیں اور کشتہ کر لیتے ہیں اور اس حالت میں ایک چیز کی اجزا دوسری چیز کی اجزا سے تمیز نہیں ہوتی لیکن پھر بھی ہر چیز کی اجزا میں وہ تاثیر ہوتی ہے جو دوسری چیز کی اجزا میں نہیں ہوتی اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اجزا کچھ عرصہ خاص نبات یا خاص وحش کی شکل میں رہ چکی ہیں۔ اسی طرح جو اجزا خاص مدت تک کسی انسان کے جسم میں رہ چکی ہیں اور پھر اور بڑے بچہ و رخت اور سرست و غم کے اثر برداشت کر چکی ہیں وہ بھی واقعہ میں عام اجزا اور دیگر انسانوں کی اجزا سے تمیز نہیں اور وہ خدا جس نے ان اجزا کو پیدا کیا ہے اور خاص خاص اجزا کو خاص خاص حالات میں رکھا ہے اس کو یہ اجزا افزا و کموش نہیں ہو سکتی اور اگر ہم خدا کو مانتے ہیں تو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ پھر انہی اجزا کو اسی شکل میں پیدا کرنا اس کی قدرت میں ہے اور اگر اسکی مشیت ہوگی تو انسان بعینہ اپنی انہی اجزا کے ساتھ پیدا ہو سکتا ہے چنانچہ فرمایا ہے

لَيَجْعَلُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتٍ لِّتَعْلَمُوا أَنَّكُمْ بِآيَاتِهِ عَاثُونَ  
بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ يَسْتَوِي بَنَاتَانِ  
(قیاسہ پادہ ۲۹ ع ۱)

کیا انسان سمجھتا ہے کہ ہم اسکی بیٹیوں کو جمع نہ کر سکتے؟ ان ہم قادر ہیں کہ انکی بیٹیوں کو پورے تک بنا دیں۔

مگر باوجود اس کے ہم جو آئندہ جہان میں جزا و سزا کو بعینہ دیکھیں اجزا کے زندہ ہونے پر محض نہیں سمجھتے اور جیسا کہ گذشتہ آیات قرآنی اور اس طرح کے اور بہت سی مقامات پر اشارہ ہوا ہے کہ ہم ان کی آئندہ اجسام پیدا کرینگے ہی کو قرین عقل سمجھتے ہیں تو اس لئے کہ یہاں جیسا کہ امام غزالی فرماتے ہیں اکثر اجزا کا ایک سے زیادہ انسانوں میں داخل ہونا ممکن ہے کیونکہ اول تو ہر نیک بندہ عموماً جسمانی اجزا میں سے کسی ایک کو رو با میں صرف ہوتے ہیں اور آئندہ آنے والے انسان میں سے کسی ایک کو رو با میں سے خوراک دیتے ہیں اور دوسرے ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کو کھانا کھاتا ہے اور اس وقت چاہے خوراک اسکی اجزا سے اصلہ میں شمار نہ ہو مگر اس خوراک سے علاوہ اور کاموں

کے لطف بھی تیار ہو گا اور اس لطف سے کوئی اور انسان ہینگا تو اب اس انسان میں وہی  
اجزا ہیں جو خوراک بننے والے انسان میں تھیں اور ان اجزاء کو آئندہ جہاں میں انسانی  
شکل دیکھا ہو تو ایک انسان ہینگا حالانکہ یہاں ان سے یہی بعد دیکھے دو انسان پیدا  
ہوئے تھے اور اگر اجزاء و ستر کیلئے انہی اجزاء کا جو وضع و رہنما لازم آئیگا کہ ایک نے حشر و لشکر کو  
پردہ نشین کیا اور دوسرے بھلائی میں پکڑا گیا نہ برائی میں۔ اس لئے حقیقت میں شخص اسی طرح  
پر قیام رہ سکتا ہے کہ کوئی چیز یہاں سے وہاں تک برابر موجود رہے خواہ جسمانی اجزاء اسکی  
مشیت کے موافق بعض میں وہی رہیں اور بعض میں اور۔ آخر یہاں بھی تو انسان کے جسم  
میں بہیم خوراک کی شکل میں بہت سی اجزاء در آتے ہیں اور بہت سی خارج ہوتے ہیں جتنے کہ  
بڑے جسم کے کسی جو کو بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ بچپن سے ابتک قائم ہے مگر اس تغیر سے  
انسان کے شخص میں فرق نہیں آتا اور باوجود اجزاء بدل جانے کے بڑھاپے میں ہی انسان  
تکلیف اٹھاتا ہے جس نے بچپن میں یہ اعتدالی کی تھی اور وہی ستر پالتا ہے جس نے  
قسمور کیا تھا۔

حیوانات جزا و ستر پائینگے | یہ ثابت ہوا کہ اگر روح موجود ہے تو جس طرح یہاں اعلیٰ شکلوں میں پیدا  
ہوتی ہے وہاں بھی اعلیٰ تر شکلوں میں جلوہ گر ہوگی اور یہاں ہی جو قابلیت لیکر گئی ہے وہاں  
ترقی کریگی۔ مگر اب یہ دیکھنا ہے کہ روح حیوان میں بھی پائی جاتی ہے اور جو قرائن روح کو ثابت  
کرتے ہیں وہ اگرچہ اس قوت سے حیوان میں موجود نہیں مگر تاہم کچھ نہ کچھ ہیں اس لئے ہونا چاہیے  
کہ یہ روح بھی وہاں اپنے مناسب حال شکلوں میں ظہور کرے اور انسان کی طرح حیوانات ہی پیدا  
ہوں اور وہ بھی جزا و ستر برداشت کریں اور نہ صرف یہی بلکہ جو چیزیں محض مادہ و مٹی میں مثلاً  
نباتات ضرور ہے کہ مادہ کی کچھ اجزاء اس قسم کی ترقی یافتہ شکلیں ہی اختیار کریں بیشک یہ  
سب کچھ ہوگا اور مادہ کی کوئی قابلیت مثلاً نہ جائیگی لیکن جسے او ستر کے مسئلہ میں بھی  
غور کرنا باقی ہے۔

یہاں جو مادہ سابقہ انقلابوں میں گیس سو سیال اور سیال سے تبدیل ہوا تھا وہ جب  
 آئندہ انقلاب میں نبات اور حیوان بنا تو اگرچہ اس نے ترقی کی مگر اسی قدر کہ بے نظام سی نظام  
 اور بے جان سے جاندار ہو گیا اور اس سے زیادہ ترقی کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی۔ اگرچہ ہر  
 نہایت قدیم زمانے کا علم نہیں اور اگرچہ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے شاید درخت اور حیوان کی ایک  
 نوع بہت سا زمانہ گزرنے کے بعد اپنی صورت شکل اور حالات و خصائص میں ترقی کر کے دوسری  
 نوع بن گئی ہوگی اور یہ بھی ایک انقلاب ہو گا جو انکی حالت میں واقع ہوا۔ لیکن ایک ہی نوع ہو  
 اور کچھ عرصے میں اپنے حالات میں ترقی کر جائے و درختوں اور حیوانوں میں اس کا کوئی ثبوت  
 نہیں اور ان سب کے برخلاف انسان ایسی مخلوق ہے کہ باوجود ایک ہی نوع انسانی  
 میں شمار ہو شیکے افراد اور نیز اقوام چپ سال بھی ایک حالت پر قائم نہیں رہتے اور  
 ان کی رفتار خواہ بہتری کی جانب ہو یا بدتری کی طرف ان کے افراد سالوں کی ایک دہائی میں  
 اور قویٰ میں ایک سیکڑہ میں ایسی بدل جاتی ہیں کہ اکثر دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔ اور  
 اسکی وجہ یہی ہے کہ درخت اور حیوان کے تمام افعال انکی طبیعت کے اقتضائے سرزد ہونے  
 ہیں اور انتخاب اور فیصلہ کی طاقت کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ درخت اگر اپنے ریشوں اور  
 مساموں کے ذریعہ سے غذا کو جذب کرتا ہے تو اقتضائے طبیعت سے اور حیوان اگر غذا کو ہتیا  
 کرے اور نسل بڑھانے کے لیے حرکت کرتا ہے تو اپنی فطرت کے حکم سے۔ اور اگر شیر و گریبانوں  
 کو مار کر خوراک بہم پہنچاتا ہے یا ہرن گھاس کی سبز کو بنپوں کو توڑتا ہے تو یہ سب بے اختیار  
 کی حرکتیں ہیں اور ہمیشہ ایک حالت پر رہتی ہیں۔ مگر ان کے برخلاف انسان خواہ اپنی تقاضا  
 طبیعت سے کیسا ہی لاچار اور بے اختیار مانا جائے مگر اسکے اندر جو انتخاب اور فیصلہ کی  
 طاقت رکھی گئی ہے اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہ جو کچھ کرتا ہے سوچ سمجھ کر اور ایک  
 فعل کو دوسرے پر ترجیح دیکر کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کوئی سے دوا انسانوں کے افعال بھی  
 باہم یکساں نہیں ہوتے اور جب وہ ایک دفعہ کسی ایک تصور کو قائم کر لیتا ہے اور اسکے رو سے

ایک فعل کو دوسرے پر ترجیح دیکر خست یا کرنا ہے تو اس کے اس تصور اور عمل کا اثر آئندہ تصور اور عمل پر پڑتا ہے اور وہ دفعہ ایک ہی تصور قائم کرنے اور یکسان عمل کرنے کے بغیر سب سے فنیہ جب اپنا انتخاب اور فیصلہ کی مشق کرتا ہے تو پہلا تصور اور عمل اور بھی ضرور سے اثر کرتا ہوا نظر آتا ہے اور یوں اسکے منزل اور ترقی کی بنیاد پڑتی ہے۔ اور پھر اس کے یہ تصور ت اور اعمال ہی ہوتے ہیں جن سے اسکی نیکیا یا بد حالت پیدا ہوتی ہے اور تصورات اور اعمال کی ترقی سے اس حالت میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے اور یہی سلسلہ اور جزا ہے جس کا سلسلہ اسی جہان سے شروع ہوتا ہے

چہا تو جب آئندہ پیدائش میں یہ سب موجود ہونگے تو چونکہ نباتات اور حیوانات میں کم و کم شخصی ترقی کا کوئی نشان نہیں اسلئے کہنا چاہئے کہ جیسے یہاں والون نے اپنی ترقی کی ہے کہ سیال سے منجھ اور منجھ سے نباتات یا حیوان بن گئے اسی طرح وہاں کی پیدائش بھی کوئی ترقی کی صورت ہوگی مگر جس طرح یہاں کی ترقی یا قیہ حالت یکسان رہی ہے وہاں بھی ترقی یا قیہ حالت بھی یکسان رہیگی اور اسلئے کہ انہیں جاسکتا کہ وہاں پیدا ہوا ان کے اعمال کی سزا و جزا ہے۔ لیکن انسان جس طرح یہاں پیدائش کی ترقی کے بعد اپنے تصورات اور اعمال سے اپنی حالت میں بھی ترقی کرتا ہے اسی طرح وہاں بھی ترقی یا قیہ شکل میں پیدا ہونے کے بعد وہاں کی حالت میں ترقی کرے گا اور اس سلسلے اسکی پیدائش پر جزا و سزا کا سلسلہ جو یہاں سے شروع ہو گیا ہے وہاں بھی جاری رہے گا۔ غرض یہ کہ خواہ حیوانات میں بھی روح ہو مگر ترقی کی قابلیت انکی روح اور انسان کی روح میں امتیاز پیدا کرتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کی حقیقت یکسان نہیں اور اس لیے حیوانات جزا و سزا کی گرفت سے باہر ہیں۔

ترقی کا اثر عظیم تکلیف پر انسان جزا و سزا کے متعلق ابھی بہت سا غور کرنا باقی ہے اور انجملہ ایک یہ کہ اگرچہ انسان سنے اس دنیا میں ایسی ترقی کر لی ہے کہ افریقہ کے وحشی اور یورپ کے مہذب میں وہی فرق ہے جو انسان اور حیوان میں ہونا چاہئے اور اگر اس طریق معاشرت کہ

دیکھا جائے جو آجکل میاں ہو گیا ہے تو حیرت ہوتی ہے۔ لازم صحبت کا اہتمام۔ دماغی اور جسمانی ترقی کی ترقی۔ صعوبات نقل و حرکت کی کمی۔ وسائل نامہ و پیام کی آسانی۔ انتظام حکومت کی اصلاح ضعیفوں اور زیر دستوں کی مساوات۔ اپاہجوں اور ناداروں کی دستگیری۔ سامان تفریح کی تیاری غرض تمام وہ اسباب جو نوع انسانی کی راحت و مسرت کو بڑھائے اور تکلیف و بوج کو کم کرنے کے لیے ہیں انکو دریافت و ایجاد کرنے اور اشاعت دینے میں وہ عرق ریزی اور دماغ سوزی کی گئی ہے اور اس خوبی سے سب امور کو معراج کمال تک پہنچا گیا ہے کہ ہم جیسوں کے نقطہ خیال سے ترقی کرنے والوں کی تمام حرکات، اعجاز و خرق عادات کو کم نہیں ہیں۔ لیکن اگر اس تمام دروس کے نتیجہ کو دیکھا جائے اور غور کیا جائے کہ اس کوشش سے جو انسان کا مدعا اور مد نظر تھا آیا وہ بھی حاصل ہو سکا ہے یا نہیں تو افسوس ہو کہنا پڑتا ہے کہ واقعات کی شہادت آرزو کے خلاف ہے۔ راحت و مسرت کی جستجو ہے مگر آہ! بڑی سے بڑی ترقی کر بیالوں کو بھی اسکا نشان نہیں ملا اور رنج و تکلیف سے نفرت ہو مگر لاکھ بطن کئے اسی سے مخلصی نہ ہوئی اور آخر میں میزان دیکھی تو رنج و راحت کے متعلق وحشی اور مہذب میں کوئی بڑا تفاوت نظر نہ آیا۔ ترقی کر بیالوں نے سمجھا تھا کہ صفت و حرقت اور عقل و شعور میں ترقی کرنے سے اور مال و دولت یا سامان عیش جمع کرنے سے بیکری اور اطمینان نصیب ہو گا۔ مگر سب کچھ ہوا اور نہ ہوا تو بیکری اور اطمینان۔ اور آدھرا سامان ترقی سے محروم اور تہذیب و تربیت سے عاری مخلوق کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ جن قدر اطمینان و راحت کبھی بھی مہذبوں کو حاصل نہ ہوا ہے اس قدر حصہ گاہ گاہ یہ غیر مہذب اور وحشی ہی لے لیتے ہیں۔ بیشک مہذب لوگ فرصت کے وقت باغوں میں ٹہلتے ہوئے۔ کلبوں اور تھیٹروں میں نہی مذاق کرتے ہوئے ہال اور ڈنر کی مجلسوں میں اپنے دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ ہم آغوش ہوتے ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نہایت ہی مسرت اور اطمینان کی حالت میں ہیں مگر جو وحشی تمام دن جنگلوں میں بھیڑ بکریاں چراتے یا جنگل کا ساگ پاتا اور گھاس پہوں سے پیٹتے ہیں



ہیں اور اپنے ننگے جسموں پر گرمیوں کی دھوپ اور جاڑوں کی ٹھہر بدشت کرتے ہیں وہ ہی شاہ  
 کے وقت جب نسری بجانے اور وحشیانہ گیت گانے میں مصروف ہوتے ہیں تو مہذبوں کے بال  
 اوٹھیں ٹھون سے کم لطف نہیں اٹھاتے۔ اور دھڑ دھڑ سیوں کی بے سامان زندگی اور آدابیت  
 سوکھا کھڑا حاصل کرنے کے لئے شب و روز کی سخت محنت اور پراس پر دیگر دستوں کا ظلم و ستم  
 انکی بیکسی و بے بسی ان سب حالتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سخت رنج و فکر کی زندگی بسر  
 کرتے ہیں۔ مگر جو لوگ اپنی سرفراہ اور راحت بخش عمارتوں میں آرام کر سکیں اور گدیوں پر  
 بیٹھے ہوئے اپنے اپنے کارخانوں کا حساب کتاب پر تال رہے ہیں دیکھنے میں نہایت آرام  
 بیٹھے ہوئے اور ایک نازک سی پچر کی قسم کو محض دو انگلیوں سے ہلاتے ہوئے معلوم ہوتا  
 ہیں ہجوم و افکار کے جس بوجھ کے نیچے وہ دیے ہوئے ہیں اس کا اندازہ ان کا دل ہی کر سکتا  
 زبان سے وہ بھی ادا نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس لحاظ سے ترقی کو اور یہی تنزل کہنا چاہئے کہ جبر  
 رتبہ اور حیثیت میں ترقی ہوتی جاتی ہے اسی قدر ہجوم و انکار اور دوسرے بڑھنا جاتا ہے۔ اگر  
 کوئی بڑے سوداگر ہیں اور انہوں نے ہر ملک میں کوٹھیاں کھول رکھی ہیں ہر کارخانہ میں حصہ  
 خرید رہے ہیں تو ان کے لئے خوشی اور مسرت کا سبب ہے اور بیشک ناوار اور جاہل امیر  
 سے محروم ہے۔ مگر کہیں کسی ملک میں لڑائی ہو جائے اور وہاں کے لوگوں کا بھاؤ گرنے لگے  
 کسی کارخانہ میں آگ لگ جائے کہیں کوئی ریل ٹکرا سکے غرض دنیا میں کوئی بڑا حادثہ گذرے  
 ان کو اپنا دیوالہ نکلنے کا اندیشہ ہو جائیگا اور رات کی فیندا اور دن کی بیک جاتی رہے گی تا  
 کسی وقت ایسا غم پیدا ہوتا ہے کہ جس سے وہ خود کشی کر لیں۔ اگر وہ خوش تھی تو یہ غم؟  
 ایسا ہے جس سے تنزل والوں کو واسطہ نہیں پڑتا۔ اگر کوئی بڑے صنعتی ہیں بہت سے مفید  
 کارآمد آلات کے موجد ہیں اور اپنی ایجاد کو پٹنٹ کروا کر ہزاروں کا فائدہ لے رہے ہیں تو  
 انکی بے نظیر مسرت ہے لیکن اس ہر وقت کے غور و خوض کے علاوہ جو ان کے دماغ کو اندر  
 اندر کھائے جاتا ہے اگر کسی نے ان کے ایجاد کردہ آلہ میں کوئی اردو سا پرہیزگار کی سود مند کوڑ

کر دیا تو اس سے انہی تجارت کو جو نقصان پہونچے گا اس کا غم بھی اپنی آپ ہی نظیر ہوگا۔ اور  
یہی اور یہ انسانی ترقیوں کی کیفیت ہے کہ جس میں جس قدر راحت اور سرت زیادہ ہوتی ہے  
اسی قدر تکلیف اور سرج بھی ترقی کرتا ہے اور جس طرح کم حیثیت شخص اس سے بالاتر افراد کو  
دیکھ کر ان کے علوجاہ کا رشک کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں بھی اسی منزلت حاصل ہوں۔  
و ایسے ہی عالی رتبہ لوگ کم تعلق افراد کو دیکھ کر ان کے اطمینان اور ہنکاری کا رشک کرتے ہیں  
اور چاہتے ہیں کہ میں بھی یہی سکون نصیب ہوں۔ اور جیسے ایک گدا سے ولق پوش قسم تم  
و شہاب پہننے والے امیر کو دیکھ کر اپنی حالت پر افسوس کرتا ہے ویسے ہی عالیشان بادشاہ ایک  
درویش مینوا کو دیکھ کر اسکی ہنکاری کی میٹھی نیند سونے پرش عیش کرتا ہے۔ اور علی ہذا کسی  
بادشاہ کو ایک ملک فتح کرنے سے جو سرت ہوتی ہے دوسری شکل میں اسی درجہ کی خوشی  
ایک بھوکے فقیر کو روٹی کا ٹکڑا ملنے سے حاصل ہوتی ہے اور کسی غیب انداز سے کو ایک پیسہ  
کھوپا جلنے سے جو بونچ ہوتا ہے دوسری شکل میں اسی طرح کا غم ایک بادشاہ کو اسکا صوبہ ہانی  
ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے۔

ترقی کرنے والوں نے | اب کہا جائیگا کہ ترقی کا یہ مطلب نہیں کہ ترقی کرنے والے خود راحت  
دوسروں کو کیا فائدہ پہنچایا | و سرت حاصل کریں۔ بلکہ ترقی کے معنی جہیز کی پہلی حقیقت اور حقا  
کو دریافت کرنا اور اس حقیقت اور حالت کے لحاظ سے جو فرائض ہر ایک کے متعلق درپا  
ہوں ان پر عمل کرنا اور اس کوشش میں کوشش کرنا والوں کو تکلیف ہو یا راحت اسکو بوجھ  
بردشت کرنا ہے مگر ترقی کی تعریف کو اس طرح بدسننے سے کیا مطلب نکلا؟ یہی کہ خود ترقی  
کرنے والوں کی راحت اور سرت نہ سہی مگر حقیقت اور فرائض کو جان کر سنے سے آخری مدعا  
ہوگا تو یہی کہ عوام الناس راحت و سرت پائیں۔ اچھا تو اب اسی حیثیت سے ترقی کا انجام  
دیکھنا چاہیے۔

تدبیرت کا فائدہ | بیشک تدبیرت اور ازالہ اسراض کے متعلق بہت کچھ ترقی ہوئی ہے

دو ایسے ہیں تو ان کو خوش گو اور قلیل المقدار اور وسیع الاثر بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گذار نہیں کیا جاتا۔ آلات ہیں تو انکی خوبی اور صفائی کی پہلے نظیر نہ تھی۔ اسکے متعلق تسلیم سامان اور مصالحہ کے لئے مکانات اور اسباب غرض جہر پیز اس عہدگی سے مہیا کی جاتی کہ گذشتہ زمانہ کی ایسی تدبیروں کو زمانہ حال کی ترقی سے کوئی نسبت نہیں اور بیشک اگر کوششوں سے پہلک کو بہت کچھ فائدہ پہنچا کر ذرا خیال ہے کہ طبیعتیں ہی اب ایسی بے سپر ہو گئی ہیں کہ جہاں گذشتہ زمانے میں بہت سی پیچیدہ مرضوں کو بھی ”اوہ“ کہ کر ٹال دیا جاتا تھا اور مریض نہایت بے پروائی سے چلتے پھرتے اس تکلیف کو گذار دیا کرتا تھا اور روزانہ کاروبار یا فراغ منصبی کو معطل چھوڑنے کی نوبت بھی آتی تھی کہ مریض چارپا سے اٹھ نہ سکے وہاں اب ایک پھانس لگ جانے پر اور گرمی دانے نکل آنے پر ڈاکٹروں فیس دیکر گھر پر بلا یا جاتا ہے اور غرض منصبی سے غصمت حاصل کی جاتی ہے۔ غرض جسہ خواہ کیسی ہی کم تکلیف ہو مگر دل و دماغ پر وہی برنج و اندودہ کا بار پڑتا ہے جو پہلے شاید سبیل و پری پڑتا ہو۔ اور یہ خیالی جولانہ نہیں بلکہ ہسپتالوں کے رجیٹرون کو دیکھا جائے اور جو میلادان روزانہ لگتا ہے اسکے انہوہ کا خیال کیا جائے اور ڈاکٹری دوکانوں پر قدر وادوں کی پکری ہوتی ہے اس پر غور کیا جائے اور پھر اس کا مقابلہ پڑانے اطباء کی مہل اور عطاریوں کی دوکانوں سے کیا جائے تو دو وقت مادیوں میں نمایاں فرق نظر آئے پس کیا تہذیب کے ساتھ پیچیدہ امراض بھی زیادہ ہونے لگے ہیں؟ اگر یہ ہے تو اور قباحت ہوئی۔ مگر نہیں حقیقت یہی ہے کہ آجکل پھانس اور گرمی دانے بھی پیچیدہ امراض میں شامل ہو گئے ہیں اور ان پر ہی دہی نالہ دیکھا جاتا ہے جو پہلے اسہال کبیدی اور تپ سے مخصوص تھا

یہ بلا تو خود علاج کی سہولت سے پیدا ہوئی ہے اب اسکے ساتھ دوسری ترقیوں کو ملاحظہ کیا جائے تو مرض صحت کے متعلق اور بھی قباحت نظر آتی ہے پہلے وسائل نقل و حرکت

کم تھے اور سفر کرنا دشوار تھا اب ان میں آسانی ہو گئی تو آمد و رفت بھی بہت بڑھ گئی ہے اور صحت و مرض پر اس کا یہ اثر ہوا کہ کم سختی سے کہیں متعدی مرض پیدا ہو پھر لاکھ قریطینے اور روک ٹوک کی جگہ اس کا اثر کالے کوسوں پہنچتا ہے اور انسانوں کے ساتھ مرض بھی پھیل اور مہینوں میں سوار ہو کر افریقہ سے ایشیا اور ایشیا سے امریکا جاسے لگاتار ہے حالانکہ پہلے جب قافلے لگتے تھے تو ایسے مرض کا ایک ہی ملک کے تمام شہروں میں پھیلنا بھی دشوار تھا۔

اصلاح حکومت کا فائدہ | اسی طرح تو ان حکمرانی کی اصلاح کرنے والوں کو بہت سی چیزیں یاد سے جو پہلے بقیہ عدہ حکومتوں میں بڑاشت کرنے پڑتے تھے نجات مل گئی۔ مگر یہ ذرہ ذرہ معاملات کی چھان بین اور ہر معاملہ میں واجب و نا واجب کی تمیز اور ہر ایک کے متعلق جزا و سزا کا استحقاق غرض ان باتوں کی تفصیل نے پہلے کا احساس ہی ایسا تیز کر دیا ہے کہ جہاں پہلے بڑے بڑے نقصانوں کو صبر کی تدبیر سے دبا دیا جاتا تھا اب ذرا اسی بات پر قدرت کافی کو رٹ تک پہنچتے ہیں اور جہاں غیر مہذب یا نیم مہذب ملکوں میں اکثر اشخاص کو تمام عمر عدالت میں جانیٹکا اتفاق نہیں ہوتا وہاں مہذب ملکوں میں ہر شخص مجبور ہے کہ ایک طرف کسی ٹکڑے کو اور دوسری جانب کسی پلیڈر کو اپنا طبی اور قانونی مشیر ہمیشہ کے لئے مقرر کر لے کیونکہ کسی دوکان سے اترتے ہوئے ذرا سے نشیب فراز کے سبب پاؤں پھسل جانے پر ڈاکٹر کا علاج ہی ضرور ہے اور وکیل کی وساطت سے نالیش بھی۔ اور یہ صرف طبیعت کی بے چینی اور احساس کی تیزی ہی نہیں بلکہ تہذیب کی ترقی سے اسباب معیشت بھی ضرور ہی ایسے گراں ہو جاتے ہیں کہ پاؤں پھسلنے پر جو ایک آدھ دن کام چھوڑنا پڑتا ہے تو اس کا نقصان بھی قابل برداشت ہوتا ہے اس لئے ترقی ہی نے یہ مجبوری پیدا کر دی ہے کہ مروت کی آنکھ میں خاک ڈال کر تھوڑے سے ہرج مہرج کو حوالات کی سیر کرائی جائے اور ایک دن بیکار رہنے کا معاوضہ وصول ہو۔

سہرت نقل و حرکت کا فائدہ | وسائل نقل و حرکت اور نامہ و پیام کی ترقی ایسا احسان ہے کہ پہلے

اس سے کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتی مگر جس قدر جان و مال کا نقصان اور خوفناک حادثے ریلوں کے ٹکرانے سے واقع ہوتے ہیں چھکڑوں گاڑیوں کے وقت میں انکا ہی نشان تھا اور علیٰ ہذا فن جہاز رانی نے جہان سفر کو آسان کر دیا ہے اور تجارت کو جمید فائدہ پہنچایا ہے وہاں انسان پر بحری لڑائی کی مصیبت بھی اسی کے ہاتھوں پڑی ہے اور فن کی ترقی کے ساتھ یہ مصیبت بھی طبعی جاتی ہے۔ خشکی کے جنگ میں کچھ مرتے تھے تو کچھ بچ بھی رہتے تھے اب جن کا جہاز ٹوٹے وہ گولوں سے بچ کر تو سمندر ان کو ہضم کرنے کے لیے تیار ہے۔ اور اسکے علاوہ اس احساسی ترقی کا کیا علاج کہ جہاں پہلے چھکڑوں اور بھدی قسم کی ریل گاڑیوں کو غنیمت سمجھا جاتا تھا وہاں اب ریل ٹرین کے مقابل میں بیسجڑیوں پر سوار ہونے میں پہلی حالت کو دیکھا جائے تو جسم کو بے حد راحت ملی مگر قلبی تکلیف اور یہ سچوینی ایسی ہے کہ گریا پیدل چلنا پڑا۔

وسائل نامہ و سپام فائدہ اور اسی طرح اگر ڈاک اور تار میں خوشگوار خبریں نہایت سرعت سے پہنچ سکتی ہیں تو فتنہ و فساد کی آگ بھی انہی وسائل سے ایک ملک سے دوسرے ملک میں نہایت تیزی سے پھیل سکتی ہے۔ اور اگر پہلے رسولِ عزیزوں کی خیریت نہ معلوم ہو تو اضطراب نہ ہوتا تھا۔ اب ڈاک کا انتظار بھی ناگوار ہے اور تار کے بغیر خبر نہیں آتا اور تار ہی ارجنٹ سے آلودہ تری بھیج دیا جائے تو اتنی دیر جان سولی پر رہتی ہے۔

غرض ترقی کے کسی شعبہ کو دیکھا جائے اس سے اگر ایک طرح کی احت پیدا ہوئی ہے تو دوسری طرح کی تکلیف بھی ایسی پیدا ہو جاتی ہے جو خواہ پہلی تکلیفوں کے مقابل میں کسی قدر کم ہو مگر تکلیف ہو۔ فیہ میں شک نہیں اور دنیا کو دارالمجن کہنا جیسا وحشت کی حالت میں صحیح تھا تہذیب کے وقت بھی درست ہے۔

راحت و مسرت کی آرزو برائے کیا	اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ راحت اور مسرت کی تلاش اور ترقی
بہی کوئی موقع ہو تا چلے	کاغذ پر جو انسان کی فطرت میں ودیعت ہو اور نہ صرف انسان میں

بلکہ دوسری شکل میں ترقی کا خاصہ تمام مادہ میں دو بعیت ہے کیا یہ نیچر کا نقص ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں؟ کسی چیز کا فائدہ معلوم نہ کر سکتا اور بات ہو مگر یہ کہنا کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں نہایت زبردستی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سو فائدے جو ایک وقت پر نظر نہیں آتے دوسرے وقت پر ان سے انکار کی گنجائش نہیں رہتی جسم کے بہت سو خواص دریافت ہوئے ہیں ان میں بعض مثلاً گریوٹی اور انرشیا یعنی کشش ثقل اور مادہ کی وہ خاصیت جس سے وہ سکون کی حالت میں سکون کو اور حرکت کی حالت میں حرکت کو ہمیشہ قائم رکھنا چاہتا ہے یہ اور بعض اور خاصیتیں ایسی ہیں جن کا فائدہ جسم کی ابتدائی ترقیوں میں جبکہ وہ بے آباد کروں کی شکل میں ایک دوسرے کے گرد گھومنے لگے ہوئے نمایاں ہو گیا تھا چنانچہ گریوٹی اور انرشیا سے انکی دوری حرکت پیدا ہوئی مگر سور اخدار ہونا جو جسم کا عام خاصہ سمجھا جاتا ہے اس کا فائدہ جسم کی اس حالت میں چھٹ تھا اور جب ترقی میں کائنات وغیرہ ایسے اجسام پیدا ہوئے جن کا قیام خوراک جذب کرنے پر منحصر ہے تو معلوم ہوا کہ سور اخدار ہونا ہی وہ خاصیت تھی جس سے جسم کو یہ ترقی یافتہ سنگین بھیب ہوئیں اور اگر سام نہ ہوتے تو وہ خوراک جذب ہو سکتی اور نہ نبات و حیوان کا جسم نشوونما پاتا۔ پھر مادہ اور جسم کی پشمار خاصیتیں تھیں جو نباتات اور حیوان کے زمانے میں ہی گوشہ کس پر پری میں پڑی رہیں اور یہ انسان ہی کی خاطر تھی جس کے لیے نیچر کے لاتعداد خزانے پہلے سے بھرے رکھے تھے چنانچہ یہ آیا تو اس نے آسمان و زمین کو کھنگال ڈالا اور ہر چیز کی وہ وہ صفات دریافت کیں اور ان سے کام لیا جن سے پہلے کچھ فائدہ معلوم نہ ہو سکتا تھا مثلاً اکثر اجسام کا جلنے کے قابل ہونا جس سے آگ پیدا ہوئی اس کا فائدہ ابتدائی درجوں میں محسوس نہ تھا اور جب مادہ نے ترقی کر کے اپنے تئیں مروج انسانی کام کو بنایا تو آگ کا وجود اسکی ضروریات زندگی میں شمار ہوا۔ علیہذا ترقی رو کا معینہ قوانین کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچنا۔ یا سٹیم کا مصنوعی طور پر پیدا ہو سکتا یہ اور ایسی ہزاروں خاصیتیں ہیں جن سے صرف انسان نے فائدہ اٹھایا۔ اب یہ ایک

ترقی اور تلاش راحت و مسرت کا جذبہ ہے جس کو ہم موجود پاتے ہیں اور چند ان فائدہ نہیں دیکھتے۔ مگر جس طرح ان وقتوں میں ان فائدہ دن سے انکار کرنا اگر کوئی انکار کرنا لاہوتا نہیں تھی تھا کیونکہ وہ بعد میں نظر آگئے اسی طرح اس وقت اس جذبہ کے فائدے سے انکار کرنا نادانی ہوگا بلکہ غلط حالات گذشتہ ضرور کہنا چاہئے کہ ابھی کوئی اور انقلاب آئیو الہ ہے جس کے بعد انسانی ترقی کا فائدہ نمایاں ہوگا اور ترقی کرنے والے کامل راحت و مسرت حاصل کرینگے اور منزل کرنا لے کامل برنج و تکلیف۔

راحت و غم مکمل کیونکہ ہوگا | اس خیال کو واضح کرینگے لیے یہ دیکھنا چاہئے کہ چاند سے جو روشنی زمین کو پہنچتی ہے وہ اگرچہ آفتاب ہی کی روشنی ہے مگر ایک واسطہ حائل ہو جانے کے سبب کمزور ہوگئی ہے اور اس لیے چاند کی روشنی کیسی ہی شفاف ہو اسکے ساتھ تاریکی کا جذبہ ضرور موجود رہتا ہے اور اسکو برخلاف جب آفتاب سے براہ راست روشنی آتی ہے تو زمین جس قدر روشن ہو سکتی ہے ہر جاتی ہے اسلئے کہ اب زمین اور آفتاب کے مابین کوئی واسطہ حائل نہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آفتاب ہی اپنی ذات سے روشن نہیں اور وہ بھی اصل میں ایک واسطہ ہے جس کے اندر سے کسی اور آفتاب کی روشنی دنیا کو منور کر رہی ہے اسلئے کہ اسکی روشنی چاند کی روشنی سے زیادہ ہے مگر حقیقی روشنی سے وہ بھی کمتر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسکے افعال ہی نقص سے پاک نہیں ہیں اور یہی پیدا کردہ کوئی حالت ایک مختصر حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اپنی ضد کو بالکل فنا کرنے میں پوری کامیاب نہیں ہوتی۔ اور اس طرح اول تو جس قسم کا نور اور اس کے اثر سے جس قسم کا سامان راحت و مسرت کسی وقت میں موجود ہوتا ہے خود وہی اپنی حالت میں مکمل نہیں ہوتا اور اسکو نقص سے جو تکلیف پیدا ہونی ضرور ہے وہ محسوس ہوتی رہتی ہے۔ اور دوسرے اگر ایک طرح کے سامان راحت و سائش کا زمانہ ختم نہیں ہوا تو اس اشعار میں کوئی اور راحت اپنی حد کو پہنچ کر تکلیف کا باعث ہوجاتی ہے اور موجودہ راحت کا لطف خاک میں ملجاتا ہے اور یہی کیفیت ہر ایک تکلیف کی ہے کہ اسکی محدودیت اور نقص سے کسی نہ کسی قسم کی راحت بھی محسوس





کا انتظا کرے۔

آئندہ ترقی کے وسائل | اب سوال یہ ہے کہ آئندہ ترقی کے وسائل کیا ہیں ؟ دنیا میں انسان جو ترقی کر سکا ہے وہ علوم و فنون کی ترقی ہے اور جب آئندہ انسان ہی ہونگے تو کیا انکی ترقی بھی اسی قسم کی ہوگی اور کیا وہ ان کی جنت ہی ریل اور تار ایجاد کرنے والوں کے حصہ میں آئیں گی ؟ بیشک یہاں ترقی اسی قسم کی ہے اور اس لیے کہ تو کہتے ہیں کہ وہ ان ہی رہی باتیں ترقی کر گئی اور اگر یہاں صرف ایک کرہ زمین کی آمد و رفت کو آسان کیا گیا ہے تو وہاں پر رخ اور عطا راؤ دیگر نظام ہائے شمس کی تکیل اور سیلون جانے لگیں گے اور وہ براق اور رفت جو سنتے ہیں کہ آکھ کی جھپک میں زمین سے آسمان پر جا پہنچتے ہیں وہ انہی چیزوں کی ترقی یافتہ شکلیں ہوں گی۔ مگر نہیں۔ ایسے مضمون میں ایسا سرسری فیصلہ یقیناً غلط ہوگا اور ہمیں یہاں ترقی کو اسماں نظر سے دیکھنا چاہیے۔

فیزکس اور انرجی کے مختلف مظاہر | یہاں ترقی کرنا والا مادہ ہے اور ترقی کرنا کا ذریعہ قوت اور قوت کی نسبت ثابت کیا گیا ہے کہ وہ دو قسم کی ہے۔ ایک قوت ذرات کو ذرات سے اور اجسام کو اجسام سے پیوستہ کرنا چاہتی ہے اور اسکو فورس یا قوت جاذبہ کہتے ہیں اور دوسری قوت ایک کو دوسری سے جدا کرنا چاہتی ہے اور اسکو انرجی یا قوت طرد کہتے ہیں۔ فورس اور انرجی دونوں کی مقدار میں ہے جس میں کمی زیادتی نہیں ہو سکتی۔ مگر فورس کی نسبت فیصلہ ہے کہ وہ وزن دار مادہ کے ہر ایک ذرہ میں پسپیدہ ہے اور ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتا لیکن انرجی ایتر کی راہ سے ایک ذرہ سے دوسرے ذرہ اور ایک ایٹم سے دوسرے ایٹم کی طرف حرکت کرتی رہتی ہے۔ اور نیز انرجی بالقوہ اور بالفعل دو قسم میں منقسم ہے جب پتھر تختہ پر رکھا ہو اور کلاک تیار ہو مگر کوک نہ دی ہو تو اس وقت دونوں میں انرجی بالقوہ موجود ہے اور جب پتھر کو لڑھکا یا کلاک کو کوک دی جائے تو انرجی بالفعل موجود ہو جاتی ہے اور پھر کہا جاتا ہے کہ جس حد تک فورس غالب آتا جاتا ہے اور ذرات یا اجسام کو پیوستہ

مسلکہ یہ مضمون مشہور ڈورڈ کلائی کتاب دی سٹوری آف کورمی ایشنس کے مختلف مقامات سے اخذ کرنا ہوں۔

کرتا جاتا ہے انرجی وہاں سے نکل کر پے سے پے چلی جاتی ہے چنانچہ اسی لیے کہا گیا ہے کہ مادہ چھوٹا  
محدود ہے اس لیے ایک وقت پر فورس تمام مادہ کو مجتمع کر لے گا اور انرجی کا ظہور ختم ہو جائیگا اور مادہ  
کے تمام اجزاء باہم پیچیدہ ہو کر دنیا کا خاتمہ ہو جائیگا ۔

غرض یہ کہ ترقی اپنی دو فو توں میں منحصر ہے۔ اگر صرف فورس ہوتا اور انرجی اس کا مقابلہ  
نہ کرتی تو ابتدا سے تمام مادہ منجمد ہوتا اور کوئی ترقی ظہور پذیر نہ ہوتی اور اگر صرف انرجی ہوتی تو تمام  
ذرات اس قدر پھیل جاتے کہ پھر ہی ان سے کوئی اور شکل پیدا نہ ہو سکتی۔ مگر اب چونکہ یہ دو فو جو وہاں اس لیے  
اپنے مختلف مظاہر سے مختلف ترقیاں ظاہر کرتے آئے ہیں ابتدائی بخار کی شکل میں فورس نے کشش  
کیمیائی اور کشش اتصال کی شکل میں ذرات کو جمع کرنا شروع کیا اور انرجی نے حرارت اور روشنی کی شکل  
میں ایک کو دوسرے سے الگ کرنا چاہا۔ اس قسم کی نہایت پیچیدہ کششوں کے بعد بخار کی یہ شکل  
بنی کہ باہر ذرات کے انہار جمع ہو گئے۔ اور پھر ان میں کشش ثقل اور انرشیا کی شکل میں ہی جدوجہد  
شروع ہوا اور بعض بعض کے گرد گھومنے لگے۔ اور آفتاب کا جسم کشش اتصال سے منکڑے لگا اور  
آدھ زمین وغیرہ تیار ہوئے منجمد ہوئے۔ لگے اور نیز آفتاب کی انرجی روشنی حرارت اور کل کیمیائی کی شکل  
میں بغیر سے گذرتی ہوئی زمین تک پہنچی اور یہاں کی ہوا کو پھیلانے سے آندھیاں اور طوفان آنے  
لگے اور پانی کو گرم کرنے سے بھاپ اٹھنے لگی اور یہاں تک انرجی کا اثر تھا اور پھر کو اٹھ کر فورس کے  
اثر سے پانی اور برف بن کر نیچے کو آنے لگی۔ چنانچہ یہاں سے زمین کی ترقی شروع ہوئی اور نباتات  
اور حیوانات پیدا ہونے لگے۔ ان کی پیدائش اور ترقی کا باعث بھی وہی انرجی اور فورس کا مقابلہ ہے  
انرجی ان کے جسمانی ذرات کو ایک دوسرے سے جدا کرنا چاہتی ہے اور فورس انکو پیوستہ رکھنا چاہتا ہے  
اور جو اور ذرات خوراک شکل میں داخل ہوں ان کو بھی چسپان کرنا چاہتا ہے اور اس طرح یہ اجسام نشوونما  
پاتے ہیں۔ مگر نباتات کی نسبت حیوان کے اندر یہ تغاوت اور ہوا کہ نباتات ایک جگہ پر قائم رہ کر اپنی جسمانی حالت  
میں ترقی کرتی تھی تو حیوان کو انرجی طبعی اور ارادی حرکتوں کی شکل میں دو دور از مقامات تک پہنچانا چاہتی  
ہے اور فورس سکون آرام کی خواہش بن کر ایک مقام پر رکھنا چاہتا ہے پھر ایک نبات کو دوسری نبات

اور ایک حیوان سے دوسرا حیوان خواہ شہسور قانون ارتقا کے موافق پیدا ہوتا ہو یا جیسا کہ پہلے خیال تھا ایک قسم کی نبات اور ایک قسم کے حیوان کے بعد زمین سے کسی نہ کسی شکل میں دوسری قسم کے نبات اور حیوانات پیدا ہوتے رہتے رہوں۔ غرض اس ترقی میں ہی وہی فوریں اور انرجی کا جلد و جہد ہے۔ ایک طاقت پہلی پیداوار سے دوسری پیداوار کو اوپر کل میں لیجانا چاہتی ہے اور ایک طاقت پہلی شاہدیت قائم رکھتی ہے اور اسی طرح ہستہ ہستہ ترقی ہو کر انسان تک نہایت پہنچتی ہے۔ اب انسانی ساخت پتہ حیوانی ساخت کے مشابہ ہے اس لئے فوریں اور انرجی اس کو بھی اسی طرح نشوونما دیتی ہے جس طرح حیوان بڑھتا تھا اگر ایک انسان کی اپنی ترقی ہی ہے جس میں ہی وہ دو طاقتیں دوسری شکل میں جلوہ گر ہیں اور ایک دل و دماغ کے بعد دوسرا دل و دماغ کچھ زیادتی کرتا ہے جس کو انرجی کا اثر کہنا چاہئے اور کچھ پہلی حالت کو قائم رکھتا ہے جس کو فوریں کی طرف منسوب کرنا چاہئے۔ اس طرح باہمی تعلقات زبان صنعت - علم - اخلاق اور مذہب میں ترقی ہوتی رہتی ہے +

سائنس کے مصلحت و ہمت دلالی | یہاں تک تو وہ باتیں ہیں جن کو سائنس نے تسلیم کیا ہے مگر اگر کے یہ کہہ کر سائنس اپنے اندر عاید ہی قرار دیا ہے کہ دنیا کی موجودہ حالت سے بحث کرے۔ اور اس کے آغاز و انجام کی نسبت تحقیق کرنا اسکے فرائض میں داخل نہیں اور کچھ میں خیال ہے کہ سائنس الون کا قصور ہی ہے کہ جس طرف سے وہ موجودہ حالت میں استدلال کرتے ہیں وہی طرف اگر آغاز و انجام کے متعلق کارآمد ہو تو اسکی طرف بھولے سے ہی توجہ نہیں کرتے حالانکہ نظام قدرت کو دیکھنے اور اس کے پراسرار اور حیرت انگیز قوانین کو دریافت کرنے کی نعمت جو ان کو حاصل ہے وہ دنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور نیک و بد کو سمجھنا اسی نعمت پر منحصر ہے۔

مَنْ يُوَفِّي الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا | جس شخص کو حکمت دی گئی اسے بہت بڑی نعمت، وَمَا يَذْكُرْ إِلَّا الْوَلِيُّ الْكَلْبَابِ | دیکھیں اور نصیحت عقلت ہی حاصل کرتے ہیں۔  
رہقہ پارہ ۳ ع ۳۴

اور اس لیے اس نعمت کو کام لیکر صلہ قدرت کی طرف توجہ کرنے اور اسکی خشیت اور محبت کو دہن جگہ

دین کے جو موقع ان کو حاصل ہیں وہ دیگر اشغال میں نصیب نہیں ہو سکتے

لَا تَمْلِكُ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالْعُلَمَاءُ خُذُوا حَقَّ دِينِهِمْ مِنْ سَبِيلِ عِلْمِهِ  
(فساط پارہ ۱۰ ص ۸۷) ڈرتے ہیں

ابیسی قوت کی دو شکلیں ہیں جن میں سے فورس موجودہ حالت کو قائم رکھنا اور جو تغیر پیدا ہو اُس کو دور کرنا چاہتا ہے اور انرجی ہمیشہ پہلی حالت کو بدل کر جدید شکل پیدا کرنی چاہتی ہے غرض ایک قوت بلی ہے اور عدم کی جانب میلان رکھتی ہے اور دوسری قوت ایجابی - اور وہ چڑ کو بڑھانا چاہتی ہے - مادہ ایک ہے اور قوتیں اس میں دو در دو موجود ہیں اور وہ ہی ایک دوسری کے خلاف پس کیا ان قوتوں کی نسبت غور کرنا ضرور تھا اور جب مادہ کی موجودہ حالت اور اس کے تغیرات کو دیکھ کر بیان کی کیفیتوں کو عام سے عام فرض کرتے ہوئے ابتدا میں تمام نقصان کو بچا کے بادل سے بھرا ہوا فرض کر لیا گیا ہے اور تجربہ کی چیزوں سے تجربہ کے پرے تک خیال دوڑایا گیا ہے تو فورس کے عمل کو جو وجود کی شکلوں کو معدوم کر رہا ہے اور انرجی کے عمل کو جو عدد سے عدد شکلیں پیدا کرتی جاتی ہے عام سے عام کہتے ہوئے یہ خیال نہیں چڑھ سکتا کہ یہ سیدئش کے متعلق جو احتمال قرین قیاس سمجھا گیا تھا قوت کی یہ دورخی کارروائی خود اسکو قوی کرتی ہے اور دنیا کی مصلحت چونکہ عدم ہے اسلئے وہ فورس کی شکل میں ہر مقام پر جلوہ گزشتہ اور پیدا چونکہ خدا کی قوت علم نے کیا ہے اس لئے وہ انرجی کی شکل میں ہر حالت کے بعد دوسری حالت کو بہتر سے بہتر کرتی جاتی ہے اور انہی دو قوتیں کیفیتوں کا سبب ہے جو یہ دنیا آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہے - ورنہ اگر محض عدم ہوتا اور کوئی قوت موجود نہ ہوتی نہ ہوتی تو وجود کی کوئی شکل نمود پذیر نہ ہوتی اور اگر عالم قدیم سے موجود ہوتا اور عدم سے وجود میں نہ لایا جاتا تو کچھ موجود ہوتا اپنی اعلیٰ سے اعلیٰ شکل میں ہوتا اور اس تدریجی ترقی کا نشان نہ ملتا پس مینا آہستہ آہستہ اسلئے برہمی ہے کہ وہ خود اپنی اہلیت کی طرف میلان رکھتی ہے اور قوت علم اسکو جو کیفیت لانا چاہتی ہے چنانچہ جب عیل شروع ہوا ہر گاہ تو چونکہ محض عدم کو جو وہ میں لانا تھا اسلئے ابتدا میں وجود کا اثر نہایت مخفی اور غیر محسوس ہوا ہر گاہ چنانچہ وہ دوسری مدارج میں جو بخار کے بادل سے پہلے گذر چکے ہونگے اور جبکی نسبت مٹس

کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ مگر جہاں سے علم اور احساس کا دور شروع ہوا ہے وہاں ان دونوں قوتوں کی جدوجہد کی کیفیت اور اسکے مداح پہلے کی نسبت واضح سے واضح ہوتے جاتے ہیں اور اس لیے آثار کی نسبت انجام کیلئے غور و فکر کرنا زیادہ سہل ہو گیا ہے۔

ترقی کے مختلف درجات میں  
فوس اور انرجی کی شکل  
پرتی جاتی ہے۔

چنانچہ اس نظم کی سادہ سے سادہ شکل جو خیال میں آسکتی ہے وہ نہایت وسعت میں پھیلے ہوئے باریک ذرات کا بادل ہے اس سے پہلے اگرچہ ہزاروں انقلاب ہوئے ہوں مگر کم از کم ایک تو خیال میں آسکتا ہے جبکہ مادہ کو عدم سے

وجود میں لایا گیا ہو گا اس وقت عدم کا فوس وجود سے مانع ہو گا اور قدرت کی انرجی موجود کرنا چاہتی ہو گی جس سے ابتدائی باریک ذرات پیدا ہوئے ہونگے۔ اس پہلی کوشش کے بعد اور ترقی ہونے لگی تو فوس چونکہ وجود کو رکھنے میں کامیاب نہ ہوا اب اسکا اثر ذرات کی حرکت کو روکنے لگا اور آدھری انرجی ذرات کو دور سے دور لیجانے لگی اور ترقی کا ایک اور قدم آگے بڑھا اور کروں کی ابتدائی شکل پیدا ہوئی۔ یہاں سے جیولان کی پیدائش تک دیکھا جاتا ہے کہ بڑھانے اور روکنے والی دونوں حرکتیں طبعی ہیں اور محض جسم تک محدود ہیں گو ایک کے بعد دوسری میں کچھ ترقی ضروری پائی جاتی ہے پہلے محض ذرات کو کھینچنا یا بڑھایا جاتا تھا پھر ذرات سے بنے ہوئے بڑے بڑے کروں کو کھینچنا اور دھکیلا جانے لگا۔ زمین آبادی کے قریب آئی تو بھاپ اور ہوا کی شکل میں کروں کے اجزا کو ان سے جدا کرنے اور پھر انکی طرف لانے کی کوشش شروع ہوئی نباتات میں جسم کی اجزا کو جدا نہیں کیا جاتا بلکہ پیوستہ رہنے کی حالت میں نمودیا جاتا ہے اور دھڑ سے اکیلی حرکت ہوتی ہے۔ اب حیوان پیدا ہوا تو اگرچہ حرکت میں جسم کو تقسیم کرنا بجا ہے ایک کے دو طرح کی ہو گئی ایک تو اجزا کی وہی نشوونما کی حرکت ہے جو نباتات میں تھی اور دوسری حرکت تمام جسم کو باہر پھرنے کی ہے جس حرکت کا نشان کروں کی گردش میں بھی پایا جاتا ہے مگر یہاں اور شان ہے۔ گرے کا تمام جسم بھی حرکت کرتا ہے مگر ایک دائروں اور اس سے باہر نہیں جاسکتا اور نیز انکی حرکت محض طبعی ہے اور یہاں حیوانات کسی دائرہ میں مقید نہیں ہیں اور شرق سے مغرب تک جولاں کر سکتے ہیں اور نیز انکی حرکت

میں طبیعت کے علاوہ ان کے احساس کو بھی قفل ہے اور اپنے تصور و خیال کی مدد سے ارادہ کی شکل میں حرکت کرتے ہیں۔ غرض ایک طرف ان کے جسم میں ایسی حرکتیں پیدا ہوئیں جو اور قسم کی مخلوقات میں نہ تھیں اور دوسری طرف ان کے دماغ میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ اپنے خیال کو اشتیاء کر دینے کی طرف لیجانے لگے۔ ان کے بعد انسان پیدا ہوا تو یہ آنچہ خوبان ہمہ دار نہ تو تھنا واری کا مصداق تھا۔ چنانچہ یہ وہ حرکت بھی رکھتا ہے جو نباتات میں ذرات کو نشوونما دے رہی تھی اور وہ حرکت بھی رکھتا ہے جو حیوانات کو جابجا لیے پھرتی تھی اور اسکے علاوہ دماغی حرکت کا وہ عالم ہے کہ حیوان جو اشتیاء کر دینے کی طرف توجہ کرتا تھا تو صرف اٹکھانے کیلئے یا کسی اندیشہ کی حالت میں اس سے بہانہ جاسکتا تھا اور انسان اپنے تصور کو نہ صرف چیز کی طرف لیجاتا ہے بلکہ اسکی فاصدینوں کی طرف لیجاتا ہے اسکی شکل کو بدل کر اور دوسری چیزوں کے ساتھ ملا کر اور شکل میں پیدا کرنے کی طرف اور پھر ان شکلوں کی تاثیروں کی طرف لیجاتا ہے۔ غرض اپنی دماغی حرکت میں کسی حد پر محدود نہیں ہوتا چاہتا اور جہاں تک جاسکے اس سے ہی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور نیز حیوان کی طرح صرف سطح زمین اور مختصر سی فضا میں محدود نہیں رہتا بلکہ نیچے تخت النزلے اور فلک الافلاک تک پہنچتا ہے اور اپنے خیال کو یہاں تک دوڑاتا ہے کہ کائنات کی تمام فضا کو عبور کر جاتا ہے اور خالق کائنات تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔

آئندہ انقلاب میں ترقی | غرض یہاں تک کہ وہ ترقی ہے جو دنیا نے حاصل کی ہے اب جو آئندہ اور بھی اعلیٰ ہونی چاہئے | انقلاب ہو دنیا اسے کیا آہیں ہی ہی ترقی ہوگی؟ کہ انسان دنیا کی چیزوں کی تاثیر میں دریافت کرتا رہے اور شکل میں ایجا کرتا جائے۔ نہیں۔ ایک فہم پر تہیجے کو جاؤ اور دیکھو کہ ابتدائی ذروں کے پھیلنے اور سکڑنے کی حرکت ان کیلئے ترقی کی صورت تھی لیکن اگر گری بنانے کے بعد اجسام میں ہی ہی ذرات کے پھیلنے اور سکڑنے کی حرکت ہوتی اور آفتاب کے گرد دورہ کرنے کی حرکت پیدا نہ ہوتی تو محض ذرات کی حرکت اس درجہ کے لیے ترقی نہ ہوتی۔ اور اسی طرح نباتات کے اندر اجزاء کا نشوونما ان کے لیے ترقی ہے لیکن اگر حیوان میں ہی یہی وصف رہتا اور متعین غذا

اُپر نے پر وہ بڑھ پھول سکتا مگر ارادی حرکت اور آمد و رفت کی طاقت نہ ہوتی تو جو بات نہایت کے لیے ترقی ہے حیوان کے لیے وہی تنزل قرار پاتی۔ اور اسی طرح جو انسان حیوان کی طرح اپنی ہمت کو محض چرنے چلنے تک محدود رکھے اور دماغی حرکتوں کو کام میں نہ لائے تو خواہ ہاتھی جیسا مڑا اور شیر جیسا قوی ہو جائے مگر عقل اور دین سے بے بہرہ ہو نیکی کے سبب یہ حالت اسکے لیے تنزل سمجھی جاتی ہے حالانکہ حیوان کے لیے ترقی یہی ہے پس جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انقلاب میں اس انقلاب کے مناسب ترقی کی اوڑھل ہوتی ہے اور اس کو نیچے درجے کی ترقی اگر صرف وہی رہی تو تنزل سمجھی جاتی ہے اسلئے آئندہ انقلاب پر اگر یہی کائنات کی تحقیق اور ایجاد و اختراع کا شغل رہا تو اس حالت کے لحاظ سے تنزل کیوں نہ ہو گا بلکہ ضرور ہے کہ جس طرح پہلے درجہ میں ترقی کی شکل بدلتی رہی ہے اس درجہ میں بھی کوئی اوڑھل ہو۔ اور وہ کیا ہو سکتی؟ یہاں حرکت و زون ہوش و شعور ہوئی۔ پھر جسم اور دماغ کو دلایا جسم کی حرکت حیوان تک کمال کو پہنچی اور دماغ سے دماغی حرکت شروع ہوئی۔ انسان نے اپنے خیال کو تمام کائنات میں دوڑایا اور ابھی دوڑا رہا ہے آئندہ ترقی کائنات سے آگے ہونی چاہئے۔

آئندہ ترقی معرفت میں ہوگی اچانچ اسکے لئے وہی چیز باقی ہے جس کی تلاش انسان کی فطرت میں ودیعت ہے اور جس کو اس نے ہر گوشہ میں تلاش کیا۔ کہی ماسے پتھر سمجھا اور کہی دھت کہی آفتاب سمجھا اور کہی ماہنصاب۔ مگر آخر میں اعتراف کیا کہ وہ ان سب کے بالا اور بڑے اعلیٰ ہے اور اس کو سمجھنا اور پانا ذریعہ نظر کے لینے ممکن ہے پس آئندہ انقلاب میں اگر ترقی ہو سکتی ہے تو اسکی طرف۔ اور حقیقت میں نہ صرف مذہبی جذبہ بلکہ مادہ کی تمام حرکتیں جو اوپر کی طرف ہو رہی ہیں اور انسان کی عام فطرت جو اعلیٰ سے اعلیٰ مہم نظروں کے لئے اسکی فطرت میں داخل ہے وہ اسی لیے ہے کہ ایک وقت پر یہ ترقی کرتا ہوا سب سے اعلیٰ ذات کی معرفت حاصل کرے اور اس کے وصال کو بہرہ ور ہو۔ اور جس طرح نباتات میں تغذیہ اور نشوونما کی طاقت پیدا کر دی گئی تھی جو حیوانات میں کمال کو پہنچی اور حیوانات میں جس حرکت کی طاقت پیدا کی جو انسان میں اپنی حد تک پہنچی اسی طرح انسان میں اس مالائز

ہستی کا خیال دویعت کیا گیا جو آئندہ انقلاب میں اپنے کمال کو پہنچے گا۔ اور جس طرح یہاں بعض انسان  
عدمی میلان سے متاثر ہو کر دنیوی حالت کے کمال یعنی علوم و فنون کی طرف توجہ نہیں کرتے اور روز  
بروز منزل کی طرف چلے جاتے ہیں اور بعض اوپر کے جانے قوت کو کام میں لا کر رازدہانے قدرت کے باہر  
اور اسکے خفی خزانوں کے مالک بنتے جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ اسی عدمی میلان سے متاثر ہو کر دنیوی  
کمالات اور لذائذ حاصل کر نیکیے بعد انہی کو ترقی کی انتہائی حد سمجھ لیتے ہیں اور اس سے اوپر کسی اور  
ترقی کے لئے تیار نہیں ہوتے وہ آئندہ انقلاب پر قرب ربانی کی نعمتوں سے محروم اور فراق و بعد  
کی تکالیف میں مبتلا رہیں گے اور جو اسکے برخلاف یہاں کے فرائض ادا کرنے کے بعد اپنے لئے  
کچھ انجمنانی فرائض ہی قرار دیتے ہیں اور ان پر کاربند ہوتے ہیں وہ بیشک آئندہ وہ ترقی و ترقی  
کہ یہاں کی ترقیان اسکے سامنے ہیج ہوگی۔

یاد رکھو جس دن بعض چہرے سفید ہونگے اور بعض سیاہ  
جن کے چہرے سیاہ ہونگے انکو کہا جائیگا کہ کیا تم نے ایسا  
کے بعد کفر اختیار کیا ہے پس تم اپنے کفر کے سبب  
غلبہ چکھو۔ اور جن کے چہرے سفید ہونگے  
وہ خدا کی رحمت میں رہیں گے اور ہمیشہ رہیں گے

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا  
الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ  
إِيمَانِكُمْ قَدْ وُفُوا بِالْعَذَابِ بِمَا كَانُوا  
يَكْفُرُونَ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ  
وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا  
خَالِدُونَ ۖ (آل عمران پارہ ۷)

خدا نے آسمان و زمین کو فضول پیدا نہیں کیا۔  
یاس لئے کہ ہر شے کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے اور  
ان پر ظلم نہ ہو کیا تم دیکھتے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے  
اپنی خواہش کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے اور خدا کے مقرر  
کردہ قاعدوں کے موافق وہ باوجود علم کے گمراہ ہو گئے  
ہیں اور ان کے کان اور دل پر مہر لگ گئی ہے

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ  
وَلَيَجْزِيْ اٰهْلَ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا  
يُظْلَمُوْنَ ۖ اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ الْاِلٰهَ هَوٰٓاهُ  
وَاضْلَاهُ ۗ اللَّهُ عَلٰى عِلْمٍ وَخَلَقَ عَلَى سَمْعٍ  
وَقَلَمٍ ۖ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرٍ غِشَاوَةً  
فَمَنْ يَّرٰ بِهَا مِنْۢ بَعْدِ ۙ اللَّهُ اَفَلَا



قَدْ كَرِهَ اللَّهُ لَكَ مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا  
الدُّنْيَا مَمُوتٌ وَنَحْنُ وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا  
اللَّهُ هُوَ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ  
إِلَّا يَظُنُّونَ

(جاثیہ پارہ ۲۵ ع ۳۵)

وَجُودَ يَوْمَئِذٍ نَاصِرَةٌ إِلَىٰ ذَٰلِكُنَا فَظَرَفْنَا  
وَجُودَ يَوْمَئِذٍ نَاصِرَةٌ نَظُنُّ أَنْ يَفْعَلَ  
بِهَذَا فَاقْرَأْ

(قیامتہ پارہ ۲۷ ع ۷)

اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے اب خود کے سرکار کو ہدایت  
دیکھا تم اس عبت میں بیٹے۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ صرف یہی  
دنیا ہے یہ بیعت یا زندگی کا سلسلہ ہے اور ہم زمانہ کے اثر  
سے مر جاتے ہیں اور کچھ نہیں انکو کوئی علم نہیں صرف اٹکل  
کی باتیں کرتے ہیں۔

بہت سی چہرے اس دن ترقی و تہذیب ہونگے اور اپنے  
خدا کو دیکھتے ہوئے اور بہت سی چہرے اس دن اس  
ہونگے اور سمجھتی ہونگے کہ اب حوصلہ شکنی بہت آئی۔

آئندہ ترقی کیلئے جو سامان ہونا چاہیے  
وہ اس عالم میں مہیا کر دیا گیا ہے۔  
رقار اور اس پر چلنے والے موجود ہونگے۔ اور اگر یہاں حیوان میں دماغ کی ابتدائی حرکت موجود نہ ہوتی  
تو انسان میں یہ حرکت کمال کو نہ پہنچتی۔ اسی طرح اگر انسان کے دماغ میں دنیا کے اندر آسمانی خیالات  
اور اس کے وسائل موجود نہ ہونگے یا ان کو دیا جائیگا تو آخرت میں اس حرکت کا کمال حاصل نہ ہوگا چنانچہ  
اسی لئے قدرت کی طرف سے اس کا انتہام کیا گیا ہے شخص کی فطرت میں یہ تلاش و دہشت کی گئی ہے اور  
پھر وقتاً فوقتاً اسکی رہنمائی کے سامان بہم پہنچائے گئے ہیں۔ اور چونکہ حرکت ذات باری کی طرف ہوگی  
اسلئے اس وقت پر یقین رکھنا اور اسکو دائم و باقی سمجھنا اصل ایمان قرار دیا گیا ہے اور جبر و افعال و اشتغال سے  
اس عقیدہ کو بچانے کی اور اس خیال میں جلا اور رونق پیدا ہوا ان کو فرض واجب ٹھہرایا گیا ہے اور اس  
عقیدہ کا نہ ہونا کفر یعنی موجب تنزل اور اس خیال سے غافل کرنا بے اعمال کو گناہ یعنی باعث  
ایذا و تنزل مانا گیا ہے اور نیز اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ چونکہ ترقی و تہذیب خدا میں ہونے کو  
ہے اسلئے خدا کی نسبت سچا اعتقاد ہونا چاہئے ورنہ اگر کسی نے ایسی چیز کو نہ سمجھ لیا ہے جو حقیقت  
میں خدا نہیں تو آخرت میں ترقی ہی وہ اسی خیال کی طرف کر لیا اور اس خدا کا قرب نہ حاصل کر سکیگا جو

حقیقت میں خدا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر زمانہ کے لحاظ سے سچا اعتقاد کسی قدر تفاوت ہو سکتا ہے۔ اور محض اس تفاوت سے ترقی میں نقص واقع نہ ہوگا۔ مثلاً ابتدائے آفرینش میں جب اس برتر از خیال قیاس ہستی کی طرف خیال نہ جاسکتا ہوگا اس وقت سچا عقیدہ صرف یہی ہو سکتا تھا کہ ہم سے بڑا ایک ہستی ہے اور چونکہ خدا اولیٰ میں انسان سے بڑا ہے اسلئے اس عقیدے والے آئندہ ترقی کے قابل ہو سکیں گے۔ مگر آئندہ آنیوالوں نے جب اپنی نفسانی آمیزش سے ہوا یا پانی یا اور چیزوں کو بعض طاقتوں اور خاصیتوں میں اپنے سے بڑا سمجھ کر ان کو خدا مان لیا ہوگا تو چونکہ واقعہ میں یہ چیزیں خدا نہیں ہیں اسلئے اس جمل اور سچے عقیدے میں اس غلط تفسیر نے ملکہ ضرور اثر کیا ہوگا اور آئندہ عالم میں وہ لوگ اسی خیال اور اسکے نتائج میں مبتلا رہیں گے اور سچے خدا کا قرب نہ حاصل کر سکیں گے اور علیٰ ہذا جب اس غلط عقیدے کی اصلاح ہونی ہوگی اور بتایا گیا ہوگا کہ خدا ہوا اور پانی وغیرہ سے بھی بہتر ہے تو اس خیال میں پھر ترقی کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہوگی۔ اور اسکے بعد جب ہوا اور پانی پیدا کرنے والی طاقتوں کو دیوتا مان کر ان کے آگے رکھنا جھکا یا گیا ہوگا تو اس غلطی نے پھر ترقی کی رفتار کو اور طرف منعطف کر دیا ہوگا۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ خدا کو سب محسوس اور غیر محسوس چیزوں سے بڑا اور سب پر قابض و متصرف مانا گیا ہوگا جو آئندہ ترقی کے لئے مفید ہے اور پھر انسان نے اپنی آمیزش سے اسے سب سے بڑا مانتا ہوئے بعض انسانوں کو ایسا طرہ دیا ہوگا کہ خدا میں اور میں میں باپ بیٹے کا تفاوت رکھنا ہو۔ یا سب پر قابض مانتے ہوئے بعض اشیاء کو ایسا عظیم الشان تصور کیا ہوگا کہ ان کو خدا کی مخلوق مانتے سے انکار کر دیا ہوگا اور اس طرح سب اے کامل اور قادر خدا کو ماننے کے ایسے خدا کو مانا ہوگا جو بعض انسانی نقصوں سے متصف ہو اور بعض طاقتوں میں ناقص جس کا اثر آئندہ ترقی میں یا ہونا ضرور ہے اور انکو اسی رستہ پر جانا ہے جس کے نشانات انہوں نے اپنے دل میں قائم کر چھوڑے ہیں۔ اور اگر واقعہ میں خدا سب نقصوں سے پاک ہو تو اس خیال والے اس کی طرف نہیں جاسکتے غرض آئندہ ایسا باغ لگنے والا ہے جسکی تخم بیزی یہیں ہو چکی ہے اور جو تخم ہوگا آخرت میں اسی کی

پہلے ملیگا اور پھر مختلف ہون کر پھیل کیساں اس سے زیادہ خلاف عقل اور ناقبول خیال کوئی نہیں ہو سکتا۔

آئندہ ترقی غیر محدود ہوگی | یہاں واسلے مانستے ہیں کہ فورس ہر ایک ذرہ میں چھپیدہ ہے اور اس

جدا نہیں ہو سکتا اور اس کے خلاف انرجی ایک ذرہ سے دوسرے ذرہ اور ایک جسم سے دوسرے جسم کی طرف انتقال کرتی رہتی ہے اسکا باعث انہوں نے خدا چاہنے اب کیا بھلا ہے اور آئندہ اس کے متعلق کیا کیا تھیوریوں کا قیام کرینگے مگر اس میں شک نہیں کہ دنیا کی ماہیت عدم ہے اور اس لئے

اس کا ظہور ہر درجہ میں اور ہر ذرہ میں ہونا چاہیئے اور وجود دوسری ذات کی طرف سرعطا ہوا ہے اسلئے وہ عدم کی طرح اس کے ساتھ چھپیدہ نہیں ہو سکتا اور اسلئے وہ انقلاب اس کے ہر درجہ میں ایسی حد تک ظہور کرتا ہے جہاں تک اس درجہ کو مکمل کرنے کے لئے ضرورت ہو اور اس کے بعد ظہور

کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ مثلاً جب بخار کا بادل تھا تو اسکی اجزا میں انرجی کا ظہور اس شکل میں تھا کہ وہ ذروں کو ذروں سے جدا کرنا چاہتی تھی اور مختلف سیاروں کی چو شکل بنانی مطلوب تھی وہ اسی طرح کی انرجی سے پیدا ہو سکتی تھی اسلئے جینک ضرورت رہی یہ عمل ہوتا رہا چنانچہ اوہ فورس کا مدنی اثر

بھی کام کرتا رہا اور ادھر انرجی اپنا اثر دکھاتی رہی اور زمین وغیرہ سیارے پیدا ہو گئے۔ اور اب جو چھپیدہ کرنی مطلوب تھی وہ پیدا ہو گئی اسلئے انرجی کا وہ عمل کم ہوتا شروع ہوا اور زمین بخار سے سیال اور سیال سے پنجم ہوتی گئی اور اس طاقات کا جو حصہ زمین میں دوامیت تھا اس کا اثر جاندار اور پھر آئندہ جس قسم

کی انرجی سے زمین کو آباد کرنا تھا اسکا ظہور ہونے لگا یعنی انرجی آفتاب کی حرارت اور روشنی کی شکل میں سفر کرتی ہوئی زمین تک پہنچی اور اس سے پائزل آندھی وغیرہ انقلاب پیدا ہونے لگے۔ اور انہی بعد نباتات کو پیدا کرنے کے لئے آگ کے اجزائے جسم کو بڑھانے کی اور حیوانات میں اس کے علاوہ

خود ان کے جسم کو اور نیز کسی قدر دماغ کو اطراف و جوانب میں حرکت دینے کی اور انسان میں ان تمام مارج کے ساتھ اس کے دماغ کو زمین و آسمان کے ہر گوشہ کی طرف اور خود پیا کر نیو اس کے کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت تھی اسلئے ان انقلابوں میں انرجی کا ظہور دیکھ کر اسے ترقی کرتا رہا۔ مگر وہ ماہر نہیں نشوونما ہونے

کو تھی اور وہ خدا جسمین جیوان حرکت کر نیکو تھا اور کائنات کا وہ میدان جسمین انسان اپنے خیال کو جولان دینے والا تھا یہ سب محدود ہیں اور ان سب قسموں کی ترقی ایک معین حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اسلئے انرجی کے یہ تمام طور بھی ایک ایک وقت پر ختم ہوتے رہے اور ایک دن سب ختم ہو جائینگے لیکن ان ترقیوں کے بعد آئندہ انسان کی قوت خیالیات ربانی کی طرف حرکت کرنے کو ہے اور ترقی قریب و بعد خدا میں ہونے والی ہے اور خدا کی ذات غیر محدود ہونے کے سبب وہ ترقی کسی نقطہ پر ختم نہیں ہو سکتی اسلئے انرجی کا وہ طور بھی جو آئندہ ہونے والا ہے غیر محدود ہو گا اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آسمانی پنج درخت دائمی اور باری ہے اور جو لوگ خدا سے قریب ہونگے وہ ہمیشہ قریب تر ہونگے جائینگے اور جو دور ہونگے وہ دوسرے دور تر ہونگے میں بھی کسی حد پر نہ ٹھہر سکتینگے۔

روح صرف جسمین رہ کر ترقی کر سکتی ہے | غرض یقین کر نیکی وجوہ موجود ہیں کہ جس وقت پر ترقی کا حاتمہ سمجھا جاتا ہے وہ حقیقت میں اب سے بہت زیادہ ترقی کا زمانہ ہو گا اور جو مخلوقات یہاں پیدا ہوتی ہیں اُس زمانے زیادہ آسانی سے پیدا ہو سکیں گی اور ترقی کے لیے چونکہ اور کوئی میدان نہیں رہا اس لیے اُس وقت معرفت ربانی میں ترقی ہوگی اور چونکہ وہ ذات لا محدود ہے اسلئے وہ ترقی ہی لا انتہا ہوگی اب یہ دیکھنا باقی رہا کہ انسان میں جب ایک روح جیسی لطیف ہستی کو مانا جاتا ہے اور مرنے کے بعد اسکے قائم ہونے کا یقین کیا جاتا ہے تو خواہ ما وہ کوئی اور شکل اختیار کرے یا نہ کرے اسکی کیا ضرورت ہے کہ روح انسانی دوبارہ جسم میں داخل ہواور کیوں نہیں ہو سکتا کہ وہ مجبور کہ معرفت ربانی یا اور حالات میں ترقی کرتی جائے اور اسکا جواب یہ ہے کہ شخص احتمال قائم کر لیا کہ شاید ایسا ہواور بات ہے لیکن یقین کرنے کیلئے کہ روح اپنی مجرولات میں ترقی کر لگی یا کر سکے گی زیادہ ثبوت کی ضرورت ہے اور غور کیا جاتا ہے تو قرائن اسکے خلاف دلالت کرتے ہیں کیونکہ اول تو روح باوجود جداگانہ ہستی ہونیکے جو جسم میں نمود کرتی ہے تو ضرور ہے کہ وہ اپنی ترقی میں جسمانی وسائل کی محتاج ہوگی ورنہ اگر خود ترقی کرنے کی قابلیت رکھتی تو جسم کے قید میں آنا بے سود ہوتا۔ اور دوسرے کوئی مجرور ہتی ہواور پھر ترقی کر کے نیکو بھی قابل غور ہے۔ یہاں مادہ ترقی کرتا ہے تو اسکی یہ صورت ہے کہ اجزایا ہم کہی ایک شکل کو بہت

ہوتے ہیں اور کبھی دوسری شکل سے اور کبھی کسی مرکب سے بعض اجزاء خارج ہوجاتی ہیں اور بعض اور داخل ہوجاتی ہیں اور ایک حالت سے دوسری حالت اعلیٰ اور افضل ہوتی جاتی ہے اور پھر اعلیٰ شکلوں میں عقل و شعور کا ظہور ہوتا ہے اور جسمانی ترقی کے ساتھ وہ ترقی شروع ہوتی ہے جسے جسمانی ترقی کہا جائے تو ہمیں کوئی تصور پیدا ہوتا ہے یا کوئی جلوہ نظر آتا ہے۔ اس تصور یا اس جلوہ کو قوائے ادنیٰ محفوظ رکھتی ہیں اور آئندہ اس سے عمدہ تصور یا جلوہ پیدا ہونیکا موقع آتا ہے اور اس عمل سے خیالات جسمانی ہوں یا روحانی ترقی کرتے رہتے ہیں۔ شعور ترقی کا جو تجربہ انسان کو ہے اس میں ترقی کرنے والا ایک نئے بہت سو ذرائع اور وسائل کی ضرورت ہوا سکتے جو چیز جو اسے پاک اور مجرور ہو مجرور کر سکی ترقی خیال میں ہی نہیں آسکتی چہ جائیکہ اس پر یقین کیا جائے اور اس کے لئے خدا جو مجرور اور لگنا مہستی ہے جو لوگ اسے مانتے ہیں تو ازل سے اب تک الان کما کان تسلیم کرتے ہیں اور اسکی ذات کو ترقی یا تنزل کی طرف جاتے ہوئے ان نہیں دیکھ سکتے پس روح بھی جتنا کہ اپنی مجرد حالت میں ہیگی ترقی یا تنزل کے جس درجہ پر ہوگی اس سے آگے نہ بڑھے سکیگی اور ترقی کرے گی تو اسی صورت میں کہ جسم میں داخل ہوا اور جو وسائل جسم کو ترقی دیتے ہیں اور جو نور اسکو روشن کرتا ہے اس سے مدد لے اور اس لئے ضرور ہے کہ جب مادہ آئندہ انقلاب میں ترقی کرے اور اعلیٰ شکلیں پیدا ہوں تو روح انسانی ان میں ظہور کرے اور مدارج ترقی پرفراز ہو۔

عرض اعتراض تو روحانی حشر کو تسلیم کر لیا کرتے ہیں کہ جسمانی حشر میں ترقی نہیں ہو سکتی یا وہ ترقی دائمی نہ ہوگی مگر حقیقت اسکے خلاف کھلتی ہے کہ روحانی ترقی کے لئے ذریعہ ہی جسمانی ظہور ہے۔ رہا اس ترقی کا دوام سو ہم کو کر چکے ہیں کہ مادہ اپنی ذات سے ہمیشہ قائم رہ سکتا ہے اور ہمیں جو انقلاب ہوتے ہیں وہ انرجی کے اثر سے ہیں اور انرجی کی نسبت ہم دیکھتے ہیں اور اوپر غور کر چکے ہیں کہ اسکا ظہور جس قدر ابتدائی یا بالواسطہ ہے اسی قدر شکلوں کا انقلاب بھی جلدی ہوتا ہے چنانچہ زمین کی ابتدائی حالت میں ذرات کی شکلیں

اور نیز مانتا ہے کہ اسکی پیداوار ان چیزوں کی عمر بہت مختصر ہے اور نیز یہ بھی سمجھنے دیکھا کہ اگر کہ انرجی کا ظہور جس حالت کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس حالت کے کمال تک وہ ظہور قائم رہتا ہے۔ پس جب یہ نظام انجام کو پہنچے گا اور تمام وسائل ختم ہو جانے پر آفتاب وحدت کا نور براہ راست جلوہ کرے گا اور جب انرجی کا ظہور معرفت ربانی میں ترقی دینے کو ہوگا اور وہ ذات غیر محدود ہے تو اس وقت نور کے دوم سے اس کی پیدا کردہ شکلیں بھی دائمی ہوں گی اور معرفت کی ترقی بھی ہمیشہ جاری رہے گی۔

ارواح کے لئے مادہ کی کمی نہیں | یہاں ایک سرسری سا اعتراض اور ہے کہ زمین پر جاندار مخلوق اس کثرت سے ہے کہ پانی کے ایک قطرے اور ہوا کے ایک ذرہ میں لاکھوں کی تعداد موجود ہے پس اگر یہ سب دوبارہ زندہ کئے جائیں اور نیز اس عالم میں موت اور زندگی کا سلسلہ ہی جاری نہ ہو تو مادہ جس سے ان سب کے لئے اجسام بنائے جائیں ہمیشہ آئینگا۔ مگر یہ اعتراض فرار لئے قدرت کو اپنے خیال کے موافق محدود سمجھنے سے پیدا ہوتا ہے ورنہ قدرت نے جس طرح زندگی نہایت قباضی سے تقسیم کی ہے اسی طرح مادہ کو پیدا کرنے میں بھی بخل کو کام نہیں فرمایا۔ اول تو فرد افراد انواع حیوانات کو دیکھئے کہ ایک عورت کے پیٹ میں جس قدر اولاد پیدا ہوتی ہے وہ زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے دس بیس سے آگے نہیں بڑھ سکتی مگر وہ مادہ جو ایک ایک عورت کے رحم میں انسانی اجسام بنانے کے لیے مہیا کیا گیا ہے اسکو پیدا ہونیوالی اولاد کی تعداد سے کوئی نسبت نہیں یعنی جب تحقیق جدید عورت کے رحم میں دس ہزار کے قریب انڈے شمار کئے گئے ہیں۔ یہی حال اس ذخیرہ کا سمجھنا چاہئے جو حیوانات کے ہر ایک نوع میں ان کے نطفوں کے لئے مہیا کیا گیا ہے اور اسی طرح درختوں میں دیکھا جاتا ہے کہ درخت کا تنخہ جس قدر آئندہ اسکی نسل بڑبانیکے لئے کام آتا ہے اس سے بہت زیادہ ہر درخت میں پیدا کیا جاتا ہے چنانچہ اسکی بیشمار مقدار انسان کے تصرف میں آتی ہے بہت کچھ حیوانات لیجا۔ تے ہیں اور ہم بھی بہت کچھ پتلی سے پہلے اور پیچھے چھڑ کر منال ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت تو ذخیرہ پیدا کرنے کی ہے جس کا جو ہر ضرورت کو بہت زیادہ

مہیا کیا گیا ہے اب ان ٹخنوں کو ذرات کی کثرت اور انکی ترتیب کے لحاظ سے دیکھئے کہ ایک دیو  
 ہیکل کچل کا دھڑکتا ہوئی جڑ سٹنہ۔ شاخ۔ پنہ۔ اور پھیل سکتے اجزا کا خلاصہ ایک بیج میں اس طرح جمع  
 کر دیا جاتا ہے کہ اس کا حجم ذرہ کے برابر ہوتا ہے اور پھر یہ تخم جب بویا جائے تو وہی ذرات  
 پھیل کر ویسا ہی دیو ہیکل و زخمت پیدا کر دیتے ہیں۔ اس وقت بیشک تخم کے ساتھ بہت سی ذرات  
 خوراک سے بھی پرستہ ہوئے ہیں مگر زخمت کی ہر جزو میں تخم کا بھی کوئی نہ کوئی ذرہ ضرور ہے  
 جسکی وجہ سے زخمت اپنی نوع کے فضائل اور مکمل ظاہر کرتا ہے ورنہ اگر تخم کے ذرات ایسے ہی  
 تھوڑے ہوتے جیسو ایک شکل سے ظاہر ہوتے ہیں اور باقی اجزا بیرونی خوراک سے مہیا ہوتی  
 تو کوئی سمجھنے میں زخمت و دوسرے سے مشابہ نہ ہوتا۔ پھر دیکھو کہ لکڑی کا ایک ٹھوس ٹکڑا ہوتا ہے  
 اسے جلاتے ہیں تو دھواں اس قدر پھپھیتا ہے کہ لکڑی بھیر جاتا ہے اب اجزائے لطیفہ جو اس قدر  
 حجم میں پھیل سکتے ہیں وہی ہیں جو لکڑی کے ٹکڑے میں ایک چھوٹے سے حجم میں مقید تھے  
 اور یہی اصول ہے جس سے ہر مادیہ بچھٹیک طبابت میں آکسیداتی دوا کا کروڑوں حصہ ملکہ  
 اس سے بھی کمتر استعمال ہوتا ہے اور اس ذرہ کے استعمال سے دوا کا اثر ظہور کرتا ہے عرض  
 یہ کہ قدرت ذرات کو چوستہ کر کے بڑے سے مقدار کو چھوٹے حجم میں اور پھیلا کر تھوڑی مقدار کو بڑے  
 حجم میں پیدا کر سکتی ہے اور اسی عمل سے اندازہ کیا گیا ہے کہ جب عالم بخار کے بادل کی شکل  
 میں تھا تو اس وقت کی ایک آدھی رتی کا حجم اس وقت کئی ملین کعب میلون میں پھیلا ہوا  
 تھا۔ تو جب نیچر کی یہ قوت خود اسی نظام میں نظر آتی ہے کہ وہ تھوڑی تھوڑی اجزا سے بڑے  
 بڑے حجم کے اجسام بنا سکتی ہے تو اس وقت جبکہ اس سے بھی اعلیٰ نظام ہوگا اور کام کر نیوالا  
 نور اپنے مرکز سے بیواسطہ ظہور کر لگا اس وقت جس قدر ارواح اجسام سے مفارقت ہونے پر باقی  
 رہ سکتی ہیں وہ خواہ اسی تعداد میں ہوں جو یہاں جاندار مخلوق کی نظر آتی ہیں یا اس مخلوق  
 کی کوئی اعلیٰ انواع ہوں جن کو ایسی پائدار روح میسر ہے کچھ ہی ہو قدرت اس وجہ سے محتاج نہیں  
 ہو سکتی کہ مادہ کم ہے اور اسکی اجزا سب میں تقسیم نہ ہو سکیں گی۔

آئندہ ترقی میں اجسام کی نشا | پس اگر روح کوئی چیز ہے جس سے یہاں مادہ میں نمود کر کے ترقی  
کی ہے تو آئندہ انقلاب پر جب مادہ اور اس کے شکلیں حاصل کر لیا روح بھی ضرور ان شکلوں میں  
ظاہر ہو کر ترقی کریگی اور اس کے علاوہ یہاں والوں کی حالت کو دیکھ کر چند اکیسٹین ہی معلوم  
ہوتی ہیں۔ یہاں نباتات اور حیوانات مادہ سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی تمام تر قوتیں ہی مادی  
کی طرف سے اور ترقی بھی صرف نوع کے لحاظ سے ہوتی ہے یعنی ایک نوع سے دوسری نوع ترقی  
یافتہ ہوتی ہے ورنہ شخصی ترقی کا ان میں نشان نہیں رہا انسان کی ترقی اگرچہ جسم کی وسعت  
سے ہوتی ہے لیکن ترقی کی رفتار اور پیر کیچا جسم سے خیال کی طرف اور خیال میں کائنات سے  
خالق کائنات کی طرف بڑھتا ہوا جاتا ہے اور نیز یہاں ان سب کی پیدائش اس نور کی وجہ سے ہی  
ہو مادہ سے خارج ہوتا ہے تو اب جس وقت اس حرارت اور روشنی کا اثر ختم ہو جائیگا اور ثوابت  
اور سب سے تاریک ہو چکے ہیں محض ثبات ربانی کے نور سے دوبارہ وجود حاصل کرینگے اس وقت  
مادہ کی جو اجزا نباتی اور حیوانی شکلیں اختیار کریگی ان میں انکی ذاتی حیثیت اور نور کی حیثیت دونوں کا  
اثر ہونا چاہئے۔ نباتیت اور حیوانیت وہ چیز ہے جس میں مادی ترقی کی حیثیت ہوا و شخصی ترقی کی  
قابلیت نہ ہو اور نور کی حالت یہ ہے کہ وہ اس وقت غیر مادی حشر شمع سے براہ راست نمود کر تا ہو  
اس لئے ضرور ہے کہ یہ چیزیں اس وقت بھی مادی وجود حاصل کریں مگر غیر مادی نور کے اثر سے ان میں  
ایسی ترقی ہو کہ مادی حرارت اور روشنی سے ہوتی ممکن نہیں اور اس لئے چاہئے کہ اس وقت کی نباتات  
اور حیوانات اب کو بہت زیادہ لطیف اور اس کے جسم رکھتے ہوں مگر شخصی ترقی کے قابل نہ ہوں  
اور ان کے برخلاف اس وقت انسان میں چونکہ وہ مادہ کے وساطت سے ترقی کرتا ہے اس لئے حیثیت  
اور روانی ترقی یا تنزل کرتا رہے اس لئے یہ حیثیت بھی ہوگی اور معرفت ربانی کا اشتیاق یا  
اس سے بے یگانگی ظاہر کرتا ہے اس لئے حیثیت بھی ہوگی اور مادہ اس کا طور غیر مادی حشر شمع سے ہے  
اس لئے انکی حالت میں ان سب حیثیتوں کا اثر نمایاں ہونا چاہئے۔ مادہ سے تعلق رکھنے والے  
سبب مادی وجود حاصل کر لیا اور چونکہ ہمیں روحانیت بشیر نمایاں ہے اور مادہ نور ہی غیر مادی ہے



اس لئے اس کا اُس وقت کا جسم نباتات اور حیوانات کے اس وقت کے جسم سے بہت زیادہ لطیف ہوگا اور چونکہ دماغی اور حیوانی ہر طرح کی ترقی کی قابلیت رکھتا ہو اس لئے نباتات اور حیوانات کی طرح ایک حالت میں مقید نہ رہے گا بلکہ جس طرح یہاں اپنی ترقی کے میدان میں بڑھتا گھٹتا رہتا ہے وہاں بھی اپنی طاقتوں کے موافق جو یہاں سے لیکر گیا ہے ترقی اور منزل کرنا رہے گا۔ اور اسکی روحانی ترقی کے لیے ہم دیکھ چکے ہیں کہ غیر محدود میدان ہے اور وہ ذات ربانی سے قریب یا بعید ہونے میں ابتداء تا ابد تک ترقی کر سکے گا۔ رہی جسمانی حالت سو اس کے لئے ہم دیکھتے ہیں کہ حیوان کی ترقی یا منزل محسوسات کی طیف نفل حرکت کرنے پر منحصر ہے اور جو حیوان اس بارہ میں زیادہ چپ ہوتا ہے وہ جسمانی قوت اور فزوی میں دوسروں پر فائق رہتا ہے۔ اور اسی حالت کو اس کے لئے بہتر سمجھنا ہے اس کے بعد انسان کی ترقی چونکہ محسوس سے غیر محسوس کی طیف جانے اور اپنے سر و وہیہود کے متعلق تلخ نکالنے اور عمل کرنے پر منحصر ہے اس لئے اسکی جسمانی حالت کی بہتری بھی اسی طرز عمل پر موقوف ہے چنانچہ جو لوگ علم و ادب و تہذیب و تربیت کی طیف توجہ کرتے ہیں ان کے احیاء جابلون اور خوشیوں کی نسبت نازک ہو جاتے ہیں مگر اسکی بجائے دل و دماغ نہایت چست اور تیز ہو جاتا ہے اور وہ لوگ اپنی ذہنی قوتوں سے اور غیر محسوس طاقتوں کو دریافت کر سکتے ہیں وہ کام لیتے ہیں جو خوشیوں کے قواس اور بھاری جسموں سے نہیں ہو سکتے اور اس لئے یہ دوسرے اور خفیف کردار لوگ ان لوگوں پر غالب رہتے ہیں جو وحشت میں ترقی کرنے سے اپنے سے ایک درجہ نیچے ہو گئے ہیں اور حیوانی اور روحانی حالت میں حیوانوں سے مل گئے ہیں اور اسی لئے انسانی درجہ میں جسمانی لطافت اور دماغی چستی کو ترقی سمجھا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر درجہ میں ترقی جس طرز عمل پر منحصر ہے اسی طرز عمل سے جسمانی حالت بھی متاثر ہوتی ہے اور اسی حالت کو جسم کی ترقی سمجھا جاتا ہے۔ اب جبکہ انسانی حالت میں آئندہ انقلاب ہوگا اور جب اسکی ترقی غیر محسوس مادی اشیا کو سمجھنے کی بجائے غیر محسوس غیر مادی ہستی کی معرفت پر منحصر ہوگی اس وقت بھی اسکی جسمانی حالت اس طرز عمل سے متاثر ہوگی اور وہی اس حالت میں جسمانی ترقی سمجھی جائیگی اور جب یہاں غیر محسوس مگر مادی طاقتوں کی طرف توجہ

کرنے سے جسم نازک اور لطیف ہو جاتا ہے تو وہ ان غیر مادی نور سے پیدا ہونے اور غیر مادی مٹی کی طرح  
توجہ کرنے کے سبب جسمانی لطافت اور بھی زیادہ ہوگی اور جس قدر روحانی نور اور جلا میں ترقی ترقی  
جائے گی اسی قدر جسمانی لطافت بڑھتی جائے گی اور اس کے خلاف جو لوگ اس مٹی سے پیدا ہوئے ہیں  
وہ جسمانی حالت میں ہی اپنے درجہ سے کمتر ہو جائیں گے اور کثافت میں ترقی کرتے جائیں گے جیسا کہ  
یہاں انسانی ترقی میں کوتاہی کرنے سے جسمانی حالت جو اونکی سی ہو جاتی ہے۔

لیکن ہمیں شک نہیں کہ جسم اور جسمانی ترقی محدود ہے اس لئے ایک وقت پر لطیف ہونے  
والوں کی لطافت اپنی حد کو پہنچ جائے گی اور وہ لوگ ایسے لطیف ہو جائیں گے کہ جس قدر لطافت  
ہم اس وقت ایک انسان کے اندر ایک روح کو تصور کر کے خیال میں لے سکتے ہیں شاید اس وقت کی جسمانی  
لطافت اس سے بھی زیادہ ہو۔ اور پھر اس سے آگے چونکہ روحانی لطافت اور قرب خداوندی  
کی لذت رہ جائے گی جسکی کوئی انتہا نہیں اس لیے وہ ان جسم لطیف کیساتھ لطافت میں ہمیشہ بڑھتے جائیں گے  
اور اس طرح اور کثیف ہو کر ان کی کثافت ہی محدود ہے پس اس حالت پر پہنچ کر کیا ہونا چاہئے؟ پھر  
لطیف ہونے لگیں۔ یہ منزل کا ترقی بنانا ہے جو ممکن نہیں۔ فنا ہو جائیں یہ اس سے بھی زیادہ ناممکن  
ہے۔ اور لطیف جسم کی طرح اسی حالت پر قائم ہیں اسکا بھی احتمال نہیں۔ کیونکہ گویا عجیب بات ہو مگر واقعہ ہے کہ  
اتھیر کا نازک جسم لامحدود مدت تک قائم رہ سکتا ہے اور حرارت وغیرہ قوتیں اس میں تغیر پیدا نہیں کر سکتیں  
مگر پہلا سبب ہماری جسم حوادث کے اثر سے یوں مایوس و نامردمندانہ رہتا ہے البتہ اس کے قیام کی ایک صورت ہے  
جو یہاں بھی دیکھی جاتی ہے اور دنیا کے منظر وں سے اسکی شہادت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اجزائے اہلیہ  
قائم ہیں اور غیر اہلیہ بدلتی جائیں چنانچہ ان لوگوں کا یہی شہرہ ہونا چاہئے کہ روحانی بعد زیادہ سننے یا وہ  
ہونا جائے اور جسمانی اجزاء بدلتے رہیں۔

حشر کے متعلق اہل حق تعلیم | غرض اس عالم کے فنا ہونے پر دوبارہ پیدا ہونے کی یہی صورت ہے جو سمجھ میں  
آتی ہے اور یہی ہے جسکی تعلیم اسلام کی طرف سے دی گئی ہے چنانچہ اسلام نے حشر جانی قرار دیا ہے اور تمام  
جسمانی راحت و رنج کے سامان مثلاً اور صرخ اور نہرین اور اوسراگ اور تیش وغیرہ کو تسلیم کیا ہے لیکن چونکہ

وہ عالم نہایت اعلیٰ ترقی کا عالم ہے اس لئے وہ ان کا سامان ہی یہاں کے سامان سے نہایت اعلیٰ ہوگا اور کسی مفصل کیفیت انسان کی سمجھ سے بالاتر ہوگی پس جن الفاظ اسکے لئے استعمال کیے گئے ہیں انکی نسبت کہنا چاہئے کہ ان سے بعینہ وہ معنی جو ہم اس دنیا میں سمجھتے ہیں مقصود نہیں ہیں بلکہ جو سامان یہاں ہے اعلیٰ ہوگا اسکے ذکر سے وہاں کے سامان کا ایک مکمل سا خاکہ کھینچا گیا ہے اور اسی لئے قرآن میں ایک طرف ان چیزوں کا ذکر ہے تو دوسری طرف یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ انسانی رنج و راحت کی کیفیت جیسی کچھ حقیقت میں ہے کسی انسان کے تصور میں نہیں آسکتی اور مختصر یہ ہے کہ وہاں کی راحت سب سے بڑی راحت ہے اور وہاں کی تکلیف سب سے بڑی تکلیف ہو چنانچہ ارشاد ہے

کوئی شخص نہیں جانتا جو ان کے اعمال کے صلہ میں لے لے راحت کا سامان آئندہ عالم میں یہاں ہے جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے تو وہ عذاب اور دور کی گراہی میں مبتلا ہوں گے۔

ان کے لئے خدا کے پاس جو وہ چاہیں سب کچھ ہوگا اور یہ نیکو کاروں کا صلہ ہے۔

ظالموں کو انکا عذر مفید نہ ہوگا اور ان کے لئے بڑا گھر مقرر ہے۔

وہاں تمہارے لیے ہے جو تمہارا دل چاہے اور تمہاری ہے جو تمہاری مشیت کرو۔ یہ بخشنندہ و مہربان خدا کی مہمانی ہے۔

اس میں وہ کچھ ہوگا جس کو دل چاہے اور انکھوں کو پہلا دم جو اور تم میں ہمیشہ رہے گا۔

اور جو کافر ہوں انکو ایسے ملاکت ہوگا اور انکا اعمال نتیجہ کمزوری

فَلَا تَقْلَقُ نَفْسٌ مَّا أُخِيَتْ لَهُمْ مِنْ قُرْبَىٰ  
أَعْلَيْنَ جَزَاءُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سجہہ پارہ ۱۷)  
بَلِ الَّذِينَ كَانُوا يَقُولُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْأَعْدَاءِ  
وَالضَّالِّينَ الْبَعِيدِينَ (سبا و پاره ۱۷)  
لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ  
جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ (زمر پارہ ۱۷)  
لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعَذَرَتُهُمْ وَلَهُمْ  
مُعَذِّبٌ عَظِيمٌ (زمر پارہ ۱۷)  
وَلَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ فِي الْأَرْضِ وَمِنْ  
فِيهَا مَا يَشَاءُونَ (سجہہ پارہ ۱۷)

فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَاللُّدُنُ الْأَعْلَىٰ  
وَلَهُمْ فِيهَا مَنَازِلُ مُتَصِفَاتٌ (زمر پارہ ۱۷)  
وَلَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعَذَرَتُهُمْ وَعَمَّا لَهُمْ  
(محمد پارہ ۲۱)

اور پھر جاہِ بجا ترقی و تہ منزل کا ذکر کیا کیلئے چنانچہ مومنین کی نسبت فرمایا کہ انکو بہشتی نعمتوں کے علاوہ خدا کی رضا مندی کی نعمت و جانیگی جو سب سے بڑا کھڑے ہے اور ان کو بہشت میں رکھ کر پاکیزہ باذن کی طیرف اور قرب خداوندی کی طیرف ہدایت کی جائیگی اور درجہ بدرجہ ترقی کرینگے اور کفار کی نسبت ارشاد فرمایا کہ انکو عنایت خداوندی اور لطافت و پاکیزگی کا کوئی حصہ ملیگا وہ پیچھے کی طیرف لوٹائے جائیں گے اور انکو چڑھتے سے چڑھتا عذاب ہوگا اور انکی جلدیں گل جائیں گی تو اور جلدیں دی جائیں گی اور انکی ہر طرف ہر سمت گھیر گئی مگر وہ مرینگے نہیں۔

اہل تقویٰ کیلئے خدا کے پاس جنت ہے جس کے نیچے نہرین جاری ہیں وہ ہمیشہ بہرین گے اور پاک جوڑے بہرین اور خدا کی رضا مندی ہے اور خدا اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

(مومنین کیلئے) ہمیشہ رہنے کی بہشت میں پاکیزہ مقامات ہیں اور خدا کی رضا مندی ہے جو سب سے بڑی ہے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اور ان کو پاکیزہ باذن کی طرف ہدایت کی جائیگی اور قابل تعریف خدا کے رشتہ کی طیرف ہدایت کی جائیگی۔

میں قسم کہنا تاہوں شفق کی اور رات کی اور جورات میں داخل ہے اور چاند کی جبکہ وہ مکمل ہو۔ اسے کوکو تم درجہ بدرجہ چڑھو گے

جو لوگ خدا کے حکم اور اپنے وعدوں کو توڑ دی قیمت پر بیچ دیتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ خدا ان سے کلام کرے گی قیمت

لَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَوْجِدُ فِيهَا عَنْهُمْ عَرَصَاتٌ مُتَشَابِهَةً وَفِيهَا مِنْ لَدُنْ اللَّهِ شَجَرٌ يَأْكُلُ مِنْهُ الْعَبَادُ فِي الْحَمْدِ (پارہ ۷)

وَمَسَاكِينٌ ظَلُمْتُمْ فِي جُنَاتٍ مُدْتَرِجَاتٍ وَمِنْ ثَمَرَاتِهَا تُنْقَلِبُ فِي الْبُحْرِ وَالْبَحْرَيْنِ وَمِنْ ثَمَرَاتِهَا يُنْزَلُ إِلَيْكُمُ الْغُلُوبُ وَالْأَنْهَارُ (پارہ ۸)

وَهَذَا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهَذَا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ (پارہ ۹)

فَإِنْ أَقْسِمُ بِالشَّفَقِ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ وَالْغُلُوبِ إِذَا الشَّقَىٰ لَأَكْرَبُ أَكْرَبًا وَطَبَقًا عَنِ طَبَقِي (رواق شفق پارہ ۱۰)

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ يُعَمِّدُونَ اللَّهَ وَآيَاتِهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا لَكُلٌّ لَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَخْتَارُ مَا يُؤْتِي اللَّهُ الْفَقِيرَ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا تَكْفُرْ

(آل عمران پارہ ۷ ع ۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَكُمْ تَابُؤُنَا إِنَّا كُنَّا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَقْضِيَنَّ  
وَجْوهَافَا كَرِهَتْهَا عَاظِمَاتُهَا

(نسا پارہ ۷ ع ۷)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ  
نَارًا كَلَّمْنَا تَنْجِيَّتْ جَهَنَّمَ بَدَلًا لَكُمْ جُودًا  
عَذَابًا لِيَذُرُوا الْعَذَابَ (نسا پارہ ۷ ع ۷)

يَا أَيُّهَا الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ  
مِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ عَلِيمٌ (ابراہیم پارہ ۱۳ ع ۷)  
وَمَنْ يُضِلْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْكُلْهُ عَذَابًا  
صَعِدًا (رحمن پارہ ۲۹ ع ۷)

كَذَلِكَ كَانَ لِآيَاتِنَا عَذَابٌ  
سَلْبٌ حَقٌّ صَوِّحُوا (مشر پارہ ۲۹ ع ۷)

کے دن اور وہ ان کی طرف دیکھے گا اور وہ ان کو  
پاک کرے گا۔

اسے اہل کتاب تم اس قرآن پر ہی ایمان لاؤ جو  
ہم نے اتارا ہے اور جو تمہاری کتابوں کی ہی تصدیق  
کرتا ہے اور یہ کام اس سو پہلے کر لو کہ ہم چہرہ ان کو  
کر دین اور ان کو پہلی طرف پھیریں

جو لوگ ہمارے نشانات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو  
عذاب میں داخل کرینگے جب انکی کمال گل جاییگی  
تو ہم اور جلد بدل دیں گے تا وہ عذاب پکھیں۔

اور اس (دورخی کو) ہر طرف سے موت گھیر گئی مگر وہ  
میرنگا نہیں اور اس سے پرے اور بھی سخت عذاب  
اور جو اپنے رب کے ذکر سے روگردان ہو اس کو وہ  
چڑھتا ہوا عذاب دیگا۔

ہاں ہمارے نشانات سو عذاب دیکھتا تھا میں نے  
چڑھنے کی تکلیف دوں گا۔

قیامت کے ذکر میں طویل ہی قیامت کا ہو گیا ہے مگر ابھی ایک اعتراض کا ذکر  
باقی ہے اور وہ یہ کہ دنیا میں اور ترقی کے اس درجہ میں جس کو آئندہ ترقی کی

آبھائی تربیت ہو رہی ہے  
خصایل بدل نہیں سکتے

کی نسبت ناقص سمجھا جاتا ہے انسان اکثر ایک سنہ کو چھوڑ کر دوسرا سنہ اختیار کر لیتا ہے اور نیک سے بد اور  
بد سے نیک ہو جاتا ہے اور نہ صرف خود بلکہ اپنے اثر اور قوت کے موافق دوسروں کو ان کے سنہ میں سے  
منحرف کر کے اپنے رستہ پر لگالیتا ہے اور نہ صرف انسان پر بلکہ تربیت اور تعلیم سے جو انسان اور نہ خود  
پر بھی اثر ڈال سکتا ہے اور ایک حد تک ان کے عادات و خصائل کے بدلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جو جب

آئندہ عالم میں نیک ہو جانا اور نیکو کاروں کا بدر ہو جانا ممکن ہے۔  
 کوہ بنادینے کی قوت بطریق اولیٰ ہوگی اور اسلئے جو لوگ یہاں سے بدی کا اثر لیکر گئے ہیں ان کا

اس اعتراض میں تعلیم و تربیت کی قابلیت پر زور دیا گیا ہے اسلئے دیکھنا چاہئے کہ نباتات  
 حیوانات اور انسانات میں تعلیم و تربیت کس حد تک موثر ہوتی ہے۔ نباتات پر انسان بیشک تصرف کرتا  
 ہے اور عمدہ عمدہ کھا دیا اور اصول باعتبار غبنانی کو کام میں لا کر وخت کی شکل پھول کا رنگ پھل کا ذائقہ  
 سب کچھ کھینچ کر کھاتا ہے بلکہ گرا کر ایک وخت کا نشوونما اور اسکی اجزا کا اوپر کو بڑھنا ایسا وصف  
 ہے کہ انسان کا اس پر کچھ اختیار نہیں اور وہ اگر چاہے کہ کوئی وخت ایک حد تک پھیل کر آئندہ اسی  
 حد پر قائم رہے اور نمو کو چھوڑ دے تو ممکن نہیں جیسا کہ انسان کا بہت اختیار ہے اور تربیت ہو اسکی  
 حالتوں کو بہت کچھ بدل سکتا ہے مگر خوراک کا خاصہ ایسا لاخ ہے کہ اس پر اور اسکے اثر پر انسان کا کوئی  
 اختیار نہیں اور جو مصلحتیں نباتی خوراک سے نبات خوار میں اور جو اثر حیوانی خوراک سے گوشت خوار میں لاخ  
 ہو چکے ہیں وہ تربیت سے بدل نہیں سکتے اور یہی کیفیت انسان کی ہے کہ اسکی عقل و شعور کو تحریک دیکر عادت  
 ڈال کر بہت سواچھے اور بُرے انقلاب پیدا کیئے جاسکتے ہیں لیکن بہت سوا خصال اس میں ہی ایسے لاخ  
 ہیں کہ تربیت انکو بدل نہیں سکتی مثلاً جو قطرہ بہا و واقع ہوا ہے اسکو نر دل اور نر دل کو بہا و نہیں بنا  
 سکتے۔ اور جس فن یا پیشہ کی قابلیت فطرت میں ودیعت ہوا ہے روک کر دوسرے کام کی طرف متوجہ  
 کرین تو ہرگز کامیابی نہیں ہوتی۔

مگر یہ وہی قابلیتیں ہیں جو پیدائش سے پہلے پیدا ہو چکی ہیں اور کام بیشک خدا کے حکم سے ہوتے  
 ہیں لیکن یہ عالم اسباب ہوا و رہبان کا کوئی فعل بغیر کسی سبب کے پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیسے یہ قابلیتیں  
 جو پیدا ہوئی ہیں تو وہ ہی ضروری کسی سبب سے ہیں۔ اور ان اسباب کا ہر شخص کی حالت میں بدلتا رہتا ہے  
 سمجھنا کہ فلاں فلاں وجوہات سے یہ اثر پیدا ہوا ہے۔ نہایت دشوار ہے مگر محض طور پر آئنا حاضر و بعین ہے  
 کہ مختلف آب و ہوا مختلف خوراک اور مختلف طریقہ ہائے زندگی یہی وہ اصلی اسباب ہیں جو نیک کی

مخلوق پر اثر کرتے ہیں اور ایسے اثر بار بار پیدا ہونے سے افراد اور اقوام کی فطرت پر پائدار نقش قائم ہوتے ہیں اور وہی نقش لطفہ پر اثر کرتے ہوئے آئندہ پیدا ہونے والی نسلوں میں فطرت بناتے ہیں اور دوسری طرف انہی اسباب کے بدلنے سے جو وقتاً فوقتاً مخالف اثر پیدا ہوتے رہتے ہیں وہ اپنی اپنی قوت و ضعف کے مطابق کہیں پہلے اثر کو بالکل معدوم اور کہیں ضعیف کر دیتے ہیں اور یوں ایک ایک قوم اور ایک نسل کی فطرتوں میں باہر گر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

عرض جن خصائص انسان کی فطرت میں داخل ہیں اور جو تربیت سے بدل نہیں سکتے اگر وہ بچہ پیدا نہیں ہوئے (اور بچہ میں کسی چیز کے بے سبب پیدا ہونے کی نظیر موجود نہیں) تو ضرور وہ خاصا ایسی چیزوں کے اثر میں جو انسان کی پیدائش سے پیشتر موجود تھیں اور جنہوں نے انسان کے جسم میں داخل ہو کر اپنے اثر کو اس میں اسخ کر دیا ہے اور یہی کیفیت ان خوں کی جو جنات اور حیوان میں ناقابل تربیت ثابت ہو چکی ہیں کہ وہ بھی انکی پیدائش سے پہلے کسی اور چیز میں موجود تھے اور اسی چیز کی جنات اور حیوان کی شکل میں آنا اس اثر کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ آفتاب کی کشش سے اجزائے زمین اور بخار کا اوپر کو اٹھنا جس سے آندھی اور بارش وغیرہ مظاہر پیدا ہوتے ہیں یہ خاصہ جنات کی پیدائش سے پہلے زمین میں موجود تھا اور جب وہی اجزا جنات میں داخل ہوئے تو اپنا اثر کو بھی ساتھ لائے اور جنات کو نشوونما کی وہ قابلیت دی کہ تربیت سے دور نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جنات میں یہ قابلیت تھی کہ جو چیز انکی گرفت میں آجائے اسے جذب کر کے فائدہ اٹھائیں مگر ان براۓ عمل کرنے کی صفت جو جنات میں ہے وہ جنات میں مفقود تھی اسلئے جب نباتی اجزا جنات خواہ حیوان میں داخل ہوں تو اپنی غریبہ اور کمزوری کا اثر ساتھ لائیں اور اوجڑ ہونے کی اجزا کو شست خواہ حیوان میں تخلیل ہو زمین و آسمان سے سفاکی اور خوردبین کی طاقتیں پیدا ہوں اور وہ نقشہ ہم سے کہ اثر زمین کا بدلنا انکے ہو گیا۔ اسی طرح انسان کو جن اجزاء نے بنایا اور جن ارواح نے اس میں اپنا اثر داخل کیا انکی خاصیتیں ایسی اسخ ہوئیں کہ تربیت کے قابل رہیں۔

عرض معلوم یہ ہو کہ تربیت کا اثر جس قدر ہے وہ انہی خصائص میں ہے کبھی درجہ انسانی

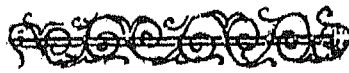
تازہ موجود ہوئی ہوں۔ چنانچہ نباتات میں خوراک لینے کی عادت تازہ موجود ہوئی تھی اور اسی میں  
 فعل و انفعالات کرنے کی چیزیں پیدا ہو سکتی ہیں اور انسان اور حیوان میں حرکت راوی اور فعل و شعور  
 کی قوتیں تازہ پیدا ہوئی تھیں اور انہی میں اصلاح ہو سکتی ہے لیکن جو اوصاف ایک درجہ میں پیدا  
 ہوں اور چرخ اس درجہ سے ترقی کر کے دوسرے درجہ میں آئے تو وہ اوصاف قابلِ تربیت نہیں  
 رہتے چنانچہ زمینی اجزاء کی صفات نباتات میں اگر اور نباتاتی اور حیوانی اجزاء کی صفات حیوان  
 اور انسان میں اگر ایسی مضبوط طبع کی کہ تربیت سے بدل نہیں سکتیں۔ بلکہ انسان میں دیکھا گیا ہے  
 کہ ایک درجہ سے ترقی کر کے دوسرے درجہ میں آنے کی ہی ضرورت نہیں اور صرف تہڑے سے  
 انقلاب سے اوصاف ناسخ ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ قوم اور اسکی آئندہ نسلوں انقلاب کے ایک درجہ یعنی  
 نوع انسانی میں شامل ہیں اور باوجود اسکے قومی خصائل اسکے لفظوں میں اگرچہ دوسری نسل  
 میں ظاہر ہوتے ہیں تو انکو بدلنا دشوار ہو جاتا ہے اور اگر وقت کی کچھ اصلاح ہو بھی سکتی ہے تو قومی  
 خاصہ کو بالکل فنا کرنا یقیناً محال ہوتا ہے اور جب یہ کیفیت ہو تو جس وقت نباتات میں آئندہ انقلاب  
 ہوگا اور یہ نظام بدلے گا کسی اور نظام سے پیدا ہونے پر یقیناً اس ناسخ اور ناقابلِ تربیت ہونگے اور اسلئے نہیں کہہ سکتے  
 کہ یہاں کی نیک اور بد عادتوں کا جو نتیجہ ہے وہ وہاں کی اصلاحی کوشش سے بدل سکیگا۔

اور ابھی زمین کے آباد ہونے پر نباتاتی اور حیوانی پیدائش ضمنی انقلاب ہیں اور دیکھا جاتا ہے  
 کہ ان کے اثر سے ایک درجہ کی خاصیت دوسرے درجہ میں ناسخ ہو جاتی ہے اور جب ان سے بھی بڑا  
 انقلاب ہوگا اور زمین تنہا ہونے کے بعد دوسری شکل میں آباد ہوگی اس انقلاب کے اثر سے یہاں  
 کے خواص کا راسخ ہونا اور بھی ضروری ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ زمین سے جس قدر مخلوق پیدا ہوئی  
 ہے اسکو اگرچہ صحت بشیرا گونا گوناگون شکلوں میں پیدا کیا گیا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ تدریج  
 نے ان سب شکلوں پر ایسا اثر کیا ہے کہ کوئی شکل اس صفت سے خالی نہیں۔ ذرات۔ کٹکڑے۔ پتھر اور معدنیات  
 ہیں تو ان میں کوئی ثلث یا مربع یا اور شکل کا نہیں۔ اور معدنیات لاکھوں ہیں مگر لمبا ہوا یا چوڑا



سب میں گولائی کا اثر موجود ہے۔ وخت بنتے ہیں تو ان کے ننھے اور شائین کسی ہی کھردری ہوں تپے کیسے ہی مختلف ہوں پھل کسی ہی شکل کا ہو سب کسی کسی حد تک گول ہوتے ہیں اور چکھوٹا یا تگھوٹا یا کوئی اور زاویہ وار شکل نظر نہیں آتی۔ جاندار کے اندرونی اور بیرونی اعضا یا نہیں ٹٹا گئیں۔ دھڑاویں۔ یا دل۔ جگر۔ تلی۔ گردہ سب تدویر کی مختلف شکلیں ہیں۔ اور زاویہ وار کوئی ہی نہیں۔ تو سب کیا کد زمین آبادی سے پہلے گول ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس کی اجزا جب آئندہ انقلاب اور سکولون میں آئیں تو اس اثر کو ایسی مضبوطی سے اپنے ساتھ لائیں۔ کہ اب ہم لاکھ کوشش کریں کسی تربیت سے کوئی وخت یا کوئی حیوان یا کسی کا کوئی حصہ زاویہ وار نہیں بنا سکتے۔ پس جب اس بڑے انقلاب میں اور ویرانی سے آبادی کی طیف آئے پر پہلے درجہ کی خاصیت دوسرے درجہ میں اصلاح پذیر نہ رہی اور ضمنی انقلابوں میں جو ایک آبادی کے اندر واقع ہوئی ہی کیفیت نظر آتی تو جب ہی مادہ دوبارہ آباد ہوگا اس وقت ہی یہاں کا نیک اور بد میلان جو ایک عمر کے غور و تامل اور اعمال و اشغال سے قائم ہو چکا ہے وہاں جا کر ترغیب و تخریب سے نہ بدل سکیگا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

کیا ہم نے نکو اسباب زمانہ نہیں دیا جس میں اصلاح	اَوَلَمْ نَعْمَرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرْ فِيهِ مَنِ تَذَكَّرْ
پاسکتا ہے جو اصلاح پانا چاہے۔ پس اب (عدۃ)	وَجَاءَ كُرْهُ التَّائِبِينَ فَدُودُ خَوْفِ مَا
چکھو کہ نہ نکو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔	لِلظَّالِمِينَ مَنِ تَصْبِرْ (فاطر پارہ ۲۷)



## باب چہارم

### حشر روحانی اور تناسخ

حشر روحانی بہشت اور اس کا سامان بہشتی عورتیں۔ تناسخ۔ اختلاف حالات اور تناسخ۔ کوئی درجہ اختلاف سے خالی نہیں ہو سکتا۔ روح جسم سے پہلے موجود نہیں ہوتی۔ بعض پیدائشی میلان مختلف ہوتے ہیں۔ اثر پیدا ہونے کی صورتیں۔ عام طور پر اثر کا تفاوت۔ انسانی خیالات کا آثار چھاؤ۔ جذبات کا اثر نسل پر۔ دو لطفون کے اختلاف کے لیے مروتی اسباب ہو سکتے ہیں۔ خدا کی خالقیت اور روح کی تقدست وغیرہ سمات کو تناسخ کا تعلق چاند سورج اور مادہ کے بار بار آنے کو تناسخ کا ثبوت۔ منطرق کی تین پسلیں تناسخ پر۔ تیسری دلیل سے تناسخ کو تعلق نہیں۔ دوسری دلیل درج سے ناقص ہے۔ صدر سے عند کا پیدا ہونا عام قاعدہ نہیں۔ خدا کا خدا کی طرف آنا۔ زندگی اور موت پر جاری نہیں ہو سکتا۔ اس عالم میں روح کا دوبارہ جسم میں آنا خلاف عقل ہے۔ درجات کی ترقی سے اثر میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ مذہبی ترقی کا اثر نیچے کے درجات کو فائق ہونا چاہیے۔ عبادت کا مفید طریق۔ دنیوی بلعندالی کو مذہب بھی عقل کی طرح برا کہتا ہے اس لئے کہ یہ ان کے کاروبار مذہبی ترقی کے وسائل ہیں۔ مذہب کی خاص اپنی ترقی دنیوی نیک اطوار سے بالاتر ہے۔ مذہب کی خاص اپنی ترقی کا اثر بھی دیگر ترقیوں سے بالاتر ہو گا۔ مرنے کے بعد قیامت کا انتظار باعث تکلیف نہیں ہو سکتا۔

حشر روحانی | جیسے ایک ناویدہ ہستی کا یقین انسانی فطرت میں داخل ہے اسی طرح آئندہ نسبت کا اعتقاد بھی ہمیشہ سے انسان کا طبعی میلان رہا ہے اور جس طرح عقول بشری کی آمیزش سے ناویدہ ہستی کے متعلق کئی طرح کے عقیدے پیدا ہو گئے ہیں اسی طرح آئندہ نسبت کو بھی کئی شکل سے مانا جاتا ہے چنانچہ ان میں سے ایک مشہور عقیدہ جس کو فلسفیانہ اور عقول سمجھا جاتا ہے یہ ہے کہ آئندہ عالم مادی نہ ہو گا بلکہ ارواح اپنی تجرید و مالت میں ہمیشہ قائم رہیں گی اور خدا سے قریب یا بعید ہونے کی وجہ سے کسی اور طرح ترقی و تنزل کر نیگی گویا ان لوگوں کے خیال میں مادی طاقتوں کے ختم ہوجانے پر یا موجودہ

اصطلاح کے مطابق آفتاب کی انرجی صرف ہو جانے پر قوت کا کوئی اور چیز نہ موجود نہیں جس سے دنیا کا سلسلہ جاری رہ سکے۔ اور جس طرح زمین کے سرد ہو جانے پر آفتاب کی حرارت نے اسکو ابھی تپتی دی تھی اس طرح تمام نظام شمسی کے سرد ہو جانے پر کوئی اور نور اسکو گرم کرنے کے قابل نہ ہو گا اور چونکہ ہم مادی آفتاب کے زیر اثر ہر کسی اور چیز پر کوئی چیز نہیں سکتے اسلئے گویا یقین ہے کہ واقعہ میں ہی نور کا صرف یہی اثر ہے نہ غرض اس خیال کے مطابق لازم آتا ہے کہ اس مادی عالم کی حرارت جب تک مستقل طور پر ایسی میں موجود رہے اور خدا کی طرف سے اس کا فیضان نہیں ہوا اسلئے جب یہ ذخیرہ ختم ہو جائیگا تو مادہ کسی اور نور سے متور نہ ہو سکیگا۔ اور خدا کا تعلق اگر کچھ ہے تو وہ عالم ارواح ہے اور اس لئے ارواح خدا کے نور سے یا اپنی قطری قوت سے ہمیشہ قائم رہ سکیں گی غرض جو لوگ خدا کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور صرف اسی عالم کو مانتے ہیں ان کے دلائل اس فرقہ کو ایسے سلم ہیں کہ وہ مادی حشر و نشر کو تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہونے اور اسلئے ایسے لوگوں کا مذہب ہیلاں قابل تعریف ہو کہ اہل عقل کے مفروضہ عقائد اسلئے تسلیم کرنے کے باوجود مرنے کے بعد یہ عالمی طور پر موجود رہنے کے خیال سے مذہبی عقیدے کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اگر خدا موجود ہے اور اگر اس نے عالم کو موجود کیا ہے تو پھر مادی قوت صرف ہو جانے کے بعد مادہ کے بیکار رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ جس طرح کسی ملک پر تصرف کرنے کے لئے پہلے فوج کوجا بجا پھیلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور تصرف ہو جانے کے بعد اسکو مختلف چھاؤنیوں میں بٹھیرا جاتا ہے اور اس میں ہو جانے پر چھاؤنیوں کی تخفیف شروع ہوتی ہے۔ ہتھیار اگر مالک میں رہتا ہے وراثت کی عام اور کامل ہو جاوے تو ان وسائل کی ضرورت نہیں اور صرف مرکز سلطنت کی قوت میں تنظیم کے لئے کافی ہو سکتی ہے یہی صورت اس نظام کی نظر آتی ہے کہ اسکو عدم سے جو بین لائیکس لئے نور کو جبکہ منتشر کرنے کی ضرورت تھی اسلئے اس قوت تمام فضائیں انرجی کو پھیلاتا گیا۔ اسلئے بعد وجود کو ترقی دینے کیلئے نور کو مختلف مرکزوں میں جمع کرنے کی ضرورت تھی اور اس لئے ثواب اور سیاروں کا سلسلہ جاری ہوا۔ اب جبکہ تمام بیرونی مرکزوں سے نور کو واپس لیا جائیگا

اور ایک مرکز وحدت کے سوا کسی قوت کا ظہور نہ رہیگا تو وہ وہی وقت ہوگا جبکہ ابتدائی مرحلے طے ہو چکے ہوں اور مرکز وحدت کے اثر سے مادہ اعلیٰ تر شکلیں اختیار کریگا۔ اور دوسری جانب ہم دیکھ چکے ہیں کہ جسم کے بغیر روح جس طرح کے ترقی کرنے کی کوئی صورت نہیں اور اسی لیے اس کو یہاں جسمانی وسائل عطا کئے گئے ہیں تو جس وقت آئندہ مادہ کی اعلیٰ تر شکلیں موجود ہوں گی اس وقت روح کا ان شکلوں میں ظاہر ہو کر ترقی کرنا اور بھی سہل ہوگا اور اس طرح پر معلوم ہوا کہ روحانی حشر ملنے والے کا اندیشہ کہ مادہ بیکار ہو جائیگا بے بنیاد ہے اور انکا عقیدہ کہ روح مجرد ترقی کرے گی بے ثبوت ہے اور اس کے خلاف جسمانی حشر کا عقیدہ بتا رہا عالم کے مطابق اور قرین قیاس ہے۔

بہشت اور آسمان | انوس ہے کہ روحانی جزاؤں والوں کی طرف سے کوئی ثبوت دیکھنے میں نہیں آیا کہ کسی نسبت غور کیا جاتا اور انکی جس قدر قوت ہو وہ جسمانی حشر پر اعتراض کرنے میں مضرت ہوتی ہے اور اعتراض بھی اگرچہ ظریفانہ مذاق کو پورا کرے سو زیادہ قیمت نہیں رکھتے مگر چونکہ ان بزرگواروں کا یہی عطیہ ہے اسلئے ہمیں ہی ان کو لطف اٹھانے میں دیر نہ چاہئے یہ دکھانے کے لیے کہ جسمانی حشر و نشر انسان کی اپنی طبیعت کا اختراع ہے۔ سو انکی دیکھنا نہ فرماتے ہیں کہ

”عرب میں پانی کا قحط ہے اسلئے عربی سفیر نے ایسا بہت اوجا دیا کہ جہن مملوک کے نیچے دریا بہتے ہوں میرے وطن میں بکثرت سیلاب آتے ہیں تو میں اور پانی کی بہت افراط ہے اسلئے اگر میں یا یورپ واسے بہشت کا خیال بلند ہوتے تو یہی جگہ فرض کرتے جہاں سالوں میں کبھی ایک بار آدھ دروغ باثر ہو“

اس اعتراض میں ظاہر کیا گیا ہے کہ جو آسائش کا سامان بہشت میں فرض کیا گیا ہے وہ خود دنیا میں آسائش کا موجب نہیں چنانچہ جن کو اس سے سابقہ پڑا ہے وہ اسکی تکلیف سے تنگ ہیں اسلئے بہشت میں جہاں کوئی تکلیف نہ ہونی چاہئے یہ صورت کیونکر ممکن ہوگی ؟ اور بیشک دریاؤں کی کثرت اور سیلابوں کا زور جس ملک میں ہو وہاں والوں کیلئے ایسا ہی باعث غائب ہو جیسے آتش نشانی یا زلزلہ اور ہولناکیوں سے کسوی جی ایسی تکلیف میں رہے گئے۔ مگر حقیقت میں دریا اور جزیرہ اور نہر کا لفظ جو قرآن میں مذکور ہے اوستی رکھتا ہے۔ دریا اس روانی کو کہتے ہیں جو اختیار میں نہ ہو اور انکو نہر سے

جس طرف رخ کرے رکاوٹوں کو دور کرتی ہوئی نکل جائے مگر اسکے خلاف نہر کی روانی اپنے اختیار میں تھی ہے اور اس کا پانی جہاں ضرورت ہو اپنی مرضی سے پہنچایا جاتا ہے۔ اور یہی ترجمہ کا ذرا سا تقاضا ہے جس سے مضمون کو بہتر بنانے میں کامیابی ہوئی ہے چنانچہ دیا اگر اپنے گرد نواح کو فائدہ پہنچانا ہے تو سیلاب کی وقت نقصان بھی بہت کرتا ہے مگر نہر کے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ بلکہ پانی بہم پہنچانے کی سب سے مکمل صورت ہی یہ ہو سکتی ہے اور موجودہ تہذیب نے اس طریقہ کو بہت نامک ترقی دی ہے کہ صرف زمین میں نہالیاں کھود کر پانی کو نشیب کی طرف لانے کے علاوہ زمین اور نلکوں کے ذریعہ سے چوٹی چوٹی نہریں گھر در گھر کے کونے کونے تک پہنچائی جاتی ہیں اور جو راحت اور سائش اس تہذیب سے پیدا ہوتی ہے وہ آب رسانی کے کسی اور طریق سے ممکن نہیں اور سو ہی جی کے وطن کی نسبت تو ہم کہہ نہیں سکتے شاید وہاں والوں کو پانی کی جھلک بھی ناگوار ہو۔ مگر اور سب جگہ نہر کی مختلف شکلیں بالضرورت راحت اور آسائش کا موجب ہیں اور خود برہمن اس طرح کی نہریں کئی کئی منزل کے بالاخانوں تک پہنچتی ہیں اور جو لوگ ان کے فوائد سے آشنا ہیں اگر وہ اس حالت میں نہ رکھے جائیں تو یقیناً اپنے تئیں دوزخ میں سمجھیں۔ غرض دنیا میں کوئی ملک ہو راحت اور خوشحالی کا سامان اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا کہ عالیشان مکان ہوں۔ پائین باغ ہوں اور پانی ہر جگہ آسانی سے آسکے اس لئے یہ اعتراف کہ بہشت میں جو سامان بیان کیا جاتا ہے وہ دنیا میں آسائش کا موجب نہیں بالکل غلط ہے۔

رہی یہ بات کہ آیا بہشت میں بعدیہ دنیا کے سے باغات اور نہریں ہوں گی؟ سو اس کی کیفیت ہے کہ بیشک جہاں حشر ہے جس کو عقل تسلیم کرتی ہے اور جہاں حشر ہے جس کا اسلام کو اعتراف ہے

قَالَ مَنْ يَحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ عِظٌ قُلْ

يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ يُزَيِّدُهَا

انسان کہتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا

کہہ دو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا ہے۔

مگر اس عالم میں قوت بالواسطہ اور محدود و مقدر میں اور خاصیت سمجھنا وہ پر عمل کرتی ہے اور آئندہ عالم کا وہ وقت ہو سکتا ہے اور ہو گا کہ اسلام تسلیم کرتا ہے جبکہ غیر محدود و قوت بیواسطہ اور بی سمت جودہ کرے گی

وَلَا تَرْقُوتُ إِلَّا بِإِذْنِ رَبِّكَ... وَتَقْضَىٰ  
بَيْنَهُمْ بِالنَّحْيِ وَهُمْ لَا يَظْلَمُونَ (نور پارہ ۷ ع ۱۰)

اور زمین اپنے خدائے نور سے چمکیگی... اور لوگوں کا  
حق فیصلہ ہوگا۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

اسلئے اس وقت کی تمام کیفیتیں نبوی فہم اور اک سر بالا ترین۔

فَلَا تَكْفُرْ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ  
أَعْيُنٍ مِّنْ دُونِهَا (سجدہ پارہ ۱۷ ع ۱۰)

کوئی شخص نہیں جانتا جو راحت ان کیلئے مقدر ہے

اور انکی نسبت صرف اسی قدر کہا جاسکتا ہے کہ جو سامان اس وقت کیلئے مطلوب ہوگا وہ دنیا  
کی ترقی یافتہ مخلوق کو باظراط میسر آئیگا جس طرح یہاں کی ترقی یافتہ مخلوق کو یہاں کا سامان باظراط میسر  
وَقَدْ هَمَّتْ أَنْ تَكْفُرَ بِالْآلِهَاتِ... (نور پارہ ۷ ع ۱۰)

اس میں ان کو ملیگا جو دل چاہے اور انھیں کو  
بجلا معلوم ہو

اس کے بعد جو باغات اور نہروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو نہیں کہہ سکتے کہ ایسے ترقی یافتہ عالم میں ایسی دنیا  
کی کسی نہر میں اور باغات ہونگے لیکن چونکہ وہ عالم ہوگا جسمانی اسلئے ضرور ہے کہ کسی کسی شکل کے  
جسمانی لوازم و امان موجود ہوں اور جسمانی ہونے کی وجہ سے یہاں کے جسمانی لوازم سے یک گز نہ ہٹتا  
رکھیں۔ پس وہ نہایت اعلیٰ ہوں اور یہ نہایت اونی مشابہت کی وجہ سے ان کے لہو یہاں کے  
الفاظ استعمال کرنے جائز ہونگے اور یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بہشت میں محل ہونگے باغات ہونگے اور ہر طرف  
نہرین جاری ہونگی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کے کسی دیہاتی کے سامنے جب یورپ کی وگنٹ اور فٹن اور  
موٹر وغیرہ سینکڑوں فٹن کی سوار یونین سے کیسا ذکر کرنا ہو تو دیہاتی کی زبان میں چونکہ صرف ایک کھٹکے  
یا پہلی کا لفظ موجود ہے اور وہ یورپ کے مختلف الفاظ کو سمجھ نہیں سکتا اسلئے اس کے سامنے تمام  
سوار یونین کے لئے گاڑی اور پہلی ہی کہنا پڑتا ہے خواہ اس وقت کوئی شمع طبع بھیجتی اڑاے کسی  
جو نیکی سبب پہلی کے سوا اور کچھ دیکھا نہیں اسلئے یورپ میں اسی قسم کی پہلیاں فرض کرتا ہے  
کہ کہنے والے کو سننے والے کی سہ ماہ کے موافق گفتگو کرنی ضرور ہے اور سننے والے کے دماغ میں

اور کوئی لفظ نہیں اسلئے پہلی ہی کہنا پڑتا ہے۔ او۔ دیہاتی کی عقل یورپ کی سواریوں کا خیال قائم کرنے سے جس قدر کوتاہ ہے یہاں رالون کی عقل انجمنی کیفیت کو شخص کر نیکی لیا اس سے بہت زیادہ اقبال ہے پس ان کیفیتوں کو یہاں رالون کے سامنے قربانات اور نہروں کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے تو سمجھنا چاہئے کہ جس قدر پہلی سے یورپ کی کاڈیان اعلیٰ ہیں یہاں کے قربانات اور نہروں سے وہاں کا سامان اس سے بہت زیادہ برتر ہو گا اور یہ الفاظ کا تصور ہے جسکی وجہ سے صرف اتنے اظہار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

نعرہ اس موقع پر سوای جی نے نہر کی بجائے دریا کا لفظ رکھ کر اپنے کچھ کو ایک ظرافت آمیز فقرہ سے مزین کیا تو اچھا ہوا کہ فقرہ اور چہرہ کی آواز سے جو مسرت ایک ظریف کو حاصل ہوا کرتی ہے وہ سوای جی کو بیشتر آئی۔ لیکن اگر انصاف پسندی کا ذوق ظرافت کے اشتیاق پر غالب ہوتا اور نہر کے لفظ کو دائرہ کس اور پیسے ترجمہ کیا جاتا تو دیکھتے کہ عموماً محل اور بلخ اور نہرا در نہر کی تہرئی یا شطابین اس عالم کی سب سے بڑی ضرورتیں ہیں اور معلوم ہوتا کہ اسلامی بہشت میں نہروں کا ذکر اسلئے نہیں کہ عرب میں پانی کا کال تھا بلکہ شکل ہی ایسی ہے کہ بہشت کی اعلیٰ راحت کو ظاہر کرنے کے لیے ویزی سامان میں اس سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ اور اگر یہ اس ترجمہ چسپینڈ کا شور بلند نہ ہوتا لیکن است بیانی میں جو روحانی لطف جو وہ ضرور خوش وقت کرتا۔

بہشتی عورتیں | اسی سم کا وہ اعتراف جسکی تم ظریف نے بہشتی عورتوں کی نسبت کیا ہے کہ انکی وجہ سے بہشت رنڈیوں کا چمکا یہ معلوم ہوتا ہے۔ گویا عورتوں کی وجہ سے بہشت نفسانی براعتوں کے سوا اور کسی مصرف کا نہیں۔ حالانکہ عورتیں اس دنیا میں ہی پیدا کی گئی ہیں اور پھر یہی دنیا جسے ہمیں ربکا انسان نے ہزاروں قسم کی جسمانی اور روحانی تزیینات کی ہیں اور جو ترقی کرنے والے ہیں ان کے لیے عورتوں کی مخالفت کوئی مزاحمت نہیں کرتی بلکہ ان کے جانیہ تعلقات اور یہی حوصلہ افزائی اور اطمینان کا باعث ہوتے ہیں۔ بیشک ایک زمانہ تھا جبکہ عورتوں کو محض نفسانی خواہش پوری کرنے کا آلہ۔ تمام برائیوں کا حشر تھا اور تمام انسانی

کمالات و محروم نہ ہونا تھا اور اس لئے ان وقتوں میں جو لوگ کہ بقدر فلسفیانہ دماغ رکھنے کے سبب انسانی بے اعتدالیوں کو بڑی نظر سے دیکھتے تھے مگر وحشیانہ زمانہ کے اثر سے عورتوں کی اصل قدر و قیمت نہیں سمجھ سکتے تھے اسی تعلیم میں اکثر عورتوں سے نفرت دلوائی گئی۔ بے اور ان کو قطع تعلیق کرنا باعث ترقی اور موجب نجات ٹھہرا گیا ہے۔ اور وہی سلیم ہے جو اگرچہ علما نہیں مگر اعتقاد اکثر لوگوں کے دلوں پر آج تک قبضہ کئے ہوئے ہے چنانچہ جو شخص ہی خیال رکھتا ہے اور عورت کے لفظ کو شرارت کا مرادف سمجھتا ہو وہ بیشک بہشت میں عورتوں کے موجود ہونے سے اسکو ہڈیوں کا چکلا سمجھنے میں مجبور ہے۔ مگر اس کے اچھے دماغ کا قصور ہو گا۔ اور ایسا وحشیانہ اعتقاد رکھنے والے میں کوئی عالم عورتوں کے وجود سے چکلا نہ بجا بیگا۔ کیونکہ حقیقت میں عورت کو بھی وہی دل و دماغ اور ہر طرح کے کمالات کی قابلیت دہی ہے جو مرد کو حاصل ہے۔ اور عورت مرد کے ہموار ہمارا اور تمام اغراض درست میں بکلی متحرک خیال ہونے کی سبب مرد کا عورت کی جائز رفاقت میں بدی میں مبتلا ہونا ایک طرف خود ہی فاقہ دشمنیالات اور نامناسب خواہشوں کو روکنے میں اور ہر طرح کی خوبی اور برتری حاصل کرنے میں ایسی مدد دیتی ہے جو مرد کے لیے مرد کی رفاقت میں ممکن نہیں اور اسکی محبت میں جس قدر بے اعتدالی اور کج روی کا اندیشہ ہے اسکا الزام عورت کی ذات پر نہیں بلکہ ان بے عادتوں پر ہے جنہیں مرد ہی ایسا ہی مبتلا ہوتا ہے جیسے عورت۔ اور جہاں یہ عورت ہو بلکہ پاکیزہ عورت کسی مرد کی ہمشیر ہو تو اسکے اثر سے مرد کو بھی بڑی حد تک پاکبازی کی ترغیب ہوتی ہے اور اگر دونوں نیک بناوہ ہوں تو ان کے لیے خود ہی دنیا بہشت کا نمونہ ہے اور ایسا کونیہ اخلاقی اور روحانی کمالات کے اس معراج کو پہنچ سکتا ہے جو تجربہ میں بسکر کر نبیوں کے کمالات میں نہیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں کے لمیں اکثر بد خیالات کا ہجوم رہتا ہے مگر نیک عورت کی رفاقت میں ایسے خیالات گزر نہیں پاتے اور تڑا تر قلبی توجہ روحانیت اور عالم بالا کے مشاہدہ و مراقبہ میں صرف ہو سکتی ہے۔

پس حقیقت یہ ہے کہ عورت کا عنصر انسانی ترقی کیلئے ایسا ضروری ہے تو بہت جہاں



ترقی کا گھر ہے اس میں عقیقہ عورتوں کا وجود کیونکر نفسانی بے اعتدالیوں کا باعث ہوگا اور کیا وہ ہے جس سے وہ چمکا کہلائیکا مستحق ہے اور اگر کسی تارکین نے میں ایسا اعتراض صحیح سمجھا جانا تھا تو آج جبکہ زمانہ عورت کی قدر و قیمت کو بخوبی سمجھ چکا ہے اور

هُنَّ لَيَا سَيِّئَاتُكُمْ وَأَنْتُمْ كِلَابٌ لِّسَانُكُمْ ط عزمین تمہارا لباس میں اور تم ان کا لباس ہو

(تقرہ پانچواں ۲۳)

کی آواز جو ایک عرصہ تک غیر مانوس سمجھی جاتی رہی ہے اب اسکی صداقت سے کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا اس وقت عورتوں کے وجود سے بہشت کو چمکے کا خطاب دینے والے نہیں معلوم کس زمانے کی توجہ اپنے جسم میں رکھتے ہیں

انتباہ | آئندہ ولایت کے متعلق روحانی جزا و سزا کے بعد ایک اور احتمال قابل غور ہے اور وہ یہ کہ یہاں کی نیک و بد جزا و سزا کیلئے اسی جہان میں پیدا کئے جاتے ہیں اور اپنے اعمال کے مطابق نیک یا بد حالت میں رہتے ہیں۔ اس احتمال میں حشر جہانی فرض کیا گیا ہے اور جس طرح روحانیت کے حامیوں کو مادہ کی موجودہ شکل کے تباہ ہونے پر اسکی آئندہ ترقی سے انکار تھا اسی طرح ان کو گویا کو بھی یہ مسلمہ نہیں ہے مگر وہ مانیت واسلۃ ولایت کے بعد روحانی فضائیں ایسا بلند آواز ہیں کہ فہم و ادراک کی تمام گرفتوں سے پرے نکل جاتے ہیں اور یہ لوگ اپنی جگہ پر ایسے جکر بیٹھے ہیں کہ آئندہ کے لیے ہی کہیں اور جانا گوارا نہیں کرتے اور پہنچنے والوں کو دونوں کے خلاف اس نظام کے بعد ایک اور نظام کو قرین قیاس سمجھا ہے تو اسلئے کہ ہم مادہ کے انقلابوں سے تسلیم کرتے ہیں کہ ایک دن یہ نظام ختم ہو جائیگا اور قوت کو مادہ میں حرکت کرتے ہوئے اور بند رنج اسکی بعض اجزا کو چھوڑ دیتے ہوئے اور مرکز کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ قوت اسی رفتار سے ایک دن اپنے اصلی مرکز پر جا کر ٹھہریگی اور مرکز اگر دائمی ہے تو اس وقت قوت کا فیضان بھی ایک حالت پر قرار پایا گیا۔ اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اجزا سے قوت کے خارج ہو جانے پر مادہ کی حالت بدلنے پر واقعہ میں کوئی تباہی واقع نہیں ہوتی بلکہ مادہ آئندہ انقلاب میں پہلی صورت کے مناسب حال کوئی اور اعلیٰ شکل میں

جلوہ کرتا ہے اور اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جس مادہ کے انسانی شکل تک متقی کر لی ہے وہ آئندہ اس نسبت کے مناسب حال اور لطیف تر شکل اختیار کرے گا۔ اور اس سلسلہ خیال سے ہمیں سمجھنا ہے کہ۔

نہیب کی طرف سے جو جسمانی حشر و نشر کا دعویٰ پیش ہوا تھا اس کے لیے دنیا میں قراین اور علامات موجود ہیں اور چونکہ روحانی حشر کے لیے کوئی ایسا ثبوت پیش نہیں ہو سکتا اس لئے ہمیں اس پر یقین کرنے سے معافی مانگی تھی۔ اب جو یہ دوسرا دعویٰ پیش کیا جاتا ہے تو اس پر بھی یقین جہی ہو سکتا ہے کہ مناظر قدرت اسکی شہادت دین اور ضرور ہے کہ جو ثبوت پیش کیا جاتا ہے اس میں غور کیا جائے اور چونکہ روحانی جزا و سزا کی نسبت ثبوت پیش نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اسکی نسبت فیصلہ بھی مختصر تھا مگر اس دوسرے احتمال کو ماننے والے اسکے ثبوت پر بہت کم زور دیتے ہیں اس لئے روحانیت کی نسبت ہمیں کسی قدر تفصیلی بحث ہو سکتی ہے۔

اختلاف حالات اور نتائج | چنانچہ مناظر قدرت میں سے انسانی حالت کا تفاوت ان لوگوں کے نزدیک اس مسئلہ کا بین ثبوت ہو اور وہ کہتے ہیں کہ بنی نوع انسان ایک دوسرے سے بہت مختلف اور متماثل حالات رکھتے ہیں بعض غریب ہیں بعض امیر بعض بیوقوف ہیں بعض عقلمند بعض مریض ہیں اور بعض تندرست۔ اور یہ اختلاف حالت ضرور کسی نہ کسی پہلائی یا بُرائی کا عوض ہے ورنہ خدا تعالیٰ جان حالات کا خالق ہے ظالم ٹھہرتا ہے۔ اور ان میں سے وہ حالات جو بعد از سن رشد پیدا ہو ہیں انکی نسبت گمان ہو سکتا ہے کہ وہ اسی زندگی کے علون کا نتیجہ ہیں۔ مگر جو طفولیت میں پیش آتے ہیں یا مادرِ ولہو ہوتے ہیں ان حالات کو اس زندگی کا نتیجہ نہیں کہہ سکے پس ضرور ہے کہ اس زندگی سے پہلے کوئی اور زندگی ہوگی جس کے اعمال کی جزا و سزا اس زندگی میں دی گئی اور اسی طرح احوال موجودہ کی مکافات کسی آئندہ زندگی میں ملیگی اور یوں آمد و رفت کا ایک غیر متناہی سلسلہ ثابت ہوتا ہے۔

اس دلیل میں فطری اختلاف کی علت تلاش کرنے کے لیے اس نسبت سے پہلا اور کوئی وجہ اختلاف ہو  
خال نہیں ہو سکتا۔  
نسبت فرض کی گئی ہے اور چونکہ اس نسبت کو بھی بغیر مختلف حالات کے تسلیم

نہیں کر سکتا اسلئے اس سے پہلے اور زیست مانی گئی ہے اور یوں پیچھے کو مسلسل بڑھ گیاں جاتے  
 ہوئے جب یہ وقت پیش آئی کہ خود زمین اور یہ نظام قدیم ثابت نہ ہو سکا اور ایک وقت پر اس کا آغاز  
 ماننا پڑا اور آقا ماننے سے ایک وقت پر انسان کا اول دفعہ مختلف حالتوں میں پیدا ہونا لازم آیا  
 تو اس قریب سے پہلو اور عالم فرض کئے گئے اور مانا گیا کہ اسی طرح کے انسانی آبادیاں پہلے ہی ہوتی آئی  
 ہیں جن کی وجہ سے ان عالم کے تباہ ہونے پر آئندہ عالم میں آباد ہونی گئیں اور امتحانات کو اپنے ساتھ  
 لیتی آئیں لیکن ایک شکل امر کو واقعہ فرض کر لیئے کے بعد جو اورتین پیش آتی ہیں ان کے لیے شکل  
 سے شکل تیز دعویٰ کا بے ثبوت ماننے جانا اور بات ہو ورنہ عقل اور نیز مذہبی طور پر دیکھتے ہوئے قدیم  
 حملہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور جن لوگوں نے اپنی فیاضی سے قدامت کے منصب کو تقسیم کرنا  
 چاہا ہے وہ بھی خدا کے ساتھ مادہ کو یا زیادہ سے زیادہ روح کو اس فخر میں شریک کر کے ہیں۔ اور ان میں  
 کے سوا مادہ کی مختلف شکلیں اور ارواح اور مادہ کے مختلف تعلقات خواہ کیسے ہی دیرینہ اور مسلسل  
 ہوں مگر ان کے حادث ہونے میں شک نہیں اور اول تو ان کا مرتب ہونا خود ہی حادث کی دلیل  
 ہے اور دوسرے روح اور مادہ کو قدیم ماننے خدا کی خدائی اور اس کا خلقت تصرف ہی صرف یہ ہے کہ مادہ  
 کو مختلف شکلوں میں جلوہ گر کرے اور ارواح کو مادہ کے ساتھ ملا کر انواع و اقسام کی مخلوقات بنا  
 اور اگر اس فعل کو ہی قدیم اور نامخلوق مانا جاوے تو دنیا کو خدا سے کوئی تعلق نہیں رہتا پس خواہ اس  
 عالم سے پہلے ہزاروں بلکہ لاکھوں اسی طرح کی انسانی آبادیاں فرض کی جائیں ایک وقت ضرور تسلیم  
 کرنا پڑتا ہے جبکہ خدا نے مادہ اور روح کو اسے قدیم سکون اور راحت سے نکال کر اس سلسلہ کو جاری کیا ہوگا  
 اچھا تو اس وقت جبکہ ارواح کو اجسام میں پہلی دفعہ آنے کا موقع ملا ہوگا چوں کہ کوئی گذشتہ نہ تھا جسکی وجہ  
 سے وہ مختلف حالتوں میں ظہور کریں اسلئے اس وقت نہ غربت اور امارت کا تفاوت ہوگا نہ نادانی اور  
 دانائی کا اور نہ ضعف و توانائی کا بلکہ حیوانوں کے اندر بھی چونکہ انسانی زمین مافی ہا میں جو دنیا  
 بر تعالیٰ کے سبب ان حیوانوں میں داخل کی گئی ہیں اور اس ذلیل حالت کو ٹھیک رہی ہیں اس لیے اس  
 وقت کیفیت بھی نہ ہوگی اور تمام بری اور سبزی حیوانات معذور ہونگے اور چونکہ عورت مرد میں ہی

بڑا تفاوت ہوا اور یہ فرقہ بھی بعض ایسی تکلیفیں برداشت کرتا ہے جن سے مرد کو سابقہ نہیں پڑتا۔ اسلئے اس وقت یہ تفاوت بھی نہ ہوگا۔ غرض یہ کہ اگر حالات کا اختلاف تناسخ کے موجب ہے تو لازم آتا ہے کہ ابتداء سے آفرینش میں صرف عاقل - تندرست - توانا اور صاحب ثروت مرد پیدا ہوئے ہوں گے۔ مگر یہ نتیجہ صریح غلط ہے اس لیے کہ اول تو علوم عقلیہ کی شہادت یہ ہے کہ پیدائش کی ابتدا جب کہیں ہو جو نباتات ہو جو حیوانات ہو جو انسان سب کے بعد پیدا ہوا ہے اور انسان میں ابتدا میں سب ہوا وہی حالت میں تھا۔ اور دوسرے یہ بھی یقین ہے کہ یہی حالت میں وہ مخلوق ہرگز قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ مختلف حالات وہ ہونے سے دنیا کے کاروبار چل نہیں سکتے اور حیوان کے نہ ہونے سے لاتعداد فائدے اور ضرورتیں مفقود رہتی ہیں اور ضرورتوں کو نہ ہونے پر آئندہ حل جاری نہیں ہو سکتی اسلئے بلندین اگر انجی سلق پیدا ہو تو ضرورتاً کچھ مذہبیں تباہ ہو جاتی مگر چونکہ ایسا نہیں ہوا اور انسانوں کا سلسلہ جاری رہا ہے اسلئے تا پرتا ہے کہ ابتداء سے یہ تمام اختلافات جو قیام اور ترقی کے لیے ضرور ہیں موجود ہیں۔

سوچ سمجھ سے پہلے وجود نہیں ہوتا | غرض ہم دیکھتے ہیں کہ حالات کا اختلاف قیام عالم کے لئے ایسا ضروری ہے کہ پیدائش کا کوئی وقت اس کے بغیر فرض نہیں کیا جاسکتا اور اسلئے اسکو گذشتہ زندگی کا نتیجہ اور انسان کے اپنے اعمال کا اثر نہیں کہہ سکتے۔ اور اس موقع پر جو خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کے پھر عمل کے بغیر اسکی حالت کو بہتر یا بدتر بنانا ناظم ہوگا تو یہ خیال پیدا ہونے اور اسکی وجہ تلاش کرنے کی ضرورت اسی لئے واقع ہوتی کہ پہلے اصول موضوعہ کے طور پر ارواح کو اور اجسام کو دو جدا جدا شخص چیزیں مانکر ارواح کے وجود کو قدیم مان لیا گیا تھا اور پھر اکثر اجسام کو ناقص اور عمدہ تربیت کے ناقابل دیکھ کر خیال ہوا تھا کہ ان ارواح کا کیا قصور ہے جو ایسے اجسام میں داخل کیگئیں اور ان ارواح میں کیا خوبی ہے جو عمدہ اجسام رکھی گئی ہیں۔ اور پھر یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ شاید ارواح کے اپنے نیک و بد اعمال ہوں گے جنکی جزا و سزا اس شکل میں دی گئی اور چونکہ اعمال جسم میں داخل ہونے کے بغیر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے موجودہ زندگی سے پہلے اور جانی زندگیان فرض کیگئی تھیں۔ مگر علاوہ ان تمام اختلاف

کے جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں حقیقت میں یہ اصول موصوفہ ہی غلط ہے اور بیشک جسم میں روح کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا لیکن یہ کہ وہ جسم سے پہلے موجود تھی یا یہ کہ تقدیم سے پہلے عقل کا فیصلہ کیا خلاف ہے۔ یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ تقدیم ایک سے زیادہ ہونہیں سکتے۔ راجح ارجح کا اجسام سے پہلے پیدا کیا جانا اور چیر جسم میں داخل کرنا اس کی نسبت امام غزالی علیہ الرحمہ قرآنی آیت فَاِذَا سَوَّيْتَهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (جبرائیل علیہ السلام) جب ہوا سے بنایا اور ماہن اپنی روح پہنکی رکھی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

”اور راجح اگر جسم سے پہلے موجود ہوں تو بارہ ایک ہی روح ہوگی یا بہت ہوں گی۔ اگر ایک ہو اور وہی تمام جسم سے تعلق رکھنے کو چاہئے کہ جو اوصاف و قادات زید میں ہوں دی عمر میں ہوں حالانکہ یہ غلط ہے۔ اور اگر بہت ہوں تو اس صورت میں وہ یا ایک دوسری سے مشابہ ہوں گی یا متضاد لیکن کوئی وجہ نہیں یا ہم مشابہ ہوں اور پھر دوسرے میں یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے ان میں مخالفت بھی ہو۔ مثلاً ایک ہی مقدار کی سیاہی دو جسموں میں ہو تو ان پر مقدار کی جہت سے وہ ہم مثل ہے اور دو جسموں میں ہونے کے سبب دو سیاہیاں کھلائی میں یا ایک ہی جسم میں ایک دفعہ ایک سیاہی موجود ہو اور دوسرے وقت میں دوسری تو سیاہی ہو جانے میں وہ دونوں ہم مثل ہیں اور زمانہ کے اختلاف سے وہ ہیں۔ یا ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پر جو سیاہی موجود ہے اگر ہم وہ میں اس کو تقسیم کر دیں تو سیاہی ہونے کی وجہ سے ہم مثل اور ان میں بائیں جانب واقع ہونے کی وجہ سے اسے دو ٹکڑے کہہ سکیں گے لیکن اگر کوئی چیز ایک ہی وقت میں ایک ہی جگہ پر موجود ہو اور تقسیم بھی نہ ہو سکے تو وہ کسی طرح دونہیں ہو سکتیں پس ارواح بھی اگر اجسام سے پہلے موجود ہوگی تو متعدد اسی صورت میں ہو سکتی ہیں کہ بالکل ہم مثل نہ ہوں اور کسی کسی وجہ سے باہر کے متفاوت ہوں۔ اب انکو باہر کے متفاوت انکر دیکھنا چاہئے کہ تفاوت دو قسم کا ہے۔ ایک ثابت اور نوع کا تفاوت ہے جیسے آگ اور پانی یا سیاہی اور سفیدی میں۔ اور ارواح میں یہ تفاوت ممکن نہیں کیونکہ دنیا و عرش کی نوع اور ثابت ایک ہی اور ایک لایسوی عرض کا

تفاوت ہوتا ہے جو اہمیت میں داخل نہ ہوں جیسے گرم اور سرد پانی میں۔ اور اوج میں یہ تفاوت بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک اہمیت پر مختلف عوارض اسی صحت میں آ سکتے ہیں کہ آنکھ پر ونی تعلقات مختلف ہوں مثلاً پانی کی اہمیت ایک ہو اور پھر کھاری یا سیٹھا اور گرم یا سرد اور مفید یا مضر وغیرہ صفت جو اسکو عارض ہوتی ہیں تو اسی لیے کہ بیرونی اشیاء اس پر لگ کر تھیں اسلئے اوج میں ہی جو عوارض کا اختلاف پیدا ہو سکتا ہے تو اسی وقت جبکہ وہ اجسام متعلق ہوں اور اجسام سے پہلے چونکہ کوئی تعلق ہو جو زمین اسلئے عوارض کا کوئی اختلاف ہی نہ ہو گا اور جیسا ان کے اجسام سے پیشتر موجود ہونے کی تمام صورتیں لینے ایک ہونا یا متعدد ہونا اور متعدد ہو کر ہم مثل ہونا یا متفاوت ہونا مناسب لیکن ہیں تو اوج کا اجسام سے پیشتر موجود ہونا ہی لیکن انہیں سائبہ جسم میں رکھ کر چونکہ صفائی یا کدورت اور نیکی یا بدی وغیرہ عوارض پیدا ہو گئے ہیں اسلئے جسم سے مفاقت کرنے پر انکا متعدد ہو کر اور ان عوارض کے سبب باہم متغائر ہو کر جوڑ

رہنا ممکن ہے۔

عرض یہ کہ زندہ جسم میں چونکہ روح کے نشانات پائے جاتے ہیں اور اسکا جسم سے پہلو موجود ہونا قرین قیاس نہیں اسلئے ہی کہنا چاہئے کہ جس وقت کہ جسم میں زلیت کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اسوقت حکم ربانی سے جس جسم کے حسب حال روح پیدا ہو جاتی ہے جو چنانچہ امام مہدوی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ روح انسانی اسوقت پیدا کی جاتی ہے جبکہ لطفہ اسکو قبول کرنے کے لئے مستعد ہو اور جب کیفیت ہو تو جیسا کہ اہل حدیث شہود کا خیال ذکر کیا جا چکا ہے انسانی حالت کا بلکہ دیگر تمام مخلوقات کا اختلاف اسی لئے ہے کہ مادہ بتدریج عدم سے وجود کی طرف آ رہا ہے اور اسلئے تمام جہات میں جس جہت میں عدم کا ظہور ہے اسی قدر نقص اور عیب پائے جاتے ہیں اور جس جہت میں وجود میں ترقی ہوئی ہے اسی قدر کمال اور خوبی کا ظہور ہوتا ہے۔

چنانچہ اسکے رو سے اگر انسان اس غلبہ و تکالیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اسی لئے کہ عدم ہونے کے سبب احوال وجود اسکو حاصل نہیں ہوا اور اگر کسی قوم میں ملحدان اور لاپرواہ زیادہ ہوں تو اسی لیے کہ وہ دوسری

تو کم کی نسبت کمال وجود میں اور یہی کم ہے اور ترقی یافتہ اقوام میں بھی بعض افراد بحال صہیبیت  
موجود رہتے ہیں تو اسی لیے کہ ایسا وجود عدم سے نکلا ہو بہمہر وجود کمال نہیں ہو سکتا اور اگر  
بچے جانوں کی نسبت زیادہ تیار ہوتے ہیں تو اسی لیے کہ وہ جوانوں کی نسبت نور وجود سے  
کم نہیں۔ اور اگر کوئی انسان دوسرے کو قتل کرتا یا نقصان پہنچاتا ہے تو اسی لیے کہ وجود  
کی جس قدر تکمیل نوع انسانی میں ہوتی چاہئے وہ ابھی اس حد کو نہیں پہنچا اور اسی طرح انسان  
سے کتر درجات میں جو نقص اور عیب ہیں تو اسی لیے کہ شاہراہ وجود میں وہ اور بھی پیچھے  
ہیں سفر میں جو کچھ نقص ہے وہ اپنی اہمیت یعنی عدم کا ہے اور خدا نے جو سکھ پدیا کیا تو اسی  
کنیز پیدا ہو کر ترقی کرے۔

اور اس بنا پر انسان اور حیوانات میں روح کو پیدا کرنا اور ناقص وجود کو ناقص اور اس سے بڑھا کر  
وجود کو کمال نہایت عطا کرنا خدا کی طرف سے ظلم نہیں بلکہ انعام ہے کہ جن جسم میں کسی قسم کی نسبت  
حاصل کرنے کی قابلیت پیدا ہوئی اسے اسی قسم کی زندگی دیدی گئی یا بالفاظ دیگر سمجھا گیا اسی قسم کی  
روح پیدا کر دی گئی۔ ظلم جب ہوتا کہ مادہ مثلاً نہایت سے ترقی کر کے حیوانی روح حاصل کرنے کے  
قابل بننا مگر اس کو اس ترقی سے محروم رکھا جاتا اور جیسی روح اس درجہ میں پیدا ہو سکتی ہے وہ عطا  
نہ ہوتی۔ یا حیوانیت سے ترقی پا کر وحشی انسان بننے کے قابل ہوتا مگر اس کو حیوانی درجہ سے بڑھنا  
جائز نہ رکھا جاتا۔ یا نطفہ میں قوت بنیائی کے سوا اور تمام قابلیتیں انسانی روح حاصل کرنے کی  
موجود ہوتی ہیں لیکن اس کو نابینا انسان بنانے کی بجائے بیجان نطفہ رہنے دیا جاتا۔ یوں کہنے کو  
تواست کہ اس کا جائیگاہ نہاں کی تکلیف اٹھانی ہے یہی بہتر تھا کہ وہ بیجان رہتا۔ مگر یہ خیالی  
فیصلہ ہے اور انسانی وجود کو خواہ کیسا ہی ناقص ہو بیجان مادہ سے بدتر سمجھنا غلط دعویٰ ہے  
اور ایسا خیال کر نیکی وقت اس اندھے پوچھنا چاہئے کہ وہ اپنی اس تکلیف پر موت کو ترجیح دیتا ہے؟  
جس کا جواب وہ یقیناً اپنی لاش سے دلیکا اور کبھی فنا اور موت پر رہنی نہ ہو گا اور یہی حال تمام  
انسانی حالت والوں کا ہے بلکہ جوانوں تک کوئی بھی اپنے موجود ناقص کے سبب فنا پر رضامند

نہیں ہوتا اور کسی ہی تکلیف ہونا نہیں سہر کر کے کہ موت سے بہتر سمجھتا ہے اور بات یہی ہے کہ خواہ  
اور دن کی نسبت کسی ہی بڑی ہو مگر پھر بھی وہ اچھی چیز ہے جو مخلوق کو علے قدر مرتب نگہی  
اور روح کے نام سے عطا ہوئی ہے۔

بعض سپیداشی میلان مختلف تھے ہیں | سپیداشی فگیٹے کھتے ہیں کہ

اکت انسانوں میں بعض سپیداشی میلان اور غلبتین ہوتی ہیں جو خواہ نیک ہوں یا بد کسی  
تعلیم و تربیت اور کسی تغیب و تخریص سے دور نہیں ہو سکتیں اور ان میں باہم اس قدر  
اختلاف ہے کہ ایک باپ کے دو بیٹے ہیں۔ ایک علم و کمال کی طرف رغبت رکھتا  
ہے۔ اور دوسرا اجالت اور بدی کا مشتاق ہے۔ پس اگر یہ زندگی ابتدائی زندگی  
ہے تو ایسا ملک میں ایک ہی قوم اور ایک ہی طرح میں ایک ہی قسم کی تعلیم و تربیت کے  
ہوتے مختلف میلان کیونکر پیدا ہو سکتے ہیں اور ضرور ہے کہ یہ سب گزشتہ زندگی کے

نتیجہ ہیں

ان پیدائشی صورتیں | یہ باتیں تو وہی ہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے مگر مسبو فگیٹے اپنی معقول  
پسندی سے اختلاف حالات کو دیکھتے ہوئے اسباب کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں اور تلاش کے  
باد جو کوئی وجہ اختلاف موجود نہیں پاتے اور بیشک اگر مادی سبب کوئی نہ ہو اور موجودہ مخلوق  
میں مادہ بہرہ جو مکمل ہو تو پھر اختلاف کا موجود ہونا ضرور باعث تعجب ہو اور انہوں نے ایک  
باپ کے دو بیٹوں کی مثال بھی ایسی پیش کی ہے جس میں دو مختلف شکلیں بظاہر یکساں مادہ ہو  
اور ایک ہی قسم کے حالات میں پیدا ہوئی ہیں اسلئے بہرہ ہی غور کرنا چاہیئے کہ کیا واقعہ میں بات  
اور حالات گرد و پیش میں کوئی اختلاف نہ تھا اور کیا فی الحقیقت اختلاف عادت کے لیے متلاخ  
کے سوا کوئی وجہ نہیں ہو سکتی؟

عام طور پر اثر کا تفاوت | لیکن چونکہ عادت بھی ایک قسم کا اثر ہے اسلئے پہلے ہمیں دیکھنا چاہئے  
کہ عام طور پر دنیا میں اثر پیدا ہونے کی کیا صورت ہوتی ہے اور بیشک ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کچھ



ہے اس میں جو چیز زوال و بجا کے خاک سیاہ ہو جاتی ہے وہ صوب نیز ہوتی ہے ترچہ نیز کھدو کی سب سوکھ کر کھنکھ ہو جاتی ہے۔ ایسے عام اور قوی اثر بھی ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی ایسے اثر بھی نظر آتے ہیں جو بہت آہستہ عمل کرتے ہیں۔ درخت میں پھل پھول اور پتہ وغیرہ کے اجزا باہم پیوستہ ہوتے ہیں مگر درخت کے اندر کی لہریں اور بیرونی واقعات کا اثر ان تک پہنچتا ہے تو سب پر ایک عمل نہیں کرتا بلکہ بعض فرات پر کچھ عمل کرتا ہے اور ان کے ساتھ کے پیوستہ ذروں پر کچھ اور۔ ایک ذرہ شمع شمع رنگ کا ہے تو دوسرا اس کے پاس ہی براق سفید یا گہرا سیاہ۔ کسی لہر نے بعض اجزا کو بگاڑ دیا ہے۔ عفونت۔ فسرگی بلکہ سمیت پیدا کر دی ہے تو قریب کے ذرات جن تک وہ لہریں پہنچی اپنی خوشگوار اور صحت فزائی کی حالت پر قائم ہیں ایک شخص ایسے پھل کا ایک حصہ کھا لیتا ہے تو تکلیف اٹھاتا ہے اور دوسرا دوسرے حصہ سے لذت پاتا ہے اور آگ اور دھوپ کا عام اثر بھی جو ہم دیکھتے ہیں وہ بھی حقیقت میں عام نہیں۔ ہمیں ہی کیا جلنے والی چیز جلتی ہے اور کیسا خشک ہونیوالی خشک ہوتی ہے۔ درخت جن چیزوں کی اجزا میں تری اور خشکی کا تفاوت ہو یا اجزا جزا فاصلہ پر ہونے کے سبب آگ اور دھوپ کے کامل اثر سے متاثر نہیں ہوتے وہ باوجود پیوستہ ہونے کے کبھی بالکل محفوظ رہتی ہیں اور کبھی کم اثر قبول کرتی ہیں اور جزا تاثر آگ اور دھوپ سے پیدا ہوتی ہے وہ بعض فرات میں پورے طور پر نمایاں ہوتی ہے اور بعض فرات اس کے خلاف اپنا پہلا اثر قائم رکھتے ہیں۔ چنانچہ آگ سے پکے ہوئے کھانے میں بعض اجزا قابل مضام ہو جاتی ہیں تو بعض کو کھانے سے ہی معینہ تک نوبت پہنچتی ہے غرض یہ کہ تمام سلسلہ کائنات کا ذرا ذرا تفاوت اگر دیکھنے والی کو حقیر معلوم ہوتا ہے مگر قدرت کا عمل انہی تفاوتوں سے بڑی بڑی مصلحتیں پیدا کرتا ہے۔

انسانی خیالات کا نام چڑاؤ ان واقعات کو پیش نظر رکھنے کے بعد چونکہ انسانی عادات و خصائل کا ذکر ہے اس لئے انسانی خیالات کے آثار چڑاؤ کو بھی دیکھنا چاہئے کہ اس کے دل میں مختلف اور بعض اوقات نہایت مخفی اسباب سے ایسے انقلاب ہوتے رہتے ہیں کہ ابھی کوئی شخص رحم محبت

اور خوف خدا کے غلبہ سے کانپ رہا ہے اور انسانی خیالات میں جو محدود نبوی لہذا مذ سے متغیر ہے اور ابھی فوراً اول میں کوئی ایسی لہر اٹھی ہے کہ ایک طرف دنیا کا لالچ پیٹا ہو گیا ہے دوسری طرف شہوانی خیالات نے غلبہ کیا ہے اور انسان ایسا مغلوب ہو گیا ہے کہ خدا کا وصیان اور انجمنانی غور و فکر سب بھول گئے ہیں اور کوئی دھکیلنے والا اسے گناہ کی طرف دھکیلنے لگتا ہے اور ادھر کسی قوت رندی و سیاه کاری کے خیالات میں غرق ہے مگر وقت ایسی ہیبت طاری ہو گئی ہے کہ تہہ پڑی دیر کے لئے اس کا دل عابد صراحت سے ہی دیا وہ منور ہو گیا ہے اور یہ انقلاب نہ صرف انہی لوگوں کو پیش آئے ہیں جو تہہ پڑی دیر کے لیے کسی خاص خیال میں مصروف ہوئے ہوں بلکہ تمام عمر سیدہ کاری میں بسر کر نیوالے اکثر اوقات ایک آن میں نیکی کی طرف راغب ہو جاتے ہیں اور مدۃ العمر وہ دہ پار سائی کی مشق کر نیوالے دفعۃً اپنے اندر گناہ کا وسوسہ موجد پاتے ہیں اور نہ صرف کہی کہہ مار بلکہ ایسے جذبات دل میں پیدا ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں البتہ مدت تک ایک ہی قسم کی مشق کر نیوالوں میں بخل جذبہ کا علی ظہور ضرور کسی بڑی قوت میں منحصر ہے اور کثرت واقع ہوتا ہے

جذبات کا اثر جسم پر | اور پھر ان جذبات کا اثر دوران خون اور دیگر جسمانی حرکات اور اعضا پر ایسا ہوتا ہے کہ کبھی جسم کانپ اٹھتا ہے اور کبھی لذت یا خوف کی لہر سر سے پاؤں تک جاتی معلوم ہوتی ہے کبھی عرق آتا ہے اور کبھی جسم گرم ہو جاتا ہے یا چہرہ ٹھماتا ہے اور ایسے اثر کبھی زور سے ہوتے ہیں کبھی سہلکے۔ اور کبھی یہ لہر نہ تمام جسم میں پھیل جاتی ہیں اور کبھی خاص خاص حصوں تک محدود رہتی ہیں۔

جذبات کا اثر نسل پر | اور پھر انسانی خیالات کا اثر اسکی نسل پر دیکھا جائے تو انوع وقسام کی حالتیں نہ صرف تبلیی اولاد میں بلکہ اولاد کی اولاد اور انکی نسلوں میں اور قوموں میں راسخ اور قائم نظر آتی ہیں جو کبھی کسی مورث کے قوی اثر سے اکثر فردوں میں نمایاں ہوتی ہیں اور کبھی بعد کے اور اندرونی اور بیرونی اثروں سے مخلوط ہو کر کبھی کبھی اور کسی کسی شخص میں چھائی دیتی ہیں۔

دو نقطہ حیات کے امتداد کیلئے | ان حالات کو مد نظر رکھنے کے بعد غور کرنا چاہیے کہ جس شخص کے ہاں متعدد بیٹے سرورثی اسباب ہو سکتے ہیں

مختلف اوقات میں پیدا ہوئے ہیں وہ شخص خواہ نیک ہو یا بد۔ مختلف جذبات اور وسوسوں کا اس کے دل میں پیدا ہونا بھی ایسا ہی ممکن ہے جیسا کہ اور لوگوں کے دل میں۔ اور ان جذبات کا کسی وقت ایسا قوی ہونا بھی ممکن ہے کہ دورانِ خون اور جسم کے دیگر حرکات پر کم و بیش اثر کرے۔ اور پھر ایسا اثر ان کا اس وقت پیدا ہونا بھی ممکن ہے جبکہ اسکے جسم میں کوئی نقطہ تیار اور صلاح ہو نیچے قریب ہو بلکہ اس وقت بھی ایسی جذبات کا غلبہ کرنا ممکن ہے جبکہ نقطہ اسکے جسم سے خارج ہو رہا ہے۔ اور یہی کیفیتیں اس عورت کو پیش آ سکتی ہیں جس کے رحم میں نقطہ قرار پا تا ہے اور جس کے رحم کے اندر لسانی جسم کا بڑا حصہ بنتے ہیں۔ بلکہ جس وقت تک نقطہ اسکے رحم میں رہ کر کمال کو پہنچتا ہے اس عرصے میں کبھی بڑے جذبہ کا پیدا ہونا اور اثر کا اس کے جسم پر اور جسم کے ساتھ جنین تک پہنچنا اور بھی ممکن ہے اور صرف اسی عرصہ تک بلکہ آیامِ شیرخوارگی تک کے جذبات جو دودھ پلانے والی میں پیدا ہوں شیرخوار تک اثر پہنچا سکتے ہیں اور اس طرح ایک ولادت میں ایک انزا اور دوسری ولادت میں دوسرا اثر پیدا ہونا ممکن ہے۔

یہ تو وہ صورت ہے جبکہ ولادت کا دما نہ مختلف ہو اب اگر ایسی صورت فرض کیا جائے جس میں دو قواں بچے پیدا ہوئے ہیں اور خواہ اسکے ساتھ یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ان دونوں کے نقطہ نے ایک ہی ذرت میں قرار پکڑا ہے تاہم وہ دو ذرات اور ایک اندرے اور ایک نقطہ کے ذرات دوسرے اندرے اور دوسرے نقطہ کے ذرات کی متاثر ہیں۔ اور جس وقت وہ دونوں تیار اور خارج ہو نیچے قریب ہیں اس وقت خواہ ان کے ذرات ایک دوسرے سے متصل واقع ہوں مگر جس ظرف میں ہیں انکی کسی کسی قدر فضا کو چکر کرتے ہوئے اور علامتِ مذاجب دونوں نقطہ مان کے رحم میں اندرون سے ملے ہوں گے اس وقت بھی کچھ نہ کچھ فضا ان سے معمور ہوگی اور وہ دونوں فضا میں

۱۔ تمام بچے پیدا ہونے کیلئے طبی طور پر کوئی خاص مہینہ مقرر نہیں پائی اور کچھ علماء و فزی آلودی تحقیق کر سکتے ہیں وہ یہ کہ عورت کے مہینوں سے ہر مہینہ پر ایک اندر حرکت کر کے رحم میں آتا ہے اور اگر اس وقت حرکاتِ نقطہ اس سے ملتا ہے تو حمل قرار پاتا ہے۔ مگر کبھی کسی وجہ سے ایک مہینہ یا دو مہینوں سے دو اندرے یا شاید دو یا زیادہ بھی رحم میں آجاتے ہیں اور اگر مرد کا نقطہ سب سے ملتا ہے تو متعدد بچے ایک حمل میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

دو نطفوں کے ذرات کو گھیرنے کی وجہ سے دو حصوں میں منقسم ہونگی اسلئے اس وقت بھی ممکن ہے کہ ماں یا باپ کے دل میں کوئی جذبہ پیدا ہو اور جسم پر اثر کرے اور اسکی لہر زمان تک اگر ختم ہو جائے تک فضائیں ایک نطفہ یا ایک اڈے کے ذرات موجود ہیں اور دوسرے نطفہ یا دوسرے اڈے کے ذرات تک وہ اثر یا شکل نہ پہنچے یا کم پہنچے۔ اور اس کے علاوہ اگرچہ فرض کیا ہے کہ دونوں نطفے ایک ذرت میں خارج ہوئے ہیں مگر ایک ذرت میں خارج ہونے کی بھی کئی تین متعدد دہائی ہیں اسلئے ایک حرکت میں ایک نطفہ کے ذرات خارج ہونے کے بعد بھی ممکن ہے کہ دفعہ کوئی نیک یا بد جذبہ غالب آئے کیونکہ جذبہ کا پیدا ہونا ایک آن کا کام ہے اور اس میں کسی عرصہ کی ضرورت نہیں اور یوں دوسری حرکت کے وقت اس جذبہ کا اثر دوسرے نطفہ پر عمل کرے اور اس وجہ سے ایک بچہ ایک خیال لیکر پیدا ہو اور دوسرا اس کے خلاف میلان رکھے۔

پھر اس کے ساتھ ان جذبات اور میلانوں کا خیال بھی کر لینا چاہئے جو پرے کے آبا و اجداد میں پیدا ہو چکے ہوتے ہیں اور انکی لہر میں اپنی قوت و ضعف کے مطابق نسل میں چند یا کئی پشتوں تک پہنچتی ہیں اور ان لہروں کے قوت و ضعف کے علاوہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص میں بعد کے واقعات اور بیرونی اثر کسی وقت کسی جذبہ کو بڑا دیتے ہیں اور اس لئے ایسے شخص کی اس قوت کی اولاد میں اس کے اپنے جذبہ کا بھی اثر ہوتا ہے اور جو اسی قسم کا جذبہ سورت اعلیٰ کی طرف و سرایت کر چکا ہے وہ بھی اثر کرتا ہے اور اسلئے ایسے شخص کا بچہ دو قوتوں سے متاثر ہو کر اس جذبہ میں اور بھی بڑھتا ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ باپ کا جذبہ کم طاقتور ہو اور تھوڑا اثر کرے لیکن اس تھوڑے سے میلان کی وجہ سے سورت اعلیٰ کا اسی قسم کا جذبہ اس اولاد میں دوسری کی نسبت زیادہ قوت سے ظہور کرے۔

پس جب یہ کیفیت ہو اور دنیا میں یہ اور اسی قسم کے اور ہزاروں بیج در بیج اسباب کا سلسلہ جاری ہے تو ایک ماں باپ۔ ایک سوسائٹی اور یکساں تربیت کو دیکھ کر غور کرنا چاہیے کہ کیونکر نفسین آتا ہے کہ ماں باپ سوسائٹی اور تربیت کے علاوہ اور کوئی اثر کرنا والا سبب باقی نہیں۔ اور کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ اسباب و علل کا دریا جو ابتداء سے جاری ہے ہر ایک ذرہ پر عمل کرتا ہے اور اس ذرہ

کی ایک لہر سے متاثر ہو کر ایک لطفہ تیار ہی ایسا ہوا تھا کہ اس کو پاکیزہ زندگی دی جائے اور دوسری لہر نے دوسرے لطفہ کو بنایا ہے ایسا تھا کہ وہ ناپاک روح کا سکون ہوا اور عدم سے وجود میں لانیوالی اور مردہ سے زندہ کرنے والی قوت ہر چیز میں جو قابلیت دیکھتی ہے اس کے مناسب حال وجود اور زندگی کی شکل عطا کرتی ہے :

اب رہی سوال کہ علت و معلول کا یہ سلسلہ کیوں جاری کیا گیا اور عدم سے وجود میں آنے کی تیز بی رنکار کیوں رکھی گئی جس سے وجود کی ناقص اور مکمل شکلیں مختلف پیدا ہوئیں سو پہلے مفصل ذکر ہو چکا ہے کہ دنیا کو موجودہ نظام سے پیدا کرنے کی وجہ یہی عقدہ ہے جو جل نہیں ہو سکتا اور یہی ایک سوال ہے جس کا جواب نہ تناسخ کے عقیدہ سے ملتا ہے۔ نہ مہاتما بدھ کی تصوری سے اور نہ روح اور مادہ کو قدیم نامک اور نہ وحدت شہود کے استدلال سے۔ کیونکہ بدی اور عیب کی وجہ خواہ کچھ ہو اس کا ظہور اسی لیے ہوا ہے کہ دنیا کو پیدا کیا گیا اور اگر ایسا نہ کیا جاتا اور خواہ مادہ اور روح موجود ہی ہوتیں مگر انہیں سکون کی حالت میں رہنے دیا جاتا تو سوائے عدم کے اور کوئی نقص موجود نہ ہوتا اور اگر خدا اسکے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تو اسکی قدرت محدود ہوگی لیکن جبکہ کسی قسمی مصلحت سے ایک دفعہ عمل شروع ہو گیا ہے اور مادہ کو تدریج ترقی دینے کا سٹم جاری ہو چکا ہے تو پھر اسکے بعد آئندہ توقف کیلئے ان تمام احتمالات میں سے زیادہ تر عقل و ہی خیال ہے جو اعلیٰ مدت شہود پیش کرتے ہیں کہ اپنی رفتار میں مادہ جس حد تک ترقی کرنا گیا ہے اسی حد تک عمدہ شکلیں اور نیک اثر ظاہر ہوتے جاتے ہیں اور جس حد تک نقص باقی رہتا آیا ہے اسی حد تک عیب اور بدی کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ اور اس لئے شروع جس طرح پر کیا گیا ہے اسی وجہ معلوم نہیں لیکن بعد میں نہ کسی کے ساتھ رعایت ہو اور نہ کسی ظلم۔

(ملاحظہ ہو باب دہم کتاب زنا)

دنیا میں انسانی حالت کا اختلاف ہی ایک ایسا واقعہ تھا جسے خدا کی خالقیت اور روح کی قدرت وغیرہ مسلمات تناسخ کا تعلق - دیکھ کر بعض غور کرنے والوں نے تناسخ کا احتمال قائم کیا اور سمجھنے لگیا کہ اس واقعہ کو غور سے دیکھنے پر نبوت کا تناسخ کا نشان نہیں ملتا اور اسکے علاوہ ان جن طریقوں سے اس

و دعویٰ کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان سے اگرچہ ثبوت کو کوئی واسطہ نہیں کر سکتے  
 والے ان کو یہی دلائل قاطعہ کا خطاب دیتے ہیں اس لئے دیکھ لینا ضرور ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ خدا  
 کی صفت خالقیت قدیم ہے اور اوہ مروج قدیم ہے اور اس کے سب عادات و خصائل بھی قدیم ہیں  
 اور کام کرنا اس کے خصائل میں داخل ہے۔ اور ایک اور موقع پر کہا گیا ہے کہ روح کا جسم کو دارن کرنا بھی  
 عادت ہے۔ ان باتوں کے ضروری ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ہمیشہ ارواح کو مختلف اجسام میں  
 داخل کرتا رہتا ہے۔

اس دلیل کے مقدمات میں سے ایک خدا کی خالقیت کا مسئلہ بیشک مسلم ہے اور کسی نہ سب  
 کو اس سے انکار نہیں۔ مگر ایک تو کوئی صفت کھنڈ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسکا بالفعل طور بھی ہر وقت  
 ہوتا رہے۔ مثلاً انسان میں نوشت خواند اور گریائی کی صفت ہیں لیکن ضرور نہیں کہ وہ ہر وقت اس  
 صفت کو ظاہر کرتا رہے بلکہ ایسی صفات کے ہونے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے اس خاصہ  
 سے کام لے سکتا ہے۔ اسی طرح خدا کی نسبت بھی دوام صفت کے یہی معنی ہیں کہ وہ جب چاہے ان کا  
 ظہور کر سکتا ہے کیونکہ وہ علاوہ اور صفات کے علم و ارادہ کی صفت بھی رکھتا ہے اور کوئی کام مجبور  
 ہو کر نہیں کرتا اس لئے صفت خالقیت میں بھی وہ مجبور نہیں کہ ہر لمحہ اور ہر وقت اسکا ظہور ہوتا رہے  
 اور دوسرے اگر صفات کے دوام سے یہی معنی لیے جائیں کہ ہر وقت ان کا بالفعل طور ضرور ہے  
 تب بھی یہ لازم نہیں آتا کہ بار بار ایک ہی روح کو مختلف اجسام میں داخل کرتا رہے بلکہ نئی نئی ارواح  
 اور نئے نئے عالم پیدا کرتے رہتے ہیں سے صفت خالقیت کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

یہی روح کی قدامت اور اسکی صفات کی قدامت اور صفات کے ہمیشہ ظہور کرنا دیکھا جوتے  
 سمجھتے ہیں کہ کوئی ایک بھی ثابت نہیں۔ قدیم سوائے ایک ذات کے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔ اور اگر  
 مان بھی لیا جائے کہ ارواح اور انکی صفات قدیم ہیں تو قدیم ہونے سے صفات کا دائمی ظہور ثابت نہیں  
 ہوتا چنانچہ جسم غضب عدل علم وغیرہ ارواح کی صفات ہیں اور اس سلسلہ کے مطابق قدیم ہونی چاہیے

۱۔ یہ دلیلین پندرہ ایکھرام پشاور کی ہمایا دہن۔ مکتب ثبوت تنازعہ

مگر وہ یامین کوئی شخص نہیں جس سے یہ صفات ہر وقت ظاہر ہوتی رہیں پس ارواح میں ان صفات کے ہونے سے یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ انکو جب موقع ہو ظاہر کر سکتی ہیں۔ اور اگر ان سب باتوں سے قطع نظر لکھا جائے اور صفات ارواح کو قدیم اور ہمیشہ ظاہر ہونے ہوئے مان لیا جائے تب بھی جسم و بدن کرئیکو روح کی عادت قرار دینا یہی وہ دعویٰ ہے جس کو ثابت کرنے کیلئے دلائل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ عادت جیہی ثابت ہوگی کہ اُسکا بار بار ضرور ہو اور روح کا بار بار ظہور کرنا اور روح کو جسم میں آنے کی عادت ہونی حقیقت میں ایک ہی دعویٰ ہے یعنی تناسخ۔ اور اسی کو ثابت کرنے کی ضرورت تھی پس بار بار آنے کیلئے عادت ہو نیکو دلیل گردانا خود دعویٰ کو دعویٰ کیلئے دلیل ٹھہرانا ہے۔ اور پھر روح کا جسم میں آنا اگر عادت ہو تو ان کے مسلک کے مطابق وہ عادت قدیم بھی ہوگی اور جو چیز قدیم ہو اس کے لئے خالق کی ضرورت نہیں اسلئے روح کے جسم میں آنے کیلئے بھی خالق کی ضرورت نہیں اور یہ نتیجہ ہے جس سے خدا کی خدائی نابود ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مادہ اور روح قدیم ہے اور جب روح اور مادہ کی صفات اور روح کا مادہ میں داخل ہونا بھی قدیم ٹھہرا۔ تو پھر دنیا کے انکو کسی موجد کی ضرورت نہیں رہتی۔ غرض تناسخ ماننا تو اسلئے جاتا تھا کہ خدا سے ظلم کا الزام دور کیا جاوے اور تناسخ ماننے کیلئے جو مقدمات تسلیم کئے گئے انہوں نے خدا کو موجود بھی نہ ہونے دیا۔

چاند سورج اور مادہ کے بار بار اور ایک دلیل دنیا کے دیگر واقعات سے تیار کی جاتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ چاند اور سورج اور سیارے گاہ طلوع کرتے ہیں اور گاہ غروب ہوتے

ہیں اور ان کو دیکھ کر جاہل کہتا ہے کہ اور سیارے آگئے حالانکہ جانوروں کے جاننے والے جانتے ہیں کہ وہی سیارے ہیں لیکن علاج یہی وہی بار بار آتی ہیں اور نادانوں کو معلوم ہوتا ہے کہ نئی ارواح پیدا ہوئیں اور کہی کہتے ہیں کہ مادہ مکانات نباتات اور حیوانات وغیرہ میں بار بار ظہور کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح بھی اجسام میں بار بار ظہور کرتی ہے۔

یہاں بعض اشیاء میں ایک خاصہ فرض کیا گیا ہے اور پھر اسکو عام کر دیا کہ یہ ثابت کرنا چاہیے کہ روح میں یہی ہی خاصہ موجود ہے۔ مگر اول تو جو خاصہ سیارگان وغیرہ میں دیکھا گیا ہے اسی اور کل

اور روح کے لئے اذیٹکل کا خاصہ فرض کیا جاتا ہے کیونکہ سیارگان جو طلوع غروب یا دورہ کی حرکت سے بار بار آتے جاتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ حرکت کے سبب وہ ایک خاص مقام یعنی سطح زمین پر سے ہر وقت نظر نہیں آسکتے ورنہ حقیقت میں وہ اسی دنیا پر اور اسی جسم میں موجود رہتے ہیں اور ہمیشہ ایک دائرہ پر حرکت کرنے میں مصروف ہیں۔ اور اسی طرح مادہ کے بار بار آنے کی یہ صورت ہے کہ وہ اجزاء سے مرکب ہوا اور اجزاء کے جمع ہونے سے کبھی ایک شکل پیدا ہوتی ہے اور کبھی دوسری اور اس طرح اجزاء ہمیشہ اپنے اجتماع کی وضع بدلتی رہتی ہیں ورنہ مادہ کبھی کہیں جا کر وہاں نہیں آنا جس سے کہا جائے کہ وہ بار بار آتا ہے بلکہ اسکی نسبت صحیح اظہار یہ ہے کہ وہ ایک ہی چیز ہے جو موجود رہتی ہے اور ہمیشہ اپنی شکلیں بدلتی رہتی ہے۔ اور اس کے برخلاف روح کے بار بار آنے کی شکل انی جاتی ہے کہ وہ ایک مستقل جوہر ہے جو کسی دوسری چیز یعنی مادہ کی چند اجزاء کے ایک خاص شکل میں جمع ہوتا ہے اور ان میں ظہور کرتی ہے اور اجزاء کے متفرق ہو جانے پر ان سے الگ ہو کر کسی اور مجموعہ میں جو اسی طرح کی خاص شکل میں جمع ہو گیا ہو ظاہر ہوتی ہے۔ اور سیاروں سے مشابہت جب ہوتی ہے کہ کسی دوسری چیز میں ظہور کرتی ہے اور نہ اس چیز کے تباہ ہونے پر غائب ہوتی بلکہ خود کسی قسم کی حرکت سے کبھی سامنے آجایا کرتی ہے اور کبھی گم ہو جاتی۔ اور مادہ سے مشابہت اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ خود صاحب اجزاء ہوتی اور مادہ کی طرح اسکی اجزاء کبھی ایک شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی دوسری شکل میں۔ اور جب یہ صورت نہیں اور روح کے لئے جو خاصہ فرض کیا گیا ہے اسکی مثال دنیا میں نظر نہیں آتی تو یہ قیاس عقلی طریقہ پر کوئی وزن نہیں رکھتا۔

اور دوسرے اگر صرف یہی دیکھنا ہو کہ مادہ کا اور روح کا تعلق ہے اور مادہ پر ایسی حالتیں طاری ہوتی ہیں جنکی حقیقت خواہ کچھ ہو مگر اسکو بار بار آنے کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں اسلئے مادہ کے تعلق رکھنے والے کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ وہ بھی بار بار آتا ہوگا اور پھر یہاں بار بار آنے سے یہ خاص مطلب لینا چاہئے کہ اسکا تعلق بار بار ہوتا ہے تو یہ صرف شاعرانہ استدلال ہوگا ورنہ تعلق کی کوئی صورت خیال میں نہیں آتی جسکی وجہ سے اگر مادہ بار بار اپنی شکلیں بدلتا ہو تو روح ہی ایک



ہی اس میں بار بار حلول کرتی رہے۔ کیونکہ اگر مادہ اور روح کا تعلق کارندہ اور آلہ کا ہے یعنی مادہ  
 آلہ ہے اور روح کارندہ تو اس تعلق کے واسطے ضرور زمین کہ ایک کے دوبارہ موجود ہونے  
 پر دوسرا بھی دوبارہ آئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک چار مختلف تیشون سے کام لے سکتا ہے تو ایک  
 ہی تیشہ مختلف چاروں کے ہاتھ میں ہی کام دے سکتا ہے اور اگر ظرف و مظهر کا تعلق ہے  
 تو یہی دونوں کا بار بار آنا ضرور زمین اور اگر ایک چیز مختلف برتنوں میں رکھی جاسکتی ہے تو ایک ہی  
 برتن میں ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری رکھ سکتے ہیں۔ اور اگر اکٹبا مرکب  
 کا تعلق ہے تو بھی ایک گہوڑے پر مختلف اشخاص اور ایک شخص مختلف گھوڑوں پر سوار ہو سکتا  
 ہے۔ اور اگر حاکم محکوم کا تعلق ہے تو بھی ایک بادشاہ مختلف ملکوں پر حکمران ہو سکتا ہے اور  
 ایک ملک ایک بادشاہ کی حکومت ہو سکتی ہے اور اس سے تیسرے کے قبضہ میں جاسکتا ہے  
 غرض وہ چیزوں کے ملنے چرچن قدر تعلقات سمجھ میں آسکتے ہیں انہیں کسی پر نتیجہ مترتب نہیں ہوتا  
 کہ اگر مادہ کرے تو روح ہی وہ آئے۔ اور جو جدا ایک چیز کا خاصہ دوسری چیز میں مان لینا ایسا  
 ہے جیسے کہا جائے کہ چونکہ ستم الفارین زہر کی خاصیت ہے اسلئے دودھ ہی وہی اثر رکھتا ہے اور یہی حال  
 سیارگان کی آمد و رفت اور روح کے تناسخ کا ہے کہ ان میں کوئی تعلق نہیں جبکی بنا پر ایک امر  
 کے ثابت ہونے سے دوسرے کا ثبوت لازم آئے کیا طرح سال کے بارہ مہینوں میں ایک ہی سورج  
 بار بار آتا ہے اور جس طرح مہینہ کے تیس دنوں میں ایک ہی چاند بار بار نکلتا ہے یہی طرح سال کے بارہ  
 مہینہ بھی ایک ہی مہینہ اور مہینہ کی تمام تاریخیں ایک ہی تاریخ ہیں؟ اگر اسی طرح کی غیبی تعلق  
 بائین ایسی فیلیوں سے ثابت ہو جائیں تو بیشک سیارگان کے بار بار آنے سے ارواح کا بار بار  
 ظہور کرنا بھی ثابت ہو جائیگا۔

اور تیسرے اگر مان لیا جائے کہ مادہ کے بار بار آنے اور روح کے بار بار آنے کی ایک  
 ہی صورت ہے تو یہی غور کرنے کی بات ہے کہ شکل مادہ سے براہ راست تعلق رکھتی ہے اور خود مادہ  
 سے پیدا ہوتی ہے۔ اور روح کی حقیقت جو کچھ ہے ہم سمجھ نہیں سکتے مگر اتنا جانتے ہیں کہ اس کا

تعلق شکل کے تعلق کے بعد ہوتا ہے یعنی اجزائے مادی شکل پہلے اختیار کرتی ہیں اور بعد میں جاندار بنتی ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود مادہ کے بار بار آنے کے شکل جی اس سے براہ رست پیدا ہوتی ہے اور روح سے پہلے تعلق پکڑتی ہے ایک دفعہ اگر ایسا بالکل دو بارہ نہیں آتی اور اجزا وہی ہوں مگر شکل ہمیشہ نئی سے نئی ہوتی ہے تو جو چیز شکل کے بعد تعلق پکڑتی ہے اسکی نسبت کہیں تک کہا جاسکتا ہے کہ وہ بار بار ضرور آتی چاہیے۔

منطق کی تین پلین تیار ہیں | حکیم نفاط کو جب زہر دیا گیا ہے تو اسکے عزیزوں اور شاگردوں کو اسکی مخالفت سے جو صدمہ ہوا ہو گا ظاہر ہو گا مگر وہ فلسفہ نفاط اور فلسفہ کی شان سے بعید ہے کہ ایسے افکار سود کی پریشان کرے اسلئے اس نے اپنا یہ وقت نہایت استقلال سے گزارا اور فلسفیانہ طرز سے اپنی ہر چیز کو تسلی تیار یا چنانچہ اسکی اسوقت کی گفتگو سے جو اس نے اپنے شاگرد سمیاز وغیرہ سے کی ہے تین پلین تیار فرمائی ہیں (کتاب پلینوں) ان میں سے پہلی پلین میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پیدا ہوتی ہے اور ضد کی طرف عود کرتی ہے۔ اور زندگی اور موت بھی باہم ضد ہیں اسلئے وہ بھی ایک دوسری سے پیدا ہوتی رہیں گی اور موت کے بعد زندگی اور زندگی کے بعد موت کا چکر جاری رہے گا۔ دوسری پلین میں وہ کہتے ہیں کہ ہم دو چیزوں کو دیکھ کر کہیں ان کو مساوی کہتے ہیں اور کہیں غیر مساوی اسلئے ایسی چیزوں کے علم اور انکی مساوات یا عدم مساوات کے علم سے پہلے انکو مساوات کا مفہوم معلوم ہونا چاہیئے اور ان چیزوں کو ہم جو اس سے دریافت کرتے ہیں اور جو اس سے پیدا ہوتے ہی حاصل ہو جاتے ہیں اسلئے مساوات کا مفہوم جہاں سے پہلے حاصل ہے وہ پائیش سے پہلے معلوم ہوا ہو گا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح پیدائش سے پہلے موجود تھی اور تیسری پلین میں کہتے ہیں کہ مرکبات کہیں تک بھی تحلیل ہو جاتے ہیں اور بساط تحلیل ہونے سے پاک ہیں۔ اور مرکبات محسوس ہوتے ہیں اور بساط محسوس گرفت ہو باہر ہیں اور انسان کے اندر ایک جسم ہے جو دیدنی اور مرکب قسم سے ہے اور ایک روح ہے جو نا دیدنی اور بسیط ہے۔ اور جسم ترکیب کے قاعدہ کے موافق تحلیل اور فنا ہو جاتا ہے اسلئے چاہیئے کہ روح حسب قاعدہ بساط تحلیل

اور فائدہ ہو۔ بلکہ مریض کے بعد قائم رہے

یہ دلائل قابل قدر ہیں اس لئے کہ ایک بڑے فلاسفر کی مرتے دم کی یاد گاہ  
 ہیں اور حکیم فلاطون کا شکر گزار ہونا چاہیے جس کی قلم سے یہ تمام کلام

تیسری دلیل سے متنازع  
 کو تعلق نہیں۔

میں وعن محفوظ رہ سکا۔ مگر دلائل کی حقیقت دیکھنے پر کہنا پڑتا ہے کہ ان میں تیسری دلیل میں  
 اگر ثابت کرنے کی کوئی چیز تھی تو یہ کہ انسان کے اندر ایک بسیط روح موجود ہے اور ہم نے دیکھا کہ  
 اسی کو عالی قدر حکیم نے اصول مسئلہ کے طور پر بیان لیا ہے اور بات وہی نکلی پہلے جو لکھا گیا ہے  
 کہ گو عقلی ثبوت کوئی نہ ہو مگر مذہبی جذبہ بالاتفاق انسان کے اندر ایک جوہر بسیط کو ماننا ہے۔ پس  
 اگر وہ موجود ہے تو پھر مرنے کے بعد اس کے قائم رہنے میں شک نہیں اور اسی قدر اس دلیل سے  
 بھی ثابت ہوا۔ اور اس سے زیادہ یعنی یہ کہ روح دوبارہ اسی دنیا میں آئیگی اس کا اس دلیل سے  
 کوئی تعلق نہیں ہے

دوسری دلیل درج و ناقص ہے اور اسی طرح دوسری دلیل کو اگر تسلیم کیا جائے تو اس کو صرف اسی قدر

ثابت ہوتا ہے کہ روح پیدائش سے پہلے موجود تھی اور تباہی کا ثبوت اس سے بھی نہیں ملتا۔ اور  
 نیز اس دلیل کے مقدمات میں بھی بہت کچھ کلام ہے۔ کیونکہ پیدائش سے پہلے ہی اس ظاہری کلام  
 کے مقابل ہونا اور چیزوں کی مساوات کو پہچاننا اور نیز مساوات اور نامساوات کو معلوم کرنے سے  
 پہلے مطلق مساوات کا علم ہونا سب باتیں قابل اعتراض ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ جب اپنے  
 حواس سے کام لینے لگتا ہے تو پہلے چیزوں کو صرف دیکھنا شروع کرتا ہے اور انکی مساوات اور عدم  
 مساوات وغیرہ ذہنی فیصلے ایک طرف وہ مدت تک انکو محسوس اوصاف میں بھی نہیں کر سکتا  
 اور ایک شے لال رنگ کی چیز دیکھ کر جھپٹتا ہے وہ چیز چھپا دی جاتی ہے اور اس سے بھیکے رنگ  
 کی بلکہ سیاہ اوقات اور رنگ کی چیز دیکھ کر جھپٹتا ہے اور بچہ پہلی چیز سمجھ کر خوش ہو جاتا ہے  
 مدت کی شے سے رنگ وغیرہ پہچاننے لگتا ہے تو بڑائی چھٹائی پھر بھی عرصہ تک محسوس نہیں  
 ہوتی۔ ایک انا چھپا لینے کے بعد دوسرا انا جو اس کو کھینچتا ہے اور اس سے کہنے کو اکثر دھوکا

کہا تا ہے اور غور و تأمل کا طویل زمانہ درکار ہوتا ہے جبکہ بعد چیزوں کی مساوات اور عدم مساوات وغیرہ صفات جو عقل سے تعلق رکھتی ہیں پورے طور پر سمجھنے میں اور بچران چیزوں کی مساوات و عدم مساوات اور بہتری و بدتری وغیرہ صفات کو دیکھنے و مطلق مساوات اور مطلق بہتری وغیرہ مفہوم و پیشین گوئی میں اور بجائے اسکے مساوات کا علم پہلے موجود ہونے والی ترتیب کی رفتار یا ثابت ہوتی ہو کہ وہ اپنا علم جزئیات سے شروع کرتا ہو اور ان سے متعلق کرتا ہو کلیات کی طرف جاتا ہے اور اس لئے مساوات کا علم رکھنے کی واسطے ضرور نہیں کہ راجح جسم سے پہلے موجود ہو۔

ضد سے ضد کا پیدا ہونا  
عام ساعدہ نہیں۔

غرض یہ لیبیلین ضعیف ہو نیکی باوجود تناسخ سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں البتہ پہلی دلیل اگر صحیح ہو تو اس سے بیشک تناسخ ثابت ہو گا۔ اول تو

اسکا پہلا مقدمہ قابل غور ہے۔ بیشک ہم دیکھتے ہیں کہ رات کو دن پیدا ہوتا ہے اور دن کو رات یا بچان سے جاندار بنتا ہے اور جاندار سے بچان اور بچان ایک ضد دوسری ضد سے ظاہر ہوتی مگر تمام دنیا کی صرف یہی کل نہیں بلکہ جو مثالیں خود حکیم نے دی ہیں ان میں سے بعض کی اور صورت ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ تیز مست کو پیدا ہوتا ہے اور مست تیز سے۔ مگر یہ خاصہ عام نہیں۔ اگر بعض چیزوں کی رفتار تیز اور پر تیز سے مست ہو جاتی ہے تو بعض چیزیں ایسی ہیں کہ انکی رفتار ہمیشہ ایک قاعدہ پر رہتی ہے مثلاً روشنی حرارت اور آواز کی رفتار اپنے اپنے مقدار اور فاصلہ کے لحاظ سے جس طرز پر واقع ہے اس سے کبھی انحراف نہیں کرتی اور ایسا نہیں ہوتا کہ تیز سے مست ہو تو پھر مست کو تیز ہو جائے۔ اسی طرح سیاروں کی حرکت جس قاعدہ پر جاری ہے اس سے مختلف نہیں ہوتا۔ اور اگر جدید تحقیقات کو مد نظر رکھا جائے تو زمین کی محوری حرکت ایک صدی میں ایک سینکڑے کی کمی کے برابر مست ہو جاتی ہے اور اسی قدر دن بڑھتا جاتا ہے مگر ایسا ہر جگہ گمان ہی نہیں کہ ہر کبھی اسکی یہ حرکت تیز ہونے لگے۔ اور پھر کبھی تیزی سے مستی کی جانب عود کرے۔

اور اسی طرح اور شالین جو وہ دیتے ہیں کہ بہتر پہلے بدتر ہوتا ہے اور ضعیفانہ غیر ضعیفانہ۔ یہ چکر بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر محض بہتری و بدتری اور ضعیفانہ و غیر ضعیفانہ کو دیکھا جائے تو یہ اوصاف ہمیشہ ایک حالت پر نہیں اور بہتری و بدتری اور بہتری و بہتری نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ان افعال کو

دیکھا جائے جن کو صفتیں عارض ہوتی ہیں تو یہی حال ہے کہ جو افعال منصفانہ ہیں مثلاً  
 فریادی کی فریاد کو سنا اور مجرم کے جرم کو غور و خوض سے تحقیق کرنا یا افعال ہمیشہ منصفانہ  
 ہیں اور کہیں غیبت منصفانہ نہیں ہو سکتے اور ان کے خلاف کرنا ہمیشہ غیر منصفانہ ہے اور کہیں منصفانہ  
 نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح جو فعل بہتر ہیں مثلاً اپنے فائدہ میں حق سے تجاوز کرنا اور دوسرے  
 کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کرنا یہ امور ہمیشہ بہتر ہیں اور ان کے خلاف ہمیشہ بدتر۔ اور اگر اشیا کو  
 دیکھا جائے جن کو بہتر یا بدتر کہہ سکتے ہیں تو ان میں سے جو مرکبات ہیں وہ چونکہ اس نظام میں فنا  
 و تحلیل کا نشانہ ہیں لہٰذا انکی صفات بھی بجا نہیں رہتیں۔ مگر پھر بھی ضرور نہیں کہ جو بہتری اور  
 بدتری ایک دفعہ کی تحلیل میں نابود ہوئی ہے پھر وہی اجزا مرکب ہوں اور وہی بہتری یا بدتری  
 عود کرے اور ضرور ایک ضد دوسری ضد کی طرف آئے۔ اور اوس طرح اطمینان حاصل ہے کہ ان میں  
 چونکہ وہ ضد صفات قدرت کی طرف سے ودیعت ہیں وہ ہمیشہ اپنے حال پر رہتی ہیں اور کہیں ایک  
 ضد سے دوسری ضد کی طرف نہیں جاتیں ۔

زمین و آسمان اور جاندار اور بیجان کا انقلاب سوا گویہ یہ قدرت کا بڑا اثر ہے کہ اسکی وجہ سے  
 جلے تو اوسر ایک ہمیشہ چمکنے والا آفتاب ہے جو روشنی دیتا ہے اور اوسر ہمیشہ حرکت کرنا والی زمین  
 ہے جو روشنی کو اخذ کرتی ہے۔ اور ایک کی سکون اور دوسری کی حرکت ہی ایک کیسٹان رہنموی والا قاعدہ  
 پیدا ہوتا ہے کہ ہمیشہ زمین کے نصف حصہ پر روشنی کا اثر پہنچے۔ اسلئے حقیقت میں روشنی تاریکی  
 سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ ایک حصہ روشنی کا ہے جو ہمیشہ زمین کے گرد گھومتا رہتا ہے اور اس کے  
 مقابل ایک حصہ تاریکی کا اسی طرح گردش کرتا رہتا ہے اور زمین کے ایک حصہ پر ہلکے ساکنے  
 کہیں روشنی آجاتی ہے اور کہیں تاریکی۔ اور جاندار کی بیجان سے اور بیجان کی جاندار سے پیدا ہونے  
 کی حقیقت یہی جیسا کہ جدید تحقیقات کا منشا ہے یہ ہے کہ جان ہمیشہ جان سے پیدا ہوتی ہے یعنی  
 ایک جاندار کی طرف سے بیجان کے اندر جان کا فیضان ہوتا ہے اور اس سے آگے اور بیجان پر یہ  
 اثر پہنچتا ہے اور اوسر بیجان اجزا اپنی شکلوں کو بدلنے سے ایک جسم کے بعد دوسرے جسم بناتی رہتی

ہیں اور اس طرح جان کا سلسلہ جان دار سے جاندار کی طرف اور بیجان کا بیجان سے بیجان کی طرف جا رہا ہے ۔

اور ان کے بعد اور کشیا اور ان کی بعض صفات ایسی نظر آتی ہیں جو ہمیشہ ایک حال پر رہتی ہیں اور ضد سے ضد کی طرف عموماً نہیں کرتیں۔ مثلاً مادہ اور دنیا کا دوسرا عنصر یعنی قوت اور انکی صفت وجود ایسی چیز ہے کہ جب سے ہم ہمیشہ ایک حالت پر ہے اور کبھی وجود سے عدم اور عدم سے وجود ان پر طاری نہیں ہوتا۔ اور اسکے علاوہ روح حکیم کی رُکے کے مطابق ازل سے اب تک موجود ہے اور وجود و عدم میں انقلاب نہیں کرتی۔ اور ویسے ہی روح اگر ہے تو جب سے ہے ہمیشہ موجود ہے اور اگر عدم سے وجود کی طرف آئی ہے تب بھی آئندہ وجود سے عدم کی طرف جانے کا احتمال نہیں ہ

غرض سمجھئے دیکھا کہ روشنی حرارت وغیرہ کی رفتار ہمیشہ ایک قاعدہ پر رہتی ہے اور بسیار گان کی حرکت میں اگر انقلاب ہے تو ہمیشہ تیزی سے سستی کی طرف یعنی ایک سمت کو۔ اور بہتری بدتری یا منصفانہ و نامنصفانہ صفات اور ان سے منصف ہونے والے افعال ہمیشہ یکساں رہتے ہیں۔ اشیاء بسیطہ جو ان سے منصف ہیں وہ بھی ہمیشہ ایک حالت پر ہیں۔ اور مادہ اور قوت کا وجود کبھی ضد کی طرف نہیں جاتا۔ اور نہ روح ضد کی طرف انتقال کرتی ہے۔ البتہ مرکبات ہمیشہ تحلیل و ترکیب کا ہدف ہیں اور انکی حالت بدلتی رہتی ہے اور حالت کیساتھ اس کے نیک و بد صفات میں انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ مگر انکا انقلاب بھی ایسا بے ترتیب ہوتا ہے کہ اسکے لئے ضد سے کی طرف آنا یا مناسب و مناسب کی طرف جانا کوئی ایک قاعدہ مقرر نہیں کیا جاسکتا کبھی کسی انقلاب میں بدتری سے بہتری پیدا ہوتی ہے اور آئندہ انقلاب میں اس سے زیادہ بہتری نظر آتی ہے تو پھر کوئی ایسا انقلاب ہوتا ہے کہ بہتری کے تمام درجات معدوم ہو کر کوئی بڑے درجہ کی بدتری پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی بتدریج بدتری کی طرف اور کبھی بتدریج بہتری کی طرف انتقال ہوتا ہے تو کبھی دفعۃً بڑے درجہ کی بدتری سے بڑے درجہ کی بہتری پیدا ہو جاتی ہے

مثلاً درخت پیدا ہوا ہے اور مناسب آب و ہوا سے بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ پھل پھول لانے لگا ہے یہ بہتری سے بہتری کیفیت ترقی ہے اور پھر سوکھنے لگا ہے اور ایک دن فنا ہو گیا ہے یہ بہتری سے بدتری کی طرف تنزل۔ مگر لہذا تھے درخت پر کاٹنے والے کا تیرا یا پڑتا ہے کہ دم میں گزار کی جگہ ٹاٹ ڈال گئی ہے اس انقلاب میں دفعہ بڑے درجہ کی بہتری سے بڑے درجہ کی بدتری پیدا ہو گئی ہے اور کبھی خشکی اور اساک ہو کھیت تباہی کے قریب ہوتا ہے کہ دفعہ مناسب ہواؤں کے چلنے اور ہر وقت بارش کے برسنے سے کھیتی بہتری ہو جاتی ہے۔ اس وقت بڑی بدتری سے فوراً بڑی بہتری پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی ایک ہی حالت دیر تک قائم رہتی ہے اور کبھی نیک اور بد انقلاب جلدی جلدی ہونے لگتے ہیں۔ مدعا یہ کہ بساط اور لطیف اشیا مثلاً مادہ عناصر روشنی حرارت اور افعال نیک و بد وغیرہ خاص قوانین کے زیر اثر ہیں اور ان میں ضد سے ضد کی طرف اتنا ثابت نہیں ہوتا۔ اور مرکبات اور ان کے حالات قوانین پر ایسے مختلف اور پیچیدہ عمل کرتے ہیں کہ ہر چیز اور ہر چیز کی ہر ایک حالت میں ہر آن کے اندر نئی سے نئی شان اظہار آتی ہے اور ایک قاعدہ عین نہیں ہو سکتا۔

ضد کا ضد کی طرف اتنا زندگی اور موت پر جاری نہیں ہو سکتا یہ دیکھنے کے بعد کہ ضد کی طرف اتنا قدرت کا عام قانون نہیں ہو سکتا دوسرے مقدمہ یعنی زندگی اور موت کی ضدیت کو دیکھا جائے

تو زندگی اور موت کی حقیقت دو چیزوں کا باہم ملنا اور جدا ہونا ہے۔ اور ان میں سے ایک چیز یعنی جسم مرکب ہے اور دوسری چیز یعنی روح بسیط ہے۔ اور جس وقت روح کا جسم سے فراق ہوا ہے اس وقت جسم چونکہ مرکب ہے ضرور ہے کہ وہ تحلیل ہوا اور تحلیل ہونے کے بعد اسکی اجزاء مرکبات کے قاعدہ کے موافق ضرور ہے کہ کہیں نہ کہیں اور کسی کسی شکل میں رہیں اور ان شکلوں کو بدلتی رہیں۔ اب اگر یہاں ضد سے ضد کی طرف اتنا کیا یہ مطلب لیا جائے کہ ایک وقت پر یہ اجزاء پھر اسی شکل میں جلوہ گر ہوں تو یہ بدورت ممکن نہیں معلوم ہوتی کیونکہ تحلیل ہونے کے بعد کچھ اجزاء اکیس بن کر اڑ گئی ہیں اور ہواؤں کے ٹکڑے کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے اور کچھ اجزاء زمین میں مل کر اسکی شکل ہو گئی ہیں اور ان میں سے

کچھ ممکن ہے کہ قرن ہائے دراد تک اسی حالت میں پڑی رہیں اور کچھ بناتی شکل میں بدل جائیں اور پھر نبات کے فنا ہونے پر ان میں سے اکثر گیس بن کر اڑ جائیگی اور کچھ جانداروں کی خوراک میں صرف ہوگی۔ اور اس طرح ان اجزاء میں سے بعض کا کسی جاندار یا خود کسی انسان کے جسم میں آنا ممکن ہے۔ مگر سب کے سب اسی شکل میں پیدا ہوں اور مرنیکے بعد انسان کی تمام اجزاء ہو جائیں گی ہی بنایا جاوے اسکا امکان نہیں۔ اور اگر فضا سے فضا کی طرف آنے سے جو مطلب ہو کہ جسم انسانی کی اجزاء تحلیل ہو نیکیے بعد کسی نہ کسی شکل میں مرکب ہوں گی تو شک نہیں کہ ایسا ضرور ہو گا۔ لیکن اسی طرح کہ بعض اجزاء کچھ شکل اختیار کریں گی اور بعض کچھ۔ اور بعض کہیں جاندار کے جسم میں آجائیں گی اور بعض ممکن ہے کہ ابالاکا یا ذراتک بچان حالت میں رہیں۔ اب روح کی نسبت جو ایک جسم سے الگ ہوتی ہے غور کرنے کے وقت ہم دنیا کے تمام مرکبات اور بساط کو دیکھ ڈالتے ہیں ان میں جہانی مرکبات کو دیکھا کہ ترکیب کے بعد تحلیل ہوتے ہیں تو پھر تحلیل کے بعد اسی پہلی ترکیب کی طرف عود نہیں کرتیں مادی بساط میں سے ایسا اگر دیکھا جائے مادی کے کسی مجسمہ میں داخل ہو بھی تو ان سے الگ ہو کر ہمیشہ تک مجرد حالت میں رہ سکتا ہے اور ممکن ہے کہ دنیا کے انقلابات سے متاثر نہ ہو۔ چنانچہ اسی بنا پر زمین وغیرہ سیاروں کی اٹما سیر یعنی کتہ ہوائی سے پرے اس کو تمام فضا میں پھیلنا ہونا ناچاہتا ہے۔ اسکے بعد غیر جہانی بساط کو تو بہتری و بدتری یا منصفانہ و نامنصفانہ حالت کی جو ضرورت کسی ایک چیز میں ایک وقت پر موجود ہوتی ہے پہر خواہ اسی چیز پر اور ہزاروں طرح کے بہتر اور بدتر حالتیں آئیں مگر وہ پہلی حالت کہی موجود نہیں ہوتی۔ یہ دعویٰ سرسری نظر سے غلط معلوم ہو گا کیونکہ برف پینے سے ہم نے ہزاروں دفعہ کیساں نکلی محسوس کی ہے اور آگ تاپنے سے ہزاروں ہی گرمی۔ مگر جس کو ہم کیساں کہتے ہیں سانیٹک طور پر وہ کہی بھی کیساں نہیں۔ کوئی عالم کیساں ہوا دفعہ پوٹاشیم کلورائیڈ کو کیمین یا سمندر کی ریت سے کلورین پیدا کرے کہی دو دفعہ بھی ایک تجربہ سب حیثیتوں سے برابر ہو گا۔ پوٹاشیم کلورائیڈ یا ریت کی جو مقدار ایک دفعہ لے لے بالکل ٹھیک و نان سے اتنی ہی مقدار کچھ نیچا لیا جائیگی اور جو حرارت ایک وقت پر فضا میں موجود ہے یا مصنوعی طور پر



بہم پہنچائی گئی ہے۔ ٹھیک اتنی ہی حرارت کبھی مہیا نہ ہو سکیگی اور جس قدر وقت ایک دفعہ چھوڑا ہوگا  
 ٹھیک اتنا ہی وقت پہرہ کبھی صرف نہ ہو سکیگا اور بسنے جس قدر گیس ایک دفعہ پیدا ہوئی ہے  
 بالکل اس قدر کبھی پیدا نہ ہو سکے گی۔ اور چونکہ یا بدلتا اس فعل سے ایک دفعہ پیدا ہوگا وہ پہرہ  
 نہ ہوگا۔ اور یہی حال برت پینے اور آگ تلپنے کا ہے کہ مقدار اور وقت اور کیفیت ہر طرح سے  
 ہر دفعہ دوسری دفعہ سے متفاوت ہوگی اور اس لئے جو بہتری یا بدتری کسی فعل سے ایک بار  
 متعلق ہوئی ہے وہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکی اور کبھی مانتہ نہ آئیگی۔ اور یہی  
 حال شکل اور دیگر خواص کا ہے کہ ایک دفعہ تعلق پیدا کرنے کے بعد پہرہ ہی شکل اور وہی خاصہ  
 کبھی پیدا نہیں ہوتا۔ غرض یہ کہ بسا اظہار طرح کے ہمارے پاس موجود ہیں وہ ہمیشہ کے  
 لئے اور ایک دفعہ تعلق پیدا کرنے کے بعد آئندہ کیلئے الگ رہ سکتے ہیں اور مرکبات کی اجزا  
 اگرچہ مکملین بدلتی رہتی ہیں مگر سب اجزا پہرہ ایک جگہ جمع ہوں یہ ممکن نہیں اور بعض اجزا ہمیشہ  
 کیلئے جائز ہیں نہ آئیں ممکن ہے۔ تو روح جو بسط ہے اس پر بساط کا قاعدہ جاری کرو  
 تو اور ترکیب کا قاعدہ جاری کرو تو اس کیلئے یہ فیصلہ کہ ایک دفعہ تعلق پیدا کر نیکی بعد بار بار  
 جسم میں آتی رہے گی اور زندگی اور موت کا چکر ہمیشہ جاری رہیگا ایسا دعویٰ ہے جو بسط  
 اور ترکیب دونوں حیثیتوں سے غلط ہے اور خدا کا خدا سے پیدا ہونا دنیا کا عام قانون ہے  
 اور زندگی اور موت میں جاری ہو سکتا ہے۔

اعمال میں روح کا دوبارہ  
 جسم میں آنا خلاف عقل ہے

عرض تلسخ کے بارے میں جہاں تک غور کیا گیا ہے یہ مدعا ہرگز ثابت  
 نہیں ہوتا کہ روحیں جسم سے مفارقت کرنے کے بعد پہرہی زندگی  
 کو دوبارہ حاصل کرتی ہیں بلکہ شکل اور دیگر صفات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ایسا  
 ہونا ممکن ہی نہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ ابھی سراغ آگے چلتا ہے اور نتیجہ اس سے یاد  
 قوی پیدا ہوتا ہے۔ یہاں کے طریق تبدیل ترکیب کو پہرہ خود سے دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ نظام  
 قدرت کے جو قوانین دریافت ہوئے ہیں ان میں ایک اثر شیا یعنی قانون اتہار یہی ہے

اور اسکا متعین ہونا یہ ہے کہ جس چیز کو حرکت دی جائے اس میں حرکت کا میلان ایسا پیدا ہوتا ہے کہ اگر خارجی مزاحمتیں نہ ہوں اور سطح زمین یا ہوا کے تضاد و مہ سے رکنا نہ پڑے تو حرکت ہمیشہ ہمیشہ تک جاری رہ سکتی ہے۔ اور اگر جذب سکون پیدا ہو تو وہ سکون بھی خارجی محرک اسباب سے دور ہوتا ہے ورنہ ممکن ہے کہ چیز تا ابد ساکن رہے۔ پس جب کوئی مرکب تحلیل ہوتا ہے اور اسکی اجزا باہر کو حرکت کرنے لگتی ہے یا جب متفرق اجزا کسی سبب سے جمع ہو کر سکون حاصل کرتی ہیں تو تحلیل کے بعد اجزا کی حرکت اور ترکیب کے بعد ان کا سکون دور اسی لئے ہوتا ہے کہ خارجی اسباب اس حرکت اور اس سکون کی مزاحمت کرتے ہیں اور اس وجہ سے مرکبات یکے بعد دیگرے تشکیل دیتے تہو بہین اور اگر کسی مرکب پر بعض اجزائے متفرقہ خارجی اسباب اثر نہ کریں تو ایسی اجزا اور ایسے مرکب کا ہمیشہ تک ایک حالت پر رہنا ممکن ہو۔

حکیم سقراط تو بہت قدیم زمانے میں تھے ان کے بعد بھی بہت عرصہ گزرا ہے مگر یہ بات  
کے اقسام کے قاعدے دریافت نہ ہوئے تھے اور اس لئے اس زمانے میں رات دن کی گردش  
اور جاندار اور بے جان کی پیدائش کو دیکھ کر یہ خیال ہو گیا ہو گا کہ خدا اپنی خدا سے پیدا ہوتی ہے  
اور ضرور ہے کہ پھر خدا کی طرف عود کرے۔ مگر اب اس ایک قانون کو دیکھنے سے ہی معلوم ہوتا ہے  
کہ خدا کا خدا کی طرف میلان رکھنا غلط ہے اور چونکہ ہر طرح کے انقلاب حرکت و سکون کی مختلف  
شکلوں سے ہوتے ہیں اور حرکت و سکون میں قانون استمرار جاری ہے اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ ہر حالت  
اپنے متعین قائم رکھنے کا میلان رکھتی ہے اور کوئی بھی خدا کی طرف جانا نہیں چاہتی اور جو انقلاب  
پہلی حالت کو بدلتا ہے اس کے لئے کوئی نہ کوئی خارجی سبب ہوتا ہے۔

اور خارجی اسباب جو یہاں متحرک کو ساکن اور ساکن متحرک کرتے ہیں وہ اگرچہ نہایت کثرت  
سے اور بہت پیچیدہ ہیں مگر انکا اہل الاصول یہ ہے کہ آفتاب کی حرارت اور روشنی اور دوسری  
قسم کی کرنیں عمل کرتی ہیں اور اس عمل سے کہیں حرارت کہیں بخار کہیں سردی کہیں بارش پیدا  
ہوتی ہے اور گونا گون لہروں کے پیدا ہونے سے اجزا کسی جھنڈے سے الگ ہوتی ہیں اور قانون

استمرار کی حرارت جاری رکھتا ہے اور باہر کی مزاحمتیں حرکت کو روکتی رہتی ہیں۔ اس سنگس میں وہ اجزا کہیں چھوڑے چھوڑے اور کہیں بڑے بڑے جھنڈوں میں جمع ہوتی جاتی ہیں اور سکون پیدا ہونیکے بعد پھر قوتوں استمرار ان کو مائل رکھنا چاہتا ہے اور باہمی کشش اتصالات جن حیثیت کی ہوتی ہی قوت ہی اجزا کو پیوستہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ چنانچہ کچھ کچھ مجبوری سے پیوستہ ہو کر ٹھوس ہو جاتے ہیں اور ان میں سے جو نمونہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ اور اجزا کو جو وہاں جمع ہو جائیں جذب کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی ان پر متفرق کرنیوالی طاقتیں اپنا عمل شروع رکھتی ہیں اور جن قدر اجزا کو ممکن ہو رہتا ہے جدا کرتی رہتی ہیں اور اس طرح تمام نظم میں ہمیشہ جمع و تفریق کا عمل جاری رہتا ہے۔

اس سلسلہ کو دیکھنے کے بعد یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ عمل کیلئے عامل کا درجہ درست اور معمول کا کمزور ہونا بھی ایک قانون قدرت سے ہے اور جہاں کہیں دو متقابل قوتیں باہم مسلوی واقع ہوتی ہیں وہاں دونوں کا عمل باطل ہو جاتا ہے اور پھر غور کرنیکی بات یہ ہے کہ یہاں عمل کرنیوالی طاقتیں اگرچہ خود جسم نہیں رکھتیں مگر اجسام سے ظہور کرتی ہیں اور آمو شکل وغیرہ صفات بھی گویا سبب اور غیر جہانی ہیں مگر وہ بھی اجسام سے ظاہر ہوتی ہیں اسلئے عمل کرنیوالی قوتیں اور صفات قوت میں برابر ہیں اور اس لیے ایک کو دوسری پر تسلط ہونا چاہیئے۔ مگر کسی جسم کی ترکیب سے پہلے اسکی شکل اور دیگر صفات معدوم ہیں اور عمل کرنیوالی قوتیں موجود اسلئے اس وقت عمل کرنیوالی قوتوں کو ان پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے اور اسی لئے ان قوتوں کے اثر سے شکل اور دیگر صفات پیدا ہو جاتی ہیں اور پیدا ہونے کے بعد اگرچہ یہ قوت میں ان کے برابر ہو جاتی ہیں مگر پہر ہی صفات ہیں اور موصوف کے بغیر قائم نہیں رہ سکتیں اور آمو شکل کرنیوالی قوتوں کا تسلط اجزائے مادی پر ہمیشہ باقی رہتا ہے اسلئے قوتیں اجزا کو تبدیل کرتی ہیں اور تبدیل کے ساتھ پہلی شکل اور دیگر صفات معدوم ہو جاتی ہیں۔ اور پہر جب شکل وغیرہ صفات کہیں بعینہ پیدا نہیں ہوتیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اجزا پر قوتوں کا تسلط ہو مگر اب قوی تسلط نہیں کہ اجزا کو متفرق کرنے کے بعد ہر ایک جزو جہاں پہلے موجود تھی ٹھیک اسی جگہ پر

دوبارہ رکھی جائے اور جو اجزا اسکے ارد گرد تعین اکمل بالکل اسی تناسب کے جگہ دی جائے بلکہ ہمیشہ ایک ترکیب کے بعد دوسری ترکیب میں خواہ بعینہ وہی اجزا ہوں بعینہ پہلی وضع سے مرکب نہیں ہوتے اور اسی لیے پہلی شکل اور دیگر صفات بھی موجود نہیں ہوتیں۔

اب اسکے بعد جو ہم روح کی نسبت غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ روح اگر قدیم سے موجود ہوتی تو بسیط ہونے کے سبب جسمانی قوتوں کو اس پر کبھی تسلط نہ ہوتا اور وہ جسم سے پیوستہ نہ ہوتی۔ مگر عیسایا کہ اوپر امام غزالی رحمہ کی تحقیق سے ثابت کیا جا چکا ہے بات یہی ہے کہ روح جسم سے پہلے موجود نہیں ہوتی اور اسکے عدم ہی کا نقص ہے جس کے سبب ہی عامل قوتوں کو اس پر ترجیح ہوتی ہے اور ان کے عمل سے جسم کے مرکب ہونے پر روح پیدا ہو جاتی ہے اور پھر جسم سے مفارقت ہونے کے بعد جیسا کہ مذہبی جذبہ کا بالاتفاق فیصلہ ہے اگر وہ باقی رہتی ہے اور شکل وغیرہ صفات کی طرح اپنے قیام کے لیے جسم کی مصلحت نہیں تو پھر قوتوں استمرار کے مطابق وہ اس حالت کو ہمیشہ تک قائم رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور بسیط ہونے کے سبب جسمانی قوتوں سے مغلوب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے حد تک تحلیل و ترکیب کا عمل ان جسمانی قوتوں کی وساطت سے ہوتا رہیگا ممکن نہیں کہ روح دوبارہ جسم میں لائی جائے۔ اور اگر عجیب معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو پیدا کرنے کی طاقت ہو پیدا ہونے کے بعد وہی قابو میں نہ رہے مگر اموات سے اور جسم دیکھتے ہیں کہ آفتابی حرارت کا ایک حصہ میں پڑا کر اسکی تیزی اور خشکی سے بخار پیدا کرتا ہے لیکن وہی بخار پیدا ہو کر ایسا قوی ہو جاتا ہے کہ قابو میں رہنا ایک طرف بارش کی شکل میں خود پیدا کر کے والی حرارت کو دالیتا ہے۔ اسی طرح روح بھی اگرچہ پیدا انہی قوتوں کے عمل سے ہوتی ہے مگر پیدا ہونے کے بعد اپنی بساطت کے سبب ان قوتوں کی گرفت میں نہیں رہ سکتی۔ مگر اس سے نتیجہ کیا نکلا؟ یہی کہ جس وقت یہ نور جسمانی وساطت سے آزاد ہوتا ہوا اپنے غیر جسمانی مرکز پر پہنچ چکا اور تمام نظام موجودہ فنا ہو کر اکثر قوت اکاثرین بن کر ہلکے مطابق زمین و آسمان خدائی نور سے براہ رست منور ہو کر اُس وقت غیر جسمانی قوت اپنی غیر محدود و اثر پذیر کر لگی اور اُس وقت غیر جسمانی اور بسیط روحیں مجبور ہو گئی کہ دوبارہ جسم سے پیوستہ ہو کر جو خواہیں اس دنیا سے اپنے ساتھ لے گئی ہیں ان کے

## منہج نظام کرین \*

درجات کی ترقی سے زمین اور دوسرے یہ امر بھی غور کے قابل ہو کہ موجودات میں جو انقلاب ترقی کی ترقی ہوتی جاتی ہے۔

زمین یا معدنیات ترقی کی ابتدائی درجہ میں ہیں اور ان کے ذرات میں اس حرکت کے سوا جو براہ راست آفتاب سے پیدا ہوتی ہے کوئی اندرونی حرکت نہیں اسلئے اس ترقی میں حسب حالات اچھی اور بری یا مضراور مفید شکلیں پیدا ہو گئی ہیں مگر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے بچنے کی کوئی قابلیت ان میں موجود نہیں۔ درخت چونکہ ان سے ترقی یافتہ ہے اسلئے اپنی ذرات کو پھیلانے اور بیرونی ذرات کو جذب کرنے سے فائدہ حاصل کرنے کی قابلیت اس میں پیدا ہو گئی ہے لیکن نقصان سے بچنے کی قابلیت جیسی اجزاء زمین میں معدوم تھی ویسی ہی اس میں بھی مفقود ہے اور اس کے علاوہ یہ نقص بھی موجود ہے کہ درخت کا تمام وقت اپنی خوراک جذب کرنے میں صرف ہوتا ہے اور اگر چند لمحہ کیلئے بھی درخت کی تمام جڑوں کو زمین سے نکال لیا جائے اور جو مدد زمین سے پہنچتی ہے وہ کچھ دیر کے لئے بند کر دی جائے تو درخت فوراً اس نقصان کا اثر محسوس کرتا ہے۔ درخت کے بعد حیوان پیدا ہوا تو جو ترقی درخت نے کی تھی اسکے ساتھ حیوان میں علیٰ قدر مراتب نقصان سے بچنے کی قابلیت بھی پیدا ہو گئی ہے اور دوسرا نقص بھی کہ سیدھا رُفیع ہوا ہے یعنی مسکا کچھ وقت خوراک حاصل کر نیکی کوشش سے بچ کر دوسرے کاموں میں بھی صرف ہونے لگا ہے اور اگر یہ تنفس کے ذریعہ سے وہ بھی نقصان کی اجزاء کو پیہم جذب کرتا رہتا ہے جس طرح درخت اپنی سامون سے متواتر کام لیتا ہے مگر جڑیں حصہ خوراک کا کہانے کی شکل میں اور نباتات میں زمین کے اندر جسم میں داخل ہوتا ہے اس میں یہ تفاوت ہو گیا ہے کہ درخت اسکو بھی پیہم جذب کرتا رہتا ہے اگر حیوان کی ایسی خوراک کیلئے خاص اوقات مقرر ہو گئے ہیں اور وہ باقی وقت دیگر کاروبار میں صرف کر سکتا ہے اور ان اوقات میں جو کام اس سے جبری طور پر انسان لینے لگا ہے ان کاموں سے بیشک اسکی نشوونما اور جسمانی طاقتوں کو نقصان پہنچتا ہے اور اس لئے دیکھا جاتا ہے کہ پالتو جانور جنگلی جانوروں جیسے قوی

اور بہت نہیں ہوتے لیکن حیوان طبعی طور پر بھی اکثر خوراک لینے کے فعل کو بند کر کے تلاش خوراک یا تناسل کے افعال میں مصروف ہوتا ہے اور ان کاموں سے اسکو حیوانی نقصان نہیں پہنچتا۔ حالانکہ درخت خوراک جذب کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں کر سکتا۔

اب انسان کو دیکھیں تو اس میں اور حیوان میں یہ تفاوت نظر آتا ہے کہ حیوان اپنی کوششوں سے صرف موجودہ ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے اور موجودہ نقصان سے بچ سکتا ہے اور اگرچہ وہ درخت کی طرح اپنا تمام وقت کھانے میں صرف نہیں کرتا لیکن پھر بھی اسے بہت سا وقت خوراک کی تلاش میں صرف کرنا پڑتا ہے اور اس تمام کوشش کے باوجود صرف موجودہ حالت کیلئے اپنا یا اپنے بچوں کا پیٹ پال سکتا ہے مگر اسکے خلاف انسان حیوانی طور پر حیوان سے کمزور اور حیوانی آلات سے محروم ہر شے کے باوجود نہ صرف موجودہ ضرورت اور موجودہ تکلیف کیلئے اہتمام کرتا ہے بلکہ ہزاروں طرح کی تدبیروں سے اپنے لئے اپنے کنبہ کیلئے اور اس سے بڑھ کر اپنے ملک اور قوم کیلئے موجودہ اور آئندہ بڑی حد تک پیش بندی کر سکتا ہے۔ اور جس قدر وقت صرف کر لے پر حیوان محض اپنی جان کو بقدر ضرورت فائدہ پہنچاتا ہے انسان اس صدمہ میں اپنے لئے اور غیروں کے لئے ضرورت سے بہت زیادہ عیش آرام اور تکلف کے وسائل ہم پہنچاتا ہے۔

یہ وہ ترقی ہے جو انسان نے عقل و شعور کی مدد سے حاصل کی لیکن ایک نقص اب بھی موجود ہے وہ یہ کہ اگرچہ اسکا وقت کھانے میں اور موجودہ ضرورتوں کو پورا کرنے میں اس قدر صرف نہیں ہوتا جس قدر حیوان کو کرنا پڑتا ہے۔ مگر تاہم دنیا میں رہ کر وہ ویسوی کاروبار اور خوراک اور دیگر اسباب معیشت کے اہتمام سے بے فکر نہیں ہو سکتا اور خواہ کوئی شخص یا کوئی قوم کیسی ہی بام ترقی پر چڑھ جائے اپنی ضروریات کے لئے ایسا انتظام نہیں کر سکتی کہ ہمیشہ کیلئے یا کم از کم کچھ عرصہ کے لئے فرصت اور یکاری میں بسر کر سکے کیونکہ ایسا کرنے پر دوسرے لوگ جو زندگی کی دوڑ میں تیز قدم ہوتے ہیں آگے بڑھ جائے ہیں اور انکی عقل و شعور اور تہذیب و تمدن کی ترقی سے کچھ تو پیچھے ہٹ جائیں گے اور ان کا تہذیب و تمدن جو اپنے وقت پر مفید ہوتا تھا اس وقت غیر مفید ہو جاتا ہے اور کچھ وہ لوگ ان پر غلبہ سے ایسے لوگوں کو

سجاوہی نقصان پہنچانے کے قابل ہو جاتے ہیں اور یوں اپنے سامانِ معیشت پر بھروسہ کرنا خواہ  
وہ کیسا بھی عظیم الشان ہو ضرور تباہی و بربادی کا موجب ہو تا ہے اسلئے دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ  
عقل و شعور سے بہرہ ور ہیں وہ جس قدر ترقی کرتے ہیں اسی قدر سامانِ معیشت کی فراہمی میں زیادہ  
سرگرم ہوتے ہیں اور اُدھر جو لوگ نادانی سے دنیوی کاروبار میں تساہل دار رہتے ہیں وہ خواہ اپنے  
خیال میں روحانی اور مذہبی ترقی میں نہ ہک ہوں مگر اس معرکہ زیست میں ضرور شکست کھاتے ہیں  
اور نادانی کے ساتھ طرح طرح کے روحانی اور جسمانی امراض اور معیبتوں میں مبتلا ہو کر فانی و مذہبی  
کرتے ہیں یا معدوم ہو جاتے ہیں۔

مذہبی ترقی کا اثر نیچے کے درجہ کی نسبت دیا وفاق حاصل کیا ہے اور بیشتر نقصان سوائے پائی

ہے اور عقل و شعور تک پہنچ کر جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت میں اور کسی وجہ کی مخلوق انکی برابر نہیں  
کر سکتی۔ البتہ ابھی تک کاروبار و دنیا کے درمیان اور اسبابِ معیشت کے انتہام سے فراغت نہیں ہوئی  
اب انسانی ترقی کا ایک درجہ اور یعنی مذہب اور معرفتِ بانی کا جذبہ باقی ہے پس اگر جذبہ میں ترقی اور  
تنزل کر لیا جائے تو نتیجہ ہو جائے تناسلِ مستقیم کہ ترقی کر نیو الون کو اسی دنیا میں خوشحال اور تنزل  
کر نیو الون کو بد حال پیدا کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ درجہ میں ترقی ہو مگر اثر میں پہلے درجات کی نسبت  
کوئی تفاوت نہ ہو کیونکہ اس سے پہلے درجات یعنی عقل و شعور وغیرہ کا بھی یہی اثر تھا کہ ان میں ترقی  
کرنے سے سب درجات خوشحالی اور تنزل کرنے سے سب درجات افسوس ہوتی ہے اور اُدھر انکارِ معیشت سے  
فراغت نہ عقل کی ترقی سے ہو سکتی ہے اور نہ مذہبی ترقی پر روح کو اسی جہان میں پہنچنے سے ہو سکتی  
ہے۔ اور عقل چونکہ دنیا کی طرف لگائی جاتی ہے اسلئے اُس کا دنیوی افکار سے رہائی نہ پاتا تو  
قیاس ہے لیکن توجہ پر خدا کی طرف اور ترقی ہو معرفتِ ربانی میں اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ پہر اسی دنیا  
میں اگر انہی افکار میں بسر کریں اور ایسے خیالات میں مجھ رہیں جو خدا سے غافل کر دیا موجب ہوں  
ایسی اہلی کو شش پر پایہ انجام ہو کر دنیا میں رہیں۔ اسلئے چاہئے کہ مذہبی ترقی اور تنزل کا اثر عقل و شعور

کی ترقی و تہنزل سے زیادہ ہوتا ہے۔ قاعدہ ایک درجہ سے دوسرا درجہ فائق اور برتر قرار پائے۔  
 عبادت کا مفید طریق | لیکن ایسا اثر کیا ہوگا؟ اسکو تلاش کرنے سے پہلے ایک شبہ کو حل کرنا  
 مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ دنیوی تکالیف جو عقلی کوتاہی سے پیش آتی ہیں مذہبی طریقہ تک  
 میں انکو بھی گناہ کی سزا کہا جاتا ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ مذہب کے نزدیک یہ تکالیف بھی مذہبی  
 تہنزل کا انہی میں اور اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے مذہب کا اصلی مدعا اگرچہ  
 ناویدہ ہستی کی تلاش اور خدا کا وصال ہے لیکن اس غرض تک پہنچنے کیلئے وسائل کی ضرورت  
 ہے اور وسائل میں اگرچہ ذکر و شغل اور مراقبہ و شاہدہ یعنی مختلف طریقہ نامے عبادت ہی ایک ضروری عنصر  
 ہیں۔ مگر ایک انسان اس دنیا میں رہ کر بہت کم آدمی صرف نہیں ہو سکتا اور دوسرے عبادت میں  
 ایسا مصروف رہتا کہ دیگر فرائض انسانی کو یک تحت ترک کر دیا جائے اس غرض کیلئے بالعموم مفید  
 بھی نہیں۔ کیونکہ انسان کی طبیعت ایسی طاق ہوئی ہے کہ وہ ایک خیال کو ہمیشہ کے لئے اپنے  
 دل میں قائم نہیں رکھ سکتا اور اگر تمام وقت اور دونوں اہل میں بسر کرے تو ایسے وقت کا بہت سا  
 حصہ بظاہر عبادت میں اور حقیقت غفلت ملال یا نفسانی خواہشوں کی کشمکش میں صرف ہوگا اور وہ  
 چند لمحے ہونگے جو خالص یاد آہی میں گذریں۔ بیشک بعض لغوی قہر یہ ایسے ہو سکتے ہیں جو  
 مستثنیٰ طور پر اپنا تمام یا اکثر وقت ایک خیال میں اور خدا کی یاد میں بسر کریں۔ لیکن یہ محبت کا انتہائی  
 درجہ ہے اور سب انسان اس درجہ تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے یہ طریق بھی بااستثنا ہے  
 بعض سب کیلئے مفید نہ ہوگا۔ اور اگر فرائض دنیوی کو بھی ادا کیا جائے مگر انکی بجائے اور یہی  
 یہ خیال رہے کہ کوئی فعل اپنی جائز حد و وسعے باہر نہ ہو اور جلب منفعت اور دفع مضرت میں ہی روش  
 اختیار کی جائے جو فرائض قدرت اور نشا خداوندی کے مطابق ہو۔ اور یوں بالواسطہ خدا کا شوق  
 اور یاد آہی کی صلاحیت پیدا کرتے ہوئے خاص اوقات میں کسی خاص طریق عبادت سے یہ واسطہ  
 خدا کی طرف توجہ ہو تو اس طریق سے جس قدر حصہ دنیوی کاروبار میں صرف ہوگا اس میں یا خدا اس  
 طرز سے دل میں رہے گی کہ ملال نہ ہو اور جو تہہ و تراسا وقت خالص عبادت میں صرف ہوگا اس میں کچھ تو پہلے



خیالات کی وجہ سے اور کچھ عبادت کے مختصر ہو نیکی سبب خدا کی طرف دھیان لگانا آسان ہو گا اور اس وقت خدا کی طرف کامل توجہ رکھنے کے بعد پھر دنیوی کاروبار میں مصروف ہونے پر ان کے بجا اور حیب ہونیکا خیال اور بھی پختگی سے جاگزیں رہیگا اور یوں عبادت ہی کا روبرو اور کاروبار سے عبادت کی طرف آمد و رفت رکھنے سے یاد الہی رفتہ رفتہ دل میں گھر کرتی جائیگی اور بالکل ایسے بڑے فوائد اور اس جلدی سے حاصل کرے گا کہ نہ تمام وقت عبادت میں صرف کرنے سے ہمیشہ دیکھیں اور نہ ہمیشہ دنیوی کاروبار میں صرف رہنے سے حاصل ہوں۔ اور ہم لوگ جو اکثر شکایت کرتے ہیں کہ عبادت میں لطف نہیں آتا۔ اور دنیوی خیالات خدا کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتے۔ یہ یاد کرنا شروع کریں اور ناہم فرقہ اکثر خالص طبع پر نہایت کمزور ثابت ہوتا ہے تو وجہ یہی ہے کہ ہم دنیا دار دنیا کے کاموں میں بجا اور بجا یا خدا کی خوشنودی و ناز رضی کا خیال نہیں رکھتے اور بالواسطہ یا د خدا کی صلاحیت پیدا نہیں کرتے اور دن رات کا بیشتر حصہ کامل غفلت میں گزارنے کے سبب نماز کے وقت بھی اسی غفلت کا شکار رہتی ہیں اور اوتھارک الدینا فرقہ صرف ہاتھ کو تسبیح پر روز زبان کو خدا کے نام پر جاری رکھتا ہے اور نہ ایک ہی کام کرنے رہتے ہیں جو تکوان اور ملال پیدا ہوتا ہے اس سے بیہودہ خیالات اور بھی ترقی کرتے ہیں اور قلبی نور و جلال جو ناپا چاہیے پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ ہمارا اپنا قصور ہے ورنہ ہم بھی تسلیم میں نیگتے ظاہر کر دے گئے ہیں اور فرمایا ہے کہ کسی طرف مٹ کر یا کسی سمت خاص سے آنا جانا یا قربانی کا فہرہ وغیرہ حقیقت کو کاری نہیں ہے بلکہ نیکو کاری خدا کی اطاعت۔ کاروبار میں اتقا اور حسن سلوک پر منحصر ہے اور سب ہی بڑا مدعا خدا کی یاد ہے لیکن خاص طریق عبادت یعنی نماز کا یہ فائدہ ہے کہ اس وقت کی توجہ سے کاروبار میں بڑائی سے بچنے کی عادت پختہ ہوتی ہے۔ اور نیز حکم دیا گیا ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر دنیوی کاروبار میں مصروف رہو اور بجا واسطہ ذکر خدا کرنے کے بعد بالواسطہ یا د خدا کو ترقی دیتی ہو اور شاہد

اَلَيْسَ الْاِيْمَانُ تَوَكُّلًا وَجْهًا كَثْرَةً قَبْلِ الشَّرَفِ  
وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْاِيْمَانَ اَمْنٌ بِاللّٰهِ  
اَلْاَيْمَانُ الْاٰخِرُ وَالْاَوَّلُ كِتَابُ الْاَنْبِيَاءِ

عبادت کے وقت مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنا  
کوئی ٹکلی نہیں ہے نیکی یہ ہے کہ خدا پر قیامت پر  
الہامی کتابوں پر اور انبیاءوں پر ایمان لائے

وَاتَّقِ الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَ  
 الْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَ  
 الْمَسَالِكِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامِ الصَّلَاةَ  
 وَآتِ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنِينَ بِمَهْدِهِمْ إِذَا عَا  
 وَابْتِغَاءَ مَرْضًى فِي الْبُيُوتِ وَالضَّرَائِعِ وَحِينَ  
 الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَ  
 أُولَئِكَ لَهُمُ الشُّعُورُ ۝ (رقبہ پارہ ۷ ع ۲۲)

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُكُفَا  
 مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُدْرِكُ هَبْ السَّيِّئَاتِ  
 ذُلِكَ ذِكْرُ لِلَّذِينَ هُمْ ۝ (ہود پارہ ۷ ع ۹)

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومَهُمَا وَلَا دِمَاؤُهُمَا وَلَكِنْ  
 يَنَالُهُ النَّفْسُ مِنْكُمْ ۝ (رج پارہ ۷ ع ۸)

أَنْتُمْ مَا رَحِمَ الْيَتَامَىٰ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ  
 الصَّلَاةَ طَرَفِي الصَّلَاةِ ثُمَّ نَحْيُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ  
 وَلِذِكْرِ اللَّهِ الْكِبَرُ ۝ (عنکبوت پارہ ۷ ع ۸)

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ  
 وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَسْرَ تِلْكَ  
 لَكُمْ تَقْصِيحُونَ ۝ (عنکبوت پارہ ۷ ع ۸)

اور باوجود مال کی محبت کے سرشتہ واروں کو یتیموں  
 کو سگینوں کو سافروں کو اور مانگنے والوں کو دو  
 اور غلاموں کو آزاد کرنے میں خرچ کرو۔ اور نماز پڑھو  
 اور زکوٰۃ دو۔ جب عہد کرو تو عہد کو پورا کرو اور خوف  
 تکلیف لڑائی کے وقت جبر سے کام لو۔ جو ایسا  
 کرے وہی سچا ملکوار ہے اور وہی متقی ہے۔

(عربی جاہلون کی طرح خاص اوقات میں) گھروں  
 کی پشت سے داخل ہونا نیکی نہیں بلکہ نیکی تقویٰ ہے  
 تم دروڑوں کی راہ آؤ مگر پیہ پیہ نگاری اختیار کرو  
 تا تم فلاح پاؤ۔

دن اور رات کے خاص وقتوں میں نماز پڑھو کیونکہ  
 نیکی برائی کو دور کرتی ہے اور نصیحت ان کیلئے  
 ہے جو بارگھین۔

قرآنی کائنات اور خون خدا تا نک نین پہنچا بلکہ  
 خدا تک تمہاری پرہیزگاری پہنچاتی ہے  
 جو کتاب تمہارے وحی کی گئی ہے اسے پڑھو اور نماز پڑھو  
 کیونکہ نماز حیالی کے افعال اور بدکاریوں سے روکتی ہے  
 اور خدا کی یاد سب سے بڑی چیز ہے۔

جب نماز ختم ہو تو زمین پر پھیل جاؤ اور خدا کا فضل لینے  
 معیشت کا سامان تلاش کرو اور خدا کو بہت یاد رکھو تا  
 تم فلاح پاؤ۔

دنیوی بے اعتدالی کو مذہب بھی  
عقل کی طرح برا کہتا ہے اس لئے کہ  
یہاں کے کاروبار مذہبی ترقی کے  
وسائل ہیں۔

غرض مذہب کا مدعا ہے نظر اگرچہ دنیا سے پرے اور خیال و قیاس  
سے باہر ہے مگر اس تک پہنچنے کے وسائل میں بہت تھوڑا حصہ  
دنیا سے الگ ہے۔ اس کا ہے اور زیادہ نزدیک اور دنیا کے کاروبار ہیں۔

اور اس لئے مذہبی تعلیم میں جہاں خدا کی طرف بلایا جاتا ہے وہاں ساتھ ہی دنیاوی کاروبار  
کے اصول بھی بتائے جاتے ہیں اور یہی اصول دنیوی نسبت کی خوبی اور بدی پر بھی اثر کرتے  
ہیں اس لئے مذہبی تعلیم کا یہ حصہ عقل کے دائرہ اقتدار میں بھی داخل ہے۔ چنانچہ قواعد صحت کی  
پابندی حصول منفعت میں اور دفع مضرت میں میانہ روی اور بند گان خدا کے حقوق کی نگہداشت  
مذہب کے نزدیک باعث نجات ہیں تو عقل کے نزدیک بھی یہی امور انسانی ترقی اور بہبود کی واسطے  
ضروری ہیں۔ اور ناپاک معاشرت۔ شہوانی اور غرضی خواہشوں کا غلبہ اور اٹلاف جان و مال مذہب  
کے نزدیک باعث ہلاکت ہیں تو عقل کے نزدیک بھی یہی باتیں سودا گری کو مضرت ہیں۔ غرض ان امور  
کی نسبت فیصلہ کرنے میں عقل اور مذہب متحد ہیں اور صرف یہ تفاوت ہے کہ عقل کی نظر اسی زندگی  
تک محدود ہے اور وہ اعتدال پسندی کو اس لئے چھوڑتی ہے کہ افراط و تفریط سے کو فوری راحت  
و مسرت حاصل ہو مگر انجام میں خود اپنے تئیں تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے اور مذہب یہی بھیجتا  
ہے کہ افراط و تفریط سے اپنی تکلیف کے علاوہ دوسروں کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور وہ بھی اسی  
خدا کی مخلوق ہیں اس لئے ایسا کرنا اسکی رضامندی کے خلاف ہو گا اور اس صورت سے دنیوی  
کاروبار میں جس قدر اہتمام عقل کو ہے مذہب ان کو اس سے بھی زیادہ مہتمم بالشان سمجھتا ہے اور اس لئے  
دنیوی کاروبار کے لئے جو مفید اصول ہو سکتے ہیں انکی تعمیل اور عدم تعمیل کے اثر و ن کو جس طرح عقل  
کی طرف منسوب کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ یہ اثر عقل کی اطاعت یا عدم اطاعت کو مرتب ہو رہا ہے  
اسی طرح ان اعمال کو مذہب کی طرف بھی منسوب کیا جاسکتا ہے اور ان کے اثر کو مذہبی جزا اور سزا  
کہہ سکتے ہیں چنانچہ حرام کاری حرام خوری۔ صداقت کی خلاف ورزی اور صداقت پسندی کی  
ایثار سانی سے جو نقصانی ارتکاب کرنا والوں کو پہنچتے ہیں ان کو عاقلانہ طرز کلام میں اصول معاشرت

کی خلاف ورزی کا نتیجہ اور مذہبی زندگی میں خدا کا غصہ اور گناہ کی سزا کہا جاتا ہے۔

مذہب کی خاص اپنی ترقی غرض ترقی دیکھا کہ دنیا کے نیک اصول خدا تک پہنچانے کا ذریعہ  
 دنیوی نیک طواری کو بلا کر

ہیں اور دنیا میں خوشحال رہنے کا مدار اسلئے یہاں تک مذہبی اور عقلی اغراض متحد ہیں اور اسی لئے ان افعال کا اثر دونوں کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ مگر دونوں کا باہمی سفر بہت تک ختم ہو جاتا ہے اور عقل چونکہ دنیا کو اسی زندگی کے تعلق سے دیکھتی ہے اسلئے ایسے اصول دریافت کرنے جس سے یہ زندگی عہدگی سے گزرے عقل کے لئے معراج ہے اور آئندہ کے لئے نہ اسکی کوئی ترقی باقی ہے اور نہ اس کا کوئی اثر اور اگر ہے تو صرف یہ کہ جس طرح نشوونما کی طرف متوجہ ہونے سے نشوونما میں اور حرکت ارادی کی طرف متوجہ ہونے سے حرکت ارادی میں ترقی ہوتی ہے اسی طرح عقلی طور پر معاملات دنیا میں غور کرنے سے عقل میں ترقی ہوتی ہے اور اصر مذہب دنیا کو اس نظر سے ہی دیکھتا ہے کہ وہ خدا کی مخلوق ہے اور اس کے ساتھ نیک یا بد سلوک کرنے سے خدا کی خوشنودی یا نارضا مندی حاصل ہوگی اور اس سے خدا کا قرب یا بعد حاصل ہوگا اسلئے مذہب کی واسطے دنیا کو درست کرنے کے بعد آئندہ بے انتہا ترقی کا موقع ہے اور اسی لئے اسکے آثار بھی آئندہ بے انتہا ہونگے چنانچہ نشوونما حرکت اور عقل کی طرح ایک اثر تو بہت نظر آتا ہے کہ مذہبی طور پر معاملات دنیا میں غور کرنے سے مذہب میں ترقی ہوتی ہے اور یہی وہ درجہ ہے جہاں سے عقلی اور مذہبی ترقی کا اثر مختلف ہونا شروع ہوتا ہے چنانچہ جو لوگ دنیا کو عقلی طور پر دیکھتے ہیں اور مختلف قوانین قدرت کو معلوم کر نیسے معاشرت کے عہدہ اور راحت بخش اصول دریافت کرتے رہتے ہیں ان کے اس فعل سے عقل کو بھی ترقی ہوتی ہے لیکن ایسے لوگ مذہب کی طرف توجہ نہ کریں تو ممکن ہے کہ مذہبی ترقی ہو بالکل محروم رہیں۔ اور ایسا ہی جو لوگ عقل سے بالکل محروم ہوں اور غور و فکر کا مادہ نہ کھیں لیکن مذہبی تعلیم سے بہرہ اٹھا اور جن دسلوک پر کار بند رہیں انکی مذہبی ترقی کا یہ اثر ضرور ہوگا کہ یا خدا دل میں جگہ کرتی جب ایسگی اور وصال ربانی کی قابلیت پیدا کر لینگے مگر اس فعل سے عقلی ترقی ہرگز پیدا

نہ ہوگی اور وہ لوگ سائنسٹ اور فلاسفر نہ ہو سکیں گے۔

مذہب کی خاص اپنی ترقی کا  
 اثر ہی دیگر ترقیوں کے بالاتر ہوگا۔  
 یہاں تک تو مذہبی اور عقلی ترقی کے وہ اثر تھے جن کے بارہین  
 اختلاف نہیں۔ اب مذہب کی اپنی ترقی کا وہ اثر رہا جو اس زندگی

کے بعد پیدا ہونے کو ہے اور جسکی نسبت اہل ناسخ مانتے ہیں کہ وہ دوبارہ اسی دنیا میں علی قدر  
 مراتب پیدا کرنے سے ظاہر ہوگا۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ جس درجہ سے عقل اور مذہب کے  
 اغراض مختلف ہوئے ہیں اس درجہ سے جو اثر اسی زندگی میں پیدا ہونا شروع ہوا ہے وہ باہر  
 مختلف ہو یعنی عقل کا اثر عقلی ترقی اور مذہب کا اثر مذہبی ترقی ہے تو جو اثر اس سے ہی ایک  
 درجہ آگے بڑھنے اور خدا کی معرفت حاصل کرنے یا اسکی ذات سے بیدار ہونے پر پیدا ہوگا اور جس کے  
 لئے اس زندگی کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کی ضرورت ہو وہ بھی چاہئے کہ ترقی کے تمام ابتدائی  
 درجات سے ممتاز ہو۔ اور جو اثر حیوان مادہ کی ترقی سے ہوتا ہے کہ اس کے ناقص اجزاء سے ناقص  
 اور کاملتر اجزاء سے کاملتر شکلیں پیدا ہوتی ہیں اور اچھے ہون یا بُرے سب حوادث کے اثر سے  
 فنا ہو جاتے ہیں۔ اور جو اثر نباتی اور حیوانی ترقی سے پیدا ہوتا ہے کہ ان کے ناقص اور کامل افراد سب  
 حیثیت منفعت حاصل کرتے ہیں لیکن جلب منفعت اور دفع مضرت میں اپنے سے بالاتر درجات کی  
 نسبت کمتر رہتے ہیں اور جو اثر عقلی ترقی سے پیدا ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے سے خوشحالی  
 اور بد حالی نصیب ہوتی ہے لیکن خوشحالی میں افکار معیشت سے فراغت کہی نہیں ملتی اور بد حالی میں  
 راحت و مسرت سے بالکل محرومی کہی نہیں ہوتی۔ ان سب کے اعلیٰ اثر مذہبی ترقی پر مرتب ہونا  
 چاہئے اور وہ یہی ہو سکتا ہے کہ مادہ میں عقلی ترقی کی قابلیت پیدا ہونے پر پیدائش کی شکلیں  
 اس سے پیشتر کی شکلوں سے اعلیٰ ہونے لگی تھیں مذہبی ترقی کا اثر ہونے پر اس سے بھی  
 اعلیٰ ہون اور حوادث کا اثر قبول نہ کریں۔ تا مادہ کی ترقی سے امتیاز ہو۔ اور عقلی ترقی کی کیفیت  
 دفع مضرت اور جلب منفعت کے وسائل میں ترقی ہوئی تھی مذہبی ترقی کے وقت ان وسائل کے  
 اور بھی اعلیٰ شکل ہونا نباتی اور حیوانی ترقی سے فوقیت ظاہر ہو۔ اور عقلی ترقی و منزل سے

پر ترقی ہونے کے سبب مذہبی حالت کی ترقی و منزل دو نوا محمد و مہون تا اسکا درجہ تمام ماتحت  
ترقیوں سے بالا رہے اور چونکہ ایسا اثر اس دنیا میں اور اس آفتاب کے زیر اثر مہینوں میں  
یہی وقت ہوگا جبکہ مادہ ترقی کر کے بالواسطہ نور سے متغی ہو جائیگا اور آفتاب وحدت کا نور  
جلوہ گر ہو کر تمام منزل اور ترقی کی شکلوں کو انکی مکمل حالت میں ظہور بخشیدگا۔ اور چونکہ مذہب غیر  
محدود اور مکمل نور کی تلاش کرتا ہے اسلئے غیر محدود و نور ہی اسکا اثر ظاہر کریگا اور اس سے جو شکل  
بینگی مکمل ہوگی اور جو اثر ظہور کریگا غیر محدود ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ مذہب میں جو لوگ ترقی کرینگے  
وہ بیشک اعلیٰ زندگی پائینگے۔ مگر جو منزل کرینگے اور خدا سے دور رہینگے وہ اعلیٰ زندگی کے  
مستحق نہ ہونگے اور دوبارہ اسی دنیا میں بھیجے جائینگے تو یہ احتمال بھی یہاں کی شہادت سے  
خلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں جو انسان اپنی انسانی ترقی کو چھوڑتے ہیں اور عقل و شعور میں  
منزل کرتے ہیں وہ اور ان کی نسل انسانی درجہ سے اتڑ کر گھوڑے اور بیل کی شکل اختیار نہیں  
کرتی۔ بلکہ ہتھ انسان کی شکل میں ہیں اور ان تکلیفوں میں مبتلا رہتے ہیں جو عقل و شعور کو ترک  
کرینیکا نتیجہ میں۔ اسی طرح آئندہ انقلاب میں جو لوگ مذہب میں منزل کرینگے وہ بھی چاہئے کہ اپنے  
درجہ سے اتڑ کر دنیوی حالت کی طرف نہ آئیں اور اسی درجہ میں رہ کر ان سعادتون سے محروم رہیں  
جو مذہبی ترقی پر مرتب ہیں۔

غرض یہ کہ مذہب کا مدعا دنیا سے بالاتر قرار دینا اور پھر اسکی جزا و سزا کیلئے اسی دنیا اور  
اسکی محدود شکلوں اور ترقیوں کو معراج ٹھیکرانا مذہب کو اس کے اپنے مدعا سے جدا کرنا اور اپنے درجہ  
نیچے گرا دینا ہے اور مختصر یہ کہ دنیا کی مختلف شکلیں اور یہاں بہتری یا بدتری کا ظہور دنیوی فائن  
کے مختلف مظاہر اور انکی پابندی یا خلاف ورزی کے اثر سے ہوتا ہے اور ان اثرات کو مذہبی  
قرا دینا صرف اس وجہ سے درست ہے کہ یہاں کے کاروبار اس ترقی کے لئے وسائل کا کام دیتے  
ہیں ورنہ دراصل مذہبی ترقی یا منزل جس طرح دنیا سے پرے ایک بالاترستی کی نسبت ہے اسی طرح  
اسکا اثر بھی دنیا سے باہر اور اس بالاترستی کے بیواسطہ جلوہ پر منحصر ہے۔ فنا کسی چیز کو نہیں اور مادہ فنا

نہ ہو مگر منہج ہر ف کا تو وہ بن کر ٹپا رہے تو ان قدر قدرت کے خلاف ہے۔ اور یہ مان کا ایک ذرہ بھی  
کبھی بریکار نہ ہوگا۔ اسلئے یہ سب کچھ ہی کام آئیگا اور اصرار و محاج جو پیدا ہو چکی ہیں وہ ہی کام دینگی  
اور نور جو مرکز کی طرف جا رہا ہے مرکز پر ٹھہر کر ان سب کو وہ نور بخشنیگا جو ابد الابد تک قائم رہے ۛ

مرئیہ بعد قیامت کا انتظار  
باعث تکلیف نہیں ہو سکتا

حشر و نشر کا حال جہاں تک مقصود تھا لکھا جا چکا ہے۔ اب صرف  
ایک سرسری سے اعتراض کا ذکر اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہا جاتا

ہے کہ جزا و سزا کو ایک خاص وقت تک موقوف رکھنے سے ارواح کو بہت سا وقت انتظار میں بسر

کرنا پڑیگا۔ اور وہ وقت بھی مختلف ہوگا کیونکہ جو مین ابتدا سے آفریش میں جسم سے الگ ہو چکی

ہیں وہ بہت بڑے عرصہ تک انتظار میں رہیں گی اور جو آخر زمانے میں فوت ہو چکی انکو نسبتہ کم تر

وقت لگیگا۔ لیکن یہ عمر میں موجودات بسبب کو مرکبات پر قیاس کرنے سے پیدا ہوا ہے حالانکہ

ان دونوں کی حالت جداگانہ ہے۔ مرکبات پر بیشک زمانہ کا اثر ہوتا ہے اور کسی وقت کوئی راحت

پیدا ہوتی ہے جس کا زمانہ گذرنا ہوا محسوس نہیں ہوتا اور کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے جس کا وقت بہت

دیر معلوم ہوتا ہے اور کبھی کوئی وقت بریکاری اور اقطاری میں گذرنا ہے تو ابدائے جسمانی

اور فوائے و داعی خارجی اسباب سے متاثر ہو کر حرکت کرنا چاہتی ہیں اور انتظار کے سبب

انکو رکنا پڑتا ہے اسلئے کسل اور بے چینی محسوس ہوتی ہے مگر یہ سب اسی وقت تک ہو کہ جسمانی

ترکیب قواعد ترکیب کے موافق کام کر سکتی ہو۔ ورنہ جب کسی سبب سے جسمانی ترکیب میں خلل واقع ہو

اور اسکا اثر پڑتا ہو داعی قوتوں تک پہنچو اور انکو معطل کر دی تو ایسی حالت میں دیکھا جاتا ہو کہ بہت بہت

عرصہ بریکاری اور غفلت میں گذر جاتا ہو اور یہ پیش آنے پر وہ ایک آن کے برابر بھی معلوم نہیں ہوتا۔ حالانکہ

یہ وہ وقت تھا جبکہ روح جسم سے متعلق تھی اور صرف فوائے جسمانیہ کو بریکار کر دیا گیا تھا تو جس وقت روح

کو جسم سے بالکل مفارقت ہو جائیگی اس وقت بسبب اور محجور ہونے کے سبب اس پر حوادث کا اثر

ہوگا اور نہ انتظار و ملا لگا گذر۔ روح یہاں سے تار یک ہو کر گئی ہو یا روشن جس حالت میں ہوگی

اُس پر کوئی ہزار برس اور ایک آن برابر ہے ۛ

# اختتام

کفارہ اور نجات و مہندہ کی ضرورت۔ خدا کا پہنچنے کیلئے پاکیزگی کی ضرورت ہے۔ پاکیزگی دل کی سہولتی چاہیئے۔ توبہ سے دل صاف ہونے میں شک نہیں۔ گناہ کی لذت کو ترک کرنا اور پاسبانی کی تکلیف اٹھانا کفارہ ہے۔ دوسرے کی تکلیف کو دل صاف نہیں ہو سکتا۔ خدا خود پہنچنا چاہے تو اسے کفارہ ہر تکلیف اٹھانیکی ہی ضرورت نہیں۔ دنیا میں ہاوی کی ضرورت ہے۔ مرد و بیشک باہر سے اور اوپر سے آتی ہے مگر مقامی استعداد کے اختلاف سے اس کے طور مختلف ہوتے ہیں۔ اختلافات کو دیکھتے کا نتیجہ۔ نتیجہ کے بعد کا فرض۔

کفارہ اور نجات کی ضرورت۔ سوائے نجات کے کوئی ایک مضمون انسان کی مذہبی ضرورتوں پر لکھتے ہیں چنانچہ ان کے نزدیک جس طرح انسان کی اور فطری ضرورتیں ہیں اسی طرح مذہبی جذبہ کے متعلق بھی چند ضرورتیں اسکی فطرت میں داخل ہیں۔ چنانچہ ایک جانب اسکو کمال تک پہنچنے کی ضرورت۔ کسی کے ساتھ دائمی وصال حاصل کر نیکی ضرورت اور بقائے دوام کی ضرورت ہے اور دوسری جانب گذشتہ جرائم اور ان کے نتائج سے نجات پانے کی اور کسی نجات و مہندہ کی ضرورت ہے۔ پہلی قسم کی ضرورتوں کو جس طرح پروردہ ثابت کرتے ہیں اسکا خلاصہ یہ ہے کہ انسان میں خواہشیں فطرۃ و ولعیت ہیں اور اس کے دل سے خود بخود یہ آواز اٹھتی ہے کہ مجھے کمال ملنا چاہیئے اور ایسے عزیز کی رفاقت حاصل کرنی چاہیئے جس سے مفاہقت نہ ہو اور فتنانہ ہونا چاہیئے۔ ان تینوں ضرورتوں کو مفصل لکھنے کے بعد دوسری قسم کی ضرورتوں کا بیان ذکر کرتے ہیں کہ

”لوگ اکثر گذشتہ جرموں کی پروا نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اپنی حالت کو درست کر لینے کے بعد گذشتہ گناہوں کے لئے کفارہ کی ضرورت نہیں رہتی اور توبہ کرنے کے بعد گناہ کی سزا کو ضروری سمجھنا خدا کو صفت انتقام سے متصف کرنا ہے۔ ہم سوقت اس مہتمم بالشان رسول کو کہ ایسا گناہ بیکار کے لئے



کفارہ ضروری ہر نیکی بغیر اصلاح حال ممکن ہے، قطع نظر کر کے دیکھتے ہیں کہ کیا واقعہ میں کفارہ کا مطالبہ خدا کو مستقیم بتانا ہے۔ اب اگر دنیا میں ایک طرف خدا اور دوسری طرف گنہگار صرف یہی دونو موجود ہوتے تو بیشک اس خیال میں قوت ہوتی لیکن واقعہ میں یہ کیفیت نہیں ہم یقین رکھتے ہیں کہ کفارہ کا مطالبہ سلسلے نہیں کہ اسکے بغیر خدا کا غصہ فرو نہیں ہوتا۔ یا اسکا جلال قائم نہیں رہتا۔ بلکہ واسطے ہے کہ خدا کی اخلاقی حکومت فضا جیسی وسیع اور زمانہ جیسی طویل ہو سکے تاکہ یا انتظام وغیرہ الفاظ کو بحث میں لانے سے کثرت و اذیت کو سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے بلکہ سزا کا لفظ یہی جنت تک کہ وہ صرف ایک پہلو کو ظاہر کرے اور وہ پہلو بھی کچھ زیادہ مہتمم بالشان نہ ہو یعنی گناہ کے بدلے کی تکلیف۔ اس حال میں اس لفظ سے یہی غلط فہمی واقع ہوتی ہے جبکہ ہم سزا دیتے ہیں تو تکلیف یا سزا کو مصنوعی طور پر گناہ کے ساتھ وابستہ نہیں کرتے بلکہ تکلیف اور سزا لازمی نتیجہ ان اخلاقی قوانین کو توڑنے کا ہے جن کو خدا نے عالم کے انتظام اور بہتری کیلئے قائم کیا ہے۔ اور دینی اور نظام کو قائم رکھنے کیلئے ضرورت ہے کہ گناہ کے لازمی یا ناجانی ظاہر کیجائے اور انسان کے لئے اس نکتہ کو سمجھنا اور خیال میں رکھنا ضروری ہے اور اسی سے کفارہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے پس بری پر تکلیف کا مرتب ہونا خدا کا انتظام کا نشان نہیں بلکہ اسکے رحم اور خوبی کو ظاہر کرتا ہے دنیا کا کیا حال ہو اگر گناہ کو بے سزا اور بے مزاحمت چھوڑا جائے؟

اسکے بعد وہ سوال کرتے ہیں کہ آیا کسی گنہگار کیلئے سزا گناہ کا تکلیف اٹھانا کفارہ ہو سکتا ہے؟ اور جواب میں لکھتے ہیں کہ

”ایسا دنیا میں ہر جگہ دیکھا جاتا ہے اور نیک وطن مرد اور عورتیں دوسروں کے لئے تکلیف برداشت کرتے اور انکو تکلیف سے بچانے نظر آتے ہیں“ (پھر فرماتے ہیں کہ) ”مکن ہے کہ خدا خود انسان کے گناہ کا کفارہ دے اور اپنی ربانی رحم کے ساتھ اسکو اپنی طرف کھینچے۔ اس سے یقیناً اسکی حقیقی غلط کم نہ ہوگی وہ رحم اور محبت کا خدا ہے اس لئے بغیر اسکی مغفرت بالکل مناسب ہوگا“ (پھر لکھتے ہیں کہ) ”اگر گذشتہ اعمال کیلئے کفارہ ممکن ہو تو بھی اس کو کمال نجات

حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ گذشتہ گناہوں سے انسان ایسا کمزور ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی خواہشوں کو روکنے اور رستی کے راہ پر چلنے کے ناقابل ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جو کچھ سمجھتا چلے ہے میں نہیں سکتا بلکہ اکثر بھول بھی جاتا ہے کہ اُسے کیا بننا چاہئے۔ اور اس طرح نہ صرف اپنے مخالف پسینچے میں نامکام رہتا ہے بلکہ وہ مستند بھی اسکی آنکھوں سے اوہل ہو جاتا ہے اور سلسلے انسان کو گذشتہ گناہوں سے نجات پانے کی ضرورت ہو تو گناہوں کے ان نتائج سے بھی نجات پانے کی ضرورت ہو اور اس سے نجات دہندہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ اور اگرچہ اس ضرورت سے اکثر کفارے لیکن منطقی طور پر ہرگز نہیں۔ کیونکہ جو لوگ خود اپنے تئیں اپنا نجات دہندہ مانتے ہیں انکے اصول کا نقص رخ و انکھو کسی نہ کسی نجات دہندہ کا قائل بناتا ہے جو انہیں نجات حاصل کرنے میں مدد دے۔ اور عجیب بات یہ کہ ربانی نجات دہندہ سے انکار کرنے والوں کا رہنما خواہ وہ گوتم بدھ ہو یا شکر آچار یہ یا محمد اکرمی نہ کہی خدا کا اوتار یا عسائت خداوندی کا خاص انعام فی ربیعہ مانا جاتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے تئیں بغیر تعلیم کفارہ یا روحانی مدد کے بچا نہیں سکتا اور ضرور ہے کہ مدد باہر سے آئے اور یہ سے آئے۔

خدا تک پہنچنے کیلئے پاکیزگی کی ضرورت ہے۔

پادری صاحب نے مضمون نہایت قابلیت سے لکھا ہے۔ اور بیشک مذہب اگر کوئی چیز ہے تو اسکی حقیقت ایک بالائے ہستی کو ماننے کے سوا اور کچھ نہیں اور کسکو ماننا انسان کو دین میں جو خود بخود خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس متی کا وصال سب سے بڑی نیت ہو اور سب سے بڑی کمال ہو اور اس خیال میں نیت کمال کو حاصل کرنے کی آرزو پیدا ہوتی ہے اور ساتھ ہی لمین عقیقہ بہ فطرۃ و وصیت ہو کہ اس متی کو ملنے یا اس کمال کو حاصل کرنے کا موقع اس زندگی اور اس کے علائق میں نجات پانے کے بعد ہوگا اور اس طرح کمال تک پہنچنا اس متی کیساتھ دای صال حاصل کرنے اور ہمیشہ کے لئے راقی رہنا یہ آرزو میں مذہبی جذبہ سے پیدا ہوتی ہیں اور اس لئے ان کو مذہبی ضرورتیں کہنا سب سے گرو دنیا میں جس قدر مذہبی اختلافات موجود ہیں وہ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے وسائل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور پادری صاحب کا منشأ اسی اختلاف کو دور کرنے اور خاص مسائل معین فرمانے کا ہے۔ اور یہی علم ہے کہ گندہ گار اور نا پاک زندگی بسر کرنے والے

کمال اور حصال ربانی کو حاصل نہیں کر سکتے اس لئے پاکیزگی کی ضرورت ہو اور پاکیزگی ان کے خیال میں پہلی پیدا ہو سکتی ہے کہ ناپاکی کا عوض اور کفارہ ادا کیا جائے اور نیز ناپاکی کا رنگ دور کرنے کے لئے کوئی خدائی طاقت رکھنے والا مادی ہو اس لئے ان کے نزدیک یہ چیزیں مذہب کی دوسرے وجہ کی ضرورت ہیں اور چونکہ مذہب عیسوی میں ان ضرورتوں کا اہتمام کیا گیا ہے اس لئے ان کا منہنی دعویٰ ہے کہ یہ مذہب تمام مذاہب سے فائق ہے اور بیشک اگر کفارہ اور نجات و مہندہ کی ایسی ہی ضرورت ہو جیسی وہ ظاہر کرتے ہیں اگر واقعہ میں خدا کہی ان گناہگاروں کیلئے خود کفارہ بن گیا ہو جو اس کی بادشاہت میں داخل ہو نہ کیا اعتراف کرتے ہیں اور اس غرض کے لئے اس نے کبھی نجات دہندہ کی شکل میں ظہور کیا ہو تو پھر مذہب عیسوی کی فوقیت میں کلام نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان سب باتوں میں کلام ہے اور کلم صرف اس قدر ہے کہ انسان کو خدا سے ملنے کیلئے دل کو صاف کرنا ضرور ہے اور اسی صفائی کو حاصل کرنے کے وسائل وصال ربانی کے وسائل ہو سکتے ہیں۔ مگر اس مقدمہ کو بھی عام طور پر تسلیم کر لیتا اور بات ہو اور جس وجہ سے وہ ان تک پہنچنے کیلئے صفائی کی ضرورت ہو اسکو تلاش کرنا اور ہے چنانچہ وجہ دریافت ہونیکے بعد وسائل میں کرنا چاہئے۔

پاکیزگی دلی ہونی چاہئے | اب اگر خدا کوئی جسم ہوتا اور کسی خاص مکان میں موجود ہوتا تو ایک تہ مان چکائیے وسائل نقل و حرکت کی ضرورت ہوتی یا اگر وہ جسمانی ہو سیکے ساتھ لطیف مزاج اور عالی دماغ بھی ہوتا تو کسی حد تک جسمانی پاکیزگی اور ظاہری نمود کی حاجت ہوتی۔ اور دوسرے ایسی کام کرنے کی ضرورت ہوتی جس سے اسکو راحت یا فائدہ پہنچے اور وہ خوش ہو کر ہمارے پاس نہ خرید و مقدم کہے۔ مگر دل میں صفائی ہوتی یا نہ ہوتی اور کسی سے کہیں نہ ہونا یا محبت ان باتوں کا دامن جانے دجانے پر کچھ اثر نہ ہونا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ مذہب نے خدا کو جسم سے پاک جسمانی اوصاف سے منترہ اور تمام حاجتوں سے بے نیاز بنا یا اور اس تک جانے کی ضرورت اس لئے بنائی کہ خود انسان کو اس سے ملنے پر محال حاصل ہوتا ہو۔ اور اس وجہ سے انسان کو جسمانی طور پر کمین آنے جانے کی ضرورت رہی اور نہ وسائل نقل و حرکت کی یا خدا کو راحت پہنچانے والے افعال کی حاجت ہی۔ اب یہ کیا دل و دماغ اور دیکھا گیا کہ انکو ہم کس طرف لگا سکتے ہیں اس لئے ماننا چاہیے کہ

اس طرف لگانا ہی وہ فدیہ ہے جس سے غیر جہانی مستی کٹ سائی ہو سکتی ہے۔ اور ولی توجہ کی یہ صفت ہے کہ جس طرف اسے لگایا جائے اس طرف ترقی ہوتی جاتی ہے اور اس کے خلاف سر غفلت ہوئے لگتی ہے اور وہ خدا کا مل صداقت اور راستی ہوا سلتے سمجھا گیا کہ دل میں صداقت کی محبت اور عقائد اور اعمال دونوں میں صداقت کا لحاظ رکھنے سے ترقی کرتے ہوئے کامل صداقت تک سائی ہو سکتی ہے۔ اور اس کا خلا کرنے سے اس طرف سے غفلت پیدا ہوگی۔ چنانچہ اس طرح عبادت۔ صداقت۔ عدالت وغیرہ اوصاف خدا تک پہنچنے کے وسائل اور کار ثواب قرار پائے۔ اور ان کے خلاف افعال خدا سے دور کر نیوالے اور گناہ سمجھے گئے۔

تذیہ سے دل صاف ہونے میں شاک نہیں۔ وسائل کے بارہ میں اس حد تک کسی مذہب کو انکار نہیں بلکہ انسانی لحاظ کو دیکھا گیا اور بہت سے لوگوں کو گناہ میں مبتلا پایا گیا اور رسول ہوا کہ یہ لوگ خدا کو کس طرح پا سکتے ہیں۔ بالعموم یہ جواب ملا کہ ان افعال کو چھوڑ کر صداقت اختیار کرنے سے۔ اور ایک طرف سے آواز آئی کہ یہ کافی نہیں بلکہ گناہ ہی ضرور ہے۔ اس کہنے والے نے کہا تو یہاں تک کہ عقلی طور پر گناہ کے بغیر اصلاح حال ممکن ہی نہیں۔ گویا حد ہو گئی۔ مگر کچھ بھی دیکھنا تو چاہئے شاید اصلاح حال کی کوئی صورت نکل سکے۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ گناہ وہ افعال ہیں جن میں حق اور صداقت سے غفلت ہوتی ہے اب اگر کوئی شخص انہیں مبتلا ہے اور وہ انکو چھوڑنا ہی نہیں چاہتا اور خدا تک پہنچنے کی خواہش نہیں رکھتا تو جب تک اسکی یہ حالت ہو کوئی مذہب اس کیلئے تزییر کا نہیں نکال سکتا۔ لیکن اگر اس کے دل میں وصال بانی کی خواہش پیدا ہو اور سوقت اپنی تینوں افعال میں مبتلا دیکھے جو اس کی محبت کے خلاف ہیں تو اس صورت میں اسے بیشک افسوس ہوگا۔ مگر یہ افسوس کیا ہے؟ ہم کسی چیز کو یاد رکھنا چاہتے ہیں مگر بھول جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا خیال آتا ہے اور بھول جانے پر افسوس ہوتا ہے تو جس قدر افسوس زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس وقت اس چیز کی یاد دل پر نقش ہوتی ہے۔ اسی طرح یہاں محبت کی خواہش ہے۔ اور محبت کو کم کر تیرا لے افعال پر افسوس ہے اسلئے جس قدر افسوس زیادہ ہوگا اسی قدر محبت کا جوش ترقی کر لگا۔ اور اگر اس افسوس سے ان افعال کو

ترک کر نیک اور آئندہ کیلئے محبت کو بڑھانے والے افعال پر کاربند ہو گیا ہے اور اس عزم کے موافق عمل بھی ہونے لگا ہے یعنی سچی تو پریشانی ہوئی ہے تو پھر جو محبت پیدا ہوگی ہمیں ترقی نہ کر سکے معنی؟ اور اصلاح حال ناممکن ہو چکی کیا وجہ؟

گناہ کی لذت کو ترک کرنا اور  
پارسی کی تکلیف اٹھانا  
کفارہ ہے۔

راہ یہ کہ کفارہ کی یہی ضرورت ہو۔ سو بیشک اس قدر مسلم ہے کہ جو تکلیف پارسی پر کاربند ہونے کو پیش آئے اسے برواہت کرنا اور جو لذت یا راحت گناہ سے حاصل ہوتی ہو اسے ترک کرنا ضرور پڑتا ہے اور اس کے بغیر وصال ربانی کا خیال ہم سے زیادہ نہیں اور اسلئے کہہ سکتے ہیں کہ اسوقت کی تکلیف کفارہ ہے اس راحت کے لئے جو اس نے گناہ کاری کی حالت میں حاصل کی ہے۔ اور بیشک ایسے کفارہ کے بغیر اصلاح حال ممکن نہیں لیکن اگر کفارہ سے مطلب ہو کہ خدا کو ٹھکانے والے افعال سے لذت ہم حاصل کریں اور کسی اور کے تکلیف اٹھانے سے لذت کا کفارہ ہو جائے اور اس شخص کی یہی بغاوتی ہو کہ خدا کی محبت سے معذور ہوں تو اس دعوے کو عقلی طور پر سمجھانے کی کوشش فغفل ہے۔

دوسرے کی تکلیف ہو  
دل صاف نہیں ہو سکتا

وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں نیک بدون کیلئے تکلیف اٹھانے اور ان کو تکلیف سے بچانے نظر آتے ہیں۔ بیشک ایسا ہوتا ہے مگر اپنی افعال میں جن کو محض ہم سے تعلق ہے یعنی کہ میں آگ لگتی ہے اور گھر والوں کی کسی نادانی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ نیک دل اس میں کو دپڑتے ہیں۔ آگ کو بجھانے میں۔ جہان تک ممکن ہو تا ہے اسباب کو جلنے سے بچاتے ہیں اور جو کچھ جل چکا ہے باہمی امداد سے اسکی تلافی کرتے ہیں۔ یا کوئی ملک اپنی جہالت یا سستی کے سبب کسی ظالم کی دست برد سے مغلوب ہو جاتا ہے اور محب وطن اشخاص اپنی جان جو کھوں میں لاکر اسے مسترد و محفوظ رکھتے ہیں جس طرح یہ مدد پہنچ سکتی ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی مدد کا پہنچنا ممکن تھا جبکہ خدا ہم پر تھا اور لوگ اسکی طرف جانیں بھاگے خلاف سمت کو چل پڑتے تو نیک بندہ بھی اپنے سید و سرست سے ہٹ کر ان کے پیچھے دوڑتے انھیں پکڑتے۔ ہاتھ پاؤں باندھ کر کنہوں پر ڈالتے چھکڑوں میں لادنے اور گھسیٹنے ہوئے منزل مقصود تک پہنچا دیتے مگر ابتداء کا معاملہ ہے۔ وہ سید و سرست کا ہے اور موجب کافرش جو اس پر کندہ

ہونا چاہئے مثلاً ہوا ہے اس وقت ضرورت ہے تو اس آئینہ کو صیقل کرنے کی اور اگر کفارہ ہو تو وہ رگر جو خود اسکو  
چھیدے مگر اسکی بجائے چھیدا جاتا ہے کسی اور آئینہ کو جو پہلے ہی صاف ہوا اور ضروری جاتی ہے اسکی جگہ پر  
سے پاک ہوا سلتے کیونکہ ممکن ہے کہ ایسے غیر متعلق فعل سے گنہ گاروں کے دل کی سختی دور ہو اور خدا کی محبت ترقی کر  
خدا خود کھینچنا چاہے تو اسے کفارہ ہو | وہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے خدا خود کفارہ ہو اور اپنے رحم و کرمندہ کو اور کھینچے۔ لیکن اس  
تکلیف ٹھانپنا ضرورت نہیں | جلد بیشک صحیح ہے اور خدا کا رحم بندوں کو کھینچنے کیلئے کافی ہے۔ مگر اول ضرورت  
کا نظام آواز ملتا رہتا ہے کہ ہر سبب کے لیے سبب ہوتا ہو۔ اور اگر وہ چاہتا تو اپنی لامحدود قدرت سے سبب افراد  
کو ایک سطح پر رکھتا مگر اسکا قانون ہے کہ جس قدر صلاحیت ہو اسی قدر انعام ملتا ہے اور دوسرے اگر وہ بند  
کے افعال اور ان کے نتائج کے قانون کو توڑ کر اپنے لامحدود رحم سے کھینچنا چاہے تو اس قانون کی بھی ضرورت  
نہیں کہ خود ان کیلئے تکلیف اٹھائے اور کفارہ دے۔ اور اگر خدا کو کفارہ بنایا جائے تو گویا تسلیم کیا جائے کہ رحم کو  
استعمال کر نیکی کے لئے ضعیف کی ضرورت ہے اور نجات دینے کیلئے کوئی سبب ہونا چاہئے اور جب ہی ضابطہ اور سبب کی  
ضرورت ہے تو ضابطہ وہی قرار دینا چاہئے جو دنیا کے دیگر ضابطوں سے مشابہ ہو اور سبب وہی ماننا چاہئے جو  
سبب کے مناسب حال ہو یعنی یہ کہ اگر گناہوں سے پوشیدہ ہوگی تو محبت بڑھیں گی اور محبت بڑھیں گی تو وصال ہوگا۔  
نہ یہ کہ سبب تلاش ہی کیا جائے اور پھر ایسے سبب کو مانا جائے جس کا کوئی تعلق ثابت نہ ہو یعنی ایک سزا پائے  
اور دوسرے کا دل صاف ہو۔

دنیا میں ہادی کی ضرورت ہے | اسی طرح ایک نجات دہندہ کی ضرورت جو پادری صاحب کو محسوس ہوتی ہے اس کو اگر  
یہ مطلب ہو کہ ایسے نجات دہندہ کی ضرورت ہے جس میں خدا خود طور کرے اور وہ خدائی طاقتوں سے انسان کو  
اپنی طرف کھینچے تو اسکی ضرورت مسلم نہیں کیونکہ کو تمام دنیا خدا کی طرف سے ہو اور یہاں کے تمام اوقات اسی کی قدرت  
سے ہوتے ہیں مگر اسکا قانون ہے کہ اسے تمام اوقات کو ایک دوسرے پر مرتب کیا ہو اور اس سلسلہ میں جب بہت  
انسان کی پیدائش گشت پہنچی ہو تو اس میں تفریق کی ترقیوں کیلئے یہی دستور رکھا گیا ہے کہ ایک خوش سبب  
دل میں موجود ہوتی ہو اور چند افراد قابلیت رکھتے ہیں کہ اس میں ترقی دیکھ کر کسی ایسا وقت نہیں دیکھیں اور پھر انکی  
رہنمائی ہے کہ لوگ جو ایسی ہی ہوتے ہیں ان کی قابلیت کو تعلیم و تعلم سے حاصل کریں۔ غرض یہ کہ دنیا

میں خدا میو اسطو اور خود ظہور کر کے کوئی کام نہیں کرتا۔ بلکہ ابتدائی خواہش سب کے اندر اور ایجاد و دریافت کی قابلیت بعض میں دو بعیت کر کے مختلف علوم و فنون کو ترقی دیتا ہے۔ پس ہر ایک کو اس عام قانون قدرت کے خلاف کسی خاص شکل میں خود ظہور کرنا اور اپنی خدائی طاقت سے لوگوں کو کھینچنا بقول پادری صاحب مطلق طور پر تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اور اگر پادری صاحب کا یہ مدعا ہو کہ کسی انسانی رہنما کی ضرورت ہو تو یہ شکیک درست ہو اور فی الحقیقت انسان نفسانی خواہشوں سے ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ جو خواہشوں میں نیکی کی جانب مانتیکہ لگودو بعیت ہو اکثر اسے کھودیتا ہو اور نیز غواہش موجودہ موجب بھی اکثر اپنے خبث باطن سے بڑی کوششی سمجھ لیتا ہے اور جس نور کا فیضان خدائی کی طرف سے ہر ماہر اس کو قبول کر سکی صلاحیت ضائع کر دیتا اور ہمیشہ ایسے ممتاز اشخاص چند ہوتے ہیں جو اپنے دل کو لاشعور سے پاک کھٹکتے ہیں اور وہ نور جو ہر شخص کی فطرت میں دو بعیت ہو ان لوگوں میں ترقی پا کر دلو ایسی چلا دیتا ہے کہ آئندہ اور نور ربانی کو اخذ کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور اپنی اپنی استعداد کے موافق جلوہ آئے معرفت کے تجلیوں یا بالفاظ دیگر وحی الہام سے نیکی اور بدی میں تمیز کرنے اور وصال ربانی کے طریق دریافت کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اور انکی وساطت سے عوام کو اس منزل کی شناسائی اور راہ روون کی مسعودتوں اور کامیابیوں کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔

مدد شیک باہر اور اوپر سے آتی ہو  
گر تعالیٰ استعداد کے خلاف ہو سکے  
ظہور مختلف ہوتے ہیں۔

غرض ہر کو پادری صاحب سے اس بارہ میں اتفاق ہو کہ ایسے رہنماؤں کی ضرورت ہے اور یہ بھی ہم مانتے ہیں کہ جلوہ آئے معرفت ایک بالاترستی کا تجربہ ہے اور اسلئے جیسا کہ اپنے مقام پر ذکر ہو چکا ہے اس فعل میں فاعلی حرکت خدا کی طرف سے ہے اور انسان کا فرض صرف الفعالی قابلیت کو پیدا کرنا ہے اور اسلئے پادری صاحب کا یہ قول بالکل سچا ہے کہ ضرور ہے کہ مدد باہر سے آئے اوپر سے آئے، لیکن اس قدر مانتے ہو کسی مذہب کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہو سکتی کیونکہ ایسی نفوس قبیحہ بہت ہو گزرے ہیں اور ہر مذہب کسی کسی ایسی ہی رہنما کی پیروی کرتا ہے اور ان میں جو اختلاف ہو وہ اسلئے ہو کہ کچھ تو جلوہ آئے معرفت کو قبول کر نیکی امتداد میں مختلف رہی ہیں اور جیسا کہ عام طور پر ترقی کا قاعدہ ہے یہاں بھی معرفت بتدریج تا حد سے کامل ہوتی گئی ہو اور مذہبی تعلیم میں مختلف اقسام کے نقص رہتے ہو جانے سے مذہبوں کی شکلیں مختلف ہو گئی ہیں اور کچھ بعد میں انکی تعلیم کو پورے

طرح پر محدود نہ رکھنے سے اپنی نفسانی خواہشوں کو ملاوینے سے اصلی تعلیم پر کئی طرح کے پروپیٹے گنہگار ہیں۔  
اب ایک تعلیم کو دوسری پر ترجیح دینے کیلئے اس کے راکوئی سبیل نہیں کہ عقل کو عیار گردانا جائے اور تعلیم کو فطرۃ  
مقابلہ کر کے کمال غور و تدبر سے غلط آسیر نشون کو نکالا جائے۔ اور چونکہ مذہبی جذبہ خدا کی طرف بلاتا ہے اور  
نیز سرزندگی کے بعد آئندہ بقائے دوام کا یقین لواتا ہے اسلئے مذہب میں غور کر نیکی کیلئے ہی تدبیریں  
ہے کہ خدا کی نسبت جس قدر مختلف خیالات مذاہب نے پیش کئے ہیں یا احادیث کے متعلق جس قدر عقاید  
پیدا کئے گئے ہیں انکو دیکھا جائے کہ عقل کے نزدیک ان دونوں عقیدوں میں کونسا احتمال قرین قیاس ہے  
اور کس کی نسبت عقل سنہیم اور قوت استدلال نامکمل یا غیر اغلب ہو نیک یا فعیلہ کرتی ہے۔

مختلفوں کو دیکھنے کا نتیجہ | چنانچہ اس تحریر میں اس موضوع کے متعلق جس قدر غور ہو سکا ہے اس کا نتیجہ یہ پیدا  
ہوا ہے کہ ایک تعلیم و قدرتی قدیم سے موجود ہے اور اس نے اپنے علم و قدرت کو اس کائنات کو نصیب سے  
ست کیا ہے اور اس میں وجود اور اسکی ترقی کا وہ سلسلہ قائم کیا ہے جو اگر اسکی مشیت ہو تو بالادلائل جاری  
رہے گا۔ اور جس چیز میں جس حد تک استعداد ہو وہ اس میں لامحدود ترقی کرے گی۔ اور اس ترقی کی ایک صورت  
ہے جس پر چلنے سے اس ہستی کا قرب اور قرب کی نعمتیں حاصل ہونگی اور دوسری صورت پر کار بند ہونے  
سے اس سے بعد اور بعد کی تکالیف پیش آئیں گی اور یہ نتیجہ ان قوانین قدرت کو مطالعہ کر کے پیدا ہوا ہے  
جو اس کائنات میں جاری ہیں۔ اور جو اقوال مذہبی قدرت کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں انہیں سے انہی کو  
مانا گیا ہے جو قدرت کے افعال سے مطابقت رکھتے ہوں۔ اور ان سے تحریر میں اکثر بزرگواروں کے ملوث  
و مخالف اقوال و بحث کی گئی ہے اور اب آخر میں پادری صاحب کی وجہ سے اس کوشش کا تجربہ کیا گیا ہے جو  
جو ایک بڑے مذہب کی طرف سے بعض غیر ضروری عقائد کو ثابت کر نیکی کی بجائی ہے۔ اور دیکھا گیا ہے کہ  
اسی کوشش کیلئے خواہ کیسے ہی قابل اہتوں کو کام لیا جائے مدعا کو ثابت کرنا دشوار ہے۔ البتہ جو کچھ پادری صاحب  
کی تحریر سے ثابت ہو سکتا ہے اور جسکی نسبت اس تحریر میں پہلے بھی بہت کچھ غور ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ اس ہستی  
کا قرب حاصل کرنے کو قلبی پاکیزگی کی ضرورت ہے اور قلبی پاکیزگی ظاہر ہے کہ صداقت سے جو کچھ اس لیے  
قرب خداوندی کیلئے صداقت کی ضرورت ہے اور اعتقاد ہو یا عمل۔ قول ہو یا فعل۔ ہر امر میں رہتی ہی وہ نور ہے



جو دل کو روشن کرتا ہے اور ناراضی اور غلط کسی شکل میں ہو وہ رنگ سے جو اپنے دل کو مکدر اور جلوا رہا ہے  
نا قابل بناتا ہے۔

نتیجہ کے بعد کا فہم | پس اگرچہ نتیجہ اگر گذشتہ تحریر کو بنظر انصاف دیکھا جائے تو نہایت واضح اور  
نا قابل اشتباہ ہے۔ مگر آہ ! اس نتیجہ پر پہنچ کر نظر علی حالت کو تلاش کرتی ہو اور اپنی ہوا و ہوس اور اعمال ناشائستہ  
سے بد نتیجہ مریض کا خوف ہوتا ہو۔ اور اگر یہی حالت ہی تو ہلاکت میں مشہد نہیں۔ قدرت کے قوانین محکم ہیں  
اور کوئی جانکر قوانین میں گرے یا غلطی سے جان مصیبت آتی ضرور ہے بلکہ جانکر کرنے میں پہلے ہی ہلاکت کا  
خوفناک دیوانہ لگتا ہے پس کاش عیلم نہ ہوتا ! تاج مصیبت آنکھوں سے اسکے علاوہ اپنی حالت کا  
افسوس کم از کم اس ہنگام میں سوانح نہ ہوتا مگر اپنے افعال اپنی ساتھ کچھ بھی سلوک کر رہا نہیں شہدین کہ نجات رہتا  
پر کار بند ہے نہ ناراضی کو ہمہ وجہ ترک کرنے پر منحصر ہے۔ اور ہوا و ہوس کا ایک طوفان اور ناوجب خیالات  
کا ایک دریا ہے جو کلا کر ساحل مقصود پر پہنچنا ہو گا۔ اور اب جبکہ نقصان کے عدم سے تنگنا ہے وجود میں قدم  
رکھا ہے تو جو واقعات پیش آئیں انہیں برداشت کرنے سے مضرت نہیں۔ رہتہ معلوم ہونے پر افسوس کرنا نفس کا وہ بگاڑ  
ہے۔ ورنہ عمل کی بنیاد علم ہے۔ اگر عاقل نہ رہا ہوتا تو کیا عجیبے کو نشانہ اسے مادہ منزل تک پہنچنا  
میں مدد دین اور اسکی رحمت سے اس طوفان کو عبور کرنے میں سہولت ہو۔ خدا کا نام لیکر سفر زندگی کو نشانہ بنائی  
براہیت کے ملوث طے کر نیکی کو شش ضروری ہے۔ اور یہاں سے چلنا اور رہاں تک پہنچنا اس کے  
فضل و کرم پر موقوف ہے۔

درین طوفان بے پایاں۔ درین دریائے موج افزا  
دل نغمہ دیم۔ بسم اللہ بحسب زبیا و مرسا نا

سَبَّحْتَ لَكَ قُلُوبًا بَعْدَ لَكَ هَكَذَا هَكَذَا كُنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً طَائِفًا

اِنَّكَ الْوَكَابُطُ

تَمَّتْ بِالْخَيْرِ

نام کتاب	صفحات	نام مصنف	قیمت
کتاب المحبت والشوق مصنفہ امام غزالی	۱۱۳۲	مترجمہ نواب محسن الملک مرحوم	۸۰
الصلوۃ والسلام	۲۴۰	قاضی محمد سلیمان	۴۰
تہذیب اللسان	۱۳	مولوی محمد امام الدین	۱۰
سوانح سلطان حمید علی	۴۰۸	مولانا اشہری مرحوم	۱۳
سوانح شیخ سلطان	۲۳۶	" "	۸۰
تاریخ التاریخ	۵۰	مولانا محمد رفیع	۳۰
صلہ رحم	۳۳	مولانا عبدالحی	۳۰
روح کی پیاری	۸۴	مولانا خدایا علی خان ایم اے	۴۰
معیار الاخلاق	۴۸	خواجہ غلام حسین	۶۰
تفسیر السموات	۱۲۰	سید احمد مرحوم	۸۰
الایمان	۱۱۶	مولانا محمود علی پروفیسر مدرسہ کالج کپورتھلہ	۶۰
خطبات احمدیہ موقر تصدیق سید	۶۰	سید مرحوم	۸۰
ادلہ الکرام فی اثبات عقاید اسلام	۱۸۲	منشی عطاء محمد	۴۰
الاسلام	۱۶۸	مولوی فتح محمد	۸۰
تحقیق السحر	۴۸	اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم	۳۰
دین الفطرۃ	۵۸	علامہ شیخ محمد عبدالغفر شادیش مصری	۶۰
اسلام کی حقیقت	۳۲	منشی عطاء محمد	۴۰
اسلام کی دنیوی برکتیں	۱۳۶	اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم	۸۰
تقلید و عمل بالحدیث	۱۳۴	نواب محسن الملک مرحوم	۸۰
اشہادۃ الفرقان علی جمع القرآن	۱۳۰	شیخ عطاء اللہ پلیدی	۸۰
الذین یسرون	۴۰	مولانا حالی	۳۰

نمبر	تعداد	نام کتاب
۳۸	۲۸	تطبیق مذہب و سائنس ..
۳۹	۲۰	کائنات شناس ..
۴۰	۶۴	فطرت اور قانون فطرت ..
۴۱	۴۸	تہذیب ..
۴۲	۴۴	یورپ اور قرآن ..
۴۳	۲۹۵	تحقیق انجیل ہر دو حصہ ..
۴۴	۳۴	حضرت ہاجرہ ..
۴۵	۱۰۵	تاریخ القرآن ..
۴۶	۲۰	حضرت عیسیٰ ..
۴۷	۴۰	معدی آخر الزمان ..
۴۸	۶۸	سیمان عالی السلام ..
۴۹	۵۱۶	تہذیب اسلام حصہ اول و دوم ..
۵۰	۶۲	اسلام اور سوشل ریفارم ..
۵۱	۱۸۰	المرآة المسلمة ..
۵۲	۵۴	مسلمانوں کی تہذیب ..
۵۳	۱۲۸	مسلمانوں کی ترقی اور ان کے منزل کے لیباب ..
۵۴	۲۴۸	فطرۃ الاسلام ..
۵۵	۵۲۰	معرکہ مذہب و سائنس ..
۵۶	۳۶	فلسفۃ القرآن ..
۵۷	۲۰	فلسفۃ ابن عربی ..
۵۸	۵۲	صناعۃ العرب ..

مفضل فہرست معہ سوانح عمری نواب محسن الملک مرحوم کے منسلک آئندہ پرفٹ ارسال کی جاتی ہے۔

المطبع  
میتھرجن مطبع روز بازار امرت سر

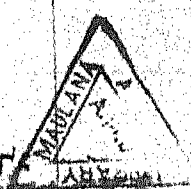
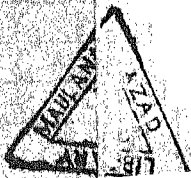
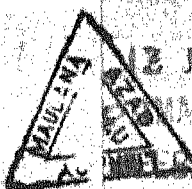


This book was taken from the Library on the date last stamped. A fine of 1 anna will be charged for each day the book is kept over time.

219

Y967.1

4 DEC 44	2 JAN 58
16 JAN 58	
29 JAN 58	5 FEB 58
	18 FEB 58
12 JAN 46	5 MAR 58
2 APR 58	20 FEB 53
26 SEP 53	
21 OCT 58	
15 OCT 58	
4 DEC 57	
18 DEC 57	



URDU STACKS

20768/101  
47

The image shows two overlapping document forms, likely receipts or invoices, with handwritten entries.

**Top Form (Receipt):**

- Header: RECEIPT
- Date: 20/07/00
- No.: 207

**Bottom Form (Receipt):**

- Header: RECEIPT
- Date: 20/07/00
- No.: 207

# ORIG STAKES